خطباتِ حکیم الاسلام

جلد ۲

افادات

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی

نور اللہ مرقدہٗ

مرتبہ

قاری محمد ادریس ہوشیارپوری

اضافہ وترتیب جدید :۔ مولانا محمد شفیق فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دارالاشاعت

اردو بازار۔ کراچی۔ فون ۲۶۳۱۸۶۱

حقوق طباعت بحق ناشر محفوظ ھیں۔

مرتب مدظلہ کے اصل مکتوب گرامی کا عکس

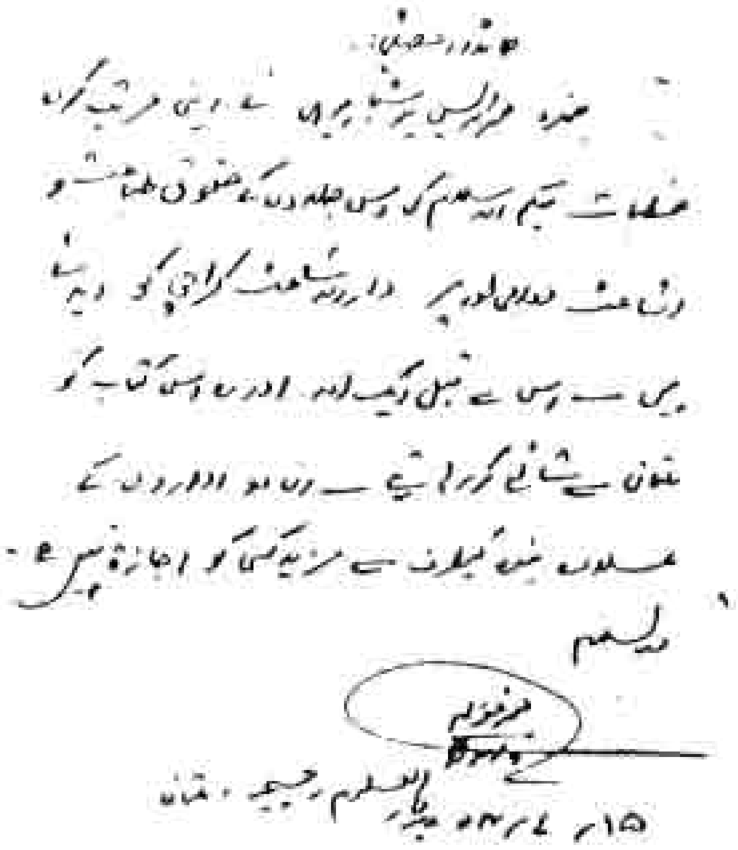
حامداً و مصلیاً

بندہ محمد ادریس ہوشیارپوری [illegible] مرتب کردہ

ملفوظات حکیم الاسلام کی تین جلدوں کے حقوق طباعت و

اشاعت [illegible] دارالاشاعت کراچی کو دیئے

ہیں [illegible] اس کتاب کو

[illegible] شائع کر [illegible] دیگر اداروں کے

[illegible] کسی کو اجازت نہیں ہے۔

والسلام

[illegible]

طبع اوّل کمپیوٹر : ۱۹۹۷ء

طبع دوم کمپیوٹر جدید ایڈیشن۔ نومبر ۲۰۰۰ء

باھتمام : خلیل اشرف عثمانی

مرتب : قاری محمد ادریس ہوشیارپوری ❖ اضافہ وترتیب جدید، مولانا محمد شفیق صاحب

مصححین : مولانا محمد عمیر صاحب۔ مولانا عبدالبصیر صاحب۔ مولانا محمد ہارون صاحب

طباعت : حسان پرنٹنگ پریس

فون: 6642832

ملنے کے پتے :

بیت القرآن اردو بازار، کراچی ۱

ادارۃ المعارف دارالعلوم، کراچی ۱۴

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

ادارۃ القرآن ڈی۔ ۴۳۷۔ ویپ روڈ گارڈن ایسٹ۔ کراچی۔

اجمالی فہرست

نام خطبات	صفحہ
◆ پیش لفظ	۵
◆ نذرانہ عقیدت	۷
◆ الاہداء	۸
◆ مکتوب گرامی	۹
◆ تقریظ مبارک (مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)	۱۰
◆ تقریظ مبارک (مولانا مفتی عبد الستار صاحب مد ظلہم)	۱۱
◆ کلمات تبرک	۱۳
◆ حرف سپاس	۱۴
◆ محمد بن عبد اللہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک	۴۳
◆ مقام نبوت اور اس کے آثار و مقاصد	۷۱
◆ قرآن حکیم کی عملی تفسیر	۱۰۵
◆ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم	۱۱۵
◆ نبی امی علیہ السلام	۱۳۹
◆ شانِ بعثت	۱۵۹
◆ مقصودِ بعثت	۱۹۷
◆ عناصر سیرت	۲۱۳
◆ نبوت و ملوکیت	۲۷۳
◆ نجوم ہدایت	۳۰۳
◆ جہلائے عرب سے مقامِ صحابیت تک	۳۱۹
◆ وعظِ یوسفی	۳۴۱
◆ ادب اور اختلافِ رائے	۳۶۷
◆ فلسفۂ علم	۳۸۳
◆ ثمرات العلم	۴۰۷
◆ تعلیم و تدریس	۴۳۷
◆ تعلیم نسواں	۴۵۹
◆ تعلیم جدید	۴۶۵
◆ نصاب تعلیم کی تدوین	۴۷۳
◆ خطبۂ طیبہ	۴۸۱
◆ مرکز سعادت	۵۳۳
◆ معرفت باری تعالیٰ	۵۴۱
◆ سیرت اور صورت	۵۶۵
◆ راہِ اعتدال	۵۸۷
◆ فضیلت النساء	۶۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش لفظ

حَامِداً لِلّٰہِ العَظِیمِ وَمُصَلِّیاً عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیمِ

اَمّا بَعد

خطبات حضرت "حکیم الاسلام" مدظلہٗ کے سلسلہ کی دوسری جلد حاضرِ خدمت ہے۔ اہلِ علم کی طرف سے جلد اوّل کی پذیرائی اور مقبولیت نے دوسری جلد کی ترتیب کو میرے لئے آسان تر کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد دوم ضخامت میں بڑھ گئی۔

(مجموعی طور پر اس میں چودہ خطبات شامل کئے گئے ہیں)

حضرات علماء دیوبند شریعت و طریقت دونوں کے جامع ہیں۔ جہاں یہ تعلیم شریعت کے لئے حُجّت تسلیم کئے جاتے ہیں، وہاں تزکیۂ باطن کے لئے بھی رہبرِ کامل مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں سے دونوں چشمے جاری ہیں۔

تزکیۂ باطن کے لئے جہاں آذکار و مجاہدے بتلائے اور کرائے جاتے ہیں اسی سلسلہ میں تذکیر و تبلیغ بھی ایک مؤثر حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے ایک طرف یہ **انما بعثت معلّماً** کا پَرتَو نظر آتے ہیں تو ساتھ **بلّغوا عنّی ولو اٰیۃً** کی عملی تفسیر بھی نظر پڑتے ہیں۔

تأثیرِ وعظ کا تعلّق الفاظ سے نہیں، جذباتِ قلب سے ہے۔ اور جذباتِ قلب کی اصلاح

ع پیشِ مردِ کاملے پامال شو

کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے خطبات کا یہ مجموعہ جہاں علمی لطائف و نکات کا حائل اور ہر قسم کے رطب و یابس سے پاک ہے، وہاں اصلاحِ باطن اور تزکیۂ قلوب کے لئے نسخۂ اکسیر بھی ہے۔

اس لئے یہ کہنا بے جا اور مبالغہ نہ ہوگا کہ اس مجموعہ سے جہاں علماء، فضلاء اور خطباء بھرپور استفادہ کر سکتے ہیں۔ وہاں راہِ سُلوک و احسان کا طالب اپنی تشنگی کا ساماں بھی کر سکتا ہے۔ جہاں ایمان و یقین سے بہرہ ور دیندار اس کی لذّت و شیرینی سے فیضیاب ہو سکتا ہے، وہاں عقل و فلسفہ اور جدید روشنی کا بھٹکا ہوا خیرہ چشم و مرعوب بھی اپنے آئینۂ قلب کو جِلا بخش سکتا ہے۔

قحط الرّجال کے اس دَور میں بزرگانِ دین کے ملفوظات و مواعظ اُن کی صحبت کے قائم مقام ہیں، جن کو پڑھتے رہنے سے قلب میں نورانیت اور عملِ صالح کا جذبہ زندہ رہتا ہے۔ ورنہ حوادثِ زمانہ نے ایمانی چنگاری کو زائل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس لئے یہ صحبت و معیّت کا بہترین بدل بھی ہیں اور حفاظتِ ایمان کا ذریعہ بھی۔

جغرافیائی حُدود حائل ہونے کے باعث میرے لئے یہ ممکن نہ ہوا کہ میں جلد اوّل و دوم کے مسوّدات حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ العالی کی خدمت میں پیش کر سکتا، اور ان سے نظرِ ثانی کی درخواست کرتا ____ البتہ استاذ الاساتذہ امام القراء آیت مّن اٰیات اللہ حضرت مولانا القاری المقری فتح محمد صاحب دامت برکاتہم، مہاجر مدنی سے بذریعۂ مکتوب چند اقتباسات ارسال کر کے تحسین و تائید حاصل ہوئی ____ اور پاکستان کے

جید اور ممتاز و مستند علماء' اپنے اساتذۂ کرام کی خدمت میں اس مسوّدہ کو پیش کر کے ان سے اس بارے میں کچھ لکھنے کی درخواست کی' جسے انہوں نے منظور فرمایا۔ چنانچہ مخدوم العلماء حضرت مولانا محمد شریف صاحب مدّظلہٗ خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الاسلام مدّظلہٗ (مہتمم مدرسہ عربیہ خیرالمدارس 'ملتان) اور اُسوۃ الصلحاء حضرت العلّام مولانا مفتی عبدالستار صاحب زید مجدہم (خیر المدارس ملتان) نے مختلف مقامات سے پڑھا اور تحسین فرمائی۔ نیز کتاب کے بارے میں کلماتِ تبرّک ارقام فرمائے' جو کتاب میں شامل کر دیئے گئے۔

علاوہ ازیں والد محترم مولانا محمد شفیع صاحب مدّظلہٗ (استاذ دارالعلوم کراچی) نے بالاستیعاب پورے مسوّدے کا مطالعہ فرمایا' اور قابلِ اصلاح عبارت کی نشاندہی فرمائی۔ خصوصاً احادیث کی عبارت نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیا گیا ــــ اس کے باوجود بندے کا علم ناقص ہے خطاء کا احتمال باقی ہے۔ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اہلِ علم اس کی اصلاح فرمادیں اور بندہ کو بھی مطلع فرمائیں۔ بندہ اس کا شکر گزار اور ممنون ہو گا۔

اس اظہارِ حقیقت کے بغیر چارۂ کار نہیں کہ اس مجموعہ کی تمام تر خوبیاں علومِ قاسمی کے حامل اور وارث وامین کے لئے زیبا ہیں۔ اور بندہ کی حیثیت محض ایک نااہل مرتّب کی ہے'

اور بس ــــ ؎

من ہیچم وکم زہیچ بسیارے
وزہیچ کم از ہیچ نیاید کارے

آخر میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جِلد دوم میں بیشتر تقاریر کیسٹرز سے لی گئی ہیں' جو مختلف مقامات پر ریکارڈ کی گئیں ــــ اس سلسلہ میں بندہ برادرِ محترم حضرت مولانا قاری محمد رفیق صاحب مدّظلہٗ اور مولانا قاری سیف الدّین صاحب زید مجدہٗ (مقیم سعودی عرب) کا خاص طور پر شکر گزار اور ممنون ہے کہ انہوں نے بندہ ناچیز کو یہ تقاریر مہیا فرمائیں۔ اور اوّل کی طرح اس مجموعہ میں بھی تعاون فرمایا۔

میں ان دو حضرات کے حق میں کلماتِ تشکّر وامتنان کے سوا اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔ حقیقی صلہ تو حق تعالیٰ شانہٗ ہی دے سکتے ہیں۔

بہرحال یہ مجموعہ حاضرِ خدمت ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے فضل وکرم سے اس کو شرفِ قبولیت سے نواز کر اس کے منافع کو عام و تام فرمادیں۔ اور ہم سب کے لئے دین ودنیا کے لحاظ سے خیر و برکت' صلاح وفلاح اور ذریعۂ نجات اُخروی بنائیں۔

اٰمین یا ربّ العالمین۔ بجاہ سیّدالمرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم

؎ چشم دارم کہ دہد قیم مرا حسنِ قبول
آنکہ دُرّ ساختہ است قطرۂ بارانی را

بندہ نابکار
محمد ادریس ہوشیارپوری غفرلہٗ
۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ
یکم اگست ۱۹۸۱ء

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

نذرانۂ عقیدت

از امیرِ شریعت خطیبِ ملّت حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری (مرحوم ومغفور)

المتخلص بہ ندیم

بخدمت حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہٗ

بخت اگر رسا شود دست دہد سبوئے خوش
از نگہِ سمن برے، لالہ رُخے نکوئے خوش

باغ وبہارِ ما ندیم یعنی کہ جَنّۃُ النعیم
رُوئے خوش است وخوئے خوش بوئے خوش وگوئے خوش

(از سواطع الالہام ص ۹۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْاِھْدَاء

"خطباتِ حکیم الاسلام"

کی ترتیب وتدوین کے اس ذرۂ محنت کو اپنے عظیم المرتبت استاذِ گرامی ___ مجدّد القرأت استاذ الأساتذہ عارف باللہ حضرت اَلحاج سیّدی ومولائی المقری القاری رحیم بخش صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوض برکاتہم (خلیفۂ مُجاز بیعت حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم) ___ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی بے پایاں عنایات اور خصوصی اَدعیہ سے بندہ ناچیز یہ کام کرپایا ___ اور حضرت موصوف مدّظلہٗ العالی سے دعواتِ صالحہ کی بھرپُور امیّد رکھتا ہوں ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

محمد ادریس ہوشیار پوری (غفرلہٗ)

عارف ربّانی، حجۃ القرّاء شارح شاطبی

حضرت الحاج مولانا المقری القاری فتح محمدؐ صاحب

(ادام اللہ بقاءہٗ بالعزّ والجمال) کا

مکتوبِ گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

دل وجان کی طرح میرے پیارے عزیز مولوی قاری محمد ادریس صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مفلوج ہونے کے باوجود الحمدللہ خیریت سے ہوں، صحت وعافیت کا اللہ تعالیٰ سے متمنّی وملتجی ہوں۔ احباب کی مخلصانہ وغائبانہ دعائیں انشاءاللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں میرے لئے مفید ثابت ہوں گی اور بہترین رنگ لائیں گی۔

رمضان المبارک سے چند روز پہلے آپ کا مرسلہ ہدیہ "خطبات حکیم الاسلام" حصہ اوّل پہنچا۔ مضامین کی مکمل فہرست اور کتاب کے ابتدائی چند اوراق سنے، دل بہت خوش ہوا۔ چند روز ہوئے کہ "خطبات حکیم الاسلام" حصہ دوم کے مرتّب ہوجانے کا مسرّت نامہ عزیز قاری احمد اللہ صاحب سلّمہٗ کے زبانی سنا جس میں کتاب کے چند عنونات اور مضامین کا خلاصہ مذکور تھے اور آپ کی طرف سے مجھے کتاب کے متعلق چند کلمات لکھوانے کی فرمائش بھی کی گئی۔

میرے پیارے! کسی کتاب کے متعلق تقریظ یا تائید اس کی قدر ومنزلت بڑھانے کے لئے لکھائی جاتی ہے۔ "خطبات حکیم الاسلام" کی قدر ومنزلت کے لئے تو بس حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیّب صاحب دامت برکاتہم کا نامِ نامی ہی کافی ووافی ہے۔ اس کے لئے کسی تقریظ، پیش لفظ کی ضرورت نہیں، البتہ حسبۃً للہ دل کی گہرائی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اور تمام معاونین کی محنت ومساعیٔ حسنہ کو قبول فرماکر اپنی شایانِ شان سب کو جزاء خیر نصیب فرمائے اور عوام وخواص کو ان مواعظِ حسنہ سے مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق بخشے۔

اٰمین یارَبّ العالمین بجاہ سیّدالمرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ وسلّم

بقلم عبدالقادر بن محمد متقی عفی اللہ عنہما

بعد مغرب شب یکشنبہ حرم نبوی شریف

۱۰/۸/۱۴۰۱ھ - ۸/۷/۱۹۸۱ء

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

بذریعۂ ڈاک بوساطت اخی الکریم القاری المقری احمد اللہ صاحب۔ زید مجدہٗ (شکر اللہ سعیہٗ)

تقریظ مبارک

مخدوم العلماء حضرت العلّام مولانا محمد شریف صاحب

خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الاسلام دامت برکاتہم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم

امّا بعد!

اکابرِ اولیاء اللہ کے ارشادات و فرمودات روحانی زندگی کی بقاء و ترقی کے لئے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی صحبت و معیّت کے قائم مقام ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آج کے پُر فتن دَور میں اس چیز کی ضرورت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ علومِ ظاہریہ کی تکمیل کے باوجود تکمیلِ باطن کے بغیر انسان کی انسانیت اُجاگر نہیں ہو سکتی۔ اور تکمیلِ باطن کے سلسلہ میں بزرگانِ دین کے اقوال وملفوظات اور مواعظ و خطبات نسخۂ اکسیر ہیں۔

حضرت حکیم الاسلام مدّ ظلہٗ العالی کی علمی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور دارالعلوم دیوبند کی نسبت سے ان کی خدماتِ جلیلہ سے پورا اسلام آگاہ اور ایک زمانہ آشنا ہے۔ آپ کے ارشاد فرمودہ مواعظ کو عام مواعظ کی نسبت ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں عامۃ النّاس آپ کے مواعظِ طیّبہ سے مستفید ہوتے ہیں وہاں اہلِ علم بھی خصوصیت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ عزیز القدر قاری محمد ادریس سلّمہٗ کو جزائے خیر نصیب فرمائے انہوں نے حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا قاری محمد طیّب صاحب مدّ ظلہم کے مواعظ کو یکجا کر دیا اور جگہ جگہ مفید عنوانات کے اضافے سے مرتّب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت و ترقی نصیب فرماوے۔ اور اس محنت کو قبول فرما کر اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ اور دین و دنیا میں کامیابی کا ذریعہ بنا کر نجاتِ آخرت کا وسیلہ بنائے۔

اٰمین یاربّ العالمین بجاہ سیّدالمرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتّسلیم

بندہ محمد شریف جالندھری

مہتمم مدرسہ خیر المدارس رجسٹرڈ ملتان شہر

۷؍۱۰؍۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

تقریظ مبارک

از حضرت العلّام مولانا مفتی عبد الستّار صاحب مدّ ظلہٗ العالی

خیر المدارس ملتان شہر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

حامداً و مصلیاً امّا بعد! دعوت اِلی اللہ فریضۂ نبوّت ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے دعوت اِلی اللہ مشتمل مواعظ کا ایک حصہ ہمیشہ کے لئے قرآن کریم میں محفوظ کردیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کی ہدایت کا باعث ہو

حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد امّت کے کاملین مشائخ عظام وعلماء کرام اپنے اپنے ظرف واستعد کے مطابق اس میراثِ نبوّت میں سے حصہ پاتے ہیں۔ اللہ پاک ان کے کلام، ملفوظات ومکتوبات کے ذریعہ ا مخلوق کو ہدایت بخشتے ہیں۔ زندگیوں میں اِنفرادی واجتماعی انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ مردہ دلوں میں زندگی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ بند دل ہدایتِ ربّانی کے لئے کُھل جاتے ہیں۔ لکھو کھا اندھے، بینا، اور بہرے، شنوا جاتے ہیں۔ کفر وشرک، بدعات ومعاصی کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں، ایمان ویقین اور اِتباعِ سنت کے انوار قلب وقالب جگمگا اٹھتے ہیں۔

دعوت اِلی اللہ اور نالہائے صبحگاہی کی تاثیرات معاشرہ میں ضرور ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

عارف رومی فرماتے ہیں ؎

گر نبودے نالۂ[1] نے را ثمر
نے جہاں را پُر نکردی از شکر

تاریخ شاہد ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر بصدقہ وفیضِ ختم نبوّت، دعوت اِلی اللہ کا کام مسلسل جاری ہے اور اِنشاء اللہ تاقیامت جاری رہے گا۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی دین جو کچھ ا کے پاس موجود ہے۔ یہ اسی تعلیم وتبلیغ اور اہل اللہ کے نالہائے صبحگاہی کا ثمرہ ہے۔

بسلسلہ وعظ ودعوۃ اِلی اللہ کی ایک کڑی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی دام برکاتہم کے حکیمانہ مواعظ وخطبات ہیں، جو آپ نے مختلف موقع پر نہ صرف پاک وہند بلکہ حرمین شر افریقی ممالک یورپ تک میں ارشاد فرمائے اور تشنگان علوم ومعارف نبویّہ کو سیراب فرمایا۔

جن حضرات کو موصوف کے حکیمانہ خطبات سننے کا کبھی اتفاق ہوا ہے وہی اس کی حقیقت کو جان سکتے کہ آپ کا بیان علمی، ادبی، عملی، اخلاقی، روحانی ومعنوی اعتبار سے کتنا اعلیٰ ہوتا ہے۔ سنا ہے کہ خیر المدا جالندھر کے سالانہ جلسہ میں جب حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہوتا، تو حضرت شاہ عطاء صاحب بخاری نوّر اللہ مرقدہٗ اسٹیج سے نیچے سامنے بیٹھ کر عجیب والہانہ شان سے آپ کا بیان سنا کرتے مخصوص انداز میں داد دیتے اور فرماتے:

"یہ طیب نہیں بول رہا بلکہ حضرت قاسم نانوتویؒ کی روح بول رہی ہے"۔

---

[1] "نالۂ نے" سے مراد ملفوظات ومواعظ بزرگان ہے۔ ۱۲

حضرت قاری صاحب مدظلہم کے ایسے سینکڑوں مواعظ و خطبات ہوں گے جو سامعین نے سنے اور فضا میں تحلیل ہو گئے' اور بہت سے مواعظ کو بعض خوش قسمتوں نے ٹیپ بھی کیا۔ لیکن ان کے اِفادۂ عوام کی صورت نہ تھی' کیوں کہ یا ہوا میں منتشر ہیں یا ٹیپ میں بند۔

اللہ پاک نے فاضل نوجوان عزیز جناب قاری محمد ادریس صاحب سلمہٗ کے قلب میں ان کے جمع واشاعت کا داعیہ پیدا فرمایا۔ چنانچہ آپ نے طبعی ضعف اور ذمّیہ فرائض کے باوجود اس اضافی بارِ گراں کو اپنے ذمّہ توکلاً علی اللہ لے لیا۔ موصوف نے نہ معلوم کہاں کہاں سے مواعظ کی کیسٹیں جمع کیں .... پھر ان کو کاغذوں پر منتقل کیا' ترتیب کے دوران موقعہ بہ موقعہ مفید عنوانات کا اضافہ فرمایا۔ اور پھر بہترین کتابت وطباعت سے مزیّن کر کے یہ نادر تحفہ ہدیۂ ناظرین کیا۔ موصوف کی اس مساعی جمیلہ کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اللہ پاک آن عزیز کی اس محنت وجانفشانی کو قبول فرما کر خلعتِ رضا وسعادت دارین سے نوازیں۔ آمین

فقط امیدوارِ دعا

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہٗ

۱۵/۶/۱۴۰۱ھ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

کلماتِ تبرک

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہٖ

امابعد! برکتہ السلف، حجتہ الخلف، حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ العالی کی علمی وروحانی شخصیت کا نامِ نامی آجانا مواعظ وخطبات کی اہمیت وافادیت کے لئے کافی ووافی ہے ___ علوم ومعارف پر مشتمل یہ گرانقدر مجموعہ اہلِ علم، خطباء، ائمۂ مساجد اور مقررین و مبلغین کے لئے علم وحکمت کا عظیم سرمایہ ہے۔ عنوانات کے اضافے سے مضامین کا استحضار نہایت سہل ہوگیا۔

الحمدُ لِلّٰہ بندہ نے شروع سے آخر تک تمام مسودہ بنظرِ عمیق دیکھا، اور متعدد مقامات پر برائے اِصلاح نشاندہی کی وَفَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ

عزیزم مولوی حافظ قاری محمد ادریس سلمہٗ (فاضل خیرالمدارس، ملتان) نے شبانہ روز محنت وکاوش سے اسے مرتب کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بالآخر کتاب موجودہ شکل میں منظرِعام پر آگئی۔ دل سے دعا ہے اللہ تعالیٰ میرے پیارے عزیز سلمہٗ، کی اس محنت وجان فشانی کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے، اور اپنی جنابِ خاص سے اس کا اجر بے پایاں عنایت فرمائے۔ نیز علم وعمل، صحت وعمر میں برکت نصیب فرما کر خلوص و لِلّٰہیت کے ساتھ مزید خدمتِ دینِ متین کے مواقع فراہم فرمائے۔ اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین

وَهُوَ يَهۡدِي السَّبِيلَ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہٗ

۱۳؍۱۰؍۱۴۰۱ھ

(والد محترم مرتب مدظلہٗ)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

حرفِ سپاس

ناسپاسی ہوگی اگر اس مجموعۂ صد رنگ کا سر نقطہ آغاز اس بزرگ اور مہربان شخصیت کو قرار نہ دوں جس نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں مجھے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بھرپور تعاون سے نوازا اور اس مشکل کام کو میرے لئے آسان کردیا۔ تشکّر وامتنان کے جذبات کا اظہار یوں بھی ایک دشوار گزار مرحلہ ہے مگر جب یہ تعاون ایک شخصیت کی جانب سے ہو جو بو قلموں فضائل کے ساتھ ساتھ والد گرامی کی نسبت وعظمت بھی رکھتی ہو تو ان جذبات کا اظہار جس نزاکتِ اُسلوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی استعداد کہاں سے لائی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ والد گرامی قبلہ محترم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم ___ کی علمی رہ نمائی اور عملی شفقت وعنایت ہی سے میں اس قابل ہوا کہ اس گلدستہ پند وحکمت کو مرتب کر سکوں۔

دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ بتصدق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم ان کے ظلِّ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر سایہ فگن رکھے اور اپنی جنابِ خاص سے انہیں اپنی اور ان کی شایانِ شان اجر وثواب سے خوش وقت وشاد کام فرمائے اور اس کوششِ ناکام کو سعی مشکور سے مبدل فرمائے۔ آمین

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

محمد ابن عبد اللہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک

انبیاء علیہم السلام قبل از نبوت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، جو تاریخ دان انصاف سے غور کرتے ہیں اور نبوتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل اور مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف کی گنجائش نہ ہو وہ صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

- ولادت نبوی روحانی اور جسمانی ۴۴
- ولادۃ روحانی کے بارے میں عامۃ الناس کا طرز عمل ۴۴
- ولادت روحانی ہی اصل مقصود ہے ۴۵
- جمالِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵
- جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ماخذ قرآن سے ۴۶
- حسن یوسف علیہ السلام پر جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تفوق ۴۸
- سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟ ۴۹
- سیرت مقدسہ (عصمت) کا جزء اول ۴۹
- عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا جزو دوم ۵۱
- عصمت انبیاء علیہم السلام کا جزو سوم ۵۲
- قبل از نبوت بھی نبی معصوم ہوتا ہے ۵۲
- تہذیب مغرب کی تباہ کاریاں ۵۵
- انبیاء علیہم السلام میں عصمت جبری نہیں بلکہ ارادی ہے ۵۷
- معصیت کو ذریعہ تبلیغ بنانا اصولِ تبلیغ کے خلاف ہے ۵۷
- سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر مسلموں کی شہادت ۵۸
- اسلام ابدی اور عالمگیر قانون ہے ۵۹
- احوالِ صحابیت سے عصمت نبویؐ پر استدلال اور درجات عصمت ۶۰
- اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی جھلک ۶۱
- سیرتِ نبویؐ کو اپنانا ہر کسی کا بس نہیں ۶۳
- آپؐ فقط نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں ۶۴
- خاتم النبیین کا مطلب ۶۵
- آفتاب نبوت کا طلوع ۶۷
- انوارِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی صورتیں ۶۷
- آپؐ کی نبوت میں درجۂ کمال کیوں ہے؟ ۶۸
- سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے؟ ۶۸
- اختتام تقریر ۶۹

مقامِ نبوت اور اس کے آثار و مقاصد

تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم در حقیقت مستفاد ہیں، خزانہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ اصل نکتۂ خیر حق تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے فیضان سے انبیاء علیہم السلام میں نبوتوں کے علوم آئے۔ اسی لئے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انا نبی الانبیاء اور انبیاء امتوں کے نبی ہیں اور میں نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ نبیوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا ہوں۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

- تمہید ۷۱
- عالم اضداد میں اشیاء کے تقابل کی حکمت ۷۲
- اندھیروں میں آفتاب ۷۲
- آپؐ کا اعلانِ تبلیغ اور عرب قوم کا طرزِ عمل ۷۳
- بنیادِ نبوت ۷۴
- دینوی سعادت کی بنیاد کمالِ علم و عمل ہے ۷۵
- عمل کی بنیاد اخلاق ۷۶
- شریعت اور طریقت کا حسین امتزاج ۷۷
- مولویت اور صوفیت میں جنگ کیوں؟ ۷۷
- خواجہ نظام الدینؒ کی محفلِ سماع اور حکیم ضیاء الدینؒ کا احتساب ۷۸
- حکیم ضیاء الدینؒ کا مقام ۷۸
- خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا مقام ۷۹
- علماء اور صوفیا کی ذمہ داری ۸۰
- سماع کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا واقعہ ۸۰
- خواص کی ذمہ داری ۸۱
- ذاتِ نبویؐ میں شانِ علم ۸۲
- ذاتِ نبویؐ میں اجتماع علوم کی محسوس مثال ۸۲
- نبی الانبیاء پر ایمان لانے کیلئے انبیاء کو پابند کیا گیا ۸۵
- آپؐ کی شانِ علمی ۸۶
- تعبیر خواب کے عجائبات ۸۶
- واقعہ نمبر ۱ ۸۶
- واقعہ نمبر ۲ ۸۷
- واقعہ نمبر ۳ ۸۸
- واقعہ نمبر ۴ ۸۹
- واقعہ نمبر ۵ ۹۱
- آپ کی ذاتِ بابرکات میں علوم کا جمگھٹ ۹۲
- آپؐ کی شانِ اخلاق ۹۲
- شرائع سابق اور شریعتِ محمدؐ کے درمیان اخلاق کا موازنہ ۹۴
- مقام نبوت کے آثار ۹۶
- آپؐ کو معجزۂ علمی دیا گیا ۹۶
- علمی معجزہ دیئے جانے کی حکمت ۹۷
- حقیقت محمدیؐ کی عجیب تعبیر ۹۸
- قرآن معجزہ نما بھی ہے ۹۹
- مقام صحابہؓ اور ان کی فدائیت ۹۹
- مقام امت محمدیہ ۱۰۱
- حاصلِ تقریر ۱۰۲

قرآن حکیم کی عملی تفسیر

سرکار دو عالم، فخر بنی آدم، رسول الثقلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پہنائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں وہ کسی شخص واحد کا دستور زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لئے ایک مکمل دستور حیات ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا ہوا چلا جائے گا اسی حد تک انسانی زندگی کی استواری اور ہمواری کے لئے اس سیرت کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جائے گی۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

◆ جہانوں کا دستورِ حیات ۱۰۵
◆ ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علومِ قرآنی کا ظہور ۱۰۶
◆ سیرت کی بنیاد ۱۰۷
◆ سیرتِ مقدسہ کا اساسی رنگ ۱۰۸
◆ سیرت طیبہ کی روح ۱۰۹
◆ سیرت جامعہ کا عجیب خلاصہ ۱۱۰
◆ از روئے مشاہدہ سیرت طیبہ کی ضرورت ۱۱۱
◆ سیرت طیبہ سے بیگانگی کا نتیجہ ۱۱۲
◆ سیرت جامعہ کی عملی پیروی کی ضرورت ۱۱۲

رحمۃ لِلعالمین ﷺ

حدیث میں فرمایا گیا انا رحمة مهداة میں اللہ کی ایک رحمت ہوں۔ جو بطور ہدیہ کے بندوں کے پاس بھیجی گئی ہے، اللہ کا ایک ہدیہ جو بندوں کو ملا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔۔۔ تو اتنی بڑی نعمت دی گئی کہ جتنی عالم کی نعمتیں ہیں، سب اسی کے طفیل مل رہی ہیں ......

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

فہرست مضامین

◆ اقسام نعمت ۱۱۵
◆ امتحانِ محبت نعمت میں نہیں، مصیبت میں ہوتا ہے ۱۱۶
◆ اعلیٰ ترین نعمت اور حاصلِ کائنات ۱۱۹
◆ مقصدِ کائنات عبدیتِ محمدیؐ ہے ۱۲۰
◆ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے ۱۲۱
◆ تکمیل دین ایک مستقل نعمت ہے ۱۲۲
◆ توحید کی تکمیل ۱۲۳
◆ اسبابِ شرک کو بھی شریعت محمدیؐ میں قطع کردیا گیا ۱۲۴
◆ اسبابِ معاصی بھی حرام ہیں ۱۲۹
◆ اسبابِ فرائض پر اجرو ثواب ہے ۱۳۱
◆ اللہ کی طرف سے ہدیہ ۱۳۲
◆ سب سے بڑی نعمت کی عظمت پہچاننے والے ۱۳۳
◆ سب سے بڑی نعمت کے حقوق ۱۳۶

نبی اُمّی علیہ السلام

گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پڑھانے والا نہیں تھا، قوم میں کوئی پڑھانے والا نہیں، ملک میں علم کا چرچا نہیں تھا، غرض کوئی علمی وسیلہ اور ذریعہ نہیں تھا۔ تو اُمیوں کا ملک تھا، بے پڑھوں کا ملک تھا۔۔۔اس میں ایک شخص آکر اٹھے اور اتنے بڑے بڑے علوم پیش کرے کہ اس کے علم کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ جائے۔۔۔اور نہ صرف علم پیش کرے بلکہ اتنا عظیم قانون دنیا کے آگے پیش کرے جو زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں پر حاوی ہو اور اس حالت میں پیش کرے کہ نہ خود پڑھا لکھا نہ کسی نے اس کو پڑھایا نہ ملک میں پڑھنے لکھنے کا کوئی چرچا نہ گھرانے اور خاندان میں کوئی پڑھا لکھا عالم موجود، اسکے باوجود ایسا علم پیش کرے کہ علماء اس کے علم کو دیکھ کر تھک جائیں دانش مند عاجز ہو جائیں، ہاری مان لیں، تو یہ اتنا بڑا علم۔۔۔بجز اس کے کہ خدا نے سکھایا ہو اور کیا سبیل ہو سکتی ہے؟ در حقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

- تمہید ۱۳۹
- موضوع تقریر ۱۴۰
- دعویٰ نبوت اور دلیل نبوت ۱۴۰
- نبوت، انسانیت کے لئے ذریعہ علم ۱۴۱
- علوم دنیوی کا ذریعہ بھی نبوت ہے ۱۴۲
- معلم الانبیاء ۱۴۲
- نبوت اور طبیعت ۱۴۳
- نبوت اور بچپن کا دور ۱۴۴
- خاندانی ذرائع علم کے انقطاع سے امیت کا تحفظ ۱۴۶
- قومی ذرائع علم کے انقطاع سے اُمیت کا تحفظ ۱۴۸
- محل بعثت کے لحاظ سے اُمیت کا تحفظ ۱۴۹
- اُمیت، نبوت کی سب سے بڑی دلیل ۱۴۹
- وحی اور عقل کا فرق ۱۵۰
- نبی کی عقل کی بلندی ۱۵۰
- نبی اکرم کے عقلی کارنامے ۱۵۱
- وصف اُمیت کو مفاخر کے مواقع پر ذکر کیا گیا ۱۵۲
- جیسی بعثت ویسا علم ۱۵۳
- بعثت عیسوی کا پس منظر ۱۵۳
- بعثتِ موسوی کا پس منظر ۱۵۳
- بعثتِ نبی امی کا پس منظر ۱۵۴
- خاتم النبیین کے لئے کمال جامعیت ضروری ہے ۱۵۵
- نبی اُمی کے دین کا امتیاز ۱۵۶
- نبی امی کے علم کی شان جامعیت ۱۵۷

شانِ بعثت

حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت عرش پر چھائی ہوئی ہے۔ اور رحمت کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ بندوں کی ہدایت کا سامان کر دیا انبیاء علیہم السلام، وہ ہدایت لیکر آئے۔ انبیاء علیہم السلام کا بھیجا جانا خود مستقل ایک انعام نکلا۔ اس سے بڑھ کر عالم میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر انبیاء علیہم السلام دنیا میں نہ آئیں۔ آدمی کو آدمی بننا میسر نہیں ہو سکتا۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

◆ حرف آغاز	۱۵۹	◆ کتب سابقہ میں شانِ صحابہ کا ذکر	۱۶۹
◆ کلمات تمہید	۱۶۰	◆ اصنافِ صحابہؓ کی تقدیس	۱۷۰
◆ تختِ شاہی	۱۶۰	◆ مقاماتِ صحابہؓ کی تقدیس	۱۷۰
◆ دستاویزِ رحمت	۱۶۰	◆ اعمالِ صحابہ کی تقدیس	۱۷۰
◆ محل عرش	۱۶۱	◆ خطاء فکری	۱۷۱
		◆ تقدیس قلب	۱۷۱
◆ قیامت میں غلبۂ رحمت	۱۶۲	◆ شرف صحابیت	۱۷۲
◆ شانِ رحمت کا اثر	۱۶۲	◆ عشق صحابہؓ	۱۷۲
◆ سب سے بڑی دعاء	۱۶۳	◆ معیارِ ایمان و عمل	۱۷۳
◆ ثمرۂ دعاء	۱۶۴	◆ اسوۂ علم و عمل	۱۷۴
◆ نعمت عظمیٰ	۱۶۴	◆ اسوۂ نبی کی احتیاج	۱۷۵
		◆ علم و عمل کی مطابقت	۱۷۶
◆ نبی الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)	۱۶۵	◆ اتباعِ محض	۱۷۶
◆ جامع الہدایات	۱۶۶	◆ فرائض رسالت	۱۷۷
◆ افضل الشؤن	۱۶۶	◆ تزکیۂ قلوب	۱۷۷
◆ شانِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں غلبۂ رحمت	۱۶۶	◆ عمل کی نگرانی	۱۷۸
◆ صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں شانِ رحمت	۱۶۷	◆ غرض مجاہدہ	۱۷۸
◆ رحیم امت	۱۶۷	◆ فرقِ عمل	۱۷۹
◆ طبقۂ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی تقدیس	۱۶۸	◆ اخلاصِ عمل	۱۷۹
◆ دوامی رضا کا اعلان	۱۶۹	◆ حقیقت ولایت	۱۸۰

فہرست مضامین

◆ حضرت سہیل بن عبد اللہ کا واقعہ ۱۸۰
◆ عمل بلا تزکیہ ۱۸۲
◆ کمالِ استقامت ۱۸۲
◆ تفویضِ مطلق ۱۸۳
◆ فناءِ کلی ۱۸۴
◆ مرضیٔ حق ۱۸۵
◆ حقیقتِ اسلام ۱۸۶
◆ اللہ کے نام کے مقابلہ میں مشاہدہ کی تکذیب ۱۸۶
◆ علم، محبت اور اخلاق کا وظیفہ ۱۸۷
◆ تعلیم بلا تربیت کا نقصان ۱۸۹
◆ اہمیت تزکیہ ۱۸۹
◆ تزکیہ میں شخصیت کی احتیاج ۱۹۰
◆ مقاصدِ بعثت ۱۹۰
◆ اندازِ تعلیم و تربیت ۱۹۱
◆ اندازِ حکومت ۱۹۱
◆ رحمتِ مجسم ۱۹۲
◆ نیابت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۹۳
◆ احساسِ ذمہ داری ۱۹۴

مقصود بعثت

اس علم (دین) کا حاصل کیا جانا، یہ ناگزیر ہے۔اس کے بغیر آدمی کی نہ روحانیت ہی جاگ سکتی ہے نہ روحانی مراتب طے ہو سکتے ہیں نہ اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔اس لئے کہ اخلاق کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جب تک مذہب و دین نہ ہو، آدمی کے اخلاق کبھی تربیت نہیں پا سکتے۔مادیات سے تربیت نہیں ہوتی۔ از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

◆ احادیث کا مفہوم ۱۹۷

◆ انسان کی ذات میں علم نہیں ۱۹۸

◆ تعدیل اخلاق بلا علم ممکن نہیں ۱۹۸

◆ خلق صبر کی حقیقت ۱۹۹

◆ حقیقت تواضع ۲۰۰

◆ اتباع شریعت ۲۰۱

◆ اسلام نے اخلاقی جواہر کو باقی رکھا ہے ۲۰۱

◆ اخلاقی جواہر میں انسان امین ہے ۲۰۲

◆ انسانی جواہر میں تجویز شریعت کا اعتبار ہے ۲۰۳

◆ عظمت استاذ ۲۰۴

◆ علمی احسان ۲۰۴

◆ علم اور مال میں فرق ۲۰۵

◆ مال بلا علم ۲۰۵

◆ جذبات نفسانی بلا علم ۲۰۷

◆ نفس انسانی کی مثال ۲۰۸

◆ علوم دنیوی کا نفع ۲۰۸

◆ علم شرائع ۲۰۹

◆ قانون شریعت انسانوں تک کیسے پہنچے؟ ۲۱۰

◆ ضرورت مذہب ۲۱۱

عناصر سیرت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب تھی اور بائیں ہاتھ قلب نبوت تھا جس میں اخلاق کی روشنی بھری ہوئی تھی، کتاب اللہ کے اندر اُلوہیت کا جلال بھرا ہوا تھا۔۔ اگر فقط کتاب اللہ سامنے آتی، پیغمبر نہ آتے تو الوہیت کا جلال مخلوق کو بھسم کر دیتا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی اس کو سمجھ سکے۔ اس روشنی کو قلب نبوت میں اتار اگیا تو نبوت کی عبدیت کے ساتھ جب اُلوہیت کا نور اس پر فائز ہوا تو ٹھنڈی روشنی پیدا ہوئی جس کو انسان سہہ سکیں۔"

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

◆ خطبۂ مسنونہ و تمہید	۲۱۳	◆ حق و باطل میں امتیاز کا نور	۲۲۳
◆ حصولِ منزل کی شرائط	۲۱۴	◆ رہنمائے حق	۲۲۴
◆ سفرِ روحانیت کی شرائط	۲۱۵	◆ اسوۂ عمل	۲۲۴
◆ نورِ معنوی کی ضرورت	۲۱۶	◆ ضرورتِ مربی	۲۲۵
◆ یہود و نصاریٰ کے عقائد کی ظلمت	۲۱۶	◆ تسلسلِ ہیئت عمل	۲۲۵
◆ تردیدِ عیسائیت	۲۱۷	◆ عملی قرآن	۲۲۷
◆ ردِ یہودیت	۲۱۸	◆ طریقہ تعلیم خداوندی	۲۲۷
◆ مشرکین کی تردید	۲۱۸	◆ انبیاء علیہم السلام کی احتیاج	۲۲۸
◆ مسخ عقل	۲۱۸	◆ تعین مراد میں عرف کا دخل	۲۲۹
◆ توحیدِ اجمالی	۲۱۹	◆ مرادِ قرآنی کی تعین میں سنت کا مقام	۲۳۱
◆ جہالت کی ظلمت	۲۱۹	◆ تفکر فی القرآن	۲۳۳
◆ بشریتِ انبیاء علیہم السلام	۲۱۹	◆ جمع حدیث کی تکوینی تدبیر	۲۳۴
◆ عظمت انبیاء علیہم السلام	۲۲۰	◆ دورِ جدید میں روایت حدیث کا طریق	۲۳۵
◆ نفی بشریت کا نقصان	۲۲۱	◆ اجتہادی قوت کا فقدان	۲۳۵
◆ اظہارِ عبدیت کا امر	۲۲۱	◆ تزکیہ قلب	۲۳۶
◆ دورِ بعثت کا اجمالی حال	۲۲۱	◆ عمل کی نگرانی	۲۳۷
◆ شانِ تشریف آوری	۲۲۲	◆ قلوب کا علاج	۲۳۸
◆ جامعیتِ شریعت	۲۲۲	◆ قلبی نورانیت کے آثار	۲۴۰

فہرست مضامین

◆ باترتیب قلب قرآن فہمی ۲۴۰
◆ خدمت کلام اللہ ۲۴۱
◆ خدمت حدیث ۲۴۱
◆ روایت حدیث میں احتیاط ۲۴۲
◆ آدابِ تعلیم ۲۴۳
◆ کمالِ طلب ۲۴۳
◆ عظمتِ استاذ ۲۴۴
◆ اہلِ علم کا استغناء ۲۴۵
◆ گمراہی سے حفاظت کی ضمانت ۲۴۵
◆ تجدیدِ دین ۲۴۵
◆ فرقۂ ناجیہ ۲۴۶
◆ صحابہؓ معیارِ حق ہیں ۲۴۷
◆ اہلِ حق کی پہچان ۲۴۷
◆ وراثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا استحقاق ۲۴۸
◆ آفتابِ راہ اور راہنما ۲۴۹
◆ صراطِ مستقیم ۲۵۰
◆ حصولِ مقصد کی شرائط ۲۵۱
◆ لٹریچر کی کثرت کا نقصان ۲۵۱
◆ مرکزِ علم شخصیت ہے اور کتاب علامت ۲۵۲
◆ آدابِ طریق ۲۵۲
◆ وسائلِ علم کا ادب ۲۵۳
◆ رعایتِ مقام ۲۵۴
◆ فسادِ کبیر ۲۵۶
◆ عالم کا جوہر ۲۵۶
◆ عبادت کا مفہوم ۲۵۷
◆ فطرت اور شریعت ۲۵۸
◆ دین فطرت کی عجیب تعبیر ۲۶۰
◆ جود وعطاء ۲۶۱
◆ رعایت وسہولت ۲۶۱
◆ انوارِ السنن ۲۶۲
◆ آثارِ محبت ۲۶۲
◆ اسوۂ حسنہ ۲۶۴
◆ نیند کا مسنون طریقہ ۲۶۴
◆ رسوم وخیالات اور قانونِ شریعت ۲۶۵
◆ ترکِ سنت کا وبال ۲۶۶
◆ نور اور کتاب ۲۶۷
◆ اسلام قانون نہیں دین ہے ۲۶۷
◆ نورِ علم واخلاق ۲۶۸
◆ علم بلا شخصیت ۲۶۹
◆ شخصیت بلا علم ۲۶۹
◆ شریعت وطریقت کا مابہ الامتیاز ۲۷۰
◆ مدرسہ وخانقاہ ۲۷۱
◆ روح کا علاج ۲۷۲
◆ سیرتِ نبوی کے عناصر اربعہ ۲۷۲

نبوت وملوکیت

نبوت اور ملوکیت میں یہی فرق ہے کہ ملوکیت تعدی اور زیادتی کی طرف چلتی ہے اور نبوت رحمدلی و مہربانی کی طرف چلتی ہے۔ بادشاہت میں اگر کوئی بر سر اقتدار سامنے آئے، اس کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کمزور ہو، اسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ابھرنے نہ پائے اور انبیاء علیہم السلام کمزوروں کو ابھارتے ہیں جو زور آور ہو، اسے اعتدال پر رکھتے ہیں۔ اسی واسطے جو زیادہ ضعیف ہوگا اس پر انبیاء علیہم السلام کا لطف وکرم زیادہ مبذول ہوگا۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

- مادی وروحانی اقتدار کی انتہاء ۲۷۳
- مادی وروحانی اقتدار کی تاثیر ۲۷۴
- مزاج نبوت وملوکیت میں فرق ۲۷۵
- اقتدار پانے کے بعد نبی کریم ﷺ کا طرز عمل ۲۷۶
- اہل اللہ کے مزاج میں نیکی کی حرص ۲۷۹
- نبوت ضعفاء کو بلند کرتی ہے ۲۸۴
- دنیا کی اقوام نے عورت کی تذلیل کی اور اسلام نے اسے مقام بخشا ۲۸۴
- عورت، اقوام دنیا کی نظر میں ۲۸۵
- خاوند بیوی بلحاظ حقوق مساوی ہیں ۲۸۶
- ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں ۲۸۷
- عورت میں جذبۂ خدمت ۲۸۸
- یتیم پر شفقت کے لئے ساری امت کو متوجہ کیا گیا ۲۸۹
- غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ۲۹۰
- اسلام سے قبل غلاموں سے بدسلوکی ۲۹۰
- اسلام نے غلامی کو ختم کیوں نہ کر دیا؟ ۲۹۱
- جانوروں پر رحم کرنے کا حکم ۲۹۱
- فرعونی طاقت پر بنی اسرائیل کے ضعفاء کو غالب کر دیا گیا ۲۹۱
- دور فاروقیؓ میں غرباء کو عدل وانصاف کے ذریعہ غالب کر دیا گیا ۲۹۳
- ایک لڑکی کی وجہ سے پوری فوج کے لئے ضابطہ جاری کر دیا گیا ۲۹۵
- قوم کے اخلاق کی نگہداشت امیر المؤمنین کا فرض ہے ۲۹۵
- مذہبی معاملات میں پیشوائی بھی امیر المؤمنین کا فرض ہے ۲۹۶
- آج کے دور میں مجموعہ علماء کو خلافت کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے ۲۹۹
- خلافت کے ختم ہو جانیکے بعد علماء ربانی اور صوفیاء کرام نے اسلام پھیلایا ۳۰۰
- ہمیں نبوت کے مزاج پر چلنا ہے ۳۰۰

نجومِ ہدایت

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم در حقیقت نبوت کا ظل کامل تھے۔ جن کے طبقہ سے نبوت اور کمالات نبوت پہچانے جاتے تھے۔ اس لئے اگر کسی طبقہ کے طبقہ کو بحیثیت اللہ ورسول کے یہاں مرضی وپسندیدہ قرار دیا گیا ہے تو وہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ جس کی شہادت قرآن وحدیث نے دی۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

فہرست مضامین

- مقام صحابیت ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۳
- سنن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۴
- سب و شتم کا انجام ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۴
- جامع اضداد زندگی ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۵
- کامل انسانیت کا طبقہ ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۵
- ظل نبوت ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۶
- مکمل میزان اور متوازن ترازو ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۶
- صحابہؓ کا معیار حق ہونا منصوص ہے ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۸
- فرق اسلامیہ کے حق و باطل ہونے کا معیار ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۸
- اطاعت صحابہؓ اطاعت رسولؐ ہے ۔۔۔۔۔۔ ۳۰۹
- "معیار" قابل تنقید نہیں ہوتا ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۰
- حق دستیاب بھی صحابہ کرامؓ سے ہوگا ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۰
- ناقدین صحابہؓ کا دین سلامت نہیں رہ سکتا ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۱
- فرقہ ناجیہ "اہل السنت والجماعات" ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۲
- ذہنی غلامی کے بغیر چارۂ کار نہیں ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۲
- ناقدین صحابہ افتراق امت کا سبب ہیں ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۲
- خود اپنے معیار حق ہونے کا ادعاء ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۳
- صحابہؓ کی اجتماعی اطاعت ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۳
- تاقیامت معیار شخصیت رہے گی ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۴
- ذہنی غلامی اور تقلید (ضمیمہ) ۔۔۔۔۔۔ ۳۱۷

جہلائے عرب سے مقامِ صحابیت تک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کا ایسا اثر تھا کہ آپ نے ان کی ایسی معیاری زندگیاں بنادیں کہ دنیا کی دوسری اقوام بھی ان کو نمونہ بنا کر پیش کریں۔ یہ صرف تعلیم قرآنی کا اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا اثر تھا...... تو علم اور اخلاق کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ جو قوم دنیا کی ساری قوموں میں پس ماندہ اور پست تھی وہ اتنی اونچی بنی کہ ساری دنیا کی قومیں اس کے سامنے نیچی بن گئیں۔ وہی زمانہ تھا جس کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا تھا، اس کو تعلیمِ قرآن کی بدولت "خیر القرون" کہا جانے لگا۔ جن لوگوں کو جہلائے عرب کہا جاتا تھا۔ ان کی بداخلاقیاں بیان کر کے لوگ ملامت کرتے تھے۔ اب تعلیم قرآن کی بدولت جب صحابہؓ کا ذکر آتا ہے تو لوگ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ کہتے ہیں۔ یہ انقلاب کیوں پیدا ہوا؟ یہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تربیتِ اخلاق اور فیضِ صحبت ہی کا اثر تھا۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

◆ مقصد بعثت انبیاء علیہم السلام ۳۱۹
◆ دورِ جاہلیت کا اجمالی خاکہ ۳۲۱
◆ مقصد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۲۲
◆ عرب کی پس ماندہ قوم کو عروج کیسے ملا؟ ۳۲۲
◆ علوم طبعیہ کمالِ انسان نہیں ۳۲۳
◆ حیوانات میں دفعیہ امراض کا شعور ۳۲۴
◆ ایک شبہ کا جواب ۳۲۵
◆ باعث فخر علم کونسا ہے؟ ۳۲۶
◆ عرب قوم پر علوم ربانی کا اثر ۳۲۶
◆ نجوم ہدایت کی دنیا و آخرت ۳۲۹
◆ پاکیزہ اخلاق سے پاکیزہ اعمال واحوال سرزد ہوتے ہیں ۳۳۰
◆ حصول منزل کے لئے شریعت وطریقت دونوں ضروری ہیں ۳۳۱
◆ تعلیم وتربیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۲
◆ صحابہؓ کے وساوس کا علاج ۳۳۳
◆ تعلیم خداوندی کے بغیر خدا تک رسائی ممکن نہیں ۳۳۴
◆ بساط کے مطابق جدوجہد ضروری ہے ۳۳۵
◆ غیر مسلم اقوام کا اعتراض ۳۳۶
◆ اسلام کو مٹانے کے ذمہ دار مسلمان خود ہیں ۳۳۷
◆ مسلم اقوام اپنے مزاج پر چل کر ترقی کرسکتی ہیں ۳۳۷
◆ حصولِ تعلیم وتربیت کا سہل طریقہ ۳۳۸
◆ قومی مشکلات کا اجمالی حل ۳۳۸

وعظِ یوسفی

جس شخصیت کا نسب اعلیٰ، نسبت اعلیٰ، سیرت اعلیٰ اور صورت بھی اعلیٰ، تو ایسی ذاتِ مقدس کا وعظ جب پیش کیا جائے گا تو وعظ بھی تو اونچا ہوگا۔ کتنا عالی مقام ہوگا وہ کلام جو ایسی برگزیدہ شخصیت کی زبان سے نکلا ہو اور حق تعالیٰ شانہٗ حکایت فرمائیں کہ یوسف نے یہ وعظ کہا تو اللہ میاں کو پسند آیا۔ تو جو پیغمبر کہے اور اللہ میاں پسند کرے اس کی نقل کی جائے اس سے بہتر وعظ نہیں ہو سکتا۔

از حکیم الاسلام مدظلہٗ

فہرست مضامین

◆ حضرت یوسف علیہ السلام کی خصوصیات ۳۴۲
◆ حضرت یوسف علیہ السلام کی خاندانی کرامت ۳۴۲
◆ حضرت یوسف علیہ السلام کا خلقی حسن اور سیرت باطن ۳۴۳
◆ عزیزِ مصر کی بیوی اور حضرت یوسف علیہ السلام ۳۴۴
◆ دستر خوان سجانے پر ایک حکایت ۳۴۴
◆ زلیخا کی دعوت ۳۴۵
◆ زلیخا کی آخری تدبیر ۳۴۶
◆ حضرت یوسف علیہ السلام کی من جانب اللہ حفاظت ۳۴۶
◆ حضرت یوسف علیہ السلام جیل کیوں کر گئے؟ ۳۴۷
◆ تعبیر خواب ایک مستقل فن ۳۴۸
◆ ایک خواب اور اس کی تعبیر ۳۴۸
◆ دوسرا خواب اور اسکی تعبیر ۳۴۹
◆ حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر کیوں چاہی؟ ۳۵۰
◆ حکمت نبوت اور طریق تبلیغ ۳۵۰
◆ اپنا تعارف اور فکر آخرت ۳۵۱
◆ تین پیغمبروں کے اسمائے مبارکہ ذکر کرنے کی حکمت ۳۵۳
◆ نصیحت کے لئے متوجہ کرنا ۳۵۳
◆ حضرت یوسف علیہ السلام کا درسِ توحید ۳۵۴
◆ ردِ عیسائیت پر ایک دلچسپ واقعہ ۳۵۵
◆ آغازِ شرک ۳۵۷
◆ تصویر سازی پر ایک شبہ کا جواب ۳۵۸
◆ توفیقِ خداوندی پر ایک واقعہ ۳۵۹
◆ غرور اعمال کو ضائع کر دیتا ہے ۳۵۹
◆ ایک شبہ اور اس کا جواب ۳۶۰
◆ آدابِ دعا ۳۶۰
◆ خواب کی تعبیر ۳۶۱
◆ باہمی خیر خواہی میں آخرت کا تقدم ۳۶۱
◆ طرزِ نصیحت کیسا ہو؟ ۳۶۲
◆ استعداد پیدا ہونے پر نصیحت کرنا ۳۶۳
◆ نصیحت کی زینت ۳۶۴
◆ مجمع میں نصیحت کا طریقِ کار ۳۶۴
◆ نصیحت کرنا صرف علماء کا کام نہیں ۳۶۵

ادب اور اختلافِ رائے

حضراتِ صحابہؓ کے درمیان بھی اختلافات تھے، آئمہ، مجتہدین میں اجتہادی مسائل میں جو اختلافات ہیں، وہ صحابہؓ میں بھی تھے۔۔۔ لیکن اس کے باوجود ادب و احترام اور عظمت و تعظیم میں ذرہ برابر کمی نہ کی اس لئے کہ ہمارے ہاں جھگڑوں کی وجہ مسائل کے خاصیت نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نفسانی جذبات ہیں ہم نے اپنے جذبات کو نکالنے کے لئے مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔۔ اگر یہ مسائل کی خاصیت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ لڑتے۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہٗ

فہرست مضامین

◆ شعائر اللہ کا ادب ۳۶۷
◆ غیر اختیاری کمالات کا ادب ۳۶۹
◆ نسبت کا ادب ۳۷۰
◆ حضرت نانوتویؒ کا سبق آموز واقعہ ۳۷۰
◆ ادب میں محتملات کا لحاظ ۳۷۲
◆ حضرت گنگوہیؒ کا غایت درجہ ادب ۳۷۳
◆ اختلافِ رائے ۳۷۴
◆ گستاخی جہالت کی علامت ہے ۳۷۵
◆ مولانا تھانویؒ اور مولانا احمد رضا خاں ۳۷۵
◆ کفر کا فتویٰ لگانے والوں کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کا سلوک ۳۷۶
◆ بے ادبی کی وجہ سے علمی فیض سے محرومی ۳۷۶
◆ حضرت نانوتویؒ کے تادّب کا دوسرا واقعہ ۳۷۷
◆ ادب سے غفلت برتنے کا نتیجہ ۳۷۷
◆ سد ذرائع اور اس کی امثلہ ۳۷۷
◆ عبادات کے وسائل بھی عبادت ہیں ۳۷۸
◆ اہل اللہ کو نیکی کی حرص ۳۷۹
◆ امام ابوداؤدؒ کا واقعہ ۳۷۹
◆ آئمہ مجتہدین کا باہمی طرزِ عمل ۳۸۰
◆ مسائل اور جذباتِ نفسانی ۳۸۰
◆ مسلمانوں کے فروعی اختلاف پر عیسائی جج کا طنز ۳۸۱
◆ اختلافی مسائل میں راہِ صواب ۳۸۱
◆ شیخ عبدالقادرؒ کی نصیحت ۳۸۱
◆ فساد یا اصلاح؟ ۳۸۲
◆ تبلیغی اور ترجیحی مسائل میں فرق ۳۸۲

فلسفۂ علم

علم پاک چیز ہے۔ پاک ہی ظرف میں بھرا جائے گا۔ جس ظرف کے اندر گندگی موجود ہو اور وہ غیر اللہ اور دنیا کا طالب ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سونے کے ظرف میں نجاست بھر دی ہو تو محبت صرف ایک چیز کی ہے۔ دنیا استعمال کی چیز ہے۔ محبت کی چیز نہیں۔ استعمال جتنا چاہے کرو، محبت صرف ایک ذات سے رہنی چاہئے...... تو علم کے شرف کے بعد کسی غیر علم کی طلب کرنا ایسا ہے جیسے ایک عالم طلب کرے کہ میں تو جاہل بن جاؤں تو بہتر ہے۔ یہ بھی کوئی دانش ہوگی؟

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

فہرست مضامین

- تمہید ۳۸۳
- طلب علم، طبعی جذبہ ہے ۳۸۴
- انسان میں طلب علم کے آلات جن کو نمایاں تر رکھا گیا ہے ۳۸۴
- اعضائے علم کی اعضائے عمل پر فضیلت ۳۸۵
- علم کی عزت استغناء میں ہے ۳۸۶
- طالب دنیا کو دنیا بھی نہیں اور طالب دین کو دونوں ملتی ہیں ۳۸۶
- دنیا استغناء اور توکل علی اللہ سے ملتی ہے ۳۸۸
- رزق کی ذمہ داری خدا پر ہے ۳۸۹
- علم کی ناقدری کرنے والے سے اسلام کا شرف بھی چھن سکتا ہے ۳۹۰
- اعضائے عمل اعضائے دولت سے افضل اور نمایاں ہیں ۳۹۱
- اعضائے دولت، ان کی حقیقت اور ان کو مخفی رکھنے کی حکمت ۳۹۱
- علم اللہ اور مال معدے کی صفت ہے ۳۹۲
- تحصیل علم اعجاز قرآن کے سبب ہے اور طالب علم آلات خداوندی ہیں ۳۹۳
- اشاعت قرآن بغیر وسائل زیادہ ہوتی ہے ۳۹۳
- قلب علوم حسیہ اور غیبیہ دونوں کا مدرک ہے ۳۹۴
- قلب صفت کن کا بھی حامل ہے ۳۹۵
- نظام دنیا کو فساد سے بچانا ہے تو علماء محسوسات کے لئے علماء مغیبات کا اتباع ضروری ہے ۳۹۵
- اہل علم کی اصلاح کے بغیر عوام الناس کی اصلاح ممکن نہیں ۳۹۶
- توکل علی اللہ سے ہر چیز ملتی ہے ۳۹۷
- علم مع العبدیت کا خاصہ ارتقاء ہے ۳۹۸
- علم با عبدیت اور عبدیت با علم کا نتیجہ ۳۹۹
- امت محمدیہ میں سابقہ امم کے اتباع کا جذبہ اور اس کے نتائج ۴۰۰
- اہل حق کی پہچان ۴۰۱
- تھوڑا علم عبدیت کے ساتھ دوگنا اور مقبول ہو جاتا ہے ۴۰۱
- مقربین کی لغزش بھی ہزاروں برکات کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۴۰۲
- اسباب مقبولیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے ۴۰۲
- ادب ہی گوہر علم ہے ۴۰۳
- اہل علم اور ان کی ذمہ داریاں ۴۰۴

ثمرات العلم

آج سائنس نے آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا ہے، بجلیوں سے شہر روشن، فضائیں ہوائی جہازوں سے بھری ہوئی ہیں، دریا بڑے بڑے بحری جہازوں سے آباد ہیں۔ گویا بر اور بحر کے اندر چاندنا ہے، مگر یاد رکھیئے سائنس اچھے اچھے سامان پیدا کر سکتی ہے، اچھے انسان پیدا نہیں کر سکتی۔ اچھے انسان صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیم پیدا کرے گی۔ جس سے کریکٹر اور اخلاق درست ہوں۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

- کچھ اپنے تعارف کے بارے میں ۴۰۷
- دارالعلوم دیوبند کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا خواب مبارک ۴۰۹
- دارالعلوم دیوبند الہامی ادارہ ہے ۴۰۹
- قیام دارالعلوم کا محرک ۴۱۱
- انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو نہ ماننے پر بنی اسرائیل کا انجام بد ۴۱۲
- بنی اسرائیل کے لئے دوبارہ اقتدار کی راہ ہموار ہونا شروع ہوئی ۴۱۴
- انبیاء علیہم السلام کامل العقل بھی ہوتے ہیں ۴۱۵
- بخت نصر کا خواب ۴۱۷
- حضرت دانیال علیہ السلام سے تعبیر ۴۱۸
- علم نبوت کی وجہ سے دوبارہ عروج ملا ۴۱۹
- محض حسن صورت فتنہ کا پیش خیمہ ہے ۴۱۹
- جہالت تمام برائیوں کی جامع ہے ۴۲۰
- علم تمام کمالات کا سرچشمہ ہے ۴۲۱
- تعمیر باطن سے دنیا میں انقلاب برپا ہوتا ہے ۴۲۲
- دنیا میں حقیقی دانش مند اہل اللہ ہیں ۴۲۳
- اللہ سے تعلق بندگی کا ہونا چاہئے ۴۲۴
- مطیع کو سب کچھ اور مدعی کو کچھ نہیں ملتا ۴۲۶
- جس سے رب کا تعارف نہ ہو وہ علم جہالت ہے ۴۲۹
- تعارف کا طریق ۴۳۱
- افراط دولت علم سے محرومی کا ذریعہ ہے ۴۳۱
- اہل حق قابل تعارف ہیں ۴۳۲
- عورت کے ذریعہ پورے گھر میں تعلیم آسکتی ہے ۴۳۳
- صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اچھے انسان پیدا کرتی ہیں ۴۳۵

تعلیم و تدریس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو پڑھایا۔ صحابہؓ نے تابعینؒ کو پڑھایا اور تابعین نے تبع تابعین کو پڑھایا، یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ یہ تعلیم ہی سے پہنچا ہے۔ محض علم سے نہیں پہنچا۔ علم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، وہ آپ کی ذات بابرکات کے ساتھ خاص ہے۔ اگر آپ ؐ تعلیم نہ دیتے تو ہم کیسے عالم بنتے؟ ہم تک علم کیسے پہنچتا؟ تو تعلیم کے ذریعے ہم تک علم پہنچا۔۔۔ تو در حقیقت انسانی خصوصیت اور بشری کمال تعلیم و تعلم میں منحصر ہے۔ یہی افضلیت کی وجہ ہے جس نے انسان کو کائنات پر بڑھادیا۔ ورنہ مطلقاً علم تو حیوانات میں بھی ہے۔ تھوڑے بہت کا فرق ہے۔ آپ میں زیادہ ہے ان میں کچھ کم ہے، لیکن ہے، مگر معلم کوئی نہیں۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

- احوال واقعی ۴۳۷
- شرف انسانی کے بارے میں دعویٰ شریعت ۴۳۸
- شرف انسانی کے بارے میں دعویٰ عقل ۴۳۸
- حکماء کی نظر میں وجہ اشرفیت ۴۳۹
- علم محض بھی وجہ شرافت نہیں ۴۴۰
- انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی علم حاصل ہے ۴۴۰
- علم وعقل میں اگر انسان اور دیگر مخلوقات میں فرق ہے تو خود انسانوں میں بھی باہم فرق ہے ۴۴۳
- تمام مخلوقات میں علم و فہم کے درجات ۴۴۶
- انتقال علوم انسانی خصوصیت ہے ۴۴۶
- عظمت تعلیم نبویؐ ۴۴۷
- بتصرف تعلیم باطن ۴۴۸
- نبوت تعلیم ہی ہے ۴۴۹
- بلا تعلیم انسانیت ختم ہو جاتی ہے ۴۴۹
- مدارس بقاء انسانیت کا ذریعہ ہیں ۴۵۰
- علم مستند ۴۵۰
- علمی وراثت کی شرط ۴۵۰
- علوم اسلامیہ کی خصوصیت ۴۵۲
- اہتمام استناد ۴۵۲
- بقائے سلاسل تعلیم ہی کے ذریعہ ممکن ہے ۴۵۲
- تردید باطل تعلیم پر موقوف ہے ۴۵۳
- تعلیم و تعلم کے لحاظ سے برگزیدہ شخصیت ۴۵۳
- افادیت مدارس ۴۵۳
- درجات تربیت ۴۵۴
- بلا تعلیم ربانیت پیدا نہیں ہوتی ۴۵۵
- عظمت استناد ۴۵۵
- نسبت علمی ۴۵۶
- قبولیت نسبت ۴۵۶
- عزت نسبت ۴۵۷

تعلیم نسواں

دین مردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، ہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جو مردوں کے ساتھ خاص ہیں جیسے رسالت اور قاضی القضاۃ کا عہدہ کہ عورت رسول اور قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی قابلیت عورت میں نہیں مگر سب سے بڑا کمال جو نبوت کا ہے ایک بڑی جماعت اس پر ہے کہ عورت کو نبوت مل سکتی ہے۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہٗ

فہرست مضامین

- ترقی کا پہلا زینہ ۴۵۹
- دنیا ایک تعلیم گاہ ہے ۴۵۹
- عورتوں کی تعلیمی ذمہ داری اور اس کے نتائج و اثرات ۴۶۰
- ملکہ کے تقوے کا اس کی اولاد پر اثر ۴۶۱
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام ۴۶۲
- عورت اور منصب افتاء ۴۶۲
- مقصد علم ۴۶۲
- تعلیم، حق فطرت و عقل ہے ۴۶۳
- عورت کی صلاحیت ۴۶۳
- عورت کی نبوت ۴۶۴
- عورتوں کی دینی ترقی ۴۶۴
- عورتوں کی عمومی تعلیم ۴۶۴

تعلیم جدید

کالج کے اندر جہاں اس کی ضرورت ہے کہ کائناتی اشیاء کو سمجھا جائے، وہیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس کا "آخری نقطہ خدا کی معرفت ہو"۔۔ اسلام نے ان چیزوں کی طرف توجہ محض "عیش و عشرت" کرنے کے لئے نہیں دلائی۔ عیش و عشرت کوئی دوامی چیز نہیں، یہ تو چند روزہ قصہ ہے۔۔۔ آدمی دنیا میں آیا ہے مسافر کی طرح سے۔۔ اس کو ایک "بڑی منزل" تک جانا ہے۔ اگر وہ "اصل منزل" کو گنوا بیٹھا تو اس نے کائنات کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ یہ تو راستہ اور رہ گزر ہے۔ مگر چونکہ راستے کے نشیب و فراز کا جاننا ضروری ہوتا ہے اس کے بغیر آدمی راستہ پر نہیں چل سکتا۔ اور نہ آدمی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے دنیا کے عجائبات کا دیکھنا اور سمجھنا بھی ضروری ہے کہ:

"یہ وہی راستہ ہے جس پر چل کر آدمی اپنے خدا کی معرفت تک پہنچتا ہے"۔

از حضرت حکیم الاسلام قدس اللہ سرہٗ

فہرست مضامین

◆ بے انتہا خوشی ۴۶۵
◆ تعمیر معنوی کی علامت ۴۶۶
◆ اقسامِ علم ۴۶۶
◆ علم دین کے ساتھ علم دنیا کی ضرورت ۴۶۷
◆ نظامِ محکم کی شہادت ۴۶۷
◆ متقدمین کی بنیاد پر متاخرین کی تعمیر ۴۶۷
◆ دونوں علوم کا حقیقی نقطہ ۴۶۸
◆ حقائق شریعت اور عجائبات کائنات کا باہمی تعلق ۴۶۸
◆ منزلِ مقصود اور اس کائنات کی حقیقت ۴۶۹
◆ انسانیت کی سب سے پہلی بنیاد ۴۷۰
◆ معرفتِ الٰہی ۴۷۰
◆ متاعِ مشترک ۴۷۰
◆ شہ کا مصاحب ۴۷۱
◆ نسبت کی عظمت ۴۷۱

نصاب تعلیم کی تدوین

قرآن ہر زمانے میں ایک رہا لیکن اس کی تفہیمات کا انداز بدلتا رہا۔ جس دور میں مثلاً فلسفہ کا زور تھا تو قرآن کو فلسفیانہ رنگ میں سمجھایا گیا۔۔۔ جس دور میں تصوف کا زور ہوا تو قرآن کو صوفیانہ رنگ میں سمجھایا گیا...... آج سائنس کا دور ہے تو وہ سائنسی رنگ میں تجلی کرے گا...... اس ساری حقیقت کو میں بطور خلاصہ ان الفاظ میں لا سکتا ہوں کہ "مسائل پرانے ہوں اور دلائل نئے ہوں" ہم ان ہی ٹھیٹ فطری مسائل کو جدید آلات سے مسلح کر کے میدان میں لائیں گے۔

از حضرت حکیم الاسلام قدس اللہ سرہٗ

فہرست مضامین

◆ پس منظر ۴۷۳
◆ خاصۂ تقریر حضرت مہتمم صاحبؒ ۴۷۶
◆ صحیح تعلیم کے اسباب و عوامل ۴۷۶
◆ نصب العین کی اہمیت ۴۷۶
◆ قومی اور سرکاری اداروں کا نقطۂ اشتراک ۴۷۷
◆ نصاب تعلیم میں تبدیلی کا قضیہ ۴۷۷
◆ تاثرات تقریر ۴۷۹

خطبۂ طیّبہ

آج علاقے کے علاقے اور بستیاں کی بستیاں ہیں۔ جن میں ہزاروں، لاکھوں، مسلمانوں کی آبادی ہے۔ لیکن عالمِ دین کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔ اسی لئے جگہ جگہ وہ بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کے بندھنوں میں بندھے ہوئے نظر آتے ہیں اور اپنی جہالت سے انہی رسوم ورواج کو دین باور کر کے اپنی دنیا و آخرت خراب کر رہے ہیں۔ نہ ان میں قابلِ ذکر طریقہ پر دینی شعور ہے، نہ دنیوی احساس، تمدنی لائنوں میں صنعتی، تجارتی، سیاسی اور اقتصادی شعور سے بھی عامہ بے بہرہ ہیں۔ کیونکہ بنیادیں علم سے قائم ہوتی ہیں۔ جب علم ہی صفر کے درجہ میں ہو تو یہ نبیادیں کہاں قائم ہو سکتی ہیں اور جب بنیادیں نہ ہوں تو تعمیر اٹھنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہٗ

فہرست مضامین

◆ تمہید	۴۸۱	◆ اعضائے ادراک کے علم کا باہمی تفاوت	۴۹۰
◆ تعین موضوع	۴۸۲	◆ قوت ذائقہ	۴۹۱
◆ دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت	۴۸۲	◆ قوتِ شامہ	۴۹۳
◆ دینی تعلیم پر مبنی چند سوالات	۴۸۲	◆ قوت شامہ کے جزوی عمل پر قرآنی استشہاد	۴۹۴
◆ انسان ایک حقیقتِ جامعہ کی تخلیق	۴۸۳	◆ قوت لامسہ، ذائقہ اور شامہ کا علم معتدبہ علم نہیں	۴۹۵
◆ اعضاء کے خلقی وظائف اور ان سے ایک قرآنی استدلال	۴۸۳	◆ معتدبہ علم آنکھ، کان اور قلب ہی کا ہے	۴۹۵
◆ اعضاء کا عمل اور کائناتی عدل	۴۸۴	◆ سمع وبصر اور قلب کا عطا	۴۹۵
◆ عمل اعضاء کی غرض وغایت	۴۸۴	◆ سمع بصر اور قلب کا احسانا ذکر	۴۹۶
◆ سلطان بدن قلب کا عمل	۴۸۵	◆ انسانی گمراہی کے ذمہ دار اعضاء ثلاثہ	۴۹۶
◆ قلب کا وسیلہ علم "تفکر وتدبر"	۴۸۶	◆ اعضاء ثلاثہ کی مسئولیت	۴۹۶
◆ بدن کا ہر عضو صاحبِ ادراک وشعور ہے	۴۸۷	◆ اعضاء ثلاثہ کا غلط مصرف اور عذابِ جہنم	۴۹۷
◆ اعضاء کے ادراک کی تین قوتیں	۴۸۷	◆ اعضاء ثلاثہ کے علم پر دنیوی واخری ثمرات کا مدار	۴۹۷
◆ قرآن کریم سے وسائل ادراک کی تعیین	۴۸۸		
◆ اعضائے ادراک کا باہمی فرق	۴۸۹	◆ کثرتِ قیود وشرائط وسعت علم کیلئے مانع ہے	۴۹۷

فہرست مضامین خطبۂ طیبہ

- اعضاء ثلاثہ میں آنکھ کا دائرۂ علم ۴۹۸
- بندگانِ عقل کا علم بصر پر غلط اعتماد ۴۹۹
- کان اور قلب کا دائرۂ علم آنکھ سے وسیع ہے ۴۹۹
- ایک قرآنی استشہاد ۵۰۰
- کان کا محدود دائرۂ ادراک ۵۰۱
- احساسِ قلب کی خصوصیت ۵۰۱
- قلب کا فیض ۵۰۲
- نیند کے اندر اور موت کے بعد بھی قلب مدرک ہے ۵۰۳
- دیگر اعضاء کے بالمقابل قلب کی تاثر پذیری ۵۰۴
- قلب ہی موجد محسوسات ہے ۵۰۴
- قلب کی جلالت قدر ۵۰۵
- دماغی علوم بھی قلب ہی کا فیضان ہیں ۵۰۶
- تفقہ قلب کا وصف ہے ۵۰۶
- تعقل قلب کا امتیازی وصف ۵۰۷
- ادراک قلب کی دو نوعیتیں ۵۰۷
- ارباب دماغ کا منتہائے فکر ۵۰۷
- عقل کے بارے میں اہلِ دل کا نقطہ نظر ۵۰۸
- عقل کے حقیقی مرتبے کی تعیین ۵۰۸
- عقل کی غیر مستقل حیثیت ۵۰۹
- عقل خدائی صفت نہیں ۵۱۰
- علم انسان کی ذاتی صفت نہیں ۵۱۰
- عقل انسانی علم الٰہی پر حاکم نہیں ہو سکتی ۵۱۱
- عقل کا سرچشمہ قلب ہے ۵۱۲
- حقائق اشیاء تک عقل کی نارسائی ۵۱۲
- حقیقی علم وادراک ۵۱۳
- حسیاتی اور عقلی علوم کا منتہاء ۵۱۴
- نتائج بد ۵۱۵
- قلبی ادراک کے دو علمی رخ ۵۱۶
- قلب کے مادی اور روحانی ادراکات ۵۱۷
- حس اور علم کا فرق ۵۱۸
- حیاتی علوم کا سرچشمہ اور الہامی علوم کا منبع ۵۱۸
- مادی اور الہامی علوم کے آثار وثمرات ۵۱۹
- علم ربانی اور علم نفس ۵۲۰
- علم کی دو بنیادی اقسام ۵۲۱
- علم الرب کی عملی تفصیل کا نام فقہ اور علم النفس کی تفصیل کا نام تصوف ۵۲۲
- انبیاء علیہم السلام اور علم الرب ۵۲۲
- ربانی علوم کا ظرف ۵۲۳
- ربانی اور حسی علوم کے لوازم ۵۲۳
- علم نافع کی حقیقت ۵۲۴
- عصری تعلیم گاہوں کا ماحول ۵۲۶
- مدارس دینیہ کی غرض وغایت ۵۲۶
- دورِ حاضر کی بیمار دنیا کا واحد علاج ۵۲۷
- ایک غلط فہمی ۵۲۸
- علمِ دین اور علم دنیا ۵۲۸
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین مقصد ۵۲۹
- بعثتِ نبوی کا مقصدِ ثانی ۵۲۹
- بعثت کا مقصد ثالث ۵۲۹
- علم وعمل کی فطری وابستگی ۵۳۰
- مسلمانہ زندگی کے تین بنیادی شعبے ۵۳۰
- قومی بربادی کے تین اسباب ۵۳۰
- قومی ترقی کے تین وسائل ۵۳۰
- دورِ حاضر اور ملت اسلامیہ ۵۳۱
- اقوام کی تباہی کی طبعی ترتیب ۵۳۱

مرکز سعادت

دار العلوم پر ایک وقت وہ بھی گزرا ہے کہ مہتمم سے لے کر دربان تک سب ہی اہل نسبت تھے۔ حاجی عبداللہ صاحبؒ دربان تھے، نوشت وخواند کچھ نہ تھی لیکن صاحب نسبت بزرگ تھے۔ صبح صادق پر جو دار العلوم میں گھنٹہ بجتا ہے' اس کے بجانے کا کام انہی کے سپرد تھا۔ پہلی ضرب لگاتے تو زبان پر "سبحان اللہ" ہوتا دوسری پر "الحمد للہ" اور تیسری پر "اللہ اکبر" کے ایک نعرہ کے ساتھ پھر یہ شعر زبان پر عجیب کیفیت سے لاتے۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

یہ منظر کچھ ایسا ہوتا کہ جو سنتا بے اختیار اس پر بکاء طاری ہو جاتا۔

حضرت حکیم الاسلام قدس اللہ سرہٗ

فہرست مضامین

◆ فاتحۃ الکلام ۵۳۳
◆ تحصیل حاصل ۵۳۴
◆ محروم القسمت کا حال ۵۳۴
◆ مرکز سعادت ۵۳۵
◆ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں ۵۳۵
◆ الہامی درسگاہ ۵۳۶
◆ الہامی اہتمام ۵۳۶
◆ الہامی طلباء ۵۳۶
◆ الہامی سنگ بنیاد ۵۳۷
◆ حقائق وکیفیات کا فرق ۵۳۷
◆ نسبتوں کا چمن ۵۳۸
◆ زیادۃ فی العلم ۵۳۸
◆ علم کی دھن ۵۳۹
◆ علم وعمل سند ۵۳۹
◆ علم و خشیت ۵۳۹
◆ راہنمائی کی تیاری کا زمانہ ۵۴۰
◆ خلوص ومحبت کا شکریہ ۵۴۰

معرفتِ باری تعالیٰ

ہر چیز میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف پیدا کرنے والے اللہ ہیں۔ طبیعت کا تقاضا نہیں۔ کسی فاعلِ مختار کے ارادے کا یہ فعل ہے۔ اس نے جیسے ارادہ کیا ویسا بنادیا۔ اس لئے اگر انسان اللہ کو پہچاننا چاہے تو اپنے کو دیکھ لے جب پہچان جائے گا۔ جانوروں کو دیکھ لے جب پہچان جائے گا، پہاڑ پر نگاہ ڈالے تو پہچان جائے گا۔ غرض جس چیز پر نگاہ ڈالے گا اللہ کا وجود اس سے نمایاں ہو گا۔ اور اگر فکر نہ کرے تو انبیاء علیہم السلام بھی تعلیم دیں جب بھی نہیں مانے گا اور ماننا چاہے تو اللہ نے ایک ایک چیز کو واعظ و مبلغ اور مذکر بنادیا۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

فہرست مضامین

- بجواب سپاس ۵۴۱
- دار العلوم کی ترقی غیبی طاقت کی مرہونِ منت ہے ۵۴۲
- دار العلوم کی روح معرفت خداوندی ہے ۵۴۳
- انسان خدا کو دلائل سے نہیں فطرت کے دباؤ سے مانتا ہے ۵۴۳
- عقل سے خدا کو مانا جاتا تو فلاسفہ عارفین کاملین ہوتے ۵۴۷
- قرآن کریم نے وجود باری تعالیٰ کو مشاہدات وواقعات سے ثابت کیا ہے ۵۴۷
- ”اللہ“ دل میں تو آتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتے ۵۴۹
- اللہ تعالیٰ جسم وجہت سے پاک ہیں جیسے روح پاک ہے ۵۴۹
- حقیقت پسند انسان کی نظر روح پر ہوتی ہے، صورت پر نہیں ۵۵۰
- انسان سیرت سے اشرف المخلوقات ہے، صورت سے نہیں ۵۵۲
- اہل سیرت کو ہی تاریخی عظمت نصیب ہوتی ہے ۵۵۴
- صاحب سیرت ہی خلافتِ خداوندی کا مستحق ہے ۵۵۴
- سب انسانوں کا جوہر ایک ہے، تنوع بلحاظِ سیرت ہے جو امر اختیاری ہے ۵۵۵
- متواضع اللہ کے ہاں مقبول ہے ۵۵۶
- مدارِ نجات فضل خداوندی ہے ۵۵۷
- عمل علامت فضل ہے ۵۵۹
- جنت عمل کا نہیں، ایمان کا صلہ ہے ۵۶۰
- دلائلِ قدرت ۵۶۱

سیرت اور صورت

در حقیقت ہمیں علم نے جمع کیا ہے اور علم نے کیوں جمع کیا؟ اس لئے کہ وہ ہماری صفت نہیں ہے۔ اگر وہ ہماری صفت ہوتی تو میرا علم اور ہوتا اس کا علم اور ہوتا، آپ کا علم اور ہوتا۔ وہ بھی تفریق کا ذریعہ بنتا...... علم اللہ کی صفت ہے، میری اور آپ کی نہیں ہے۔ اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم اپنی صفات پر کبھی جمع نہیں ہو سکتے، جب تک انہیں چھوڑ کر کوئی خدا کی صفت اختیار نہ کریں جامعیت کی شان اسی کے اندر ہے۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

فہرست مضامین

◆ احوالِ واقعی ۵۶۵
◆ اس دنیا میں ہر مخفی حقیقت کے لئے کسی پیکر کا ہونا ضروری ہے ۵۶۶
◆ حقیقت کے مناسب صورت ۵۶۶
◆ دیدہ زیب صورت میں بری حقیقت ۵۶۷
◆ بدنما صورت میں پاکیزہ حقیقت ۵۶۷
◆ صورت ترجمان حقیقت ہے ۵۶۸
◆ حقیقت بیت اللہ الکریم ۵۶۸
◆ صوت کعبہ کا احترام ۵۶۹
◆ ظہور حقیقت کی علامات ۵۷۰
◆ حصول حقیقت کے ذرائع کا احترام ۵۷۱
◆ قرآنی حقائق کی اخروی شکلیں ۵۷۲
◆ کمال علمی کی علامات ۵۷۳
◆ انتقال حقیقت کا اثر ۵۷۴
◆ نقل پر حصول حقیقت ۵۷۵
◆ ظاہری وضع کا باطن پر اثر ۵۷۶
◆ قول و فعل کا اثر ۵۷۷
◆ ایمان کا اثر ۵۷۸
◆ کردار و اخلاق کے اثرات ۵۷۹
◆ لباس کا اثر ۵۸۰
◆ علم کے اثرات ۵۸۰
◆ نسبت کا اثر ۵۸۳
◆ طریق منزل مقصود ۵۸۳

راہِ اعتدال

ہر شخص کی عقل مختلف ہے، اور عقل کے مطابق ہی عمل کیا جائے، تو دین میں تفریق پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا لٹریچر اور بزرگوں سے وابستگی دونوں چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہی اعتدال کا راستہ ہے، اور یہی اہل السنّت والجماعت کا طریقہ ہے۔ اور جو لوگ شخصیتوں کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھیں گے، وہ عملِ صحیح سے ہمیشہ محروم رہیں گے۔ اور عمل کرتے بھی ہیں تو بھی انہی شخصیتوں سے لیا گیا ہے۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہٗ

فہرست مضامین

- شانِ نزول ۵۸۸
- عقیدۂ نصاریٰ کی تردید ۵۸۸
- آیات کی دو اقسام ۵۸۹
- صفاتِ خداوندی کے بارے میں نصوصِ متشابہہ کا حکم ۵۸۹
- انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نصوصِ متشابہہ کا حکم ۵۹۱
- حضراتِ صحابہ کرامؓ کے بارے میں الفاظِ متشابہہ کا حکم ۵۹۱
- اولیاء اللہ کے کلمات کے بارے میں مسلکِ حق ۵۹۲
- حضرت نظامیؒ کا عجیب واقعہ ۵۹۳
- اہل اللہ کی دو اقسام ۵۹۳
- اہل استقامت کا حال ۵۹۴
- محض حروفِ قرآنی کافی نہیں ۵۹۵
- عقل محض سے دین فہمی کا انجام ۵۹۶
- دین فہمی کے لئے اشخاص بھی ضروری ہیں ۵۹۶
- لوگوں کی دو اقسام ۵۹۸

فضیلت النساء

عورتوں کا یہ خیال کرنا کہ ہمارا کام تو بس اتنا ہے کہ گھر میں بیٹھ جائیں، کھانا پکادیا، زیادہ سے زیادہ بچوں کے کپڑے سی دیئے اور زیادہ سے زیادہ ہوا ان کی تربیت کردی۔ اس سے زیادہ ہم ترقی کرنے کے لئے نہیں ہیں، یہ میدان مردوں کا ہے، ولی بھی مرد بنے گا، امام بھی مرد بنے گا، مجتہد اور خلیفہ بھی بنے گا۔ ہم اس کام کے لئے نہیں ہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ تم چاہو تو مجتہد اور ولی کامل بن سکتی ہو اللہ کی طرف سے تمہارے ساتھ الہام کا معاملہ ہو کہ تمہارے اوپر الہام آئے تم بھی یہ کر سکتی ہو جو ایک بڑے سے بڑے ولی کا حال ہو سکتا ہے وہ ایک عورت کا بھی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ عورت توجہ کرے۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

فہرست مضامین

◆ تمہید	۶۰۱	◆ عورتوں کے بارے میں مرض الوفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت	۶۱۳
◆ عورتوں کی قوت عقل	۶۰۲	◆ عشق صورت سے حقیقت کی محبت ختم ہو جاتی ہے	۶۱۴
◆ دینی ترقی کے لئے مرد و عورت کے لئے ایک سا ہی راستہ ہے	۶۰۴	◆ صورت کی خوبیاں فتنہ اور سیرت کی خوبیاں امن پیدا کرتی ہیں	۶۱۵
◆ عورت میں غیر معمولی ترقی کی صلاحیت موجود ہے	۶۰۵	◆ دولت میں رہ کر بھی عورت متقی بن سکتی ہے	۶۱۶
◆ عوت اولیاء کاملین کے لئے مربی بھی بن سکتی ہے	۶۰۶	◆ پیدا ہوتے ہی بچہ تربیت کا محتاج ہوتا ہے	۶۱۹
◆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پوری امت کی استاذ ہیں	۶۰۷	◆ بچہ ماں باپ کا نقال ہے	۶۱۹
◆ عورت کے اندر غیر معمولی تحمل کی صلاحیت ہے	۶۰۹	◆ عورتوں کی صحیح تعلیم و تربیت	۶۲۰
◆ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا پوری امت پر احسان عظیم	۶۱۰		
◆ عورتوں کی علمی و اخلاقی ترقی میں مرد سنگ راہ ہیں	۶۱۲		

محمد ابن عبداللہ سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک

> انبیاء علیہم السلام قبل از نبوّت بھی معصوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں، جو تاریخ دان انصاف سے غور کرتے ہیں اور نبوّتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل اور مکمل انسان جس کی زندگی پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو وہ صرف جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے۔
>
> از حضرت حکیم الاسلام مدّ ظلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ——— اَمَّا بَعْدُ ———

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین۔ وکان اللّٰہ بکل شیءٍ علیما الٰی قولہ وکفٰی باللّٰہ وکیلاً۔ (پ ۲۲) (صدق اللّٰہ العلی العظیم)

بزرگانِ محترم!

یہ جلسہ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے، جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے منعقد کیا گیا۔ گویا اس کا موضوع یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر کیا جائے اس لئے کہ حضو صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ طیبہ کا ذکر حقیقتاً عینِ عبادت ہے اور اللہ کے نزدیک بڑی بھاری طاعت او قربت ہے اور سارے کمالات وبرکات کا سرچشمہ ہے اس لئے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ایک عظ نعمت ہے جو مسلمانوں کو عطا کی گئی، تو میں اس وقت میلادِ نبوی ہی کے بارے میں چند کلمات آپ حضرات خدمت میں گذارش کروں گا اور اسی مناسبت سے یہ چند آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں جو آپ کے سامنے ابھ پڑھی گئیں۔

میں چاہتا ہوں کہ میلاد کے سلسلے میں آپ بھی چونکہ ولادت کا ذکر سننے کے لئے آئے ہیں، ولادت کا ذ بھی کروں لیکن میں ایک ولادت کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ولادتوں کا ذکر کروں گا۔

ولادتِ نبوی ﷺ جسمانی اور روحانی

ممکن ہے کہ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو کہ ولادت تو ایک ہی ہوتی ہے' پیدائش ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے تو دو ولادتیں کیسی؟ لیکن میری گزارشات کے بعد آپ کو معلوم ہو گا کہ حقیقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو ہی ولادتیں ہوئیں ___ ایک ولادت باسعادت تو ۱۲ ریا ۸ ر ربیع الاوّل کو علیٰ اختلاف الاقوال ہوئی ___ اور ایک ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس برس کے بعد ہوئی یعنی روحانی ولادت۔ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور پیغمبر کی حیثیت سے دنیا میں ظاہر ہوئے۔ ۱۲ ر ربیع الاوّل کو ولادتِ جسمانی ہوئی اور چالیس برس بعد ولادتِ روحانی ہوئی جس کو ہم نبوّت سے تعبیر کریں گے۔

۱۲ ر ربیع الاوّل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال دنیا میں ظاہر ہوا اور چالیس برس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال دنیا میں ظاہر ہوا۔ تو ایک جمال کی حیثیت سے ولادت ہے اور ایک کمال کی حیثیت سے ولادت ہے ___ دونوں ولادتوں میں ہمارے لئے ان کا ذکر عبادت اور طاعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا میں جمال ظاہر ہونا یہ بھی عالم کے لئے عظیم ترین نعمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال دنیا میں ظاہر ہونا یہ اس سے بھی بڑی نعمت ہے جو اللہ نے ہمیں عطا فرمائی ہے ___ تو جمالِ محمدی وہ بھی ایک ایسی امتیازی شان رکھتی ہے کہ دنیا میں اتنا بڑا جمیل اور صاحبِ جمال پیدا نہیں ہوا جتنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمال والے تھے اور اتنا بڑا باکمال بھی کوئی پیدا نہیں ہوا جتنا کہ کمال والے آپ تھے تو دونوں ولادتیں امتیازی شان رکھتی ہیں نہ ولادتِ جسمانی کی نظیر ہے نہ ولادتِ روحانی کی نظیر ہے فرق اتنا ہے کہ ۱۲ ر ربیع الاوّل کو ہمارے سامنے ظہور ہوا محمدؐ بن عبداللہ کا اور چالیس برس کے بعد ظہور ہوا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس وقت آپ ابن عبداللہ کی حیثیت سے دنیا میں آئے اور چالیس برس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائے۔

ولادتِ روحانی کے بارے میں عامۃ النّاس کا طرزِ عمل

عام طور سے لوگ ولادتِ جسمانی کو اہمیت دیتے ہیں اور اسی ولادت کے ذکر کو "ذکرِ میلاد" کہتے ہیں' حالانکہ یہ ذکر میلاد کا ابتدائی درجہ ہے حقیقی درجہ وہ ولادت ہے جو چالیس برس کے بعد ہوئی اس لئے کہ پہلی ولادت میں ہمارے لئے عمل کا کوئی نمونہ نہیں ہے اور دوسری ولادت میں ہمارے لئے عمل کے نمونے موجود ہیں جس سے ہم سعادت حاصل کر سکتے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ولادت جمال کی ہوئی کہ چہرہ مبارک ایسا تھا' انگلیاں ایسی تھیں' بال ایسے تھے' خونچیں ایسی تھیں بدن قد و قامت یہ تھا اس میں ہمارے لئے کوئی نمونہ عمل نہیں ہے خوشی کی تو انتہائی چیز ہے کہ ہمارے پیغمبر کو اللہ نے وہ جمال اور موزونیت عطا فرمائی کہ عالم میں ایسا حسن و جمال کسی کو نہیں دیا گیا خوشی اور فخر کا موقع ہے لیکن عمل کا نمونہ کچھ نہیں ___ یہ نہیں ہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تھے ہم ویسے ہاتھ بنالیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک تھا ہم اپنا رنگ ویسا کرلیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد و قامت تھا ویسا ہم اپنا قد و قامت بنالیں۔ اس میں عمل کا نمونہ ہمارے لئے نہیں ہے خوشی کا موقع ضرور ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

لیکن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے جب آپ ظاہر ہوئے اس میں سامنے یہ چیز ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان ایسا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا

عمل یہ تھا' نماز ایسی ' روزہ ایسا ' حج ایسا ' جہاد ایسا اس میں ہمارے لئے نمونۂ عمل ہے جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہم بھی ویسی نماز پڑھیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے رکھے ہم بھی ویسے روزے رکھیں' جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا ہم بھی ویسا ہی حج کریں' جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو معاشرت تھی ہم بھی ویسی ہی معاشرت بنائیں' جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعتی زندگی تھی ہم بھی ویسی زندگی بنائیں' اس میں عمل کا نمونہ ہے۔ میرے خیال میں یہ جو پہلی ولادت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے یہ اس لئے کہ اس میں کرنا کرانا کچھ نہیں پڑتا کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی خوش ہو لئے یا زیادہ سے زیادہ خوش ہو کے مٹھائی بانٹ لی اور خود ہی کھا بھی لی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ولادتِ روحانی ہی اصل مقصود ہے

اور دوسری ولادت مُن کر ذمہ داریاں بڑھتی ہیں کہ ہمیں مسلمان بننا پڑے گا' ہمیں یہ کام یوں کرنا پڑے گا' زندگی کا نمونہ ایسا بنانا پڑے گا۔ عمل کرنا لوگ نہیں چاہتے اس لئے دوسری ولادت کا تذکرہ نہیں کرتے اور اس کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور پہلی ولادت میں عمل کا نمونہ نہیں ہے خوشی خوشی کا موقع ہے اس لئے اس کو زیادہ اختیار کرتے ہیں ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ جیسے یہ عبادت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے ایسے ہی اس کا ذکر بھی عبادت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح نماز پڑھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح حج کیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح جہاد کیا بلکہ یہ اس سے بڑی عبادت ہے اس میں ہمارے لئے سعادت حاصل کرنے کا موقع ہے اس میں محض خوش ہونے کا موقع ہے مگر بہر حال یوں تو دونوں ولادتوں کا ذکر ہمارے حق میں عبادت ہے اگرچہ پہلی ولادت مقدمہ ہے اور دوسری ولادت مقصود ہے کیونکہ اگلا مقصود ظاہر کرنا تھا اس لئے ولادتِ جسمانی سامنے رکھی گئی تاکہ ولادتِ روحانی کا موقع آجائے تو پہلی ولادت تمہید ہے اور دوسری ولادت اصل مقصود ہے ___ رسالت و نبوت کا دنیا میں لانا تھا اس لئے ذاتِ اقدس کو پیدا کیا گیا ___ مگر تمہید ہو یا مقصد ہو' ہے دونوں کا ذکر طاعت اور عبادت ___ اس لئے تھوڑا تھوڑا ذکر میں دونوں قسم کی ولادتوں کا کروں گا۔

جمالِ نبوی ﷺ

تو میں نے عرض کیا کہ پہلی ولادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال ظاہر ہوا۔ جسم مبارک ایسا تھا' رنگ ایسا تھا' قد و قامت ایسا تھا' چال ڈھال ایسی تھی۔ یہ بھی امتیازی چیز تھی کہ پورے عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں' فرماتے ہیں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے' سُرخ حُلّہ پہنے ہوئے' سرخ چادر اور سرخ ہی لنگی ___ لیکن محدثین اور شُرّاح حدیث اس کی تفصیل کرتے ہیں کہ وہ ساری سرخ نہیں تھیں سرخ اس لئے کہا گیا کہ اس پر دھاریاں سرخ پڑی ہوئی تھیں کپڑا سفید تھا (سفید زمین کے کپڑے میں سرخ دھاریاں تھیں)۔

یمن سے چادریں آیا کرتی تھیں۔ بعض سیاہ دھاریوں کی' بعض سرخ دھاریوں کی' بعض سبز دھاریوں کی تو اس دن یمن سے سرخ دھاری کی کوئی چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی پہنے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا' چاندنی کھیل رہی تھی اس

س آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نہ کہتے ہیں کہ میں کبھی چاند کو دیکھتا کبھی چہرۂ مبارک کو اور کہتا تھا کہ ان میں کون زیادہ حسین ہے؟ مجھے فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ چاند میں وہ حُسن وجمال نہیں، جو چہرۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر حُسن وجمال ہے اس لئے چاند سے ہٹ کر میری نگاہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر جَم جاتی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیسی صورتِ زیبا دیکھی ___ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ادت مبالغہ کی نہیں تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے زیادہ سچا اس عالم میں دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ اہلسنّت والجماعت کا جماع ہے کہ اس امّت میں بڑے سے بڑا قطب غوث یا ابدال پیدا ہو لیکن صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا، صحابہ ب کے سب متقی، عُدول، پاکباز اور پارسا ہیں۔ ان سے بڑھ کر مقدّس طبقہ اس امّت میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ قرآن وحدیث نے جس طبقے کی برگزیدگی کی شہادت دی ہے وہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے، اس لئے ان کے ں شاعریت نہیں تھی، مبالغہ آرائی نہیں تھی جو کچھ کہتے تھے اپنے اللہ کو سامنے رکھ کر حقیقت کہتے تھے و ہریرہؓ نے کوئی شاعری اور مبالغہ نہیں کیا بلکہ اصل حقیقت بیان کی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسی پاک صورت پہلے کبھی دیکھی نہ آئندہ دیکھیں گے، یہ کوئی مبالغہ یا اعری نہیں بلکہ بیانِ حقیقت ہے اور اس کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ عُشّاقِ رسول محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا تھے اور جو فانی ہو محبت میں وہ تو کہا ہی کرتا ہے ہ اچھی چیز ہی کہے گا وہ تو محبت ہی کی بات کرے گا تعریف ہی کی کہے گا لیکن قرآن کریم میں بھی اس کی شہادت وجود ہے۔

جمالِ محمدی ﷺ کا مأخذ قرآن سے

جب اللہ کے کلام سے کوئی چیز اَخذ کی جائے تو قرآن ذمّہ دار بن جاتا ہے پھر اس میں شاعریت کا کوئی شائبہ شوشہ باقی نہیں رہتا تو قرآن کریم میں بھی مأخذ موجود ہے اور سمجھنے والے اس کے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عالیٰ عنہم ہیں۔ تو پہلے میں قرآن کریم کا واقعہ بیان کردوں اور پھر اس وقعہ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جو خذ کیا ہے اس کو عرض کروں گا۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ یوسف علیہ السلام سب سے زیادہ حسین دنیا میں گذرے ہیں اور خود فرمایا حدیث ں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ نے حُسن وجمال پیدا کیا تو آدھا حُسن ساری دنیا کو دیا اور آدھا سن تنہا یوسف علیہ السلام کو دیا تو حُسن وجمال میں کوئی شک نہیں جب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں د حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تو اس سے بڑھ کر شہادت نہیں ہو سکتی کہ یوسف علیہ السلام سے زیادہ وئی حسین نہیں، جمال ان کا اونچا تھا، ان پر زلیخا عاشق ہوئی ہیں ___ جو بادشاہِ مصر کی بیوی تھیں اور صرف لیخا ہی عاشق نہیں تھیں بلکہ مصر کی تمام بیگمات اپنے دلوں کو یوسف علیہ السلام کے عشق میں کھوئی ہوئی تھیں ___ لیکن زلیخا نے چونکہ انہیں خریدا تھا اور کنعان کے قافلے نے آکے زلیخا کے ہاتھ بیچ دیا تھا اس لئے ضرت یوسف علیہ السلام گویا زلیخا کے مملوک تھے، دوسری طرف جا نہیں سکتے تھے تو بیگماتِ مصر لاکھ عشق ریں مگر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھیں تو انہوں نے ایک ڈھنگ اختیار کیا کہ زلیخا پر طعنے کسنے شروع کئے کہ یکھو زلیخا کیسے تھوڑے دل کی عورت ہے جو اپنے غلام پر عاشق ہوگئی ہے، اسے شرم نہیں آتی۔ بادشاہ کی بیگم

ہے اور غلام پر عاشق؟ یہ طعنے دینے کا مقصد کیا تھا؟ یہ کہ زلیخا کا دل اُتر جائے اور کسی طرح یوسف علیہ السلام کو ہم قبضائیں۔ زلیخا اس سے ہٹ جائے تو اس پر ہم قابض ہوں تو یہ مقصد تھا طعنے دینے کا۔

زلیخا بھی سمجھ گئی اور روز روز کے طعنے سنتے سنتے تنگ آگئی۔ آخر اس نے ایک دن ارادہ کیا کہ میں ایک دفعہ ان سارے طعنوں کا جواب دے دوں تو اس نے بیگمات مصر کو چائے کی پارٹی دی ___ چائے کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ کھانے کے سوا جو پارٹی ہوتی ہے چائے کی کہلاتی ہے چاہے اس زمانے میں چائے ہو یا نہ ہو ___ مگر بہر حال وہ پارٹی تھی' کھانے کی نہ تھی وہ تفریحی پارٹی تھی' اور کچھ تفکّہ کی چیزیں اس میں رکھی گئی تھیں۔ پھل فروٹ وغیرہ بہتر سے بہتر چُنے گئے تھے بہر حال ملکہ تھیں بادشاہ کی بیگم تھیں تو اس کے ہاں کیا کمی تھی؟ بڑا دستر خوان سجایا' پھل فروٹ' مٹھائیاں اور جو اس زمانے کے تکلفات تھے' سب رکھے گئے' پھل کاٹنے کے لئے چھُریاں رکھی گئیں اور بیگماتِ مصر کو دعوت دی۔ تمام وزراء زادیاں' امیرزادیاں اور ان کی بیگمات آئیں اور ہر ایک اپنے بناؤ سنگھار کر کے لباس اور زیورات پہن کر آئیں مقصد یہ تھا کہ شاید یوسف کی نظر پڑ جائے' مجھے ہی پسند کر لے ہر بیگم یہ چاہتی تھی' تو انتہائی آراستہ پیراستہ ہو کر بہترین زیو رات' لباس پہن کر جمع ہوئیں' دستر خوان سجایا گیا تھا جب زلیخا نے دستر خوان پر سب کو بٹھلایا تو یوسف علیہ السلام کو ایک کمرے میں چھپا دیا' کہا جب میں کہوں تو باہر آئیں پہلے باہر نہ آئیں۔ یوسف علیہ السلام اندر بیٹھ گئے ___ خیر بیگماتِ مصر بیٹھیں ___ قرآن کریم میں اس کا تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ بیگماتِ مصر نے زلیخا کو طعنے دینے شروع کئے کہ اپنے غلام پر عاشق ہو گئی شرم آنی چاہئے۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا. إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ہم تو اسے گمراہ سمجھتے ہیں' بھلا غلام پر بھی عاشق ہونے کے کوئی معنی ہیں؟ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ جب زلیخا نے پہچان لیا کہ طعنہ دینا محض اس لئے ہے کہ میرا دل اُتر جائے یوسف سے۔ اور یہ یوسف پہ قابو پائیں أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً دستر خوان تیار کیا' پھل فروٹ سجائے وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا ہر ایک کے سامنے ایک ایک چھُری رکھ دی کہ پھل کاٹیئے اور کھائیے' جب انہوں نے چھُریاں ہاتھوں میں لیں اور پھلوں کو تراشنا شروع کیا۔ ایک دَم یوسف علیہ السلام کو آواز دی کہ باہر آجائیں' یوسف علیہ السلام باہر آئے۔ ان کا حُسن وجمال دیکھنا تھا کہ بیگمات اتنی مبہوت ہوئیں کہ آپے سے باہر ہو گئیں۔ بجائے پھل کاٹنے کے کسی نے انگلی کاٹ لی' کسی نے خونچہ کاٹ لیا' کسی نے بازو کاٹ لیا۔ سب لہولہان ہو گئیں' یوسف علیہ السلام کا حُسن وجمال دیکھ کر ___ انہیں اپنے آپے کا ہوش نہ رہا۔

جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا' تو بہت بھاری اور بڑا سمجھا' اور ہوش وحواس کھو بیٹھیں اور ہاتھ کاٹ ڈالے وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ اور کہا کہ واللہ یہ بشر نہیں کوئی فرشتہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے یہ حُسن وجمال بشر میں کہاں ہے؟ یہ خوبصورتی' یہ نزاکت' قدرعنا اور یہ زیبائش' یہ کہاں بشر میں ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہ کوئی فرشتہ ہے ___ جب تعریف میں رطب اللسان ہوئیں تو زلیخا نے کہا'

یہی ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیا کرتی تھیں۔ میں نے تو نہ کبھی انگلی کاٹی نہ ہاتھ کاٹا' تم کو کیا مصیبت آئی کہ تم نے انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ میرے ساتھ روز یوسف ہیں مگر میں اپنے آپے میں ہوں۔ تم نے ایک نظر دیکھا اور آپے سے باہر نکل گئیں تو جب تمہاری یہ حالت ہے اگر میری یہ حالت ہو تو طعن کی کونسی بات ہے؟ تمہیں طعن دینے پر شرم آنی چاہئے نہ کہ میں غلام پر عاشق ہو کر شرم کروں' تم کیوں عاشق ہوئیں؟

تم پر یہ مصیبت کیوں آئی؟
اب بے چاری بیگمات چپ ہوئیں' اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں' پھر کسی کی زبان طعن نہیں کھلی۔ زلیخا چھوٹ گئیں۔ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا ہو گیا ___ یہ تو واقعہ ہے جو قرآن کریم نے یوسف علیہ السلام کے حسن کے بارے میں بیان کیا۔

حسنِ یوسف علیہ السلام پر جمالِ محمدی ﷺ کا تفوق

حضرت عائشہؓ کیا فرماتی ہیں؟ وہ مجھے سنانا ہے یہ اس کے لئے تمہید ہے۔ حضرت عائشہؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ پاک ہیں' وہ فرماتی ہیں کہ بیگماتِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا تو ہاتھ کاٹ ڈالے اگر میرے محبوب کو دیکھتیں تو دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں ___ یہ گویا صدیقہؓ نے فرق بیان کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال سے زیادہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حدیث میں فرمایا کہ آدھا حسن پوری دنیا کو دیا گیا۔ آدھا یوسف علیہ السلام کو تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ساری دنیا کے مجموعے کو حسن دیا گیا وہ تنہا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن دیا گیا وہ یوسف علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ عائشہ صدیقہؓ کی کہاوت صحیح ہے کہ بیگماتِ مصر نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ میرے محبوب کو دیکھ پاتیں تو دل صحیح سالم نہ رہتے' دلوں کے ٹکڑے کر ڈالتیں۔ اس سے جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ ہوا۔

یوسف علیہ السلام کے بارے میں "حسن" کا لفظ استعمال کیا فَاِذَا قَدْاُعْطِیَ شَطْرَ الْحُسْنِ آدھا حسن پوری دنیا کو دیا گیا۔ آدھا حسن حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا ___ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "جمال" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جمال برتر ہوتا ہے حسن پر حسن کہتے ہیں قدوقامت کی موزونیت کو کہ ہر عضو اور ہر جوڑ بند اپنی جگہ اتنا مکمل ہو کہ نگاہیں نہ پھیری جائیں' وہاں سے ہٹنے نہ پائیں مجموعی طور پر قابو پالے' تو حسن کہتے ہیں رنگ کی سفیدی اور ظاہری نقشے کے اچھے ہونے کو اور جمال کہتے ہیں مجموعہ قد کے تناسب کو اعضاء کے جوڑ بند کے درست ہونے اور اپنی اپنی جگہ موزوں ہونے کو ___ انگلی دیکھو تو معلوم ہو کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی ناک دیکھو تو معلوم ہو کہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتی ہر ہر عضو اتنا موزوں' اتنا کامل کہ اس سے آگے کمال کا تصور نہیں ہو سکتا ہے اسے کہتے ہیں جمال۔ تو جمال فائق ہے حسن کے اوپر' بڑھا ہوا ہے حسن سے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے لئے جمیل کا لفظ بولا گیا' حسین کا لفظ نہیں بولا گیا اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ خود بھی جمیل ہے اور جمال والے کو پسند بھی کرتا ہے یہ نہیں کہا گیا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَسِنٌ یُحِبُّ الْحُسْنَ اللہ حسن والا ہے حسن والے کو پسند کرتا ہے اس لئے کہ حسن کہتے ہیں حسنِ صورت کو' اور جمال کہتے ہیں ___ جمال ذات کو کہ ذات بالکل موزوں اور مناسب ہے اور حسن کے معنی صورت اچھی رنگ اچھا' بہرحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمال دیا گیا تھا اس لئے احادیث میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا ذکر ہے تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عضو کی تعریف ہے بال ایسے تھے' دندان مبارک ایسے تھے جیسے موتی پروئے ہوئے' بال نہ بالکل لٹکے ہوئے نہ بالکل خمیدہ کچھ لٹکے ہوئے کچھ گھنگریالے' تو لٹکے ہوئے بھی اور چھلے دار بھی' بالکل لٹکے ہوئے بال ہوں تو یہ حسن نہیں سمجھا گیا اور بالکل لٹکے ہوئے نہ ہوں بلکہ چھلے چھلے پڑے ہوئے ہوں تو یہ بھی حسن نہیں سمجھا گیا۔ گھنگریالے بھی ہوں اور پھر

کچھ لٹکے ہوئے بھی ہوں' دونوں چیزیں جمع ہیں تو اسے جمال کہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے' کچھ لینے کے لئے آپ نے دستِ مبارک دراز فرمایا' چادر مبارک اتر گئی اور بغلیں کھلیں' تو فرماتے ہیں صحابہ کرامؓ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چاندی کی کوئی چیز شفاف رکھی ہوئی ہو کہ اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔

گردن کے متعلق تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے عاج کی ہو یعنی ہاتھی دانت کی بنی ہوئی ہو۔ اس قدر صاف اور ستھرا اس کا رنگ تھا تو جس چیز پر نگاہ پڑ جاتی تھی۔ نگاہ ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی تو بہرحال سَراپا جو ذکر کیا گیا احادیث میں اور شمائل پر مستقل کتابیں لکھی گئیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ زیبا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوقامت اور سَراپا کی تعریف بھی کی گئی ___ امام ترمذیؒ نے ایک مستقل کتاب شمائل ترمذی کے نام سے لکھی ہے اس میں وہی احادیث ذکر کی گئی ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا' حسن کا' کمال کا ذکر ہے جو مستقل روایتوں کا ذخیرہ ہے۔

سیرۃ نبوی ﷺ کیا ہے؟

تو بہرحال ۱۲ ربیع الاوّل کو ایک ذاتِ مقدس کو اللہ نے نمایاں کیا کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل نہ پہلے عالم میں پیدا ہوئی تھی نہ بعد میں پیدا ہوگی۔ ایک کامل نقشہ انسانیت کا ایسا پیش کیا گیا کہ اس سے زیادہ حسین و جمیل نقشہ دوسرا نہیں ہے اور یہ تو قاعدہ کی بات ہے کے جیسا سانچہ ہوتا ہے ویسی ہی اس میں چیز ڈھلی ہوتی ہے سانچہ مکمل ہے تو جو چیز ڈھلے گی وہ بھی مکمل ہوگی' سانچہ اگر بے پیندہ کا ہے تو جو اس میں ڈھالو گے وہ بھی بے پیندہ کا ہوگا تو جب سراپا قدوقامت اور نقشہ و قالب مکمل تھا تو حقیقت بھی تو اتنی ہی مکمل آنی چاہیے تھی اس لئے جیسے جمال بے نظیر تھا' ویسے ہی کمال جو اس میں بھرا ہوا تھا' وہ بھی بے نظیر تھا۔ اس کمال ہی کا نام سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی کمال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل پیدا ہوئے تو ایک ہے شمائل' شمائل کہتے ہیں ظاہری خصائل کو' اور خصائل کہتے ہیں باطنی خصلتوں کو' یعنی اخلاق کو' عادات کو' کمالات کو' تو جب شمائل اعلیٰ ہوں گے تو خصائل بھی اعلیٰ ہوں گے' نقشہ بے نظیر تھا تو جو چیز ڈھلی ہوئی تھی' وہ بھی بے نظیر تھی' تو جیسے صورت اعلیٰ تھی' سیرت بھی اعلیٰ تھی ___ اس واسطے میں نے عرض کیا صورت خود مقصود نہیں ہوتی' صورت سیرت کے دکھلانے کا آئینہ ہوتی ہے صورت پہچاننے کا ذریعہ ہوتی ہے کسی شخص کو دیکھ کر جب آپ پہچانتے ہیں تو صورت دیکھ کر ہی پہچانتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے یعنی اس کی حقیقت کیسی؟ اس کی باتیں کیسی؟ تو پہلا ذریعہ پہچاننے کا صورت ہے تو ذریعہ تعارف ہے صورت' حقیقت میں جو چیز پہچاننے کی ہے' وہ ہے جو صورت کے اندر ڈھلی ہوتی ہے اس کا نام سیرت ہے تو صورتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہچاننے کا وسیلہ بنی' دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ ولادتِ جسمانی ذریعہ بنی ولادتِ روحانی کے پہچاننے کا کہ اس ذات کو ظاہر کیا جائے اس ذات سے دنیا کے لئے پھر کمالات نمایاں ہوں تاکہ دنیا ان کمالات پر چل کر خود سعادت حاصل کرے تو اصل چیز سیرت ٹھہر جاتی ہے

سیرتِ مقدسہ کا جزءِ اوّل

سیرتِ مقدسہ میں سب سے پہلا جز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا آتا ہے وہ عصمت

اہل سنت والجماعت اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام نبوّت ملنے سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں' یعنی وہ جو پہلی زندگی ہے اس میں بھی گناہ نہیں کرسکتے اور نبوّت ملنے کے بعد تو معصومیت نمایاں ہے پھر تو گناہ کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا اس لئے کہ اگر نبی کی زندگی میں کوئی ادنیٰ گناہ کا تصوّر ہو پھر اس کی زندگی نمونہ نہیں بن سکتی جو لوگ عمل کریں احتمال ہوگا کہ یہ چیز غلطی سے کی ہو' یہ چیز ممکن ہے گناہ ہو' تو نبی کی زندگی قول و فعل میں نمونہ بنتی ہے امّتی کے لئے کہ ہر شخص نبی کے قول و فعل پر عمل کرسکے' تو یہ جبھی کرسکتے ہیں کہ جب ہر قول و فعل اتنا پاک اور مقدّس ہو کہ اس میں نافرمانی کا شائبہ تک نہ ہو' اس کے اندر کسی گناہ کا شائبہ نہ ہو' کسی معصیت کا احتمال نہ ہو' اگر نبی کی زندگی میں گناہ اور معصیت کا احتمال ہو گیا تو زندگی بے اعتبار ہو جائے گی پھر وہ نمونہ اور قابلِ تقلید باقی نہیں رہے گی اس لئے انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ معصوم پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے گناہ نہیں ہو سکتا۔

اور کیوں نہیں ہو سکتا گناہ؟ ___ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو انبیاء علیہم السلام کی طینت اور مادہ اتنا پاک رکھا جاتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھپت نہیں ہوتی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پیدا تو کئے جاتے ہیں مٹی سے' لیکن ان کی مٹی میں غالب حصّہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے ترابِ جنت سے ان کا بدن بنایا جاتا ہے' اب ظاہر ہے کہ جب جنت کی مٹی کا عنصر شامل کردیا گیا اور دنیا کی مٹی معمولی درجہ میں ہے' غالب حصّہ وہ ہے جو جنت کی مٹی ہے تو جنت کی مٹی سے پاک مٹی دوسری نہیں ہو سکتی اِس خاک کے اندر کدورت ہے اور اُس خاک کے اندر طہارت اور پاکیزگی ہے' لطافت اور نورانیت ہے تو گویا انبیاء جنتی الاصل ہوتے ہیں ان کی اصل جنت کی ہے ہماری اصل اس دنیا کی ہے ہم اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ گناہ کی لذتوں کی طرف بڑھتے ہیں اور انبیاء اپنی اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ پاکی' طہارت' نیکی اور تقویٰ و تقدس کی طرف بڑھتے ہیں مثل مشہور ہے کل شیء یرجع الی اصلہ ہر چیز اصل کی طرف رجوع کرتی ہے جو اصلیت ہوتی ہے اس میں وہ ظاہر ہوتی ہے' تو انبیاء میں اصلیت جنت کی مٹی ہے اس لئے دنیا میں رہ کر بھی ان کا قلبی رجوع رہتا ہے جنت کی طرف' دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا اپنی اصل کی طرف جاتے ہیں تو جنت کی مٹی چونکہ پاک ہے اس واسطے نیک طینت ہونے کی بناء پر انبیاء علیہم السلام کے اندر گناہ کا تصوّر تک نہیں ہوتا ___ جب تصوّر ہوگا پاکی کا ہوگا' اسی لئے نبی کی طبیعت اتنی پاک بنتی ہے کہ طبیعت کو جب بھی آزاد چھوڑ دیں جب جائے گی خیر کی طرف جائے گی' جب جائے گی صلاح کی طرف جائے گی' جب چلے گی نیکی کی طرف چلے گی۔ کبھی شر کی طرف نہیں جائے گی' نیک عمل کی طرف جائے گی۔

آپ کے عرف میں کہاوت ہے جو آدمی نیک ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "بہت نیک طینت آدمی ہے"' یعنی معلوم ہوتا ہے مٹی بہت اچھی ہے' کوئی برائی کا کام کرتا ہی نہیں' تو معلوم ہوتا ہے کہ جوہر اگر پاک ہو تو پھر اس سے افعال بھی پاک سرزد ہوں گے اور جوہر میں اگر کدورت ہو تو افعال میں بھی کدورت ہوتی ہے تو چونکہ انبیاء کے جوہر میں جنّت کی مٹی شامل ہوتی ہے اور غلبہ اسی کو ہوتا ہے۔ اس واسطے ان کی سیرت اتنی پاک ہے کہ طبیعت پاک بنتی ہے' نبی کی طبیعت کو جب چھوڑا جائے تو خیر کی طرف ہی چلے گی بد عملی کی طرف نہیں جائے گی' رخ ہی طبیعت کا یہ ہے تو انبیاء علیہم السلام چونکہ نیک طینت ہوتے ہیں اس لئے طبیعت بھی پاک ہوتی ہے اس طبیعت سے جو بھی وہ عمل کریں گے' نیک ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت پر اترتی ہے جتنے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال ہی شریعت بنتے ہیں۔ نبی کا کہا ہوا اور

کیا ہوا ہی تو شریعت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہہ دیا وہ نمونہ اور شریعت بن گیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کریں اس طرح تم بات کرو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے اس طرح آپ کو سونا چاہئے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے تھے اس طرح آپ کو کھانا کھانا چاہیے۔ جس طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے آپ کو ہنسنا چاہئے۔ یہ ہنسنا' بولنا' کھانا' پینا طبیعت ہی کے افعال ہیں اور جب یہ سارے افعال نمونہ ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نبی کی طبیعت کے اوپر اترتی ہے۔ جو نبی کہدے وہ شریعت' جو کرکے دکھلادے وہ شریعت' تو جب تک طبیعت اتنی مقدّس اور پاک نہ ہو کہ اس میں شائبہ نہ ہو برائی کا' شریعت کیسے بنے گی؟ اس لئے نبی کی طبیعت پر شریعت اترتی ہے اور نبی کی عقل پر علم اترتا ہے کہ اس طبیعت سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ شریعت ہو جاتے ہیں اور اقوالِ علم کے بارے میں جو کہتے ہیں وہ وحی ہوتے ہیں' کیونکہ عقل کامل پر وحی آتی ہے تو علم بھی انبیاء علیہم السلام کا کامل' عمل بھی کامل۔

تو بہرحال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ طبیعت پاک پیدا کی گئی۔ کیوں پیدا کی گئی؟ اس لئے کہ جوہر پاک رکھا گیا۔ جنت کی پاک مٹی سے انبیاء کے بدن کو بنایا گیا کہ جب بھی وہ چلے گا نیکی کی طرف چلے گا اولاً تو اس وجہ سے معصومیت آتی ہے کہ گناہ کی طرف نبی کی طبیعت رجوع نہیں ہو سکتی۔ فطری بات ہے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا دوسرا جزو

دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہروقت اللہ کے جلال اور جمال کا مشاہدہ ہوتا ہے ان کا قلب ہروقت اللہ میں منہمک' محبت میں غرق ہوتا ہے اور اتنی کامل محبت کہ گویا ہروقت وہ حق تعالیٰ کی تجلّیات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ بادشاہ کے دربار میں اگر آپ جائیں اور نگاہوں کے سامنے بادشاہ ہو' کیا اُس وقت آپ کو تصور آئے گا کہ آپ اس بادشاہ کی خلاف ورزی کریں جب کہ بادشاہ کی عظمت سامنے' اقتدار سامنے' شاہی تخت پر بادشاہ بیٹھا ہوا ہے تو نافرمانی کرنا تو بجائے خود ہے آپ کی یہ بھی جرأت نہ ہو گی کہ نگاہ اِدھر اُدھر بھی پھیریں ادب کے ساتھ نگاہ نیچی رہے گی' بادشاہ سامنے موجود ہے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو جب ایک معمولی بادشاہ کے مشاہدہ کا اثر انسان پر یہ پڑتا ہے کہ وہ نہ بے ادبی کر سکتا ہے اور نہ ہی شاہی دربار میں گستاخی کر سکتا ہے' نہ نافرمانی کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ جس ذات کو ہو اور ہروقت رہے تو کیسے ممکن ہے کہ اللہ کی نافرمانی پر وہ آمادہ ہو؟ کس طرح ممکن ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرے یا منشاء حق کے خلاف کرے' اس واسطے انبیاء علیہم السلام مشاہدہ کے سبب سے بھی معصوم ہوتے ہیں ___ تو ایک معصومیت آتی ہے جوہر کی پاکی کی وجہ سے' دوسری معصومیت آتی ہے مشاہدۂ حق کی وجہ سے کہ جلال و جمال اللہ کا سامنے ہے' ہروقت اللہ کے سامنے ہیبت زدہ ہیں کیسے ممکن ہے کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں۔

آپ کو یقین ہے کہ سنکھیا سے موت آتی ہے انسان کبھی جرأت نہیں کر سکے گا کہ سنکھیا کھالے۔ جہالت سے کھالے تو کھالے یا لاعلمی سے لیکن اگر علم ہے کہ سنکھیا سے موت آتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ سنکھیا ہے تو آدمی اس سے دُور چلے گا کہ ایسا نہ ہو کہ اس کا دھواں میری ناک میں چلا جائے اور موت کے قریب ہو جاؤں اس لیے کہ آپ کو علم ہے کہ سنکھیا موت لانے والا ہے حالانکہ آپ نے تجربہ نہیں کیا کہ سنکھیا

کھا کے دیکھا ہو اور آدمی کا انتقال ہوا ہو۔ اس لئے کہ انتقال کے بعد دوبارہ پتہ چل گیا ہو کہ لاؤ تجربہ کروں' تو تجربہ عملاً نہیں ہے محض یقین ہے اور دوسروں سے سننے پر یقین ہے تو جب دوسروں کے سننے پر یقین ہو جائے اور آدمی اس پر بھی کھانے کے لئے آگے نہ بڑھے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے تو سنی سنائی نہیں بلکہ اللہ کے جلال و جمال کا آنکھوں دیکھا یقین ہو وہ مشاہدہ کر رہے ہوں' کیسے ممکن ہے کہ وہ خلاف ورزی کریں؟ اور اپنے یقین کے خلاف کریں؟

تو دو باتیں ہوئیں ایک یہ کہ طینت پاک ہے اس کی وجہ سے نبی کی طبیعت کبھی شر کی طرف نہیں جاتی ___ دوسرے یہ کہ مشاہدۂ حق ان کے سامنے رہتا ہے ہروقت اللہ کی عظمت' اس کا قہر اس کا جلال' اس کی رحمت' اس کی شانِ جلال و جمال آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے گویا نبی ہروقت دربارِ خداوندی میں حاضر ہوتا ہے تو شاہی دربار میں رہ کر بادشاہ کی خلاف ورزی اور بادشاہ کی نافرمانی کا تصوّر نہیں آسکتا۔ کیسے ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ کی طرف چل پڑیں۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا جزو سوم

اور تیسری بات یہ ہوتی ہے کہ ___ اول تو طینت کے پاک' پھر مشاہدۂ حق اور اس کے ساتھ ساتھ حفاظتِ خداوندی بھی شامل ہوتی ہے کہ اگر کسی وقت بشریت کے تقاضے سے طبیعت مائل بھی ہو جائے تو اللہ کی حفاظت ہوتی ہے کہ نبی گناہ کر نہیں سکتا اس کی زندگی پاک رہتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ زلیخا نے جب سات کمرے بنوائے اور یوسف علیہ السلام کو اندر بلایا اور تمام کمروں کے تالے لگوا دیئے اس کے بعد اپنی بات اور مقصد سامنے رکھا تو قرآن کریم کہتا ہے ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا﴾ کہ زلیخا نے بھی ارادہ کیا اور یوسف علیہ السلام نے بھی' یعنی بتقاضائے بشریت وسوسہ کے درجہ میں ایک چیز آئی ___ فرمایا ﴿لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ___ ہو سکتا تھا کہ یوسف مبتلا ہو جائیں یعنی ارادہ کریں۔ عملاً تو نہیں ہو سکتے تھے مگر ارادۃً اللہ اپنی قدرت کی نشانی دکھلا دیتا مگر خدا نے حفاظت کی کہ وسوسہ سے بھی دور رہے اور یہ کیا حفاظت ہے؟

حدیث میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں ممکن تھا کہ دل کی خواہش کا وسوسہ پیدا ہو لیکن چھت کی طرف نگاہ اٹھائی تو یعقوب علیہ السلام کا چہرہ مبارک چھت پہ نظر پڑا جو دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے ہیں ___ اسے دیکھتے ہی یوسف علیہ السلام بھاگے وہاں سات دروازوں پر تالے پڑے ہوئے تھے لیکن یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ بس دروازے پر پہنچے تالا ٹوٹتا گیا' دروازہ کھلا' آگے پہنچے وہ بھی دروازہ کھلا' ساتوں مکانوں سے باہر ہو گئے' اس سے معلوم ہوا کہ جیسے انبیاء علیہم السلام کی طینت پاک ہے اور جیسے مشاہدۂ جلال و جمال کیوجہ سے حق تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے اسی طرح حفاظت خداوندی بھی شامل حال ہوتی ہے کہ اگر . مقتضائے بشریت کوئی بات وسوسہ کے درجہ میں آئے تو وہ عمل نہیں کر سکتے اللہ ان کو محفوظ رکھتا ہے۔

قبل از نبوّت بھی نبی معصوم ہوتا ہے

حدیث میں ہے کہ آپ نے خود اپنا واقعہ بلکہ دو واقعے ارشاد فرمائے جیسے میں نے عرض کیا تھا کہ نبوّت سے پہلے بھی نبی معصوم ہوتے ہیں تو حفاظتِ خداوندی کی مثال دی ہے' آپ فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال کی تھی۔ مکہ میں قریش میں کوئی شادی تھی اور شادی بڑے گھرانے میں تھی تو ناچنے کے لئے بھی کچھ سامان تھے

___ جب دولت بڑھتی ہے تو اسی قسم کے خرافات لوگوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ کچھ مفلسی رہے، کچھ دولت کم ہو تو سیدھا سادھا شادی بیاہ کا معاملہ ہو جاتا ہے لیکن دولت بڑھتی رہے تو طغیانی اور سرکشی بڑھتی ہے اگر حق تعالٰی حفاظت نہ فرمادیں اور کسی کے دل میں صلاحیت نہ ہو تو دولت آدمی کو تباہ کر دیتی ہے ___ تو وہاں بھی یہ ہوا کہ دولت مند گھرانہ تھا۔ بظاہر یہ کہ روٹی کی سوجھتی، سوجھی یہ کہ شادی میں کچھ رنگ ہو کچھ ناچ ہو، کچھ تعیش ہو، کچھ کھیل تماشے ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قریش کے ہم عمر نوجوان کچھ لڑکے تھے انہوں نے مجھ سے کہا چلو وہاں شادی ہے اور قریش کی برادری ہے ہم بھی شادی میں چلیں ___ یہ تفصیلات تو آپ کے سامنے نہیں تھیں کہ وہاں ناچ رنگ ہوگا۔ مگر یہ تھا کہ بہر حال کچھ رنگ رلیاں تھوڑی بہت ہوں گی تو لڑکپن کے زمانے میں اس طرف طبیعت کا میلان ہو جانا، کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ دس بارہ برس کے بچوں نے کہا کہ ہم بھی شادی میں شریک ہوں اور وہاں کھیل تماشے بھی ہوں گے ___ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں بھی ساتھ چلا گیا کھیل تماشے شروع ہونے کا وقت، رات تھا جیسے ہمارے ہاں عشاء کے بعد رات کا وقت ہوتا ہے اس کے بعد ناچ رنگ تھے ___ تو فرماتے ہیں کہ میں جاکے بیٹھا، ابھی شروع نہیں ہوئے تھے کہ مجھ پر اتنی شدید نیند طاری ہوئی کہ میرے قبضہ میں نہ رہا بیٹھنا، میں سو گیا، ساری رات سوتا رہا، مجھے خبر نہیں کہ ناچ ہوا یا گانا ہوا۔ رنگ رلیاں منائی گئیں یا کیا قصّہ ہوا؟ پوری رات اللہ نے میری حفاظت کی اور جب میں اٹھا ہوں تو سننے میں تو یہ آیا کہ بہت باجے گاجے بجے، بہت باجے بجائے گئے، بہت ناچ رنگ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے کچھ خبر نہیں۔ یہ تھی حفاظتِ خداوندی ___ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارادے سے بھی نہیں گئے تھے کہ وہاں ناچ رنگ میں شریک ہوں گے مگر یہ ضرور تھا کہ کچھ کھیل تماشہ ہوگا تو بارہ، تیرہ برس کی عمر میں کسی کھیل تماشے کے لئے آدمی جائے یہ کوئی بُری چیز نہیں ہوتی، اتنا قلب مبارک میں آیا کہ کچھ کھیل تماشہ ہے لیکن کھیل ناجائز قسم کا تھا اس لئے کہ اس میں باجے تھے اور حدیث میں مزامیر کی ممانعت فرمائی گئی ہے اگر اجازت دی گئی تو دف کی تو اجازت ہے کہ نکاح ہوا اس میں دف بجادی تو اس میں کچھ تعیش نہیں ہوتا بلکہ کانوں کو اور تکلیف ہوتی ہے، راحت اس کے اندر نہیں ہوتی جیسے ستار میں یا ہارمونیم میں تعیش اور غفلت کی بات ہوتی ہے وہ اس کے اندر نہیں ہوتی مگر وہاں مقصود حقیقت میں دف بجانا بھی نہیں وہ تو اعلان مقصود ہوتا ہے کہ نکاح ہو تو دف بجادو تاکہ اعلان ہو جائے تو بہر حال دف اور چیز ہے۔ باجے گانے اور چیزیں ہیں کیونکہ شرعاً ممنوع ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری حفاظت کی کہ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ باجا بجا ہے یا ناچ گانا ہوا ہے ___ ایک تو یہ واقعہ ہے جس سے واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی جیسے طینت پاک ہے جس کی وجہ سے وہ گناہ نہیں کرتے اور جیسے انہیں مشاہدہ ہوتا ہے، اللہ کے جلال و جمال کا جس وجہ سے گناہ نہیں کرتے، ویسے ہی اللہ کی حفاظت بھی شاملِ حال ہوتی ہے اگر کبھی بشری تقاضے سے وسوسہ بھی قلب میں آئے تو اللہ کی حفاظت گناہ ہونے نہیں دیتی اس کی نظیر ایک تو یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف غالباً ۲۵ برس کی تھی مکہ مکرّمہ میں ایک سیلاب آیا اور مکہ چونکہ نشیب میں ہے چاروں طرف پہاڑ ہیں، بارشیں تو بہت کم ہوتی ہیں مگر جب زیادہ ہوتی ہیں تو سارا پانی حرم میں آجاتا ہے اور بیت اللہ بالکل بیچ میں ہے گہرائی میں تو سیلاب آیا اور بیت اللہ کے اندر داخل ہو گیا جس کی وجہ سے دیواروں کے اندر کا چونا بھی نکل گیا ریخیں گر گئیں ایسا ہو گیا گویا پتھر اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے مصالحہ باقی نہیں رہا، اندیشہ تھا کہ دیواریں گر جائیں ___ تو قریش نے ارادہ کیا کہ

بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کریں اس کے لئے چندہ جمع ہوا مگر اس زمانے کے قریش باوجودیکہ شرک میں مبتلا تھے اور انتہائی بدعملیوں کا شکار تھے' لیکن اللہ کے گھر میں مشتبہ مال لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔

وہ تو ڈکیتی بھی مارتے تھے۔ سود سٹہ بھی کرتے تھے جائز و ناجائز ہر طرح کی کمائی تھی لیکن باوجود اس شر نفس کے ان میں یہ احساس تھا کہ خدا کا گھر پاک کمائی کا مستحق ہے اس میں کوئی مشتبہ کمائی نہیں آنی چاہئے ___ تو چندے میں یہ عہد کیا گیا کہ ڈکیتی کا نہ ہو' سود اور بیواؤں کا نہ ہو۔ کمائی وہی ہونی چاہئے جو خالص حلال کے ذریعے ہو جو ہم اپنی تجارت کے ذریعے' زراعت کے ذریعے کماتے ہیں اس کو لے کر جو چندہ جمع کیا گیا تو وہ اتنا نہیں ہو سکا کہ بیت اللہ کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں کے اوپر کی جائے تو اسے گوارا کیا کہ پوری تعمیر نہ ہو حطیم کا حصہ چھوڑ دو' حطیم کو چھوڑ کر پھر بیت اللہ کی تعمیر کرو تو چندہ کافی ہو جائے گا' ___ چنانچہ آج بھی وہ حصہ حطیم کا چھوٹا ہوا ہے ___ وہ جو بیت اللہ شریف کے متصل جو حج کر کے آئے ہیں انہوں نے دیکھا ہو گا' ___ ایک گول دائرہ سا بنا ہوا ہے جس میں حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ علیہما السلام کی قبریں ہیں۔ اس کے درمیان اور بیت اللہ کے درمیان میں تقریباً پونے دو گز کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے' وہ بیت اللہ کا حصہ ہے ابراہیم علیہ السلام نے جو خود بنا کی تھی اور تعمیر بنائی تھی اس میں وہ حصہ بھی بیت اللہ کے اندر شامل تھا لیکن چندہ اتنا نہیں ہو سکا کہ پوری بناء ابراہیمی پر تعمیر کر دیں اس لئے اس حصہ کو چھوڑ دیا اور چھوڑ کر خالص کمائی سے بیت اللہ کو تعمیر کر دیا ___ یہ تو تھی نیک بات ___ کہ پاک کمائی لگنی چاہئے۔ اللہ کے گھر میں مشتبہ کمائی نہ لگے ___ مگر ایک حرکت جہالت کی بھی تھی ___ آخر تھے تو جہلائے عرب ہی' کوئی اسلام کی روشنی تو آئی ہی نہیں تھی۔ یہ سوچا انہوں نے کہ بیت اللہ کی ہم تعمیر کریں اور ان کپڑوں میں کریں جن میں رات دن گناہ کرتے ہیں جن میں رات دن معصیتیں کرتے ہیں سیاہ کاریاں کرتے ہیں۔ ان کپڑوں کے اندر ___ ؟ لہٰذا ننگے ہو کر تعمیر کرو تاکہ بالکل پاکی کے ساتھ تعمیر ہو یہ جہالت کا شوشہ تھا اس واسطے کہ بالکل ننگا ہونا تو بے حیائی کی بات تھی تو حرکت اگر ناپاک تھی کہ گویا کوئی گناہ کیا ہے تو ننگا ہونا بھی تو گناہ میں شامل ہے تو ایک گناہ سے بچے تو دوسرے گناہ کی طرف آ گئے' بقول شخصے کہ "کنوئیں میں سے نکلے تو کھائی میں جا گرے" یہ انہوں نے نہ سوچا کہ ہم جو گناہ کرتے ہیں تو ان کپڑوں میں تھوڑا ہی کرتے ہیں اس بدن میں کرتے ہیں تو پھر کھال کو بھی کھینچ دینا چاہئے کہ اس کھال سے کیسے بیت اللہ کی ہم تعمیر کریں اور اس بدن سے کریں اس بدن سے تو ہم گناہ کرتے ہیں ___ آخر کپڑوں نے بے چاروں نے کیا قصور کیا تھا کہ بدن تو گناہ کر کے پاک کا پاک' اور کپڑے ہوئے ناپاک؟ اس میں ہم نے چوری کی تھی ڈکیتی ڈالی تھی۔ بھئی کپڑے کا کیا نقصان؟ ___ نقصان تو تمہاری کھال کا' تمہارے گوشت پوست کا ہے۔ اسے کھینچئے' اسے بدلئے ___ مگر یہ جہالت تھی کہ یہ کہا کہ ننگے ہو جاؤ اس لئے کہ کپڑوں نے گناہ کیا ہے' تو کپڑوں کو پھینک دو ___ چنانچہ برہنہ ہو کر تعمیر شروع کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں آیا' تو قریش نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم بھی شریک ہو تعمیر میں۔ یہ مقدس کام ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے ___ مگر کہا دیکھو ننگے ہو جاؤ' برہنہ ہو جاؤ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا۔ شریعت تو نہیں اتری تھی کہ یہ مسئلہ معلوم ہو تاکہ ستر کہاں تک ہے' کتنے بدن کو چھپانا واجب ہے اور کتنے کو نہیں؟ مگر نبی کی طبیعت میں ہی فطرت میں ہی پاکی ہوتی ہے سلامتی ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ میں برہنہ ہوں۔ مگر قریش نے زور دیا کہ نہیں' جب تمہارے سارے عزیز بلکہ بزرگ وہ سب برہنہ ہو کر تعمیر میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہاری عمر تو چھوٹی ہے' لڑکپن میں ہو' اپنے بزرگوں کی تعمیل کرو ___ فرماتے تھے میں نے کچھ ارادہ بھی کیا کہ جب یہ اس طرح ہیں تو میں

بھی برہنہ ہو کر تعمیر کروں۔ میں ارادے اور تخیّل ہی میں تھا اور گویا میں نے ابھی ہاتھ ڈالا لونگی پر تو اچانک مجھ پر اس زور کی غشی طاری ہوئی کہ میں زمین پر گرا' جیسے کوئی زمین پر پٹخ دیتا ہے زمین کے اوپر اور پھر مجھے ہوش نہیں رہا کہ کیا ہوا؟ افاقہ اس وقت ہوا جب تعمیر مکمل ہو چکی تھی لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے' حق تعالیٰ نے مجھے برہنہ ہونے سے محفوظ رکھا' تو برہنگی فی الحقیقت ایک معصیت کی شان ہے' ستر کا کھل جانا معصیت کی شان ہے ___ اسلام میں مرد کا ستر رکھا گیا ہے ناف سے لے کر گھٹنوں تک' اس حصۂ بدن کو چھپانا واجب ہے نماز کے اندر اس حصہ میں سے کوئی حصہ کھل جائے گا' نماز نہیں ہوگی' چاہے کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو نماز نہ ہوگی' اس لئے کہ یہ حصۂ بدن واجب الستر ہے ___ عورت کا ستر گردن سے ٹخنوں تک ہے' اس حصۂ بدن سے کوئی حصہ اگر کھل جائے تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

تہذیبِ مغرب کی تباہ کاریاں

آج کل تو ہماری بہنیں جو لباس پہنتی ہیں' بازو ہیں تو وہ الگ کھلے ہوئے' گلے الگ کھلے ہوئے' سینے کا حصہ الگ کھلا ہوا تو نماز مطلقاً نہیں ہوتی (بشرطیکہ ہماری بہنیں نماز پڑھیں' جو نماز کے قریب ہی نہ جائیں تو.... ؟) ان کی آرائش زیبائش ممکن ہے' ہو جائے لیکن اللہ کے ہاں کوئی تقرب، قرب وطاعت' یہ اس میں نہیں ہوتی جب کہ یہ حصۂ بدن کھل جائے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ:

بہت سی عورتیں زمانے میں پیدا ہوں گی جو **کاسیات** ہوں گی **عاریات** ہوں گی' لباس پہنے ہوئے ہوں گی اور پھر بھی ننگی ہوں گی' لباس ہو گا بدن پر' پھر بھی برہنہ ہوں گی **مائلات ممیلات** خود بھی مائل ہوں گی اجنبی مردوں پر اور ان کو بھی مائل کریں گی اپنے اوپر۔ فرماتے ہیں کہ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں کی جائیں گی' اس لئے کہ انہوں نے فتنے کا دروازہ کھول دیا' دنیا کو جہنم میں دھکیلنے کا انہوں نے ارادہ کر لیا تو دو لفظ فرمائے گئے **کاسیات عاریات** لباس پہن کر پھر بھی ننگی ہوں گی۔

اس کی تین صورتیں ہیں کہ لباس پہنے ہوئے بھی ہوں' پھر بھی ننگی ہوں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ لباس ہی نہ ہو' یعنی بالکل عریانی ہو ___ یہ بھی آج کل فیشن چلا ہے' یہاں مشرق میں تو نہیں آیا مگر یورپ میں' جرمنی میں یہ فیشن آیا تھا ___ اب معلوم نہیں باقی ہے یا نہیں ___ لیکن آج سے تیس برس کی بات کر رہا ہوں کہ ایک مستقل احاطہ بنوایا گیا جس کا نام "ایوانِ فطرت" رکھا گیا اور اس میں وہ لوگ داخل ہو سکتے تھے جو بالکل برہنہ ہوتے تھے کوئی لباس ان پر نہیں ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ فطرت کا تقاضا ہے کہ ننگے رہو۔ فطرۃً پیدا بھی ننگے ہوئے تو اب کیوں کپڑا پہنتے ہو ___ ؟ وہاں کی گورنمنٹ نے یہ انتظام کیا کہ ان کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی' یہ عنایت کی گورنمنٹ نے' ان کے لئے احاطہ بنوا دیا گیا جو وہاں داخل ہوتا تھا ان کا عہد تھا کہ لباس سے داخل نہ ہو گا تو وہاں تو **کاسیات** کا کوئی سوال ہی نہیں کہ کس پر لباس ہو گا وہاں تو **عاریات** ہی **عاریات** ہیں' عریانی ہی عریانی ہے ___ لیکن حدیث جو بیان کر رہی ہے وہ **کاسیات عاریات** ہیں کہ لباس پہنے ہوئے اور پھر ننگی ___ اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لباس ناقص اور ناتمام ہو' یعنی لباس پہنا ہے مگر بازو کھلے ہوئے ہیں۔ لباس پہنے ہوئے ہے مگر سینہ کھلا ہوا ہے۔ لباس پہنے ہوئے ہے مگر کمر کھلی ہوئی ہے' لباس پہنے ہوئے ہے مگر پنڈلی کھلی ہوئی ہے ___ تو **کاسیات** بھی کہا جائے گا کہ لباس پہنے ہوئے ہے مگر پھر بھی ننگی۔ اس لئے کہ ستر کھل گیا۔ تو **عاریات** بھی کہا جائے گا ___ دوسری صورت یہ ہے کہ لباس پہنے ہوئے ہو وہ گردن سے لے کر ٹخنوں تک پورا ہو مگر وہ اتنا باریک ہو کہ لباس سے سارا بدن نظر آ رہا

ہو تو کاسیات بھی ہیں اور عاریات بھی ہیں۔ لباس پہنے ہوئے ہیں مگر پھر بھی برہنگی اور عریانی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ لباس ہے اور پورے بدن پر ہے اور باریک بھی نہیں ہے موٹا لباس ہے مگر اتنا چُست ہے بدن کے اوپر کہ بدن کی حیثیت پوری نمایاں ہو جیسے آج کل کے بعض مہمل پائجامے دیکھے گئے جنہیں عورتیں پہنتی ہیں۔ یہاں سے لے کر وہاں تک بالکل بدن کے اوپر لپٹے ہوئے جیسے کہ پوچھڑے کے اوپر کپڑا لپیٹ دیا گیا' یہ طریقہ چلا۔ خدا جانے اس میں کیا حسن و جمال ہے؟ ___ جب لباس میں عریانی آگئی تو سارے بدن پر چھا گئی' سوچنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اصلیت اور اپنی ذات کے لحاظ سے کہ بھلا یا برا ہے ایک فیشن ہے بس چلنا چاہئے یعنی دین کے بارے میں کوئی تقلید کرے تو طعن کرتے ہیں کہ یہ تقلید کر رہا ہے بے شعوری سے عمل کر رہا ہے اور دنیا کے بارے میں رات دن تقلید ہے کہ ایک صدا امریکہ یا برطانیہ سے چلی آنکھ بند کر کے لوگوں نے اس کے اوپر عمل کیا۔ تو کون سی اس میں تحقیق کرتے ہیں؟ کہ اس میں کوئی فائدہ ہے یا کوئی نقصان ہے کچھ نہیں بس فیشن چلنا چاہئے تو یہی لباس چل پڑا کہ یہاں سے لے کر وہاں تک پاجامہ لپٹا ہوا ٹانگوں سے رانوں تک ہو۔ تو کپڑا تو موٹا ہے مگر بدن کی حیثیت نمایاں ہوتی ہے ___ غرض تین صورتیں ہوئیں کہ باوجود لباس کے پھر ننگا پن نمایاں ہو ___ یا تو لباس ناتمام ہو کہ اس سے بدن کچھ ڈھکا ہوا تھا' کچھ کھلا یا لباس پورے بدن پر ہے مگر نہایت باریک کہ جس سے بدن ڈھلک رہا ہو یا لباس پورے بدن پر ہے موٹا بھی ہے مگر چُست اتنا ہو کہ بدن کی حیثیت نمایاں ہو ___ یہ کاسیات اور عاریات کے حکم میں ہیں۔ تو عورتوں کا لباس ایسا ہونا چاہئے' یا تو ایسا ہو کہ بدن نہ جھلکے اگر باریک ہی ہو تو کم از کم نیچے کوئی ایسا کپڑا ہو کہ جس سے بدن چھپ جائے چلو اوپر کوئی باریک کپڑا پہن لے ___ اور اتنا چُست بھی نہ ہونا چاہئے کہ بدن کی پوری حیثیت نمایاں ہو بلکہ ایسا کچھ فراخ ہو کہ بدن کی حیثیت بھی نمایاں نہ ہو' بدن ڈھلکے بھی نہ ___ وجہ اس کی یہ ہے کہ عریانی سے شریعت نے روکا ہے۔ ایک حصہ بدن کھولنے کی اجازت دی ہے اور ایک حصہ کی کسی حالت میں بھی اجازت نہیں ہے جس حصہ کو کھولنے کی اجازت دی ہے۔ اور اس کے کھلے ہونے کی حالت میں نماز ہو جاتی ہے وہ چہرہ ہے ہاتھ پاؤں ہیں۔ نماز میں ہاتھ پیر ڈھانپنا عورت پر ضروری نہیں ہے یہ حصے کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی لیکن گردن سے لے کر ٹخنوں تک کا کوئی حصہ نہیں کھلنا چاہئے یہ ستر کا حصہ ہے ___ جیسے مرد میں ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ یہ نہیں کُھلنا چاہئے یہ ستر کا حصہ ہے ___ اب آگے جو عورت کے لئے پردہ ہے وہ حجاب کہلاتا ہے وہ ستر میں داخل نہیں ہے کوئی اجنبی آگیا تو نقاب ڈال لیا ورنہ ضروری نہیں ہے یا دُور اور بعید ہے کہ پہچان نہ ہو تو بھی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے تو حجاب کا تعلق دوسروں سے ہے اور ستر کا تعلق اپنی ذات سے ہے حجاب ہو گا جب کوئی اجنبی دیکھنے والا ہو گا اور ستر ہر صورت میں ہو گا کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ ہر صورت چھپانا ضروری ہو گا۔ یہ حصہ کھل جائے گا تو نماز نہیں ہو گی ___ تو بہر حال عریانی اور ننگے پن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے تو جس شریعت میں عریانی کو بُرا کہا گیا اس شریعت کے لانے والے پیغمبر کیسے عریاں ہوتے؟ کیسے بدن کو ننگا کرتے؟ تو آپ کی فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ برہنہ نہ ہوں ___ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ نہیں کیا کچھ وسوسے کے درجے میں ایک چیز قلب میں آئی تو حفاظت خداوندی شامل ہو گئی اور اس طرح سے میں گرا ہوں کہ جیسے کسی نے پٹخ دیا ہو یہ تھی حفاظت خداوندی ___

انبیاء علیہم السلام میں عصمت جبری نہیں بلکہ ارادی ہے

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی سیرت میں بنیادی چیز عصمت اور معصومیت ہے یعنی گناہ سے پاکیزگی ___ تو نبوّت سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام گناہ نہیں کرتے اور نبوّت کے بعد بھی اور گناہ نہ کر سکنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجبور کرتے ہیں کہ وہ نہ کریں اور معاذ اللہ انبیاء میں کوئی ارادہ ہی نہیں ہوتا۔ کمال تو یہ ہے کہ انبیاء اپنے ارادے سے بچیں' یہ کمال ہے۔ مجبور ہو کر بچنا یہ کمال میں شامل نہیں ہے تو اس کی صورت میں نے عرض کی کہ انبیاء اپنے ارادے سے ہی معصیت سے بچتے ہیں مگر معصیت کا ارادہ کر نہیں سکتے۔ کیونکہ ان کے جوہروں میں معصیت کی طلب نہیں ہے۔ جب مٹی پاک رکھدی تو طلب کہاں سے پیدا ہوگی؟ اور اس کے ساتھ ساتھ جب انہیں اللہ کی ذات و صفات کا مشاہدہ ہے گویا ہر وقت دربارِ خداوندی میں حاضر ہیں تو پھر ہمت کیسے ہوگی؟ معصیت کا ارادہ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور تیسری چیز کہ اگر . بمقتضائے بشریت کبھی وسوسے کے درجے میں بات دل میں آئے تو حفاظتِ خداوندی انہیں گناہ کرنے نہیں دیتی۔ اس لئے ان کی زندگی معصوم اور پاک رہتی ہے۔

معصیت کو ذریعۂ تبلیغ بنانا اصولِ تبلیغ کے خلاف ہے

حدیث میں ہے کہ جب آپ کے اوپر وحی آئی ہے تو وحی آنے کے بعد کچھ عرصہ گذرا کہ وحی کا انقطاع ہو گیا اسے "فترت کا زمانہ" کہتے ہیں کہ وحی منقطع ہو گئی اور چند دن وحی آنا بالکل بند ہو گئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ایک انقباض اور قبض طاری ہوا اور طبیعت اس درجہ بے چین کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ اب زندگی بے کار ہے جب جلال و جمال سامنے آکر چھپ گیا تو اب زندگی بے کار ہے اس کے بغیر زندگی بے کار ہے اس کے بغیر زندگی کوئی چیز نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کشی کا ارادہ کیا کہ بس میں اپنے کو ختم کر لوں ___ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں چلا کہ پہاڑ سے اپنے کو گرالوں تو چلنے کے وقت ہی اچانک آواز آئی "یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ___ دیکھتا ہوں تو کہنے والا نظر نہیں آتا۔ ادھر آواز نے متوجہ کیا اور میں اس فعل "خود کشی" سے رک گیا ___ بعد میں پھر ارادہ کیا کہ گرادوں اپنے کو۔ یہ کیا زندگی ہے؟ نہ وہ مشاہدہ نہ وہ جمال' نہ وہ تجلیات سامنے۔ کچھ بھی تو نہیں' کیا فائدہ اس زندگی کا؟ پھر ارادہ کیا کہ اپنے کو گرادوں پھر آواز آئی اور کسی نے بازو تھام لیا کہ کیا کرتے ہو ___؟ پھر میں رک گیا مگر نظر کوئی نہیں آیا اس کے بعد ایک دن پھر ارادہ کیا کہ اپنے کو ختم کروں ___ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی صورت ظاہر ہوئی اور اصلی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا۔ یہی ہے وہ حفاظت خداوندی کہ خود کشی چونکہ اس دین کے اندر ناجائز اور ممنوع تھی اور پیغمبر ہی ارشاد فرمانے والے ہوتے کہ خود کشی حرام ہے تو خود کیسے اس کا ارتکاب کر سکتے تھے؟ ___ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی داعی' کوئی واعظ' کوئی نصیحت کرنے والا' کوئی نیکی کرانا چاہے مگر یوں سمجھے کہ نیکی کا کام جب کراؤں گا جب اتنی کچھ برائی کرادی جائے گی کہ لوگ بغیر برائی کے جمع نہیں ہونگے ___ جیسے باجے گاجے اور ہارمونیم سے لوگوں کو مناسبت ہے تو کچھ باجے گاجے اور ہارمونیم رکھ لیں کہ اس حیلے سے لوگ جمع ہو جائیں گے' پھر میں وعظ سناؤں گا تو معصیت کو تبلیغ کا ذریعہ بنانا یہ تو نہایت ہی مضر چیز ہے اس لئے کہ آپ ایک دفعہ باجا بجا چکے اور لوگوں کو جمع کیا۔ کل جو لوگوں کو منع کیا تو وہ کہیں گے' جناب آپ نے کیوں بجایا تھا؟ تو کسی ایسی معصیت کو

نیکی کا ذریعہ بنانا جو ناجائز اور ممنوع ہے یہ تبلیغ کی حکمت کے خلاف ہے یہ تو اپنے ہاتھ پاؤں باندھ لینے ہیں آج دین کے کسی مسئلہ میں تساہل کیا' ڈھیل دے دی قوم جمع کر لینے دو' کل کو اگر کوئی فتویٰ پوچھے گا تو ہمارا منہ نہیں ہوگا جواب دینے کا کہ یہ ناجائز ہے وہ تو کہیں گے یہ چیز کل آپ نے بھی کی تھی ___ اب آپ کہتے پھریں کہ یہ مصلحت تھی تو مسئلہ کے مقابلہ میں مصلحت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ سیدھا سادھا مسئلہ ہے اس پر عمل کیا جائے' کاہے کی مصلحت؟ مصلحت یہ ہے کہ اللہ نے یہ حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آئندہ حکم دینے والے تھے کہ ناچ گانا ممنوع ہے' خودکشی کرنا حرام ہے' تو خود کبھی بھی اس کا ارتکاب نہیں فرما سکتے تھے۔ وسوسے کے درجہ میں ایک بات آئی" بلکہ خیال گذراں کے طور پر...." تو حفاظتِ خداوندی شاملِ حال ہو گئی اپنے نبی کو ایسی چیزوں سے بچایا کہ کل نصیحت کرنے کا منہ نہ رہے ___ اس واسطے انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں' کوئی گناہ نہ صغیرہ نہ کبیرہ نہیں کر سکتے۔ اگر ادنیٰ درجہ کا گناہ سرزد ہوتا تو دوسروں کو نصیحت کرنے کا منہ نہ رہتا' لوگ کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زندگی تو یہ ہے ساری رنگ رلیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم منا چکے ہیں پھر آخر ہمیں کیوں نصیحت کرتے ہو؟ ہم کو بھی تھوڑا بہت گناہ کرنے دیجئے ہم بھی کل کو بچ جائیں گے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچ گئے ___ یہ تہمت تھی اس تہمت سے بچانے کے لئے اللہ نے اپنے انبیاء کو اتنا مقدس پیدا کیا کہ نبوت سے قبل بھی ان سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا اور بعد از نبوت بھی۔ تو انبیاء کی زندگی کا سب سے بنیادی پتھر اور پہلی اینٹ عصمت اور معصومیت ہے جس سے انکی زندگی مقدس بن جاتی ہے اس کے بعد اب جو کام کریں گے وہ اُسوۂ حسنہ ہوگا' نمونہ ہوگا' امت کو حکم کیا جائے گا تم بھی چلو اس کے اوپر۔ اس لئے نبی کی زندگی میں معصیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا گناہ نہیں ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک کی بنیادی چیز درحقیقت عصمت ہے جو ولادت سے شروع ہوتی ہے۔ چالیس برس جو نبوت سے قبل کے ہیں وہ بھی معصومیت کے ہیں اور ۲۳ برس جو بعد کے ہیں وہ بھی معصومیت کے ہیں اس طرح سے ۶۳ سال کی عمر میں ادنیٰ درجہ میں کوئی ایک چیز زندگی کے اس طویل عرصہ میں ایسی نہیں ہے جس پر انگلی رکھی جا سکے۔

سیرتِ نبوی ﷺ پر غیر مسلموں کی شہادت

یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اپنے بلکہ غیر مسلم بھی اس کی شہادت دیتے ہیں جو تاریخ دان انصاف سے غور کرتے ہیں اور نبوتوں کی زندگی سے منجملہ کچھ واقفیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے شہادتیں دی ہیں کہ دنیا میں ایسا کامل و مکمل انسان جسکی زندگی پر حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برکات ہے۔

لکھنؤ میں آج سے چند برس پہلے کا واقعہ ہے ایک جلسۂ سیرت ہوا" فردوس ادب" ایک بڑی انجمن ہے وہ ہر سال لکھنؤ میں جلسہ کرتی ہے۔ سیرتِ طیبہ سننے کے لئے بڑا اجتماع ہوتا ہے کوئی پچیس تیس ہزار کے لگ بھگ آدمی جمع ہوتے ہیں۔ جہاں تک نگاہ جاتی ہے آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں اکثر مجھے بلاتے رہتے ہیں مگر فرصت نہیں ہوتی ___ ایک دفعہ میری شرکت ہوئی۔ آدمیوں کا سمندر معلوم ہوتا تھا ___ تو انہوں نے کے۔ ایم منشی جو کہ یو۔ پی کے گورنر تھے اور ہیں یہ ہندو ان کو بھی دعوت دی اور صدارت بھی انہیں کی رکھی۔ ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی۔ شرکت کی دعوت دینا تو ٹھیک ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنیں

لیکن ایک مقدس جلسہ کی صدارت یا ایسی توقیر کسی مقدس کے لئے ہونی چاہئے غیر مسلم کے لئے موزوں نہیں، کسی مسلم یا نیک کی ہی ایسی توقیر ہونی چاہئے۔ اس میں میلان اور جھکاؤ بھی ہوتا ہے۔ توقیر بھی کی جائے تو کسی مسلم ہی کی کی جائے۔ اس لئے کہ اسلام پیش کرنا ہے تو اسلام ہی کی عظمت نمایاں ہونی چاہئے پیش کر رہے ہوں آپ اسلام اور تعظیم نمایاں ہو غیر اسلام یا غیر مسلم کی؟ یہ اصول کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف ہے ہاں سیرت کے جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جائے غیر مسلم پیغمبر کے حالات کو سنیں تاکہ دین کی طرف ان کی توجہ ہو ___ تو انہوں نے دعوت دی مگر کے۔ ایم منشی نے معذرت کی اور کہا مجھے کام زیادہ ہے۔ فرصت نہیں ہے کہ میں آسکوں، باوجودیکہ میرے دل کا تقاضا تھا کہ اس مقدس جلسے میں شریک ہوں مگر کام اتنا بڑا ہوا ہے کہ مجھے کان کھجانے کی فرصت نہیں۔ میں پیغام لکھ کر بھیجتا ہوں جو میری طرف سے شریک ہو گا اور پیغام پڑھ کر سنا دیا جائے۔ پچیس تیس ہزار کے مجمع میں وہ پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ یوپی کا گورنر تھا اور مذہباً ہندوؤں میں سے تھا ___ اس کے پیغام کے دو جز تھے۔ پہلا جز تو یہ تھا کہ ہم تاریخی اعتبار سے اس بات کا یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ دنیا میں اتنا کامل اور مکمل انسان کوئی پیدا نہیں ہوا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی زندگی پر کہیں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ حصہ کمزوری کا ہے۔ جس پہلو کو دیکھو مقدس اور کامل ہے گھریلو زندگی کو دیکھو تو اعلیٰ درجے کی مقدس، جماعتی زندگی کو دیکھو تو خیر ہر برائی سے مبرا اور منزہ، اجتماعی زندگی کو دیکھو تو خیر و برکت کی زندگی، تنہائی کی زندگی کو دیکھو تو خیر و برکت کی زندگی، غرض اجتماعی، انفرادی، سونے کی، جاگنے کی، ہنسنے کی، بولنے کی کوئی پہلو زندگی کا ایسا نہیں ہے۔ جس میں ادنیٰ درجے میں کوئی طعن دیا جا سکے، یا ادنیٰ درجے میں کوئی اعتراض کیا جا سکے۔

اور بعض لوگ اگر اعتراض کرتے ہیں تو اعتراض کرنے کو تو خدا پر بھی کر دیتے ہیں بہت سے دھریئے جو خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، تو اس بدطینتی کا تو کوئی علاج نہیں لیکن انسان جب اپنی انسانیت سے غور کرے اور عقل سے غور کرے، تاریخ کو سامنے رکھے تو وہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ ایسی کامل اور مکمل ہستی ہے کہ کہیں ادنیٰ درجہ کے طعن و ملامت کی گنجائش نہیں یہ تو پہلا جز تھا۔

اور دوسرا جز پیغام کا یہ تھا کہ ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان کا قانون اسلام کے اصولوں پر بنایا ہے، اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بنایا ہے۔ جس نے اونچ نیچ ختم کر دی، چھوت چھات ختم کر دی، نسلی امتیازات ختم کر دیئے، رنگ روپ کا کوئی فرق نہیں رکھا، ملک والوں کے سب کے حقوق برابر ہیں راستہ کھلا ہوا ہے۔ جس کا جی چاہے ترقی کرے، جس کا جی چاہے آگے بڑھے، اب کوئی خود آڑے آگیا وہ بات الگ ہے یا تعصبات کیوجہ سے کوئی کسی کا راستہ روک دے وہ انفرادی دوڑ ہے وہ اشخاص کی بدطینتی ہوگی۔ قانون کا نقصان نہیں ___ تو دوسرا جز انہوں نے یہ لکھا کہ ہم فخر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنے ملک کا قانون اسلام کو سامنے رکھ کر بنایا ___ گویا مسلمانوں کے لئے بڑی عبرت کا موقع ہے کہ غیر مسلموں کو اپنے قانون بنانے میں اگر بنیاد ہاتھ لگی تو اسلام ہی کی ہاتھ لگی۔ اس زمانے میں انصاف دینے والا اگر کوئی قانون ہے تو وہ اسلامی قانون ہے، دوسرے قوانین اس دور میں نہیں چل سکتے، نجات اسی قانون کے اندر منحصر ہے وہی سامنے آئے گا تو نجات ہوگی۔

اسلام ابدی اور عالمگیر قانون ہے

آج اگر ہم چھوت چھات برتنے لگیں، تو دنیا تو بین الاقوامی ہو گئی، کہیں ہوائی جہازوں کا سفر، کہیں ریلوں

کا سفر وہاں آپ چھوت چھات کریں گے' دوسرے کے سائے سے بچیں گے تو سوال یہ ہے کہ آپ جہاز میں تشریف کیسے لائے؟ دوسرے ملک میں کیسے جا رہے ہیں؟ وہاں تو لوگوں کے سائے ملیں گے' تو اگر بعض اقوام کا سایہ بھی ناپاک ہو تو آپ کو دنیا میں اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت کیا تھی؟ تو دنیا بین الاقوامی ہوگئی' انٹر نیشنل ہوگئی' اس کے اندر آج چھوت چھات چل سکتی ہے نہ نسلی امتیازات چل سکتے ہیں۔ جو چلانے والے ہیں وہ بالآخر ندامت کے ساتھ اسلام کی طرف رجوع کریں گے' آج کی دنیا میں وہ چل نہیں سکتے۔ دنیا کے ساتھ چلنا پڑے گا' ___ میں کہتا ہوں کہ ہندوؤں کے مذہب میں بنیادی چیز چھوت چھات تھی' وہاں برہمن پر غیر برہمن کا سایہ تک نہ پڑنا چاہئے ناپاک ہو جائے گا' اس کے ہاتھ کا کھا نہیں سکتا غیر برہمن کا کھانے کو ہاتھ لگ جائے تو برہمن کے لئے وہ نجس ہو گیا۔ دُور سے کھانا دے گا کہ سایہ بھی نہ پڑے۔ ہندو غیر ہندو میں فرق' غیر ہندو کا سایہ پڑ جائے تو چیز ناپاک ہو گئی' وہ دُور سے کھانا دیں گے ہاتھ نہیں لگائیں گے یہ چھوت چھات ہے جس کے چھوڑنے پر آج دنیا مجبور ہے اور وہی لوگ ناکام ہوئے جو بنیادی طور پر اس مذہب کے حامل تھے ___ خود گاندھی جی' جن کے ہاں بھنگی نجس العین کا درجہ رکھتا ہے تو خود انہوں نے بھنگی بستی میں قیام کیا۔ تاکہ دنیا پر یہ واضح کرے کہ اب بھنگی یا غیر بھنگی کا فرق نہیں چل سکتا اب تو دنیا میں رائے شماری اور فرد شماری ہے ہر عاقل بالغ ملک کے اندر ایک درجہ رکھتا ہے وہاں اونچ نیچ یا امتیازات کی کوئی کھپت نہیں ہے۔

ہمارے ہاں یوپی کے وزیر اعظم تھے گرو گوند پنڈت آن کا یوپی کا دورہ ہوا' ہمارے دیوبند کے قریب ایک گاؤں رن کھنڈی ہے دورے میں وہ گاؤں بھی شامل تھا تو ان کا پروگرام چھپا'

• پروگرام یہ تھا کہ رن کھنڈی میں آ کے مندر کے ایک چمار کے گھر میں ٹھہریں گے اور اس کے گلاس میں دودھ پئیں گے تاکہ یہ بتلا سکیں کہ آج نسلی امتیازات ختم ہو چکے ہیں' آج وہ چلنے والے نہیں ہیں۔

انگریز کے دور میں جب ابتداء میں کانگریس گورنمنٹ قائم ہوئی جو کہ عارضی تھی لیکن بعد میں پھر مستقل ہو گئے' اُس وقت گاندھی جی نے ایک مضمون لکھا تھا جو انڈیا کے اخبارات میں چھپا تھا اس میں لکھا تھا کہ اگر ہمارے ہندوستانی وزراء عالمی وقار چاہتے ہیں اور ہمارے منسٹرز عالمگیر عظمت چاہتے ہیں تو انہیں صدیقؓ و فاروقؓ کا نمونہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے کہ روم و شام کی حکومتیں ان کے قدموں میں گریں لیکن ان کے پیوند لگے کپڑے چھوٹے نہ جو کی روٹی چھوٹی نہ فقر و فاقہ چھوٹا اور نہ ان کے زُہد و قناعت میں کبھی فرق آیا تو اگر ہمارے کانگریسی منسٹرز چاہتے ہیں کہ دنیا میں وقار حاصل کریں تو صدیقؓ و فاروقؓ کا نمونہ اختیار کریں ___ تو کتنی عبرت کی چیز ہے کہ آج غیر مسلموں کو نمونہ نہیں ملتا بجز مسلمانوں کی زندگی کے' نمونہ ملا تو وہی صدیقؓ و فاروقؓ تھے' اپنی قوم کو نصیحت کرتے کہ فلاں کی زندگی پر چلو' انہیں کسی اور قوم میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں پڑی مستند طور پر کہ وہ تاریخی طور پر سامنے آئے جو ان کو مجبور کر سکے ___ اگر ملیں بھی تو صدیق اکبرؓ کا نمونہ' فاروق اعظمؓ کا نمونہ۔ علی مرتضیٰؓ کا نمونہ' عثمان غنیؓ کا نمونہ' جس سے اندازہ ہوا کہ غیر مسلم بھی سمجھتے ہیں کہ یہی شخصیتیں مقدس تھیں جن کی زندگی پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

احوالِ صحابیت سے عصمتِ نبوی ﷺ پر استدلال اور درجاتِ عصمت

تو جس ذاتِ بابرکات کے خدام وہ تھے کہ آج دنیا ان کا نام لے کر کہتی ہے کہ ان کا نمونہ اختیار کرو' تو خود ذاتِ بابرکات کا نمونہ کیا ہوگا؟ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کا کیا مقام ہوگا؟ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر پھل کڑوا ہے تو کہیں گے

لے یہ نام بار بار سننے کے باوجود پوری طرح سمجھ میں نہ آسکا۔ ۱۲ از مرتب

درخت بھی خراب ہے اگر پھل کانٹے دار ہے تو کہیں گے درخت بھی بُرا۔ پھل شیریں ہے تو کہیں گے درخت بھی عمدہ۔ تو درخت پہچانا جاتا ہے اپنے پھل سے۔ جس ذات کے پھل ایسے تھے جیسے صدیق اکبرؓ فاروق اعظم اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ ان کو اپنے جیسا نمونہ بنا کر پیش کیا جس کے بنائے ہوئے افراد ایسے تھے خود وہ ذات کیسی ہوگی ___ ؟ جس کے پھل ایسے تھے جو درخت ہے اس کی شاخ کیسی ہوگی؟ ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں سب سے پہلے بنیادی چیز جو آتی ہے وہ عصمت اور معصومیت ہے۔ اس کے بعد آگے اسوۂ حسنہ آتا ہے۔ ___ اگر معاذ اللہ گناہ کا شائبہ نبی کی زندگی میں پایا جائے تو زندگی امت کے لئے نمونہ نہیں بن سکے گی۔ اس سے واضح ہوگیا کہ گناہ کی کوئی سبیل نہیں۔ ممکن نہیں کہ نبی سے گناہ سرزد ہو جائے تو نبی کی ہر نقل و حرکت پاک ہوگی۔ شریعت بننے کے قابل ہوگی۔ اس کے بعد درجہ آتا ہے اخلاق کا۔ اس کے بعد اعمال کا' پھر احوال کا۔ یہ معصومیت کے درجے ہیں تاکہ جب اخلاق سامنے آجائیں تو وہ بھی خرابی سے معصوم ہوں' اعمال سامنے آئیں تو ہم کہہ سکیں کہ یہ بھی پاک تھے' ان میں بھی عصمت تھی لہٰذا ان کو نمونہ اختیار کرو' احوال سامنے آئیں تو ان میں بھی عصمت تو وہ بھی معصوم تھے۔ اس لئے انہیں اختیار کرو' تو پہلے عصمت' اس کے بعد اخلاق' پھر اعمال' پھر احوال' پھر اقوال پھر پوری زندگی آتی ہے اور ان میں بھی بنیادی درجہ اخلاق ہی کو حاصل ہے (معصومیت کے بعد) ___ انبیاء علیہم السلام کے اخلاق وہ ہوتے ہیں کہ دنیا میں ان کی کوئی نظیر اور مثال پیش نہیں کی جاسکتی وہ اخلاق ربانی کا نمونہ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ پیغمبر کو اپنے اخلاق کا نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں تو پیغمبر کا ایک ایک خُلق اللہ کے اخلاق کی مانند ہوتا ہے گویا اگر اخلاقِ ربانی کو مجسّم کرنے کی کوئی صورت پیدا کی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات بن جائے گی وہ اخلاقِ ربانی کا نمونہ ہوگا۔ حلم' صبر' شجاعت' سخاوت اور زُہد ایک ایک چیز مثالی ہے۔

اخلاقِ نبوی ﷺ کی ادنیٰ سی جھلک

حدیث میں ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود ریحاً مرسلاً عام حالات میں تو سخاوت تھی ہی۔ لیکن رمضان شریف کے بارے میں تو کہا گیا کہ آپ کی سخاوت ایسی ہوتی تھی جیسے نسیم صبح چلتی ہے۔ صبح کی ٹھنڈک اور ہوا ہر گھر میں' ہر قلب میں' ہر دماغ میں پہنچتی ہے اس سے فرحت پیدا ہوتی ہے تو کوئی گھرانہ خالی نہیں ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کے آثار اس گھر تک نہ پہنچتے ہوں داد و دہش عام ہوتی تھی' ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روپیہ تقسیم فرماتے' اشیاء تقسیم فرماتے اجود ریحاً مرسلا چھوٹی ہوئی ہوا سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت تھی۔ ہوائیں اتنی نہیں پھیلتی تھیں جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت پھیلتی تھی۔

اور سخاوت اس وقت کامل ہوگی جب زُہد کامل ہوگا اگر دنیا کے ساتھ دل اٹکا ہوا ہو تو دوسرے کو دینا طبیعت گوارا نہیں کریگی' اس لئے ایسا آدمی دنیا کی ہر چیز سے شریعت کے لئے بالاتر ہوگیا کہ سارا مال نکل جائے تب بھی پرواہ نہ ہوگی' جب ہوگا زُہد کامل ہوگا۔

تو انبیاء علیہم السلام کے زُہد سے بڑھ کر کس کا زُہد و قناعت ہو سکتا ہے؟ اور اس میں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد و قناعت اس کی تو کوئی حد و نہایت ہی نہیں ہو سکتی۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے ' اذان ہو چکی تھی' صفیں درست ہو چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصلے پر تشریف لائے' تکبیر بھی ہو چکی تھی۔

قریب تھا کہ نیت باندھ لیں۔ ایک دم گھبرا کر گھر تشریف لے گئے اور کچھ منٹ وقفہ کرنے کے بعد واپس تشریف لائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی ___ نماز پوری ہونے کے بعد حضرات صحابہؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' خلافِ معمول تکبیر ہو جانے کے بعد گھر میں تشریف لے گئے' کیا بات تھی ___؟ کچھ دیر لگی اور بعد میں تشریف لائے کیا بات تھی؟ ___ فرمایا مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں ایک دینار رکھا ہوا ہے (اس زمانے کی اشرفی) جو ہمارے ہندوستانی سکے کی قیمت میں اڑھائی روپے سمجھ لیجئے' تو گھر کے طاق میں دینار رکھا ہوا تھا جب میں نیت باندھنے لگا تو مجھے یاد آیا ___ تو نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ رات گزر جائے اور اس کے گھر میں سونا چاندی ہو۔ اسی لئے میں گھبرا کر گھر گیا اس کو صدقہ کیا اور گھر کو پاک کیا پھر آکر تمہیں نماز پڑھائی۔ ظاہر ہے کہ یہ زہد و قناعت تو انبیاء علیہم السلام ہی برت سکتے ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ کو اپنانا ہر کسی کا بس نہیں

آج لوگ کہتے ہیں کہ سیرت کا جلسہ کرو' سیرت کہتے ہیں عادت و خصلت کو' تو کس کی جرأت ہے کہ انبیاء کی ان عادات کی پیروی کرے تو سیرت نبی کی ذاتی زندگی کا نام ہے' ہر ایک کا بس نہیں ہے کہ وہ انبیاء کی زندگی پر چل سکے' صحابہؓ کے بس میں نہیں ہوا کہ ہر ایک ذاتی زندگی پر چل سکیں۔ ایک دو چل سکے ہیں ورنہ عام قانونِ شریعت پر چلتے رہے اور اسی میں ہماری سعادت ہے یہ حوصلہ کرنا کہ ہم ہو بہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور قدم بہ قدم چلیں یہ مجال نہیں ہے خاص اولیاء اللہ میں سے تو چل سکتے ہیں ہم اگر شریعت کے دائرے میں رہیں تو یہی ہمارے لئے بڑی سعادت ہے۔

میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر آدمی حرام سے بچ جائے' فرائض ادا کرتا رہے یہ اس زمانے کا جنید و شبلی ہے آج کا جنید و شبلی وہ نہیں ہے جو پہلے کا تھا کہ ایک مستحب کا ترک نہ ہو اور ایک مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔ آج کا بڑا مقدس وہی ہے جو فرائض ادا کرتا رہے اور حرام سے بچ جائے۔ بس اس سے زیادہ کوئی کامل نہیں۔ فتن اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس زمانے میں آدمی یوں چاہے کہ میں زندگی صدیقؓ و فاروقؓ کی طرح گزاروں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ نہ زمانے کے حالات ہیں نہ ہمارے اندر طاقت ہے نہ ہمیں حوصلہ کرنا چاہئے۔ بس حوصلہ یہ ہے کہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے' ناجائز چیزوں کا ارتکاب نہ کرے جائز چیزوں کی حدود کے اندر رہے۔ مشتبہ اور حرام سے بچ جائے بس اتنا کافی ہے ورنہ انبیاء کی زندگی پر تو اکابر اولیاء اللہ بھی نہ چل سکے۔

تاریخ میں ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کے دس دس ہزار مریدین ایک وقت میں جمع رہتے تھے اور لنگر سے کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ ایک دن تشریف لائے اور باورچی خانے کو دیکھا' جہاں ان دس ہزار کا کھانا پکتا تھا۔ فرمایا کیا کھانا ملتا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا گوشت روٹی' کبھی دال بھی ہوتی ہے کبھی چاول بھی۔ فرمایا' اللہ اکبر! ہم یہاں اس لئے بیٹھے ہیں کہ نبی کی سنتوں کو رائج کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کے سوا کوئی چیز نہیں کھائی اور ہم یہ گوشت روٹی اور دال کھا رہے ہیں۔ حکم دیا بند کر دو یہ سب چیزیں اور وہی جو کی روٹی کھلاؤ ___ اور جو کی روٹی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتی تھی' تو وہ جو چکی کا پسا ہوا نہیں ہوتا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کھاتے تھے' وہ تو پتھر کی رکابی میں جو ڈال کے اسے پتھر سے کوٹ لیا۔ وہ ٹکڑے ہو گئے۔ پھونک ماری تو بھوسہ اڑ گیا ___ (اسی سے کھایا کرتے تھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ بھی مہینے میں دو تین مرتبہ نصیب ہوتی تھی' ورنہ فاقے' ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ بیتِ نبوت میں دھواں بھی نہیں اٹھتا تھا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ ہم یہاں نیابت کے لئے بیٹھے

ہیں۔ گویا نائبِ رسول اللہ کی گدی ہے اور ہم یہ مزے اڑائیں؟ سب کو جَو کی روٹی دی جائے چنانچہ یہ سب چیزیں بند کردی گئیں گوشت دال چاول سب ختم ہوگئے۔ جَو کی روٹی اور زیتون کا تیل دیئے جانے لگا ___ ظاہریات ہے کہ روحانیت تو الگ چیز ہے لیکن معدہ جَو کی روٹی کا تحمل نہیں کرسکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے ہاضمے خراب ہوگئے' کسی کو دست آنے لگے۔ کسی کو بخار آیا تو آدھے سے زیادہ لوگ بیمار ہوگئے ذکر اللہ کی جو مجلسیں تھیں وہ سونی ہونے لگیں کوئی ہائے ہائے کررہا ہے' کوئی بخار میں مبتلا ہے خانقاہ بالکل ٹھنڈی پڑگئی ___ حضرت شیخ نے تین دن کے بعد فرمایا کہ ذکر اللہ کی آواز کیوں نہیں آتی؟ عرض کیا گیا کہ حضرت نے حکم دیا تھا کہ گندم کی روٹی بند کردی جائے' جَو دیئے جائیں گوشت دال بند کردی جائے' زیتون کا تیل کافی ہے اس سنّت کے مطابق چلو اس پر عمل کیا گیا لوگ اس روٹی کو ہضم نہیں کرسکے برداشت نہیں کرسکے سب کے سب بیمار ہوگئے یہ سارے حجروں میں بیمار پڑے ہوئے ہائے ہائے کررہے ہیں ذکر اللہ ختم ہوگیا تو کانوں پر ہاتھ رکھ کے فرمایا کہ ہم نے گستاخی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کی پیروی کا حوصلہ کیا' یہ ہمارا کام نہیں ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام ہی کے ظرف تھے وہ اس چیز کو برداشت کرتے تھے۔ ہمارا کام اتنا ہی ہے کہ جائز کے دائرے میں رہیں ناجائز سے بچیں حکم دیا کہ گوشت روٹی پکے وہی جو چیزیں پکتی تھیں پکائی جائیں۔ ہمارے پیٹ اس قابل نہیں ہیں کہ وہ جَو کی روٹی برداشت کریں تو حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کی ذاتی زندگی جس کا نام سیرت ہے اس پر عمل کرنا یہ ہمارے آپ کے بس کی بات نہیں' میں تو بعض اوقات کہا کرتا ہوں کہ سیرت کے نام سے جلسہ کرنا بعض دفعہ تو ڈر لگتا ہے کہ یہ بے ادبی کی بات نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیرت کا جلسہ ہوگا' سیرت بیان ہوگی۔ کیوں ہوگی؟ تاکہ ہم سیرت پر عمل کریں' ہم لوگ کہاں اس قابل ہیں کہ سیرت پر چلیں؟ کیا آپ میں اور ہم میں اور سب کے ساتھ میں اپنے کو بھی کہتا ہوں کہ ہم میں یہ جرأت ہے کہ گھر میں جتنا سونا چاندی ہو بیوی سے لیکر سب صدقہ کردو کہ میرا گھر پاک ہوجائے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلّے پر نماز نہیں پڑھائی جب تک گھر کو سونے سے پاک نہیں کیا' کیا کسی میں جرأت ہے؟ کوئی نہیں کرسکتا۔ کیا کسی میں جرأت ہے کہ آج سے جَو کی روٹی شروع کردے؟ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نہیں کرسکے۔ ہماری اور آپ کی کیا مجال ہے؟ تو بہرحال سیرت کا نام لے کر جلسے کرنا بعض اوقات یوں معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بے ادبی میں تو داخل نہ ہوں؟

جلسہ ہونا چاہئے' اصلاحی جلسہ؟ وعظ و تقریر کا جلسہ؟ سیرت کے جلسہ کے معنی ہیں کہ ہم سیرت پر عمل کریں گے تو شریعت تو ہم سے نبھتی نہیں ناجائز چیزوں میں تو ہم مبتلا ہیں' ہم عمل کریں گے سیرت کے اوپر؟ ___ آرزو تو کرو مگر اپنی بساط کو دیکھ کر آرزو کرو' یہ کہ ہم بالکل قدم بہ قدم سیرت پہ چلیں گے۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں ___ تو بہرحال میں عرض یہ کررہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا زہد و قناعت اور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ہے کہ دنیا برداشت نہیں کرسکتی۔ صحابہؓ تک برداشت نہ کرسکے۔ ایک آدھ گنے چُنے ہیں جنہوں نے ٹھیک ذاتی زندگی پر عمل کیا جیسے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ' ان کا مذہب یہ تھا کہ اس وقت کا کھانا ہے تو شام کا کھانا جمع کرنا جائز نہیں کہ یہ ذخیرہ ہے اور کنز میں داخل ہے۔ یہ تو خزانہ ہوگیا جس کی قرآن میں مذمّت کی گئی ہے کہ اگر کنز اور خزانہ بنایا تو جہنم میں اس سونے چاندی کے مال کو پگھلا کے داغ دیا جائے گا یہ ان کا ذاتی مذہب تھا کہ اس وقت کا کھانا ہے تو رات کے کھانے کی فکر جائز نہیں ہے یہ توکّل کے خلاف ہے۔ اگر ایک لباس بدن پر ہے تو دوسرا لباس رکھنا جائز نہیں ہے یہ بھی توکّل کے خلاف ہے تو صحابہؓ میں ایک نمونہ ہے دوسرے برداشت نہیں کرسکے چنانچہ ملک شام میں امیر معاویہؓ کی حکومت تھی اور شام کا ملک متموّل

تو حضرات صحابہؓ کے دستر خوان پہ کئی کئی کھانے ہوتے تھے۔ لباس میں بھی عمدگی اور ایک لطافت پیدا ہوئی' مکان بھی ذرا اچھے بنے اور یہ کوئی ناجائز بات نہیں تھی' حدیث میں فرمایا گیا ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ اللہ اپنے جس بندے کو نعمت دے' دولت دے' اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کے اثرات بھی اس کے اوپر آئیں۔ ڈھنگ کا کھانا' ڈھنگ کا پہننا' پھٹے حال سے نہ رہے' خراب خستہ حال نہ رہے تو منشاء خداوندی یہ ہے کہ نعمت دی جائے اس کا اثر بھی بدن کے اوپر آنا چاہئے' تو صحابہؓ نے اگر اچھا لباس پہنا۔ اچھی غذائیں کھائیں تو معاذ اللہ کوئی ناجائز کام نہیں تھا۔ ان سے زیادہ مقدس کون ہے؟ مگر ابو ذر غفاریؓ کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر پہنچے اور دیکھا کہ دستر خوان بچھ رہا ہے اور دو کھانے رکھے ہیں بس لاٹھی لے کے کھڑے ہوگئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر کب دو کھانے تھے؟ تم نے یہ کیسے رکھے" ہٹاؤ' تو یہ نہیں تھا کہ فقط نصیحت کر دیتے' لاٹھی لے کے مار کٹائی شروع کر دیتے تھے کہ اس کھانے کو ہٹاؤ' کسی کے گھر اگر دو چار کپڑے زائد رکھے ہوئے ہیں' لاٹھی لے کے پہنچ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کب کپڑے تھے جو تم نے رکھے ہوئے ہیں۔ صرف وہ رہنے چاہئے جو بدن کے اوپر ہیں۔ یہ صندوق میں کیوں دو جوڑے رکھے ہیں۔ پھر لاٹھی مار کے حکم دیتے تھے کہ نکالو' ان کو صدقہ کرو لوگ تنگ آگئے آخر میں حضرت عثمان غنیؓ کو لکھا گیا کہ انہوں نے تو سب کی زندگی تلخ کر دی' اب سب تقویٰ کے اس انتہائی مقام کو کیسے پہنچیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تھا اور کس طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کی پیروی کر سکیں؟ آپ انہیں حکم دیجئے کہ یہ شہر میں نہ رہیں۔ شریعت کی تو سعات ہیں اگر کوئی مالدار ہے' زکوٰۃ دے دے گا تو مال پاک ہو گیا۔ یہ نہیں ہے کہ وہ سارا مال جا کے سمندر میں بہا دے تو پاک ہوگا' کسی کے پاس دو جوڑے کپڑے ہیں پرانے ہوئے یا نئے بدلائے۔ فقیروں کو بھی دے دے خود بھی پہنے بس پاک ہو گئے اب یہ کہ کوئی اچھا کپڑا پہننے ہی نہ پائے یہ تو شریعت کا معارضہ ہے۔ شریعت تو گنجائش دے اور یہ گنجائش نہیں دیتے۔ آخر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ آپ شہر چھوڑ دیں جنگل میں قیام کریں۔ (اس سے آگے تقریر کا کچھ حصہ ریکارڈ نہ ہو سکا)

آپ ﷺ فقط نبی نہیں بلکہ خاتم الانبیاء بھی ہیں

تو اسلام خُلقِ عظیم سے پھیلا ہے نہ کہ تلوار کے زور سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحمل' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت یہ اخلاقِ ربانی تھے کہ جنہوں نے واضح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر اور اس کے رسول ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ معجزات' پھر وحی کے ذریعہ علوم یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ذریعے قلوب کے اندر ایمان پیدا ہوتا ہے' لوگ دین کی طرف آتے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کسی نبی کو وہ اذیتیں نہیں اٹھانی پڑیں کسی قوم سے' جتنی سختیاں مجھے جھیلنی پڑیں' جتنی تکلیف مجھے پہنچی' حالانکہ بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو زیادہ تکلیف پہنچائی گئی۔ ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور قوم ان کا مذاق اڑاتی رہی۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے تکلیفیں پہنچیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی نہیں پہنچیں۔ پھر کیوں فرما رہے ہیں کہ جتنی اذیتیں مجھے پہنچیں' وہ کسی کو نہیں پہنچیں؟

اس کی بناء یہ ہے کہ اذیت جب زیادہ پہنچتی ہے جب شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ جتنی آپ کو کسی سے محبت ہوگی' اس سے اگر آپ کو تھوڑی بھی تکلیف پہنچے گی تو زیادہ محسوس ہوگی کہ اسے تکلیف پہنچانے کا حق نہیں تھا' میں تو اتنی محبت کروں اور یہ ایذاء پہنچائے؟ اگر دشمن آپ کو گالیاں بھی دے آپ خیال بھی نہیں کرتے'

لیکن اگر آپ کا بیٹا ترچھی نگاہ سے دیکھ لے تو گھر سے نکال دیں گے' انتہائی صدمہ پہنچے گا' کیونکہ اس سے یہ توقع نہیں تھی کہ جس پر اتنی شفقت اور رحمت ہو' وہ تکلیف پہنچائے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ امت کے حق میں بے حد شفقت تھی' بے حد رحمت تھی' اس لئے ان کی اذیت دگنی اور تگنی ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگتی تھی ___ کہ میں تو اتنا شفیق اور یہ میرے ساتھ یہ برتاؤ کریں؟ تو شدتِ شفقت کی وجہ سے اذیت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اسی لئے حق تعالیٰ کو روکنا پڑا کہ ذرا سی اس شفقت میں کمی کریں۔ اتنی زیادہ شفقت نہ کریں کہ اخیر میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بھگتنا پڑے' فرمایا:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَنْ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ

شاید آپ اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے کہ یہ کیوں نہ مسلمان بن جائیں' آپ ان کو چھوڑیئے' تبلیغ کر دیجئے' نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کیوں دکھ اٹھاتے ہیں؟ لیکن غایتِ رحمت کی وجہ سے دکھ اٹھاتے تھے انتہائی شفقت اور خُلقِ عظیم کی وجہ سے اس درجہ رحیمانہ اخلاق تھے کہ حق تعالیٰ کو روکنا پڑا کہ اتنی شفقت بھی نہ کریں کہ خود آپ کو تکلیف پہنچے تو حاصل یہ نکلا کہ صبر ہو' سخاوت ہو' شجاعت ہو۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس واسطے اخلاق میں بھی خاتم الاخلاق ہیں کہ اخلاق کا وہ درجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا' علم کا جو درجہ انبیاء کو دیا گیا اس سے دوگنا چوگنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقامِ علم ہے وہ مقام دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا۔ جو مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا ہے وہ دوسرے انبیاء کو نہیں دیا گیا' اس لئے اور انبیاء علیہم السلام نبی تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فقط نبی نہیں تھے بلکہ خاتم النبیین تھے۔

خاتم النبیین کا مطلب

اور خاتم الانبیاء کا مطلب یہ ہے کہ نبوت' علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ آپ کی ذاتِ بابرکات کے اوپر ختم ہو چکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے کمالات کے منتہیٰ ہیں۔ سب کمالات کی انتہاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر آ کر ہو گئی تھی گویا اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے اور اس درجہ کو لے کر چلائے اور تبلیغ کرے آپ کی ذاتِ بابرکات کے اوپر سارے مراتب ختم کر دیئے گئے اس لئے آگے نہ نبوت کی ضرورت تھی نہ شریعت کی ضرورت تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین خاتم الادیان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت خاتم الشرائع تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاتم الانبیاء تھی تو ہر چیز کا انتہائی مقام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا۔ علم کا' اخلاق کا' کمالات کا ختمِ نبوت کی وجہ سے' کیوں کہ نبوت ختم ہو چکی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔

ممکن ہے کوئی شخص یہاں شبہ کرے کہ "ختمِ نبوت" ___ نبوت ختم ہو چکی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر آگے کوئی نبی نہیں تو نبوت تو سب سے بڑی رحمت ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا ہزاروں نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے چاہیئے تھے مگر معاذ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمت نہیں' زحمت بن گئے کہ نبوت جیسی رحمت کا دروازہ ہی بند ہو گیا کہ نبی آنے ختم ہو گئے۔ تو یہ رحمت کہاں ہوئی۔ معاذ اللہ یہ تو زحمت ہو گئی۔ اس لئے آپ کے رحیم ہونے کا تقاضا ہے کہ نبوت کا دروازہ کھلا رہے۔ اور

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہزاروں نبی آنے چاہیئے ___ بعض ایسے لوگوں نے جو خود چاہتے تھے کہ ہم نبی بن جائیں مگر بن نہیں سکے اتفاق سے دعوے بھی بہت کچھ کئے مگر نبوت پھبھی نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ ختم ہو چکی تھی مل نہیں سکتی تھی۔ وہ ان کی ذات پہ پھبھی ہی نہیں ___

جیسے بعض لوگ ٹوپی اوڑھ لیتے ہیں اور ان کو اچھی نہیں لگتی تو بعض چہرہ تو اتنا خوبصورت ہوتا ہے کہ کوئی لباس پہن لیں پھب جاتا ہے اور بعض ایسا بھدہ ہو کہ لباس بھی اس کے اوپر بھدہ ہو جاتا ہے تو قطع نظر ختم ہونے یا نہ ہونے کے ان کی ذات پر پھبھی نہیں اور چسپاں نہ ہو سکی' ___ مگر انہوں نے نبوت کے دعوے کرنے کے لئے یہ شبہ پیدا کیا کہ نبوت عظیم رحمت ہے اور جو نبوت کا دروازہ بند کرے وہ رحمت کہاں رہا؟ وہ تو زحمت بن گیا تو دروازہ کھلا رہنا چاہئے۔ نبی آتے رہنے چاہئے۔ یہ شبہ ممکن ہے کسی کے ذہن میں ہو یا ڈالا جائے اس کے لئے جواب عرض کرتا ہوں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ختم نبوت کا معنی قطع نبوت کا نہیں کہ نبوت قطع ہوگئی دنیا سے منقطع ہوگئی۔ ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں یعنی نبوت کامل ہوگئی اور چیز کے کامل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ آئے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور ستارے چمکنے شروع ہوئے غروب کے بعد ایک چمکا' دوسرا' تیسرا' ہزار' لاکھ' کروڑ' دس کروڑ' سارا آسمان جگمگا اٹھا' آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی نکلا ہوا ہے تو چاند ستارے نور پھیلا رہے ہیں لیکن رات نہیں جاتی' دن نہیں ہوتا' رات کی رات' سب نے مل کر کتنی روشنی دی مگر رات موجود ہے' رات نہیں جاتی۔

آفتاب کے آنے کا جب وقت ہوا تو نکلا نہیں۔ پو پھٹی تھی' بس صبح صادق نے اطلاع دی کہ آفتاب آرہا ہے بس خبر آئی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہوا اور دنیا میں چاندنا ہوا' ایک ہی ستارے نے آکے سارے جہاں کو چمکا دیا' ___ یعنی وہ تو لاکھوں کروڑوں مل کر روشنی ڈال رہے تھے مگر رات کو زائل نہیں کر سکے' دھکا نہیں دے سکے رہی رات کی رات ___ اور ایک ستارہ نکلا اس نے آکے ساری رات کو دھکیل دیا پورے عالم میں چاندنا ہو گیا' ___ اگر آفتاب یوں کہے کہ **انا خاتم الانوار** میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا' سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں۔ میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں اور نہ اب کوئی نیا ستارہ آنے والا ہے اس لئے کہ میں اتنا کامل نور لے کے آیا ہوں اب کسی ستارے کی حاجت نہیں' جو موجود تھے بھی ان کا نور بھی ماند پڑ گیا' ان کے نور بھی غائب ہو گئے۔ اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے' وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند ہے' وہ نظر بھی نہیں آتے ایسے وقت میں آفتاب یوں کہے کہ **انا خاتم الانوار** میں ہوں خاتم انوار سارے انوار اور چمکیں مجھ پر ختم ہو گئیں اس کے معنی یہ ہوں گے اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ اب کوئی اور ستارہ آئے اور نور پھیلائے' اب مغرب کے وقت تک میں اکیلا ہی کافی ہوں کسی ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں ہے ___ ہاں یہ دن ہی ختم ہو جائے یہ جہاں ہی ختم ہو جائے یہ بات الگ ہے ___ لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ انوار میری ذات کے اوپر ختم ہو گئے' تو کیا آفتاب کے "خاتم الانوار" کہنے کا یہ مطلب ہو گا کہ نور ختم ہو گیا' نور مٹ گیا دنیا سے' اندھیرا چھا گیا یا یہ مطلب ہو گا نور کے ختم ہونے کا کہ نور کے مراتب ختم ہوئے' کامل ہوئے اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں' دوسری چمک کی حاجت نہیں ہے تو ختم انوار کے معنی قطع انوار کے نہیں

بلکہ تکمیلِ انوار کے ہیں کہ نور کامل ہو گیا اب کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آفتابِ نبوّت کا طلوع

اسی طرح سمجھ لیجئے کہ نبوّت ایک آسمان ہے۔ سب سے پہلے نور کا ستارہ حضرت آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آگے نور پھیلایا' اس کے بعد نوح علیہ السلام کے نور کا ستارہ چمکا' پھر حضرت ہود علیہ السلام کا' پھر حضرت صالح علیہ السلام کا اور ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا پھر پے در پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام آرہے ہیں' موسیٰ علیہ السلام آرہے ہیں پھر موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل میں سے آرہے ہیں گویا آسمانِ نبوّت ستاروں سے بھر گیا مگر دنیا میں چاندنا نہ ہوا' یعنی دن نہ نکلا' رہی رات کی رات ___ پھر فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق علیہ السلام کا طلوع ہوا اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوّت آنے والا ہے ابھی آیا نہیں تھا' خبر آئی تھی کہ دنیا میں چاندنا پھیلنا شروع ہوا۔ ستارے گل ہونا شروع ہو گئے اور آفتاب نے نکلتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آچکا ہوں۔ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے میرا نکلنا ہی کافی ہو گا' پوری دنیا کے لئے اب میں کافی ہوں' نبوّت ختم ہو گئی یعنی مراتبِ نبوّت میری ذات پر منتہی ہو گئے' کامل ہو گئے' اس کو پھیلانے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں' اب کسی کو نبی بنا کر نہیں لایا جائے گا اب میری نبوّت غروبِ آفتاب تک کام کرے گی یہاں تک کہ صبح قیامت کا طلوع ہو جائے اور یہ دن ختم ہو جائے اس کے بعد اللہ کو اختیار ہے دنیا بنائے یا نہ بنائے یا سب کو جنّت میں رکھے' مگر جب تک یہ دنیا قائم ہے میں آفتاب ہوں میرا نور کافی ہے میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے' مگر میری نبوّت کا ہی نور ان کے راستے سے چمکے گا۔

انوارِ نبوی ﷺ کے ظہور کی صورتیں

محدّثین آئیں گے تو ان کے راستہ سے میری نبوّت کا نور ظاہر ہو گا' فقہاء آئیں گے' ابو حنیفہ' مالک' شافعیؒ ان کے اندر سے میرے انوار ظاہر ہوں گے خود ان کا کوئی نور نہیں ہو گا' صوفیائے کرام آئیں گے' جُنیدؒ' شبلیؒ اور بایزید بسطامیؒ ___ ان کی ذات کا کوئی نور نہیں ہو گا میری ہی نبوّت کا نور چمکے گا' کسی طبقے سے میرے علم کا نور نمایاں ہو گا' کسی طبقے سے میرے اخلاق کا نور نمایاں ہو گا' کسی طبقے سے میرے زہد و قناعت کا نور نمایاں ہو گا' سب میرے انوار کو ظاہر کریں گے اور ایک میری نبوّت قیامت تک کافی ہو گی' اس کے لئے آئینے آتے رہیں گے' اس میں سے وہ نور چھنتا رہے گا چمکتا رہے گا' دنیا کو روشنی ملتی رہے گی نبوّت کی' اس لئے ضرورت نہیں کہ نبوّت کے سارے درجات میرے اوپر ختم ہو گئے تو یہاں ختم نبوّت کا یہ معنی لینا کہ نبوّت کا دروازہ بند ہو گیا یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے' نبوّت مکمل ہو گئی' وہی کام دے گی قیامت تک نہ نہ یہ کہ منقطع ہو گئی' دنیا میں اندھیرا پھیل گیا' نہ علم رہا' نہ اخلاق رہے تو یہ معنی نہیں کیا' اسلئے دھوکے میں نہ پڑا جائے۔ ختم نبوّت کے معنی قطع نبوّت کے نہیں بلکہ کمال نبوّت اور تکمیل نبوّت کے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مراتبِ نبوّت ختم ہو گئے' اب جتنے بھی مجدد آئیں گے محدث آئیں گے' ائمہ آئیں گے' صلحاء و شہداء آئیں گے' مجاہدین آئیں گے' سب کے اندر ایک ہی نور کام کرے گا' سب پیکر ہوں گے' ان پیکروں سے نور ظاہر ہو گا' ہوں گے وہ کمالاتِ نبوّت۔ تو گویا "ایک ذات" اللہ نے ایسی پیدا کی کہ اس کے انوار [illegible]

والے ولی بنتے چلے گئے تو ولایت بھی وہیں سے چلی' نبوت بھی وہیں سے چلی تو اللہ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نکتہ خیر ہیں کہ پچھلے انبیاء کی نبوتیں درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مستفیض ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اگلے آنے والے لوگ ولی' مجدد اور محدث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے بنتے گئے۔

آپ ﷺ کی نبوت میں درجۂ کمال کیوں ہے؟

یہ کیسے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا ہی نور درحقیقت ستاروں میں کام کرتا ہے' چاند میں اپنا ذاتی نور نہیں ہے' ستاروں میں اپنا نور نہیں ہے ان کا کمال یہ ہے کہ وہ اس ذات سے صیقل شدہ ہیں' آفتاب کا جہاں مقابلہ ہوا ان میں چمک پیدا ہو گئی تو درحقیقت اولیائے اللہ اور صحابہؓ آئینوں کی مانند تھے وہ چمک لیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی ___ نبوت آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کام کر رہی ہے۔ کوئی اور نبوت نہیں ہے وہی نبوت ہے جو چل رہی ہے تو حاصل یہ نکلا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقط نبی نہیں بلکہ خاتم الانبیاء ہیں اور ختم نبوت کے معنی کمالاتِ نبوت کی انتہاء اور تکمیل نبوت کے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو لا کر نبوت کے تمام مراتب ختم کر دیئے گئے۔

اور نبوت کی دو ہی بنیادیں ہیں۔ ایک کمالِ علم' ایک کمالِ اخلاق تو علم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلیٰ اور اخلاق بھی اعلیٰ ___ علم تو وہ کہ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : **اوتیت علم الاوّلین والآخرین** اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے ہیں۔ میرے سینے میں بھر دیئے گئے ہیں۔ جس کو قرآن کریم نے فرمایا ہے :

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔

اے نبی! ہم نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی' جو آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اور اخلاق کے بارے میں فرمایا :

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں' جو انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا وہ آپ کو دیا گیا۔ تو جب علم بھی انتہائی اور اخلاق بھی انتہائی۔ بس یہی دو بنیادیں ہیں نبوت کی' تو نبوت بھی انتہائی' آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ تو ختم نبوت میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پوشیدہ ہے۔

ابتدائی درجہ عصمت اور معصومیت کا ہے اس کے بعد اخلاق کا ہے' اس کے بعد اعمال کا ہے اور اس کے بعد احوال کا ہے ___ تو میں نے کچھ روشنی ڈالی عصمت کے اوپر کچھ روشنی ڈالی اخلاق کے اوپر' اعمال اور احوال کا باب بہت وسیع ہے اس کے لئے وقت درکار ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے۔ وقت تنگ ہو گیا ہے' اخیر ہو گیا ہے۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ اب اس تقریر کو ختم کیا جائے۔ اور کون ہے جو وہ سیرت کی ساری چیزیں بیان کر سکے۔

سیرتِ نبوی ﷺ کیا ہے؟

اس واسطے کہ سیرت کے بارے میں صدیقہ عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا

تھے؟ تو فرماتی ہیں کہ جو قرآن ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ہے جسے اخلاق دیکھنے ہوں قرآن دیکھ لے تو قرآن کے عجائبات قیامت تک تمام نہیں ہوں گے تو سیرت کے عجائبات کہاں سے تمام ہو سکتے ہیں قیامت تک لاکھوں بیان کرنے والے بیان کئے جائیں پھر بھی سیرت مکمل بیان نہیں ہو سکتی؟

اختتامِ تقریر

اس جلسے میں چاہتا ہوں کہ اب ختم کروں میں نے یہ آیت پڑھی تھی کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں یعنی نسبی رشتہ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی روحانی رشتہ کے باپ ہیں۔ مادی اور نسبی رشتے کے باپ نہیں ہیں جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حدیث میں انا لكم بمنزلة الوالد میں تمہارے حق میں بمنزلہ باپ کے ہوں یعنی روحانی باپ تو جیسے اولاد ماں باپ سے تربیت پاتی ہے تو روحانی اولاد روحانی ماں باپ سے تربیت پاتی ہے تو میں روحانی باپ ہوں اور سارا عالم میرے زیرِ تربیت ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ روحانی باپ ہو یا مادی۔ وہ ایک ہی ہوا کرتا ہے۔ دو دو باپ کسی کے نہیں ہوا کرتے۔ تو میں چونکہ روحانی باپ ہوں اس لئے ایک ہوں۔ تو میرے بعد کوئی اور باپ آنے والا نہیں ہے۔ میری ابوّت اتنی مکمل ہے کہ وہ تربیت کے لئے کافی ہے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اب نبوّت کا یا باپ ہونے کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے کہ نبوّت کے درجہ میں کوئی روحانی باپ بن جائے‘ نبوّت ختم ہو چکی‘ جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نبوّت کو ایک محل سمجھو جس کی تعمیر ہو رہی تھی جس کی آخری اینٹ میں ہوں‘ میں نے قصرِ نبوت کو مکمل کر دیا۔ اب کوئی انتظار کی حالت باقی نہیں ہے اب نہ باہر سے کوئی چیز آئے گی نہ اندر سے باہر جائے گی۔

خلاصۂ بیان

بہرحال چونکہ جلسہ کا موضوع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک تھا‘ تو ایک میلاد جسمانی کا ذکر کیا اور زیادہ تفصیل میلادِ روحانی کی کی۔ کیونکہ ہماری سعادت کا تعلق میلادِ روحانی سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت کے اخلاق‘ اعمال اور احوال سے ہے۔ اس لئے اس کی تفصیل میں نے زیادہ کی۔ اور اسی لئے یہ آیت پڑھی تھی کہ وہ ساری تفصیلات اس میں تھیں جو چھپی ہوئی تھیں۔ ختمِ نبوّت کے اندر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی کمالات اس لئے ہیں کہ آپ کی نبوّت انتہائی تھی تو نبوّت انتہائی تھی اس واسطے علم و اخلاق کا ذکر آیا اور وہ چونکہ انتہائی تھے اس لئے ختمِ نبوّت کا ذکر آیا اور چونکہ ختمِ نبوّت کا ذکر کرنا تھا تو آیت وہ پڑھی جس میں ختمِ نبوّت کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی سے یہ سیرت شروع کی۔ اب وقت زیادہ ہو گیا ہے‘ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس پاک اور عظیم الشّان پیغمبر کی زندگی اور نقشِ قدم پر چلنا نصیب فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی مرضیات پر چلائے اور اپنے نبی پاک کی سنّتوں پر چلنے کی توفیق نصیب فرماوے اور ہم کو سچا اور سیدھا مسلمان بنائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مقامِ نبوّت اور اس کے آثار و مقاصد

تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم درحقیقت مستفاد ہیں ' خزانۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے۔ اصل منکۂ خیر حق تعالیٰ کی جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے فیضان سے انبیاء علیہم السلام میں نبوتوں کے علوم آئے۔ اسی لئے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انا نبی الانبیاء اور انبیاء امتوں کے نبی ہیں اور میں نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ نبیوں کی طرف بھی مبعوث کیا گیا ہوں۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَافَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ـــــــ اَمَّا بَعْدُ ـــــــ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما بعثت معلما وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، اوکما قال علیہ الصلوۃ والسلام۔

تمہید

بزرگانِ محترم!

اس دنیا میں ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے جب اس کی ضد سامنے آتی ہے تو اصل چیز گویا واضح ہو جاتی ہے اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اس دنیا کو اضداد پر قائم کیا ہے یہ عالم ہی عالمِ اضداد ہے۔ جو بھی کمال اس دنیا میں لایا گیا اس کے مقابلے میں اس کمال کی ایک ضد ضرور رکھی گئی ہے تاکہ وہ کمال کھل جائے اور واضح ہو جائے' خواہ وہ کمال مادی ہو یا روحانی ہو ضد سے خالی نہیں ہے۔ اس دنیا میں اگر نور رکھا گیا ہے تو نور کے مقابلے میں ظلمت بھی رکھی گئی ہے تاکہ ظلمت کے تقابل سے نور کو لوگ اچھی طرح سمجھ سکیں۔ اگر دنیا میں چمکتا ہوا دن لایا گیا تو اس کے مقابلے میں ظلماتی رات بھی رکھی گئی ہے تاکہ دن کی خوبیاں رات کے تقابل سے واضح ہو جائیں۔ اگر اسلام لایا گیا تو اس کے مقابلے میں کفر رکھا گیا تاکہ اس کی ٹکر سے اسلام کی خوبیاں اور قوتیں واضح ہوں۔ اگر ایک طرف اخلاص لایا گیا تو اس کے مقابلے میں نفاق رکھا گیا تاکہ نفاق کے مقابلے سے اخلاص کے کمالات کھل جائیں۔ اگر صدق رکھا گیا تو صدق کے مقابلے میں کذب اور جھوٹ بھی رکھا گیا تاکہ

کذب کے مقابلے سے صدق کی خوبیاں واضح ہوتی رہیں۔ اسی طرح چلتے رہے ___ علم رکھا گیا تو اس کے مقابلے میں جہالت رکھی گئی' اخلاق لائے تو اس کے مقابلے میں بداخلاقی لائی گئی' تو ہر خوبی کے مقابلہ میں خرابی ضرور رکھی گئی ہے۔

عالمِ اضداد میں اشیاء کے تقابُل کی حکمت

اور یہ اس لئے کہ جب خوبی اور خرابی کا مقابلہ ہو تو خوبی کی قوتیں کھل جائیں۔ بغیر مقابلہ اور تقابل کے کسی کمال کی خوبی کھلتی نہیں ہے۔ جب تک علم کو آپ جہالت سے ٹکرائیں گے نہیں اُس وقت تک علم کے مخفی گوشے واضح نہیں ہو سکتے۔ اگر علم کے مقابلے میں اعتراضات نہ کئے جائیں اور سوالات نہ کئے جائیں جو جہل پر مبنی ہوتے ہیں۔ تو جواب سے جو علم کے کمالات کھلتے ہیں وہ چُھپے کے چُھپے رہ جائیں گے۔ اس لئے علم کو ٹکر دی جاتی ہے جہل سے۔ کبھی اعتراضات کی صورت سے' کبھی شُبہات کی صورت سے' کبھی الزامات کی صورت سے' تاکہ جواب دینے والے جواب دیں۔ تو اس کے مخفی گوشے کھل جائیں۔ قرآن کریم میں بھی اسی لئے فرمایا گیا کہ ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ﴾ ___ ہم حق کو باطل کے ساتھ ٹکر دیتے ہیں تاکہ باطل کے ٹکراؤ سے حق کی مخفی قوتیں نمایاں ہوں اور کھلتی رہیں ___ تو اس دنیا میں اضداد بھی ہیں اور اضداد کا ٹکراؤ بھی ہے بغیر ٹکراؤ اور تصادُم کے کمالات کی خوبیاں واضح نہیں ہوتیں۔

مثلاً دو پہلوان ہیں اپنے اپنے فن کے ماہر ہیں۔ لیکن ان میں کُشتی اور ٹکر نہ ہو تو ٹکراؤ کے بعد جو مخفی قسم کے داؤ پیچ کھلتے ہیں وہ چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ اس لئے پہلوان کو پہلوان سے ٹکرایا جاتا ہے تاکہ فن کی مخفی قوتیں واضح ہوں۔

ہر جگہ آپ یہی دیکھیں گے اس واسطے اس عالم کو ظلماتی بھی بنایا گیا نورانی بھی بنایا گیا تاکہ ظلمت اور نور کے تقابل سے نور کی اصلیت اور اس کی قوت کھلے۔

اندھیروں میں آفتابؐ

سب سے زیادہ ظلمت اور اندھیری کا زمانہ اس دُنیا میں وہ تھا کہ جس کے خاتمہ پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کی بعثت سے پہلے کا دَور انتہائی ظلمت کا دَور تھا' انتہائی اندھیری کا دَور تھا' کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو اس زمانۂ جاہلیت میں موجود نہ ہو' جہالت کی برائیاں الگ' بداخلاقی کی برائیاں الگ' بدعملی کی برائیاں الگ' بداعتقادی کی برائیاں الگ۔ غرض جتنی برائیاں ہو سکتی ہیں وہ سب کی سب ایک زمانے میں جمع ہو گئی تھیں اور وہ زمانہ "ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ" کا مصداق تھا' ظلمت در ظلمت' پے در پے اندھیریاں دنیا کے اندر چھائی ہوئی تھیں۔ اسی لئے حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان اللہ نظر الی قلوب بنی اٰدم فمقت عربھم وعجمھم اللہ نے انسانوں کے دلوں کی طرف نگاہ کی تو غضب آلود نگاہ سے دیکھا۔ عرب کو بھی عجم کو بھی۔ یعنی کہیں خیر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ہر جگہ ظلمت ہی ظلمت تھی۔ ہر جگہ برائی ہی برائی پھیلی ہوئی تھی الاغبر اھل الکتب سوائے چند اہلِ حق کے جو پہاڑوں میں اور گھاٹیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ بستیوں میں ان کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ تو کلیۃً دنیا میں ایسا دَور تو کبھی نہیں آیا کہ حق سرے سے باقی ہی نہ رہے۔ یہ دنیا قائم ہی حق کے اوپر ہے۔ باطلِ محض ہو

تو دنیا اس دن تباہ کردی جائے گی۔ تو ایسا کوئی دَور نہیں آیا کہ حق سرے سے دنیا میں نہ رہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ حق مخفی ہو گیا، مغلوب ہو گیا، کم ہو گیا، لیکن رہا۔

تو اس دَور میں یہ کیفیت تھی فرمایا کہ **الاغبر اهل الكتب** چند اھل کتاب جو بیچارے گرد آلود اور بہت ہی پھٹے پرانے حال میں پہاڑوں اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے تھے اپنے دین کو بچائے ہوئے تھے جن کی وجہ سے دنیا قائم تھی۔ اگر دنیا میں اتنا حق بھی نہ ہوتا تو یہ (دنیا کا) خیمہ اکھڑ جاتا۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لاتقوم الساعة حتىٰ يُقال فى الارض الله الله

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا دنیا کے اندر موجود رہے گا۔ جب ایک بھی نہ رہے گا اسی وقت قیامت قائم کردی جائیگی۔ تو قیامت عالم کی موت کا نام ہے۔ یعنی موت نہیں آئے گی جب تک حیات کی ذرا بھی رَمق باقی رہے گی اور اس عالم کی حیات اللہ کا ذکر اور اس کا نام ہے۔ تو ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود رہے گا قیامت نہیں آئے گی جب ایک بھی نہیں رہے گا وہی وقت عالم کی موت کا ہوگا۔ اس لئے آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کوئی دَور ایسا نہیں آیا اور نہ آئے گا جس میں حق کا نام و نشان باقی نہ رہے بس جب دنیا کو ختم کرنا ہوگا تب حق کا نشان مٹ جائے گا باطل ہی باطل رہ جائے گا۔ تو اس زمانۂ جاہلیت میں جب باطل انتہا کو پہنچ گیا تھا، جب ظلمتیں انتہا کو پہنچ گئی تھیں تب بھی گنے چنے اہل کتاب اہلِ حق موجود تھے۔ جو پہاڑوں میں پڑے ہوئے تھے، بستیوں سے الگ چھپے ہوئے تھے وہ اللہ کا نام لیتے تھے جس کی وجہ سے یہ (دنیا کا) خیمہ کھڑا تھا۔ عام حالت ظلمت کی تھی۔ تو اللہ نے بنی آدم کے قلوب پر نگاہ کی **فمقت عربهم وعجمهم** غضب آلود نگاہ سے دیکھا۔ عرب کو بھی، عجم کو بھی۔ قلوب کے اندر خیر باقی نہیں تھی۔ ظلمت ہی ظلمت تھی۔ ان "**ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ**" میں غیرتِ خداوندی جوش میں آئی کہ اس ظلمت میں چاند نا کیا جائے ___ تو فاران کی چوٹیوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہاتھ میں سورج تھا ایک ہاتھ میں چاند۔ دو روشن چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ ایک چمکتا ہوا سورج ایک چمکتا ہوا چاند۔ کیونکہ اس ظلمت کو دور کرنے کے لئے دو قسم کی روشنیوں کی ضرورت تھی۔ ڈبل روشنی کی ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے تشریف لائے کہ دائیں ہاتھ میں سورج تھا، بائیں ہاتھ میں چاند۔ آپ سمجھے ہوں گے کہ وہ یہ سورج ہوگا جو آسمان پر چمکتا ہے یا یہ چاند ہوگا جو رات چمکتا ہے یہ چاند سورج ___ ان کی کوئی حیثیت اور وقعت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کے سامنے ان انوار کی کوئی حیثیت نہ تھی۔

آپ کا اعلانِ تبلیغ اور عرب قوم کا طرزِ عمل

ان کی تو کل حیثیت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب راہ حق کی دعوت دی اور پورا عرب دشمن ہو گیا تو قریش نے مل کر ابو طالب کو واسطہ بنایا اور کہا، خدا کے لئے اپنے بھتیجے سے کہہ دو کہ وہ جو چاہے ہم سے لے مگر ہمارے بتوں کی برائی کا نام نہ لے ہمارے دین کی تضحیک نہ کرے۔ وہ جو چاہے ہم سے قبول کرلے۔ تم اپنے بھتیجے کو سمجھا دو ورنہ پھر اس کے بعد ہمارے اوپر ذمہ داری نہیں رہے گی۔ تو ابو طالب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اے میرے بھتیجے! قوم نے مجھے وکیل بنا کے تیرے پاس

بھیجا ہے کہ میں قوم کا پیغام تیرے پاس پہنچادوں ___ اور وہ یہ ہے کہ تو نے جو دعویٰ کیا ہے اور دعوت دینا شروع کی ہے۔ اگر تیرا مقصد یہ ہے کہ کچھ پیسے روپے جمع ہوں' سونا چاندی جمع ہو۔ تو تیری قوم اس کے لئے تیار ہے کہ پورے ملک کا سونا جمع کر کے تیرے قدموں میں ڈالدیا جائے۔ اگر حسن و جمال مقصود ہے تو قریش کی بیٹیاں حاضر ہیں جس کو تو چاہے قبول کر لے۔ اگر سرداری مطلوب ہے تو آج سے ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ تجھے پورے عرب کا بادشاہ تسلیم کرلیں اور ہم تمہارے سامنے رعیّت کی حیثیت سے آجائیں۔ جو تمہارا مقصد ہو کرلو۔ مگر خدا کے لئے ہمارے معبودوں کو جو ہم نے بنا رکھے ہیں۔ ان کو برا بھلا مت کہو اور ہمارے آبائی دین کے بارے میں کوئی کلمہ بُرا استعمال مت کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے چچا! کہہ چکے جو تم نے کہنا تھا؟ قوم کا پیغام تم سنا چکے؟ ابو طالب نے کہا' ہاں سنا چکا۔ فرمایا کہ میری طرف سے تم کہدو کہ میری قوم' تو اگر ایک ہاتھ میں سورج لاکر رکھ دے اور ایک ہاتھ میں چاند لاکر رکھدے تب بھی میں یہ "کلمہ کہنا" نہیں چھوڑوں گا جو میں زبان سے نکال چکا ہوں۔ یا اپنی جان ختم کردوں گا یا دنیا میں اس کلمہ کو پھیلا کر رہوں گا۔ تو اس چاند سورج کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کل یہ حقیقت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں بھی آجائیں تو میں اپنا کلمہ چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ یعنی اس کلمہ کے مقابلے میں جس کو میں لے کر کھڑا ہوا ہوں جو "توحید و رسالت کا بیان ہے" اس چاند و سورج کی کوئی حقیقت نہیں ہے ___ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جو تشریف لائے تو ہاتھ میں یہ چاند سورج نہیں تھا' اس چاند سورج کی تو کوئی وقعت اور حقیقت ہی نہیں ہے۔ میری مراد سورج اور چاند سے کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب موجود تھی جو سورج سے زیادہ روشن تھی اور بائیں جانب "قلبِ محمّدی" تھا جس میں اخلاق کی نورانیت بھری ہوئی تھی۔ تو ایک طرف چاند کہ جس کی روشنی علمِ خداوندی کی تھی قرآن کریم اس سے لبریز ہے۔ اور ایک طرف اخلاقِ محمدؐ کی روشنی تھی جو قلبِ نبوت میں بھرے ہوئے تھے' تو دو چیزیں آپ لے کر آئے تھے ایک چمکتا ہوا علم اور ایک چمکتے ہوئے اخلاق۔ ایک روشن کتاب اور ایک روشن دل۔

بنیادِ نبوّت

اور یہ اس لئے کہ بہرحال حکماء و فلاسفہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ چاند میں خود اپنی روشنی نہیں ہوتی بلکہ سورج اس کے مقابلہ میں آتا ہے۔ سورج ہی کی روشنی اس میں سے ہو کر گزرتی ہے تو وہ ٹھنڈی بن جاتی ہے۔ وہی سورج کی تیز روشنی تھی' جب چاند میں آتی ہے تو وطن کی اور موقع کی خصوصیات کی وجہ سے اسمیں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے۔ آگ کو اگر کسی خاص وطن سے اور موقع سے گزارا جائے تو وہ برودت کے آثار پیدا کرتی ہے ___ یہی آپ کی بجلی جو پاور ہاؤس سے چلتی ہے۔ اگر آپ اس کو کسی مشین کے اندر لگادیں تو وہ آگ ہے (ہیٹر وغیرہ) اس میں تیزی ہے۔ گرمی اور حدّت اسمیں ہے۔ ہاتھ لگادیں تو آپ کے ہاتھ کو پکڑ کے جلا دے گی لیکن یہی بجلی ___ اگر اس کو ریفریجریٹر کے ذریعہ سے نمایاں کریں تو وہی بجلی ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ پھل رکھدو تو ٹھنڈے ہوں گے' کھانا رکھدو تو ٹھنڈا ہوگا۔ یہ وہی آگ ہے جو پاور ہاؤس سے چلتی ہے لیکن مقام اور موسم کی خصوصیت کی وجہ سے اسمیں ٹھنڈک کے آثار پیدا ہو گئے' تو ایک چیز ایک جگہ آگ ہوتی ہے جو قابلِ تحمّل نہیں ہوتی اور وہی چیز دوسرے مقام میں لاکے رکھی جائے تو قابلِ برداشت ہو جاتی ہے ___ تو اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب' خداوندی علم اتنا بالا اور اونچا تھا کہ مخلوق اس کا تحمّل نہیں کرسکتی تھی۔ جب

اسی علمِ الٰہی کو قلبِ نبوت سے گزارا گیا اسمیں اعتدال کی روشنی پیدا ہو گئی۔ اس میں ٹھنڈک اور برودت آئی جو قابلِ قبول بن گئی کہ دنیا اس سے استفادہ کر سکے' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اس شان سے تشریف لائے کہ آپ کے ایک ہاتھ میں سورج تھا' یعنی اللہ کی روشن کتاب اور ایک ہاتھ میں چاند تھا۔ یعنی اخلاقِ نبوت اس میں بھرے ہوئے تھے اور اس میں روشنی تھی تو ایک علم اور ایک اخلاق۔ یہ دو چیزیں آپ لے کر آئے۔ آپ دیکھیں اور غور کریں کہ نبوت کی بنیاد ہی دو چیزوں کے اوپر ہے۔ ایک علمی کمال' ایک عملی کمال۔ یہی دو نوعیں ہیں جو تمام کائنات کی سعادت ہیں۔

علمِ کامل اور عملِ کامل۔ اگر علم نہ ہو' روشنی نہیں ہو سکتی۔ راستہ نظر نہیں آسکتا' منزلِ مقصود سامنے نہیں آسکتی اور اگر اخلاق نہ ہوں تو راستہ کے اوپر چلنے کی قوت پیدا نہیں ہو سکتی' اخلاق قوت مہیا کرتے ہیں' علم راستہ نمایاں کرتا ہے تو عالم کا علم اس کو چلا نہیں سکتا۔ صرف راستہ دکھلانا علم کا کام ہے۔ چلنا آدمی قوت سے ہے۔ دونوں چیزیں جمع ہو جاتی ہیں تب منزلِ مقصود پر آدمی پہنچتا ہے۔ تو اس لئے علم کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ عمل کی بھی تو نبوت کی بنیاد دو چیزیں ہیں۔ ایک علمی کمال' ایک اخلاقی کمال۔

دنیوی سعادت کی بنیاد کمالِ علم و عمل ہے

اسی واسطے قرآن کریم میں کمالِ علم اور کمالِ عمل کے لحاظ سے چار نوعیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک آیت کریمہ میں فرمایا گیا :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ کن لوگوں کے ساتھ ہو گا؟ وہ نبیوں کے' صدیقوں کے' شہداء کے اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔ تو چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک نبی' ایک صدیق' ایک شہید' ایک صالح۔ غور کیا جائے تو یہ چاروں قسمیں علم اور عمل کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں۔ دو قسمیں یعنی نبی اور صدیق۔ یہ علم کی بارگاہ کی دو قسمیں ہیں۔ اور شہید اور صالح یہ عمل کی بارگاہ کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی علم اولاً نبی کے قلب پر آتا ہے کہ نبی علم کے لحاظ سے اصل ہوتا ہے اس کی تصدیق کرنے والے کو صدیق کہتے ہیں۔ تو صدیق اور تصدیق یہ بھی علم کی ایک قسم ہے۔ نبی گویا نَبَأٌ سے ہے۔ جس کے معنی خبر دینے کے ہیں اور صدیق کے معنی تصدیق کنندہ کے ہیں اور تصدیق خود علم کی قسم ہے　　تو حاصل یہ نکلا کہ نبی اور صدیق یہ علم کے دو افراد ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ نبی علم میں اصل ہے۔ اور صدیق تابع ہے۔ بالذات اور اصل علم کے لحاظ سے نبی اور تابع ہونے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو وہ صدیق کی ہے۔ تو صدیق نبی کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے علم کے دو افراد ہو گئے' ایک نبی اور ایک صدیق۔

عمل کے بھی دو ہی افراد ہیں۔ ایک شہید اور ایک صالح' شہید اصل ہوتا ہے عمل میں اور صالح اس کے تابع ہوتا ہے۔ شہید اسے کہتے ہیں جو اللہ کے راستے میں فقط خواہشات ہی نہیں اپنے نفس کو بھی ختم کر دے۔ جو جان تک اللہ کے راستے میں لگا دے وہ شہید ہے۔ اور صالح اس کو کہتے ہیں جو نیکی کا راستہ اختیار کرے۔ یعنی نفس کی خواہشات کو پامال کرتا رہے۔ جو اللہ کی مرضی کو آگے رکھے اسے صالح کہتے ہیں۔ تو شہید اگر جان دے کر فضا ہموار نہ کرے صالحین کی صلاح چل نہیں سکتی۔ صالحین اپنی صلاح پر جبھی قائم رہیں گے' جب فضا پُر امن ہو فتنے نہ ہوں۔ امن قائم ہو۔ اگر دنیا میں فتنہ پھیلا ہوا ہے تو نہ نمازی کو نماز کا ہوش رہے گا۔ نہ

تلاوت کرنیوالے کو تلاوت کا ہوش رہے گا۔ نہ درود پڑھنے والے کو درود کا ہوش رہے گا۔ تو شہداء اپنی جان دے کر فضا صاف کرتے ہیں تاکہ صالحین اپنی صلاح کو برت سکیں۔ اس لئے اعلیٰ ترین عمل شہید کا ہوتا ہے صالح اس کے تابع ہوتا ہے تو عمل میں شہید اصل ہے اور صالح اس کے تابع۔ علم میں نبی اصل ہے صدّیق اس کے تابع ہے تو ایک علم کا کمال ہے اور ایک عمل کا کمال ہے۔ تو دو فرد علم کے ہیں اور دو فرد عمل کے ہیں۔ نبی اور صدیق علم کے فرد ہیں۔ ایک اصل اور ایک تابع۔ اور شہید اور صالح عمل کے افراد ہیں۔ ایک اصل اور ایک تابع۔ یہ دو چیزیں ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دنیا کے اندر سعادت کی بنیاد دو ہی چیزیں ہیں۔ ایک علم اور ایک عمل۔ تو نبوت کی بنیاد در حقیقت یہی دو چیزیں ہیں انبیاء علیہم السلام ــــ ایک علمی کمال لے کر آتے ہیں اور ایک عملی کمال، جس کو اخلاق کہا جاتا ہے۔ اخلاق عمل کی بنیاد ہوتے ہیں۔

عمل کی بنیاد "اخلاق"

"اخلاق" عمل کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگر اندر اخلاق نہ ہوں عمل سرزد نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کے اندر شجاعت کے اخلاق موجود ہیں تو حملہ آوری، ہجوم اور اقدام کے افعال آپ سے سرزد ہوں گے، اگر آپ کے اندر سخاوت کا مادہ اور خلق موجود ہے تو داد و دہش اور دینا، غریبوں کے ہاتھ پہ رکھنے کے افعال آپ کے ہاتھ سے نمایاں ہوں گے، اگر بخل کا مادہ موجود ہے تو آپ عطا نہیں کریں گے۔ اگر بزدلی کا مادہ موجود ہے تو آپ پیچھے کو ہٹیں گے۔ تو اندر کا مادہ فعل کو حرکت دیتا ہے۔ اسی اندرونی مادے کو جو فعل کو حرکت میں لایا اخلاق کہتے ہیں تو جیسے اخلاق ہوں گے ویسے اعمال سرزد ہوں گے، تو عمل کی قوتیں در حقیقت اخلاق ہیں لیکن اخلاق اپنا کام کر نہیں سکتے جب تک راستہ نظر نہ آئے۔ راستہ علم دکھاتا ہے، تو دو ہی چیزیں کمالات کی بنیاد ہو گئیں ــــ ایک علم اور ایک اخلاق۔ علم راہ دکھلائے گا اور اخلاق اس پر چلائیں گے۔ اخلاقی قوت آدمی کو اس پر دوڑائے گی ــــ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی ریل گاڑی ــــ آپ نے دیکھا ہو گا کہ انجن دوڑتا ہے، ہزاروں لاکھوں من بوجھ کے لوہے کی گاڑی کو اپنے ساتھ باندھ کر لے جاتا ہے مگر انجن کے چلنے اور منزل تک پہنچنے کی شرط کیا ہے؟ ایک تو یہ کہ اس کے سامنے لائن بنی ہوئی ہو۔ لوہے کی لائن اس کے سامنے بچھی ہوئی ہو۔ جس پر انجن کو اتارا جا سکے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے اندر اسٹیم کی طاقت بھری ہوئی ہو۔ آگ اور پانی کو جمع کر کے بھاپ کی طاقت اس کے اندر بھر دی جائے ــــ تو اگر لائن بچھی ہوئی نہ ہو، تب بھی انجن نہیں چل سکتا۔ اور لائن بچھی ہوئی ہو، مگر اس کے اندر اسٹیم کی طاقت نہیں ہے تب بھی نہیں چل سکتا۔ لائن پر انجن کھڑا ہوا ہے اور اندر نہ آگ ہے نہ پانی۔ اور بھاپ کی طاقت پیدا نہیں ہوتی تو دھکیل دھکیل کے آپ اسے کہاں تک چلائیں گے؟ ہزاروں آدمی مل کر لگیں گے یہ بالشت بھر چلے گا، پھر کھڑا ہو جائے گا۔ تو جب تک انجن کے اندر چلنے کی طاقت نہ ہو تو نہیں چل سکتا اور اگر اندر طاقت بھری ہوئی ہے مگر لائن بچھی ہوئی نہیں ہے تو جتنا زور سے چلے گا زمین میں دھنستا چلا جائے گا منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچے گا، تو منزل مقصود تک پہنچنے کی دو ہی شرطیں ہیں کہ لائن بھی بچھی ہوئی ہو اور اس لائن پر چلنے کی قوت بھی موجود ہو۔ اسٹیم کی طاقت بھی ہو تب چلے گا اور چلے گا تو پھر ایسا چلے گا کہ ہزارہا من لوہا ہزارہا من بوجھ اس کے ساتھ آپ جوڑ دیں سب کو گھسیٹ کر منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔ ہزاروں ڈبے، ہزاروں انسان، ہزاروں اشیاء سامان سب کو گھسیٹ گھساٹ کے منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔ اس لئے دونوں چیزیں ضروری ہیں۔

شریعت اور طریقت کا حسین امتزاج

تو ٹھیک اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ہر انسان مثلِ انجن کے ہے۔ اس میں بھی دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کے سامنے کھلا ہوا چلنے کا سیدھا راستہ ہو' اسے منزل سامنے نظر آئے اور ایک اس کے اندر چلنے کی طاقت موجود ہو' تو وہ سیدھا راستہ جس پر چل کر یہ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی کا نام صراطِ مستقیم ہے اور شریعتِ حقہ ہے ___ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ یہ ہے میرا سیدھا راستہ' اس کا اِتباع کرو اس کی پیروی کرو تو وہ راستہ جس پر آدمی چلے گا' اس کا نام "شریعت" ہے ___ لیکن راستہ سامنے ہو محض نظر آجائے' مگر اندر چلنے کی طاقت نہ ہو' آدمی چل نہیں سکے گا۔ وہ اندر کی طاقت کیا ہے؟ وہ اخلاق کی قوت ہے جس کو "طریقت" پیدا کرتی ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ سے عشقِ نبوی کی وہ آگ پیدا ہوتی ہے جو ہر مسلمان کے اندر لگی ہوئی ہے۔ تو آگ اور اسٹیم اسے اس راستے کے اوپر دوڑاتی ہے اگر راستہ سرے سے نہیں ہے چلنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ نہ اندر عشقِ محمدی موجود ہے نہ عشقِ خداوندی موجود ہے۔ تو اس میں چلنے اور دوڑنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ تو شریعت کا علم راستہ دکھلاتا ہے اور طریقت کی ریاضت چلنے کی طاقت پیدا کرتی ہے۔ جب دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ تو پھر ایسے آدمی خود ہی نہیں چلتے بلکہ ان کے پیچھے ہزاروں انسانوں کو جوڑ دو' سب کو گھسیٹ کر منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں طاقت ہوتی ہے تو دو طاقتوں کی ضرورت ہے ایک شریعت کی طاقت اور ایک طریقت کی طاقت' طریقت اخلاق بنائے گی' شریعت راستہ دکھلائے گی

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ انسان کے لئے مدرسہ کی بھی ضرورت ہے خانقاہ کی بھی ضرورت ہے اگر مدرسہ نہ ہو' تعلیم نہ ہو' علم سامنے نہیں آسکتا اور اگر خانقاہ نہ ہو اور اخلاق درست نہ ہوں تو چلنے کی طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو مدرسہ اور خانقاہ دونوں کو جمع کیا جائے جب جا کے آدمی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔

مولویت اور صوفیت میں جنگ کیوں؟

میں تو کہا کرتا ہوں کہ یہ جو آج کل مولویوں اور صوفیوں کی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ پچھلوں کی جنگ ایسی نہ تھی۔ اگر حقیقی معنوں میں ایک سچا عالم ہو۔ اس سے زیادہ قدر دان صوفی کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور اگر سچا درویش اور صوفی ہو' اس سے زیادہ قدر دان عالم کا کوئی نہیں ہو سکتا لیکن اگر علم بھی ناتمام ہو اور عشق بھی ناتمام ہو تو یہ اُس کا مدّ مقابل ہوگا وہ اِس کا مدّ مقابل ہوگا۔ یہ لڑائی اب بعد کے لوگوں میں چلی ہے کاملین میں کبھی لڑائی پیدا نہیں ہوئی۔

حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین سلطانی ولی اللہؒ دھلوی' آپ جانتے ہیں کہ کتنے بڑے پائے کے عالم ہیں' درویش ہیں' صوفیاء چشتیہ میں ان کا آفتاب کا سا مقام ہے۔ ایک روشن دل اللہ نے ان کو عطا فرمایا۔ بہت بڑی ذات ہے حضرت خواجہ نظام الدین ولی اللہؒ کی۔

اس زمانے میں جبکہ حضرت خواجہ کے فیوض و برکات سے دنیا مالا مال ہو رہی ہے۔ اخلاقی دولتیں کما کے لے جا رہی ہے۔ اسی زمانے میں حکومت کی طرف سے حکیم ضیاء الدین سنامیؒ کوتوال اور محتسب تھے کہ کوئی بد اخلاقی یا خلافِ شرع حرکت نہ کرنے پائے' اس کی نگرانی کرتے تھے' کسی کو بھی دیکھا کہ بدعات میں مبتلا ہے یا خلافِ شرع امور میں مبتلا ہے فوراً گرفتار کرتے تھے' حکومت کی جانب سے احتساب ہوتا تھا' سزائیں دی جاتی تھیں۔

حضرت خواجہ نظام الدّین کی محفلِ سماع اور حکیم ضیاء الدّین کا احتساب

پہلے تو یہ واقعہ سناؤں کہ دونوں کا مقام کیا ہے؟ حضرت سلطان المشائخ دہلویؒ کے یہاں یارانِ طریقت بیٹھے ہوئے تھے اور سماع ہو رہا تھا' مگر سماع کی صورت باجے گاجے کی نہیں تھی' جو محقق مشائخ ہیں ان کے ہاں مزامیر اور باجے گاجے نہیں ہوتے۔ سماع کے معنی یہ تھے کہ خوش آوازی سے پڑھنے والا کوئی نعت پڑھ رہا تھا' کوئی غزل پڑھ رہا تھا جس میں اربابِ احوال کے قلوب کی گرہیں کھل جاتیں' گتھیاں کھل جاتیں' تو خوش آوازی سے کوئی پڑھنے والا مغنّی پڑھ رہا تھا اور سب پر حالات طاری ہو رہے تھے' کیفیات طاری ہو رہی تھیں۔ اس لئے کہ سماع حضراتِ صوفیاء نے حظِ نفس کے لئے نہیں سنا۔ جب قبض طاری ہو تو قبض کو دفع کرنے کا ایک علاج ہے' ایک معالجہ ہے' کوئی غذا نہیں ہے کہ رات دن کھائی جائے۔ محض ایک علاج ہے معالجہ کے طور پر اسے استعمال کرتے تھے تو انقباض رفع کرنے کے لئے یارانِ طریقت جمع تھے اور جائز حد تک کا سماع ہو رہا تھا۔ اس میں ''مزامیر'' نہیں تھے باجے گاجے نہیں تھے مگر ظاہری طور پر بظاہر ایک ایسی چیز تھی کہ خلافِ شرع مجمع نظر آتا تھا' یا اس درجہ کی چیز تھی کہ یہ خواص ہیں ان کے اس فعل کو دیکھ کر عوام کہیں باجے گاجے بھی استعمال نہ کریں' اس کے معنی باجے گاجے کا نہ لیں ___ تو حکیم ضیاء الدین سنامیؒ نے آکر اس کو روکنا چاہا اور ڈانٹ کر کہا کہ خلافِ شرع امر بند کرو' مگر وہاں ہوش کسے تھا جو سنتا' وہاں تو سب اربابِ احوال تھے۔ اپنے اپنے حال میں غرق ___ کسی نے نہ سنا' حکیم ضیاء الدینؒ نے دیکھا کہ کوئی سنتا نہیں' سمجھ گئے کہ صاحبِ حال لوگ ہیں' یہ نہیں کہ کوئی بغاوت یا تمرّد کر رہے ہیں۔ حال میں غرق ہیں۔ تو اول تو اتمامِ حجت کے لئے زور سے کہا کہ بند کرو اس سماع کو' لوگوں میں اس سے فتنہ پھیلے گا' وہاں کون سنتا تھا۔ سارے صاحبِ حال تھے۔ تو حکیم ضیاء الدینؒ نے حکم دیا کہ خیمے کی طنابیں کاٹ دو' جب خیمہ ان کے سر پر گرے گا جب یہ سماع کو بند کریں گے۔ سپاہیوں نے آگے بڑھ کر طنابیں کاٹ دیں۔ مگر وہ خیمہ ہوا کے اوپر قائم رہا۔ ساری رسیاں کٹ گئیں خیمہ نہیں گرا' اب بے چارے حکیم ضیاء الدینؒ صاحب کیا کریں؟ امر بالمعروف بھی کر دیا اور تغیّر بالید بھی کر دی کہ ہاتھ سے اس چیز کو مٹانا بھی چاہا مگر نہیں مٹی' اس واسطے کہ وہ تو سچے لوگ سن رہے تھے۔ سب کے سب اربابِ حال تھے' اب یہ دیکھا کہ کسی طرح نہیں بن پڑی تو یہ خیال ہوا کہ کہیں سپاہیوں میں یہ خیال نہ ہو کہ یہی امرِ حق تھا' یہ خواہ مخواہ ہم سے امرِ حق کا مقابلہ کرا رہے ہیں' تو کہا دیکھو کہ یہ ہیں سارے بدعتی اور بدعت میں مبتلا ہیں مگر اسوقت یہاں سے چلو اس وقت یہ غرق ہیں کسی دوسرے وقت میں امر بالمعروف کریں گے اپنے سپاہیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ خیمہ اسی طرح کھڑا رہا۔ تو سماع کی یہ کیفیت تھی۔ تو حضرت خواجہ صاحبؒ ان کے مریدین اور جو بیٹھنے والے تھے' چونکہ سارے سچے تھے' اربابِ حال تھے اور سماع کسی حظِ نفس کے لئے نہیں تھا' بلکہ ترقیٔ مدارج کے لئے یا رفعِ قبض کے لئے تھا۔ اس سچائی کی وجہ سے خیمہ اپنی جگہ قائم رہا۔ یہ اپنی جگہ درست تھے اور حکیم ضیاء الدینؒ کی ڈانٹ ڈپٹ اپنی جگہ درست تھی۔ اس واسطے کہ وہ نظامِ شریعت کے قائم کنندہ تھے' ان کی حیثیت پولیس اور فوج کی تھی۔ تو پولیس کا کام یہی ہے کہ قانون کے خلاف کوئی چیز دیکھے تو فوراً ڈانٹ ڈپٹ کرے۔

حکیم ضیاء الدّین رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

اس کے ساتھ ساتھ دوسری کیفیت یہ تھی کہ جب حکیم ضیاء الدینؒ کی وفات کا وقت آیا تو حضرت خوا

نظام الدین اولیاء حضرت کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور اطلاع کرائی کہ جا کے حکیم ضیاء الدین سے عرض کیا جائے کہ نظام الدین مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا ہے ___ تو حکیم صاحب نے اندر سے جواب بھجوایا کہ روک دو' میں بدعتی کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا ___ خواجہ نظام الدین نے جواب بھجوایا کہ عرض کردو کہ بدعتی' بدعت سے توبہ کرنے کے لئے حاضر ہو رہا ہے۔ اسی وقت حکیم ضیاء الدین نے اپنی پگڑی بھیجی کہ اسے بچھا کے خواجہ صاحبؒ اس کے اوپر قدم رکھتے ہوئے آئیں اور جوتے سے قدم رکھیں ننگے پاؤں نہ آئیں۔ خواجہ صاحبؒ نے پگڑی کو اٹھا کے سر پہ رکھا کہ یہ میرے لئے دستارِ فضیلت ہے اور اس شان سے تشریف لے گئے' آکر مصافحہ کیا اور بیٹھ گئے اور حکیم ضیاء الدین کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی موجودگی میں حکیم ضیاء الدینؒ کی وفات کا وقت آگیا اور خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ الحمد للہ حکیم ضیاء الدینؒ کو حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے کہ ترقی مدارج کے ساتھ ان کا انتقال ہوا۔

اپنے اپنے فرائض پہ دونوں قائم ہیں۔ ایک دوسرے کی عظمت کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی پگڑی بھیجتے ہیں کہ جوتیوں سے قدم رکھ کے آئیں۔ ان کا یہ حال ہے کہ اسے سر کے اوپر رکھا کہ یہ میرے لئے دستارِ فضیلت ہے۔ میرے لئے سعادت ہے۔ تو ادھر ولی کامل ہیں جو طریقت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور ادھر عالم ربانی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی قدر کو پہچانتے ہیں اگر معاذ اللہ ___ دونوں ناقص ہوتے' وہ ان کے مقابل آتے' دنیا میں جھگڑا فتنہ پھیلنا شروع ہو جاتا' تو کاملین کا فرق یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی عظمت کو پہچانتے ہیں ایک دوسرے کی بڑائی اور بزرگی کو مانتے ہیں۔

خواجہ نظام الدین ولی اللہؒ کا مقام

ان ہی حکیم ضیاء الدینؒ کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو کسی نے ایک شعر پڑھا' خواجہ صاحبؒ پر وجد طاری ہوا اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے حکیم ضیاء الدینؒ نے دامن جھٹک کر کہا' بیٹھ جاؤ' خبردار! شریعت کی عظمت کو سامنے رکھو۔ خواجہ صاحبؒ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد پھر کسی نے شعر پڑھا' پھر وجد طاری ہوا۔ پھر کھڑے ہو گئے خواجہ نظام الدینؒ ___ تو حکیم ضیاء الدینؒ نے پھر دامن تھاما کہ بیٹھ جاؤ' آدابِ شریعت کو سامنے رکھو پھر بیٹھ گئے۔ تیسری دفعہ پھر کسی نے شعر پڑھا اور پورے وجد کے ساتھ خواجہ نظام الدینؒ کھڑے ہوئے اور رقص کرنے لگے۔ تو حکیم ضیاء الدینؒ بھی کھڑے ہو گئے اور ہاتھ باندھ کے گردن جھکا کے کھڑے ہو گئے۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو حکیم ضیاء الدینؒ سے پوچھا گیا کہ پہلے دو دفعہ میں تو تم نے دامن جھٹک کر خواجہ صاحبؒ کو بٹھالیا اور تیسری دفعہ جب وہ کھڑے ہوئے تو تم بھی ان کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اگر بھلائی تھی تو پہلے کیوں روکا تھا؟ اور برائی تھی تو ہاتھ باندھ کے کیوں ساتھ ہوئے؟ تو حکیم ضیاء الدینؒ نے جواب دیا کہ پہلی دفعہ جب خواجہ صاحبؒ کھڑے ہوئے ان کی روح کو عروج ہوا' آسمانِ دنیا تک روح پہنچی' یہاں تک میری رسائی تھی میں پکڑ لایا اور کہا کہ تم فرشی ہو' بندگی کی صورت اختیار کرو' ایسا عروج مت اختیار کرو جو بندگی کی شان کے خلاف ہے' وہاں سے پکڑ لایا' دوبارہ عروج ہوا تو پھر حضرت خواجہ صاحبؒ کی روح ساتویں آسمان تک پہنچی' میری بھی وہاں تک رسائی تھی تو پھر پکڑ کے لایا کہ اپنی حد پر قائم رہو زیادہ عروج میں مت آؤ' تیسری دفعہ عروج ہوا تو تجلیاتِ الٰہیہ سامنے تھیں' میں بھی ہاتھ باندھ کے کھڑا ہو گیا میں بدعتی کی تعظیم کے لئے کھڑا نہیں ہوا تھا' بلکہ تجلیاتِ الٰہیہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

علماء اور صوفیاء کی ذمّہ داری

اس سے اندازہ ہوا کہ حکیم ضیاء الدین خود بھی صاحبِ باطن تھے مگران کو شریعت کے نظام کو قائم رکھنے‘ اس کی بقاء اور اس کے استحکام کا کام سپرد تھا۔ تو علماء کی مثال پولیس جیسی ہے اور صوفیاء کی مثال ہے جیسے مقربان بادشاہی ہوتے ہیں۔ جو بادشاہ کے دربار میں ہر وقت حاضر ہیں‘ تو بادشاہ کے دربار میں لوگ بعض اوقات ایسی بے تکلفی کی باتیں کرتے ہیں کہ باہر آکے وہ باتیں نہیں کرسکتے‘‘ بادشاہ کی موجودگی میں بے تکلفانہ کر گزرتے ہیں‘ لیکن وہی باتیں اگر سڑک پر آکر کریں گے تو پولیس کے آگے جوابدہ ہیں۔ وہ چلاتے رہیں کہ ہم تو مقربان بادشاہی ہیں‘ پولیس کہے گی کہ بادشاہ کی مجلس میں جاکے جو چاہے کرو منظرِ عام پر جب آؤ گے تو قانون کی پابندی کرنی پڑے گی۔ ہمارا فرض کہ ہم قانون کی حفاظت کریں۔ جب تم مقامِ قُرب میں پہنچو اور بادشاہی دربار میں موجود ہو‘ جو تمہارا جی چاہے کرو وہ قانون سے بالاتر چیز ہے۔ لیکن جب آؤ گے سڑک پر‘ جب آؤ گے میدان میں‘ جب آؤ گے لوگوں میں تو یہاں قانون کی پابندی کرنی پڑیگی‘ ہم نہیں جانتے کہ تمہارا کیا حال ہے؟ کچھ بھی ہو مگر ہم قانون کے سپاہی ہیں ___ تو علماء کی مثال پولیس جیسی ہے اور صوفیاء مقرّبانِ شاہی ہیں۔ تو وہ اپنی بے تکلفی میں کچھ بھی کریں لیکن باہر آکر کریں گے تو شریعت کے نظام کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

سماع کے بارے میں حضرت نانوتویؒ کا واقعہ

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانئ دارالعلوم دیوبند‘ یہ صرف عالم ہی نہیں تھے‘ عارف کامل بھی تھے‘ ربّانی بھی تھے درویش بھی تھے‘ صاحبِ کشف و کرامت اولیاء اللہ میں ہوئے ہیں ___ وہ ایک دفعہ خلجے میں تشریف لے گئے‘ خلجے میں حضرت کے بہت سے مریدین اور متوسّلین تھے‘ تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب جو حضرت کے شاگردوں کے شاگرد تھے‘ ان کے دیوان خانے میں عصر کے بعد حضرت کی مجلس ہوئی‘ چار‘ پانچ سو آدمی حضرت کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ جنہوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا ان کا نام حاجی امیر شاہ صاحب مرحوم ہے۔ یہ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص خدّام میں سے تھے‘ مخصوص متوسّلین میں سے تھے‘ انہوں نے واقعہ بیان کیا کہ حضرت کی مجلس تھی‘ تو اس مجلس میں اچانک ان کا بھتیجا آگیا۔ رنگ مست خاں اس کا نام تھا۔ گلا نہایت بہترپایا تھا‘ موسیقی کا بڑا بھاری استاد تھا اور فرماتے تھے امیر شاہ صاحب کہ اس کی حالت یہ تھی کہ ایک دفعہ ہم دوست احباب جمع تھے‘ کچھ کھانے پکانے کا سامان ہو رہا تھا‘ تو کچھ دوست گوشت دھو رہے تھے‘ بعض پیاز کاٹ رہے تھے‘ بعض لوگ پانی والی کے گھڑے بھر رہے تھے‘ اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے تو یہ رنگ مست خاں آگیا اور اس نے آکر مکان کے دروازے میں داخل ہوتے ہی حافظ شیرازیؒ کی یہ غزل شروع کی کہ:

غلامے نرگسے مستے کہ تاج دار انند
خرابے بادۂ لعلے کہ ہوشیار انند

کہتے تھے کہ اس شان سے پڑھی ہے کہ ایسا سماں بندھا کہ جس کا چاقو پیاز میں تھا وہ پیاز ہی میں رہ گیا‘ جس کا ہاتھ گھڑے پر تھا تو گھڑے پر رہ گیا۔ جو سِل بٹّے پر مصالحہ پیس رہا تھا اس کا ہاتھ بٹّے پر رہ گیا‘ جیسے معلوم ہو کہ سب پر سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی‘ لوگوں نے اپنے ہوش گم کردیئے اس کی آواز اس غضب کی تھی۔

امیر شاہ صاحب مرحوم کہتے تھے کہ حضرت کی مجلس میں یہ رنگ مست خاں آگیا اور حضرت کی چارپائی پر

پائینتوں آ کے بیٹھ گیا' حضرت سرہانے بیٹھے تھے۔ شاہ صاحب کہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے حضرت کی پشت سے رنگ مست خاں کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ شروع کردے۔ اس نے غزل شروع کی کہ :

غلامے نرگسے مستے کہ تاج دار انند

لیکن غلامے نرگسے مستے ___ مست تک آیا اور آگے چپکا ہو گیا اس کے بعد میرے پھوپھا نے حضرتؒ کی پشت سے پھر اشارہ کیا کہ بھئی پڑھتا کیوں نہیں؟ ___ اس نے پھر غزل شروع کی۔ اب کے غلامے نرگس تک آیا پھر چپ ہو گیا۔ پھر میرے پھوپھا نے گھورا کہ پڑھتا کیوں نہیں؟ تو پھر اس نے لَے باندھ کر یہ شروع کی۔ اب کے غلام کہہ کر رک گیا اور چپ ہو گیا۔ یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی۔ تو کہتے تھے امیر شاہ صاحب کہ میرے پھوپھا نے کہا کہ کم بخت! اس دن تو تو نے اس طرح پڑھا کہ سماں باندھ دیا اور معلوم ہوا کہ سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ آج تجھ پر کیا مصیبت آئی تھی؟

اس نے کہا جو مجھ پر مصیبت آئی وہ تم نے نہیں دیکھی۔ کہا کیا مصیبت آئی؟ کہا کہ پہلی دفعہ جب میں غلامے نرگسے مستے' مست تک پہنچا ہوں تو حضرت نانوتویؒ کا ہاتھ بڑھا اور میری زبان پکڑلی ___ اب میں کیا کرتا' چپ ہو گیا۔ پھر تم نے گھورا' پھر میں نے شروع کیا' اب کے "غلامے نرگس" تک آیا تو حضرت کا ہاتھ پھر بڑھا اور میری زبان پکڑلی' میں مجبور ہو کر چپکا ہو گیا۔ تیسری دفعہ تم نے گھورا' پھر شروع کیا' اب کے "غلام" کہنے پایا تھا پھر زبان پکڑلی۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے تو نہیں دیکھا۔ کہا خدا کی قسم تینوں دفعہ ہاتھ بڑھا۔ اور میری زبان کھینچ لی۔

یہ تو اس نے کہا اور حضرت نانوتویؒ نے خانصاحب کو (یعنی شاہ صاحب) کو خطاب کر کے یہ جملہ فرمایا۔ اس سے ان لوگوں کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

فرمایا خاں صاحب جس طرح سے کہ میں "صوفیوں" میں بدنام ہوں' اسی طرح سے مجھ پر "مولویت" کا دھبہ بھی لگا ہوا ہے اس کی رعایت کرنا بھی آپ لوگوں کا فرض ہے۔ اب اگر یہ غزل اس طرح سے ہو جاتی تو کہنے والے یوں کہتے کہ مولوی بھی گانے بجانے کے اندر مشغول ہو گئے۔ یہ کوئی نہ دیکھتا کہ کونسی جائز حد تھی اور کونسی ناجائز حد تھی؟

خواص کی ذمہ داری

تو خواص کو بہت سی جائز چیزیں بھی ترک کرنی پڑتی ہیں' اس بناء پر کہ عوام اس سے آگے کہیں نہ مبتلا ہو جائیں' عوام کی خاطر بعض جائز چیزیں ترک کر دینا پڑتی ہیں' احتیاط سمجھ لیں' تقویٰ سمجھ لیں' بہر حال چھوڑ دینی پڑتی ہیں ___ جیسے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات فمن اتقی الشبھات فقد استبرا علی دینھم** حلال بھی کھلا ہوا ہے' حرام چیزیں بھی کھلی ہوئی ہیں۔ حلال و حرام کے بیچ میں کچھ چیزیں مشتبہ ہیں۔ ان میں حلال ہونے کا شائبہ بھی موجود ہے' حرام ہونے کا شائبہ بھی موجود ہے۔ متقی وہ ہے جو ان مشتبہات سے بچ جائے۔ جو بچ کر جائے گا وہ اپنے دین کو ہر برائی سے بری کر لے جائے گا۔ تو مشتبہات سے بچنا یہ تقویٰ کا ایک شعبہ ہے اور کاملین مشتبہات سے تو بجائے خود بعض جائز چیزوں سے بچ جاتے ہیں کہ لوگ حرام میں نہ مبتلا ہو جائیں۔

امام رازیؒ نے ایک اثر نقل کیا ہے اور اس کو حدیث مرفوع کہا ہے۔ سند جس درجے کی بھی ہو مگر بہر حال ایک چیز ہے جو قواعد شرعیہ کے بالکل مطابق ہے اور وہ اثر امام غزالیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

جب علماء جائزات کے حصول کی فکر میں پڑجائیں گے تو عوام مکروہات کا ارتکاب کریں گے اور جب علماء مکروہات کا ارتکاب کریں گے تو عوام حرام میں مبتلا ہوں گے اور جب علماء حرام چیزوں میں مبتلا ہوں گے تو عوام کفر میں مبتلا ہوں گے ___ اس واسطے سب سے زیادہ احتیاط خواص کے لئے ضروری ہوتی ہے کہ وہ عوام کی خاطر‘ ان کو بچانے کی خاطر مکروہات تو بجائے خود ہیں‘ بعض جائز چیزوں کا بھی ترک کردیں کہ ان کے جائزات کے کرنے سے عوام مکروہات کا ارتکاب نہ کرنے لگیں۔

تو ان حضرات اہل اللہ کی شان یہ تھی کہ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ جس طرح میں صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مجھ پر مولویت کا دھبہ بھی لگا ہوا ہے۔ اس کی رعایت رکھنا بھی آپ لوگوں کا فرض ہے۔ اگر یہ غزل آج ہو جاتی تو اس کے جائز ہونے میں کلام نہیں تھا۔ یہاں کوئی باجے گاجے نہیں تھے‘ کوئی ہارمونیم نہیں تھا‘ کوئی ستار نہیں تھا۔ خوش آوازی سے ایک بات ہوتی۔ مگر بہرحال مجلس مولوی کی تھی‘ عوام یہ کہتے کہ گانا بجانا ہو رہا ہے‘ وہ پھر اپنے لئے ستار بھی جائز کر لیتے اس واسطے یہ اہل اللہ اتنی احتیاط برتتے ہیں۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مقام دو ہی ہیں۔ ایک علم کا مقام ہے‘ ایک اخلاق کا مقام ہے۔ علم راستہ دکھلاتا ہے‘ اخلاق چلنے کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ دونوں چیزیں جب جمع ہو جاتی ہیں جب آدمی کامیاب ہوتا ہے ___

تو نبوت بھی درحقیقت دو ہی بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک کمالِ علمی‘ ایک کمالِ اخلاقی‘ یہی دو چیزیں انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ اور یہی بنیادِ نبوت ہیں‘ جب یہ بنیادِ نبوت کا معیار ہوئی تو اسی سے خود سمجھ لیجئے کہ جو ذات اقدس کمالِ علم میں اس مرتبہ پر پہنچ جائے کہ اس رتبہ پر کوئی نہ پہنچا ہوا ہو اور اخلاقی کمال میں اس مقام پر پہنچ جائے کہ کوئی اس مقام پر آیا ہوا نہ ہو تو وہی نبی سب سے بڑا نبی ہوگا‘ اس لئے کہ معیارِ نبوت جو کچھ تھا‘ وہ اس میں حد کمال پر آیا ہوا ہے۔

ذاتِ نبوی میں شانِ علم

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو دیکھا جائے تو علم کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **اوتیت علم الاوّلین والآخرین** مجھے اگلوں کے اور پچھلوں کے تمام علوم عطا کر دیئے گئے ہیں۔ جتنے پچھلوں کو علوم دیئے گئے۔ تمام انبیاء جو جو علوم لے کر آئے ہیں وہ سارے علوم میری ذات میں جمع کر دیئے گئے ہیں‘ تو اگلوں کے علوم یعنی انبیاء سابقین کے سارے علوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں اور پچھلوں کے علوم بھی یعنی قیامت تک جو آنے والے ہیں‘ علماء‘ فضلاء‘ حکماء ان سب کے علوم ___ ظاہر بات ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پروردہ ہیں۔ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے مستفیض ہیں۔ وہ تو ہیں ہی آپ کے علوم ___ آپ ہی کی جوتیوں کے صدقے سے عالم‘ عالم بنے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جوتیوں کے صدقہ سے صدیق‘ صدیق بنے تو وہ تو ہیں ہی آپ کے علوم ___ لیکن بتلایا گیا کہ پچھلے انبیاء کے جو علوم ہیں وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جمع کر دیئے گئے ہیں کہ جتنے اگلوں کے علوم تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع ہیں‘ جتنے پچھلوں کے علوم تھے وہ بھی ایک ذات میں جمع‘ تو ایک عظیم نکتہ خیر اللہ نے پیدا کیا کہ اگلے اور پچھلے سارے علوم اس میں جمع کر دیئے گئے۔

ذاتِ نبوی میں اجتماعِ علوم کی محسوس مثال

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محسوس مثال علم کے لحاظ سے ایسی ہوگی کہ جیسے آپ اپنے اندر

دیکھتے ہیں کہ چہرے میں آنکھ ہے۔ تو آنکھ بھی عالِم ہے مگر صورۃً رنگ کو دیکھے گی، صورت کو پہچان لے گی آوازوں کا پہچاننا یہ آنکھ کا کام نہیں ___ کان ہیں وہ آوازوں کا علم حاصل کرتے ہیں کہ آواز اچھی ہے یا بری بلند ہے یا پست۔ کان آوازوں کے عالِم ہیں، وہ صورتیں نہیں دیکھتے ___ ناک خوشبو اور بدبو کی عالِم ہے وہ سونگھ کر بتلادے گی کہ گلاب کا پھول ہے چنبیلی کا پھول ہے۔ لیکن ناک یہ چاہے کہ گلاب کی شکل دیکھ لے یہ ناک کا کام نہیں ہے ___ زبان کا کام یہ ہے کہ وہ ذائقہ کو بتلائے، کھٹا ہے یا میٹھا یا نمکین؟ زبان کو اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ تو آوازیں سن لے تو زبان کا یہ کام نہیں ہے تو اس چہرے میں آنکھ بھی موجود، کان بھی موجود ہے زبان بھی موجود، ناک بھی موجود، دوسرے لفظوں میں گویا یوں کہا جائے کہ یہ علماء کی ایک بستی ہے اور ہر فن کا عالِم الگ الگ ہے۔

آوازوں کا عالِم کان ہے، صورتوں کی عالِم آنکھ ہے، ذائقوں کی عالِم زبان ہے خوشبو اور بدبو کی عالِم ناک ہے۔ یہ سارے علماء ہیں اپنے اپنے موضوع کا عِلم رکھتے ہیں اور یہ آگے اللہ کی صناعی اور حکمت ہے۔ اسی دو انگشت کے چہرے میں ساری چیزیں ایک جگہ جمع ہو گئیں۔ کان میں اور آنکھ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ دو تین انچ کا فرق ہو گا، ناک اور آنکھ میں کوئی زیادہ فاصلہ میل دو میل کا نہیں ہے ایک دو انچ کا فاصلہ ہو گا۔

مگر ایسی سدِ سکندری حائل ہے کہ آنکھ کی یہ مجال نہیں ہے کہ کان کے کاموں میں دخل دے سکے، کان کو یہ موقع نہیں ہے کہ وہ آنکھ کا کام سرانجام دے ___ ملے ہوئے ہیں مگر اپنی حدود سے باہر قدم نہیں لے جاسکتے۔ تو ہر ایک اپنے اپنے کام میں مشغول اپنے علم میں لگا ہوا ہے۔

لیکن یہ سارے علوم کان، ناک، آنکھ، زبان کے یہ خدا تعالیٰ نے حسِ مشترک میں جمع کردیئے ہیں جس کو اُمّ الدماغ کہتے ہیں، دماغ کا یہ جو ابتدائی حصہ ہے اس میں سارے علوم جمع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ آنکھ سے دیکھتے ہیں تو آنکھ تو دیکھ کر کے اپنا فارغ ہو گئی لیکن جو صورت تھی وہ دماغ میں ابھی تک موجود ہے۔ اگر آنکھ میں صورۃ رہتی تو آنکھ نے اپنا کام جو ختم کیا تھا۔ آنکھ پر پردہ آگیا تھا، صورت ماند ہو جانی چاہئے، لیکن جس چیز کو آپ نے دیکھ لیا ہے۔ دیکھنے کے بعد آپ آنکھ بند کریں تب بھی صورت آپ کے سامنے موجود ہے ___ یہ تو کوئی خزانہ ہو گا جس میں جمع ہے۔ وہی دماغ کا خزانہ ہے

آپ نے روٹی چکھ لی اور ذائقہ معلوم کرلیا، لیکن جب کھانے پینے کا کام ختم ہو گیا تب بھی ذائقہ کا ایک اندازہ آپ کے قلب میں موجود ہے ___ کہا کرتے ہیں لوگ کہ فلاں دسترخوان پر اتنے برس ہوئے، میں نے کھانا کھایا تھا گویا اب تک وہی ذائقہ زبان میں موجود ہے۔ تو یاد کیسے ہے اب تک؟ اگر یہ ذائقہ ابھی تک موجود نہیں ہے؟ کسی ذائقہ کا یاد رہنا یہ اس کی علامت ہے کہ ذائقہ موجود ہے کہ زبان نے ذائقہ چکھ لیا اور چکھ کر خزانے میں پہنچادیا، وہاں موجود ہے۔ آنکھ نے صورت کو دیکھ لیا اور صورت کو لے جا کے خزانے کے اندر جمع کردیا۔ وہاں ساری صورتیں جمع ہیں۔ اب جب آپ کا جی چاہے آپ انہیں دیکھ لیں۔

آپ نے اگر دلی کی سیر کی ہو گی، جامع مسجد دیکھی ہو گی، لال قلعہ دیکھا ہو گا، تو دیکھا تو ایک دفعہ تھا، لیکن اگر دن میں دس بار اپنے ملتان میں بیٹھ کر دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔ ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

بس جہاں گردن جھکائی پوری جامع مسجد سامنے موجود، پورا لال قلعہ سامنے موجود، تو کہیں جمع ہے، تبھی تو وہ سامنے ہو جاتا ہے، یقیناً اندر موجود ہے۔ تو یہ سارے حالات اندر کی کارگزاریاں ہیں اور جو کچھ ان

معلومات ہیں وہ آپ کے ذہن یا دماغ میں جمع ہیں تو یہ اُمّ الدّماغ ہے یہ ان سارے حالات کا مجموعہ ہے کہ اس میں دیکھنے کی طاقت بھی ہے' سننے کی طاقت بھی ہے چکھنے کی طاقت بھی ہے خوشبو بدبو کے ادراک کی طاقت بھی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ سارے جب اپنا کام کر گزرتے ہیں تو ان کے محسوسات دماغ کے اندر جمع رہتے ہیں' تو خزانہ اصل ہوا ___ بلکہ غور کیا جائے تو آنکھ اصل نہیں ہے دیکھنے میں دماغ ہی دیکھنے میں اصل ہے۔ دماغ متوجہ ہوتا ہے تب آنکھ دیکھتی ہے اگر دماغ متوجہ ہی نہ ہو آنکھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ کھلے بندوں آپ بازار چلے جائیں۔ تماشے ہو رہے ہوں جب آپ واپس آئیں تو دوسرا بھائی کہے کہ بھائی! آج تو بڑے تماشے ہو رہے تھے۔ آپ کہیں گے کیسا تماشہ؟ وہ کہے گا یہ سب جلوس تھے رنگ رلیاں منائی جا رہی تھیں۔ آپ کہتے ہیں میں نے کسی کو نہیں دیکھا' وہ کہے گا' بندۂ خدا' آپ کی آنکھ کھلی ہوئی تھی کہ نہیں' تو آپ یہی کہا کرتے ہیں کہ اوہو! میں اپنے دھیان میں غرق رہا۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کیسا جلوس۔

معلوم ہوا کہ دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے۔ آپ کا دل دیکھنے والا ہے۔ دل متوجہ نہیں تھا آنکھوں سے آپ کو کچھ نظر نہیں آیا ___ تو اصل میں دیکھنے کا خزانہ اندر موجود ہے' چکھنے کا خزانہ اندر موجود ہے' سننے کا خزانہ اندر موجود ہے' یہ کان اور ناک محض آلات ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی کی خدانخواستہ آنکھ پھوڑ دی جائے' دماغ میں اس سے خلل نہیں آتا' کان نہ رہیں دماغ میں نقصان نہیں' لیکن دماغ پر لاٹھی مار دی جائے' تو آنکھ بے کار' پاؤں بھی بے کار' ناک بھی بے کار' پھر کوئی حواس اس کے اندر باقی نہیں رہے گا اس لئے کہ جب خزانہ ٹوٹ گیا جہاں سے فیض پہنچ رہا تھا' کان' ناک' آنکھ تو سب بے کار ہو گئے' لیکن اگر آنکھ' کان' ناک باقی نہ رہے' دماغ کا کوئی نقصان نہیں۔ اس واسطے کہ وہ اصل خزانہ ہے۔

جب یہ مثال سمجھ میں آ گئی تو غور کیجئے کہ اس عالم میں ہزارہا انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے۔ ہر نبی کا ایک مخصوص علم ہے۔ ہر نبی کو کچھ خصوصی علوم عطا کئے گئے ہیں' دین ایک دیا گیا' لیکن دین کے بتلانے سمجھانے کے لئے' پروگرام کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مختلف علوم دیئے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء و صفات کا علم دیا گیا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا یوسف علیہ السلام کو تعبیر خواب کا علم دیا گیا رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنّی دیا گیا۔ (فراست کا علم) داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کا علم دیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام کو منطق الطّیر کا علم دیا گیا کہ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے۔ ہر نبی کا ایک مخصوص علم ہے ___ تو سارے انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں کہ کوئی آنکھ ہے' کوئی ناک ہے' کوئی کان ہے' مختلف علوم کے حامل۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال امّ الدماغ کی ہے کہ سارے حواس کا علم لا کر اس "دماغ" میں جمع کر دیا گیا۔

دماغ کوئی نقصان پہنچتا ہے' یا اگر دماغ نہ رہے' تو آنکھ' ناک' کان کچھ نہیں رہتا۔ لیکن اگر آنکھ' کان' ناک' باقی نہ رہیں تو دماغ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا' تو سارے انبیاء گزر چکے ہیں' مگر دماغ اسی طرح قائم ہے' لیکن خدانخواستہ دماغ نہ ہوتا تو نہ آنکھ رہتی نہ کان رہتے' نہ ناک رہتی۔ کوئی چیز نہ رہتی۔ تو تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم در حقیقت مستفاد ہیں نکلے ہوئے ہیں خزانۂ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے' اصل نکتۂ خیر حق تعالیٰ کی جانب سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کے فیضان سے انبیاء میں نبوّتوں کے علوم آئے۔ یعنی سبب آپ بنائے گئے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے' آپ کے سبب سے انبیاء علیہم السلام کو علوم عطا

فرمائے گئے ہیں۔

نبیّ الانبیاء پر ایمان لانے کیلئے انبیاء کو پابند کیا گیا

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے "خصائصِ کُبریٰ" میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ انا نبیّ الانبیاء ۔ اور انبیاء علیہم السلام امتوں کے نبی ہیں۔ میں نبیوں کا نبی ہوں۔ میں نبیوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں، یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ، فرمایا کہ :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ

اللہ نے نبیوں سے عہد لیا، کیا عہد لیا؟ ___ کہ جب میں تمہیں کتاب بھی دوں، حکمت بھی دوں، نبوّت بھی عطا کروں اور پھر وہ رسول عظیم الشان آئے ___ کونسا ___ ؟ جو تم سب کی تصدیق کرے، جو کچھ میں نے تمہیں علوم دیئے ہیں ان سب کی تصدیق کرے۔ تو تمہارا کام کیا ہوگا؟ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ کہ تم اس کے اوپر ایمان لاؤ۔ اگر زمانہ پاؤ تو ایمان لے آؤ اور نہ پاؤ تو اپنی قوموں کو ہدایت کرو کہ ایمان لائیں یہ بھی تمہارا ایمان لانا ہے جس سے اندازہ ہوا کہ آپ پر ایمان لانے کا نبیوں کو پابند کیا گیا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اصل میں ایمان نبی کا ہوتا ہے۔ مؤمن جو ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ہمارا ایمان نبی کے ایمان کا عکس ہوتا ہے۔ ہم تم جو مؤمن ہیں اصلی مؤمن نہیں ہیں۔ اصلی مؤمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کے طفیل سے ساروں پر ایمان کا عکس پڑ گیا تو ہم تم بھی مؤمن نظر آنے لگے۔ بالاستقلال ہمارا ایمان نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کے تابع محض ہے۔ کہ اصل حقیقی آپ مؤمن ہیں اور آپ کے ایمان کی چمک جس پر پڑ گئی وہ مؤمن کہلانے لگا تو اصل میں ایمان کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ہمارے ایمان کا وجود تابع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کے وجود کے۔

بالکل اسی طرح جیسا کہ آفتاب نکلے اور مختلف دھوپوں کے ٹکڑے آپ دنیا میں پھیلے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کوئی گول ہے، کوئی چوکور ہے، کوئی مثلث ہے، کوئی مربع ہے تو اگر دھوپ سے پوچھا جائے کہ تو کون ہے؟ تو یوں کہے گی کہ آفتاب کا جز، آفتاب کا ایک حصّہ ___ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا خود اصلی وجود کچھ نہیں۔ وجود تو آفتاب کا ہے۔ اس کی وجہ سے میرا وجود بھی نظر آتا ہے۔ میں خود آفتاب سے کٹ کر کوئی مستقل وجود نہیں رکھتی بلکہ میرا وجود اس وقت تک ہی قائم ہے کہ میں آفتاب کی کرنوں سے وابستہ رہوں، اگر میں کٹ جاؤں تو میرا وجود ختم ہو جائے۔

تو مؤمن کے ایمان کا وجود اصل میں نبی کے ایمانی وجود کے تابع ہے۔ تو جب انبیاء علیہم السلام مؤمن بنائے گئے اور ہدایت کی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو ایسی صورت بن گئی کہ حقیقی ایمان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ کے فیضان سے پھر انبیاء علیہم السلام کو بھی ایمان عطا کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم و ایمان "نکتۂ خیر" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہیں۔

تو اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اوتیت علم الاوّلین والآخرین اگلوں کے یعنی سارے انبیاء علیہم السلام کو جو علوم دیئے گئے ہیں وہ میرے سینے میں جمع ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے دوسروں کو پہنچائے گئے ہیں۔ آپ حسِ مشترک اور اُمّ الدّماغ ہیں۔ اور انبیاء مثل آنکھ ناک کان کے ہیں۔ علم کا فیض یہاں سے پہنچ رہا ہے۔ کسی کو کوئی علم ملا ــــــ یہی وجہ ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ **علم آدم الاسماء کلّھا کما علمت الاسماء کلھا** آدم علیہ السلام کو اسماء وصفات کا علم دیا گیا جیسا کہ سارے اسماء وصفات کا مجھے علم عطا کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کی شانِ علمی

حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کا علم دیا گیا اور قرآن کریم میں متعدد واقعات خواب کی تعبیر میں آتے ہیں۔ جو یوسف علیہ السلام سے وابستہ ہیں۔ یہ بڑا عجیب علم ہے لیکن جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو دیکھا جائے تو آپ نے فقط خوابوں کی تعبیر ہی نہیں دی بلکہ فنِ تعبیر کے اصول بتلادیئے۔ اس سے بڑے بڑے معبّر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت کے اندر بن گئے۔ تعبیرِ خواب کے امام پیدا ہوئے۔ بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں تو یوسف علیہ السلام نے تعبیریں بتلائیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی اصولِ کلی بتلائے۔ اس سے تعبیر دینے والے تیار ہو گئے جو کہ لاکھوں کی تعداد میں گزرے ہیں۔ یہ ایک مستقل علم اور فن بن گیا۔

تعبیرِ خواب کے عجائبات

واقعہ نمبرا

جیسے کہ امام ابن سیرینؒ کے سامنے ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ حضرت! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری چارپائی کے نیچے انگارے دھک رہے ہیں۔ فرمایا کہ 'جلدی جا اور اپنے گھر میں بال بچوں اور سامان کو نکال' تیرا گھر گر پڑے گا۔ یہ گیا' جلدی جلدی کر کے سامان نکالا' بیوی بچوں کو نکالا' ساری چیزیں باہر نکالیں' چند گھنٹے کے بعد سارا مکان اوپر سے آن پڑا۔ تعبیر ہاتھ کے ہاتھ نمایاں ہو گئی۔

کوئی پانچ چھ ماہ کے بعد پھر ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری چارپائی کے نیچے انگارے دھک رہے ہیں۔ فرمایا' چارپائی کے نیچے کھدائی کر' تجھے سونا ملے گا۔ کھدائی کی تو دیکھا کہ لاکھوں روپے' سونا خالص' زر سرخ ملا اور وہ شخص مالدار ہو گیا۔

لوگوں نے امام ابن سیرینؒ سے عرض کیا کہ ایک شخص نے یہی خواب دیکھا' آپ نے اس کا تو گھر گروادیا اور دوسرے نے وہی خواب دیکھا تو اسے خزانہ دلادیا۔ ایک نے کیا قصور کیا تھا اور دوسرے نے کونسا انعام کا کام کیا تھا' خواب تو ایک ہے؟

فرمایا کہ پہلے نے گرمی کے موسم میں خواب دیکھا تھا اور گرمی میں چارپائی کے نیچے آگ دیکھنا یہ انہدامِ بنیاد کی دلیل ہے تو میں نے تعبیر دی کہ تیرا گھر گر جائے گا۔ دوسرے نے جو یہ خواب دیکھا سردی کے موسم میں اور سردی میں چارپائی کے نیچے آگ انتہائی نعمت اور خوشگوار چیز ہوتی ہے اور اس آگ کی صورت سونے کی صورت کے مشابہہ ہوتی ہے تو میں نے تعبیر دے دی کہ سونا ملے گا۔ گویا فنِ تعبیرِ خواب کے اصول ہیں۔ انہیں اصولوں کی رو سے تعبیریں منقّی ہو جاتی ہیں' واضح ہو جاتی ہیں۔

واقعہ نمبر۲

یہی ابن سیرینؒ اور امام مالکؒ کا زمانہ ہے۔ امام مالکؒ جلیل القدر امام ہیں۔ تابعی بھی ہیں۔ صاحبِ مذہب ہیں۔

امام مالکؒ کی حالت یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے انتہائی محبت تھی اور مدینہ کی محبت میں غرق تھے۔ در حقیقت محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ اس کی وجہ سے امام مالکؒ کو ایک ایک چیز مدینہ کی عزیز تھی۔ مدینہ کی زمین کا ایک ایک ذرّہ عزیز تھا اور چاہتے یہ تھے کہ کسی طرح سے میں مدینہ کی زمین میں دفن ہو جاؤں ___ اس ڈر کی وجہ سے حج نفلی نہیں ادا کرتے تھے کہ کہیں مدینہ سے باہر نہ میرا انتقال ہو جائے۔

یہ چاہتے تھے کہ یہیں انتقال ہو۔ یہیں دفن ہو جاؤں اور جی چاہتا ہے "حج نفل" ادا کرنے کو، مگر ڈر کی وجہ سے نہیں جاتے تھے۔

ایک دن خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے اور امام مالکؒ "دربار" میں حاضر ہیں تو بڑے التجاء سے عرض کیا اور بڑی لجاجت سے کہا کہ یا رسول اللہ! میرا جی چاہتا ہے کہ مدینہ کی زمین مجھے قبول کر لے اور اسی لئے میں ڈر کے مارے حج نفلی نہیں ادا کرتا کہ مدینہ سے باہر جا کے کہیں میرا انتقال نہ ہو جائے اور کہیں باہر دفن نہ کر دیا جاؤں۔ تو مجھے یہ بتلا دیا جائے کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ اگر مجھے علم ہو جائے کہ ابھی عمر کے کئی برس باقی ہیں تو ہر سال نفلی حج ادا کر لیا کروں گا۔

اس لئے یہ بتلا دیا جائے کہ میری عمر کتنی باقی ہے؟ ___ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر اس طرح پانچ انگلیاں سامنے کر دیں.... اور ان کی آنکھ کھل گئی۔

امام مالکؒ حیران کہ پانچ انگلیوں سے مراد آیا یہ ہے کہ پانچ ماہ تمہاری عمر کے رہ گئے ہیں؟ یا پانچ برس مراد ہیں یا پانچ دن مراد ہیں؟ یا پانچ ہفتے مراد ہیں؟

میں نے عمر کی مدت پوچھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیاں سامنے کر دیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ ہفتے مراد ہیں، پانچ ماہ مراد ہیں یا پانچ برس۔

اس لئے ایک آدمی کو ابن سیرینؒ کے پاس بھیجا۔ جا کے اس خواب کی تعبیر پوچھ کے آئے۔ مگر نام نہ لینا کہ مالکؒ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ یوں کہنا کہ ایک مسلمان نے یہ خواب دیکھا ہے میرا نام نہ لیا جائے، ذکر نہ کیا جائے۔ یہ خادم ابن سیرینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ ایک نیک مسلمان نے یہ خواب دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نے پوچھا کہ میری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیاں سامنے کر دیں۔ تو اس خواب دیکھنے والے نے تعبیر پوچھی ہے۔

امام ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟ اس نے کہا، اس شخص نے نام بتلانے کی ممانعت کر دی ہے۔ فرمایا کہ یہ خواب بہت بڑا عالم ہی دیکھ سکتا ہے۔ جاہل تو جاہل، معمولی علم کا آدمی بھی یہ خواب نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خواب کسی بڑے عالم کا خواب ہے اور مدینہ میں امام مالکؒ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

تو مالکؒ نے تو یہ خواب نہیں دیکھا؟ اب یہ چپ ہو گیا۔ فرمایا کہ جاؤ اس سے اجازت لے کر آؤ، نام بتاؤ تب میں تعبیر بتلاؤں گا، وہ شخص واپس آ گیا۔ اس نے جا کے امام مالکؒ سے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو پہچان گئے کہ خواب دیکھنے والے آپ ہیں۔ اس واسطے (نام ظاہر کرنے کی) اجازت دے دیجئے۔ فرمایا اچھا میرا نام لے دو۔ اس نے آ کر نام لے دیا کہ امام مالکؒ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ فرمایا کہ امام مالکؒ ہی یہ خواب دیکھ سکتے تھے،

یہ چھوٹے موٹے عالم کا کام نہیں تھا کہ یہ خواب دیکھتا۔

فرمایا جا کے امام مالکؒ کو تعبیر بتلا دو کہ تم نے اپنی عمر پوچھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ انگلیاں دکھلائیں۔ تو نہ پانچ برس مراد ہیں نہ پانچ مہینے مراد ہیں نہ پانچ ہفتے مراد۔ بلکہ اشارہ ہے۔ حدیث کی اس روایت اور قرآن کی اس آیت کی طرف ھی من خمس لایعلمھن الا اللہ کہ کسی کی موت کا وقت ان پانچ چیزوں میں سے ہے کہ جن کا علم اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہے۔

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي
نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ

اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم کہ کب آئے گی کسی کو پتہ نہیں دیا گیا کہ کب آنے والی ہے اور بارش کی اصلیت و حقیقت کہاں سے ہے اس کا ابتدائی سرچشمہ کون ہے' کہاں سے چلتا ہے؟ اللہ کے سوا دوسروں کو پتہ نہیں ہے۔ اسباب کے درجے میں ہم کچھ پتہ چلالیں کہ مون سون آئے گا۔ وہ برسے گا' بادل بنیں گے۔ لیکن خود مون سون کیسے بنا۔ اس کے اوپر کا سرچشمہ کیا ہے اور اصل کی اصل کیا ہے۔ کس طرح پانی کی تکوین ہوئی۔ اللہ ہی جانتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ اور ان اصولوں سے اللہ تعالیٰ ہی واقف ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ بنے گا یا لڑکی بنے گی ___ لڑکا ہو گا یا لڑکی ___ ؟ کسی جدید خبر کش سے کسی کو معلوم ہو جائے۔ یہ ممکن ہے۔ لیکن ان اصولوں کی اطلاع کہ لڑکا لڑکی رحم مادر میں کس طرح بنتے ہیں۔ یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ کسی شخص کو پتہ نہیں ہے کہ کل کس زمین میں وہ دفن کیا جائیگا۔ تو امام مالکؒ کو کہہ دینا جا کے کہ پانچ انگلیوں سے پانچ دن' پانچ سال یا پانچ مہینے مراد نہیں بلکہ پانچ اصول مراد ہیں کہ ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ خدا ہی جانتا ہے کہ کس زمین میں کون دفن ہو گا۔ کس زمین میں کس کا انتقال ہو گا۔ یہ تعبیر دی۔ تو فرمایا کہ امام مالکؒ ہی یہ خواب دیکھ سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علمی جواب دیا ہے کہ ہر عالم اس خواب کی تعبیر کو نہیں سمجھ سکتا۔

تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیریں دی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث میں تعبیر کے اصول قائم کر دیئے کہ جس سے تعبیر خواب ایک عظیم فن بن گیا۔ اس سے بڑے بڑے امام بن گئے۔ بڑی بڑی کتابیں اس فن کے اندر لکھی گئیں۔

امام ابن سیرینؒ کی خواب کی تعبیریں اور اصولوں کو ایک کتاب کے اندر جمع کیا گیا ہے۔ بڑی ضخیم دو جلدیں ہیں تاثیر المنام فی تعبیر المنام اس میں ہزاروں خوابوں کی تعبیریں ذکر کی گئی ہیں اور وہ اصول ذکر کئے گئے جن کے ذریعے خواب کی تعبیریں نکالی جاتی ہیں' تو ابن سیرینؒ بڑے امام ہیں۔ ان کے بعد بڑے بڑے علماء اور بھی گزرے جو بہترین تعبیریں دینے والے ہیں۔

واقعہ نمبر ۳

قاضی محمد ایوب صاحبؒ جو بھوپال میں قاضی القضاۃ تھے' مشہور تھے۔ ادھر تعبیر دی اور ہاتھ کے ہاتھ تعبیر کے مطابق واقعہ پیش آتا۔

ان کے زمانے میں ایک شخص نے خواب دیکھا جو ایک نوجوان اہل حدیث تھا۔ اس نے خواب دیکھا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں قاضی محمد ایوب صاحب بھوپال کے قاضی القضاۃ

ہیں۔ ان کے دفتر میں وہ نوجوان اہل حدیث ملازم تھا۔ قاضی صاحب دورے پر گئے' بھوپال سے کوئی چالیس میل کے فاصلہ پر پڑاؤ تھا۔ اس نے خواب دیکھا اور قاضی صاحب کے پاس آ کے ذکر کیا کہ حضرت میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ نماز ہو رہی ہے ایک بہت بڑی جماعت کھڑی ہوئی ہے۔ لاکھوں آدمی ہیں۔ صفیں بندھی ہوئی ہیں اور صفِ اولیٰ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم' امامت کرا رہے ہیں۔ یہ میں نے خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر کیا ہے؟

تو وہ نوجوان یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اس میں اشارہ ہوگا نواب صاحب کی کسی فضیلت کی طرف' کسی منقبت' بڑائی اور بزرگی کی طرف جو امامت کرا رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ کیا واقعی تو نے یہ خواب دیکھا ہے؟ کہا کہ حضرت واقعی ___ فرمایا کہ اگر واقعی تو نے یہ خواب دیکھا ہے تو نواب صدیق حسن خاں کا انتقال ہو چکا ہے۔

وہ بھی چپکا ہو گیا۔ اس کے ذہن میں جو بات تھی۔ تعبیر اس کے برعکس آئی کہ اگر واقعی دیکھا ہے تو نواب صدیق حسن خاں فوت ہو چکے ہیں۔

کچھ دیر بعد اطلاع آئی کہ نواب صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ کچھ عرصہ سے بیماری چل رہی تھی۔ سب لوگ دوڑ گئے اور ماتمی جنازہ بن گیا۔ تین دن ریاست کی طرف سے ماتم رہا۔

تین دن کے بعد یہی اہل حدیث نوجوان قاضی صاحب کے ہاں پہنچا کہ حضرت تعبیر بالکل ہاتھ کے ہاتھ نمایاں ہو گئی۔ جو تعبیر تھی وہ واقعہ ہو گیا لیکن آپ نے خواب کی یہ تعبیر کیسے سمجھی؟ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نواب صاحب کی کوئی بڑائی' کوئی عظمت' کوئی فضیلت ظاہر ہوگی۔ ان کو امام کے درجے پر دکھلایا گیا۔ آپ نے بالکل برعکس تعبیر دی۔ یہ تعبیر آپ نے کیسے سمجھی؟

سبحان اللہ! عجیب اصول بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے اس سے یہ تعبیر سمجھی کہ نبی کی موجودگی میں کسی کو امامت کا حق نہیں ہے۔ اگر نماز میں نبی کے آگے کوئی ہوگا تو جنازہ تو ہو سکتا ہے' زندہ نہیں ہو سکتا۔ کہاں پہنچا دماغ؟ یہ تعبیر اصول کو سامنے رکھ کر دی۔ تو بڑے بڑے معبّر اس امت کے اندر گزرے ہیں۔

واقعہ نمبر

اسی طرح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند بھی مشہور تھے فنِ تعبیر خواب میں کہ اِدھر تعبیر دی اُدھر واقعہ ہاتھ کے ہاتھ نمایاں ہو جاتا اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ عقلی دلائل بھی ہوتے تھے۔ دلائل سے تعبیر کرتے کہ اس خواب کی تعبیر یہی ہونی چاہیے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرّس ہیں اور فقط عالم ہی نہیں تھے عارف باللہ' کامل اولیاء اللہ میں سے ہیں اور صاحبِ کشف و کرامت لوگوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور اپنے بھائی مولانا نانوتوی صاحب کی خدمت میں خواب پیش کیا۔ نانوتہ میں ہی خواب دیکھا۔ جامع مسجد میں نماز پڑھی اور حضرت نانوتوی سے عرض کیا کہ بھائی صاحب میں نے خواب دیکھا ہے۔ تعبیر کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔

وہ یہ کہ میں اپنے گھر سے چلا تو میں نے اپنے ساتھ دُنبے کی شکل کا بھینسا دیکھا۔ جیسے بڑا بھینسا ہوتا ہے' ایسا وہ دُنبہ ہے۔ وہ میرے مدّمقابل آیا اور میرا راستہ روکا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے سینگ پکڑ لئے۔ میری اور اس کی کشا کشی ہو رہی ہے کبھی وہ مجھے دو گز دھکیل کے پیچھے کر دیتا ہے اور کبھی میں زور لگا کے اسے

ھکیلتا ہوں۔ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ غرض اسی طرح کی کشاکشی ہوتی رہی۔ اسی کشاکشی میں اس نے میری ئیں ران پر سینگ مارا۔ تو دو تین قطرے خون کے نکل پڑے اور میری آنکھ کھل گئی ___ عرض کیا اس کی بیر کیا ہوگی؟ میری سمجھ میں نہیں آئی۔

حضرتؒ نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے "بنی اَعمام" میں کسی چھوٹی بچی کا انتقال ہو جائے گا ___ تعبیر دے ہی رہے تھے کہ ایک عورت روتی ہوئی آئی کہ پرسوں فلاں صاحب کے جو بچی پیدا ہوئی تھی اس کا تقال ہو گیا۔ فرمانے لگے لیجئے بھائی صاحب! تعبیر آگئی۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ بھی حیران۔ عرض کیا کہ ضرت تعبیر تو واقعی ہو گئی، مگر آپ اس سے کیسے سمجھے کہ "بنی اَعمام" میں چچا تایاؤں کی اولاد میں سے ایک بچی انتقال ہو جائے گا۔

تب حضرت نے اس کے دلائل بیان کرنے شروع کئے ___ یعنی خواب کا مسئلہ ہے اور اسے دلائل سے ت کر رہے ہیں۔

فرمایا کہ : آپ نے ایک دُنبے یا مینڈھے کو دیکھا جو بھینسے کی شکل میں ہے۔ فرمایا حدیث میں فرمایا گیا ے کہ موت کو قیامت کے دن مینڈھے کی شکل میں مُتشکّل کیا جائے گا اور جنت و دوزخ کے درمیان میں کے اس کو کھڑا کیا جائے گا۔ جنت والوں کو منادی کی جائے گی کہ سب جنت کی شہرپناہ پر آجاؤ۔ تو جنت والے یں گے کہ کہیں جنت سے ہمیں نکالا تو نہیں جارہا۔ ڈرتے ڈرتے شہرپناہ کے اوپر آجائیں گے۔ پھر جہنم وں کو منادی کی جائے گی کہ تم بھی شہرپناہ کے اوپر آجاؤ۔ تو اس توقع میں خوش ہو کے آئیں گے کہ شاید ہمیں نم سے نکلنے کی اجازت ہو جائے۔ تو دونوں آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ بیچ میں ایک مینڈھا کھڑا کر دیا ئے گا۔

پوچھا جائے گا کہ اے اہلِ جنت اور اہلِ نار! جانتے ہو یہ کیا چیز ہے؟ کہیں گے کہ یہ موت ہے۔ اس لئے سب کو سابقہ پڑ چکا ہوگا، تو یہی مینڈھے کی شکل میں موت ہوگی جس سے سلب روح ہوتی ہے۔ پھر اس نڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا۔ فرمایا جائے گا کہ اب موت کو موت آچکی۔ اے اہلِ جنت اب موت کا کوئی ال نہیں۔ جنت میں ابدالآباد کی زندگی بسر کرو، اور اے اہل جہنم! اب موت کو موت آگئی، ابدالآباد تک تم جہنم میں رہو۔ تو جنت والوں کو اتنی خوشی ہوگی کہ اگر موت کو موت نہ آگئی ہوتی تو شاید شادی مرگ سے وہ جاتے اور جہنم والے اتنے حسرت زدہ ہوں گے کہ اگر موت کو موت نہ آئی ہوتی تو شاید حسرت و غم میں جاتے۔

بہرحال حضرتؒ نے فرمایا کہ موت کو مینڈھے کی شکل دی جائے گی۔ آپ نے مینڈھے کو دیکھا اور سینگ ڑ کر مقابلہ کیا۔ تو آپ کا یہ مقابلہ موت سے ہوا۔ فرمایا خواب کی تعبیر کا پہلا جز تو یہ ہے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ عرب میں عربی زبان میں جب بھی قبیلوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو جَدّی رشتوں کو بطن تے ہیں یعنی پیٹ کا حصہ۔ دادا، پردادا وغیرہ یہ بُطون کہلاتے ہیں اور بَنی اَعمام، چچا، تائے کے لڑکے ان کو فَخِذ ے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی ران کا حصہ تو فرمایا کہ آپ کا موت سے مقابلہ ہوا اور مقابلہ میں موت کا سینگ پ کی ران میں لگا ___ اس سے میں سمجھا کہ بَنی اَعمام میں موت واقع ہوگی۔ جدّی رشتہ والوں سے کوئی یں مرے گا بلکہ چچا تائے کے رشتہ والوں سے کوئی مرے گا اور فرمایا کہ بائیں ران سے خون نکلا تو اس سے یں سمجھا کہ مرنے والی لڑکی ہوگی کیونکہ لڑکی بائیں جانب کی پیدائش ہے ___ اور فرمایا کہ خون کے دو تین طرے نکلے۔ اس سے میں سمجھا کہ کوئی چھوٹی عمر کی بچی ہوگی ان سارے مقدمات کو ملا کر میں نے تعبیر کی اور وہ

ہاتھ کے ہاتھ نمایاں ہو گئی۔
تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتنے خوابوں کی تعبیریں ہی ارشاد فرمائیں بلکہ قرآن و حدیث میں ایسے اصول ارشاد فرمائے جس سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تعبیر دینے والے پیدا ہو گئے۔ یہ مستقل فن بن گیا۔

واقعہ نمبر۵

وہ بات یاد آگئی تو اسے بھی کہہ دوں، پھر آگے چلوں۔ حضرت نانوتویؒ کی ہی خواب کی تعبیر کا ایک اور واقعہ بھی یاد آ گیا۔ مولانا محمد منیر صاحبؒ حضرتؒ کے بھائی تھے۔ وہ ایک دن تشریف لائے کہ بھائی صاحب! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر چاہتا ہوں۔ خواب یہ کہ بریلی کی جانب سے کچھ بطخیں اڑتی ہوئی آئیں اور میرے مکان پر آکر اتر گئیں۔ اس کی کیا تعبیر ہوئی؟
حضرت نے فرمایا کہ بھائی جان اگر آپ مٹھائی کھلائیں تو ہم آپ کو بیس روپے مہینہ کی ملازمت دلادیں اور اگر مٹھائی نہیں کھلاتے تو پھر گیارہ روپے مہینہ کی ملازمت۔
انہوں نے کہا کہ حضرت میں مٹھائی کھلاؤں گا ___ تو فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ بریلی میں بیس روپے ماہوار پہ تمہاری نوکری ہو جائے گی۔ یہ تعبیر دی چار پانچ دن کے بعد مولانا محمد منیر صاحبؒ کے پاس ان کے کسی عزیز کا خط آیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ پر کچھ معاشی تنگی ہے۔ خرچہ نہیں چل رہا۔ تو میں نے فرضی طور پر آپ کے نام سے ایک درخواست دیدی وہ قبول ہو گئی۔ بیس روپے مہینہ کی ملازمت آپ کی ہو گئی۔ آپ چلے آئیں۔
وہ حضرت نانوتویؒ کے پاس آئے کہ وہ جو تعبیر دی تھی۔ وہ واقعی بیس روپے کی ملازمت ملی ___ مگر انہوں نے اول تو یہ عرض کیا کہ آپ نے اس خواب سے یہ تعبیر کیسے سمجھی؟
تو حضرتؒ نے واقعی عجیب دلیل بیان کی فرمایا کہ تم نے بریلی سے بطخیں آتی ہوئی دیکھیں اس سے تو میں یہ سمجھا کہ بریلی کی طرف سے رزق حلال آئے گا اور تمہارے گھر میں رزق آگیا ___ اور بطخوں کو تم نہیں لائے از خود آئیں۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ بلا طلب کے تمہاری ملازمت ہو گی۔ تو یہ بھی صحیح نکلا کہ تم نے درخواست بھی نہیں دی تھی۔
اب یہ کہ ملازمت بیس روپے مہینہ کی یا گیارہ روپے کی ہو گی؟
تو فرمایا اس میں صورت حال یہ ہے کہ بطّ کا لفظ عربی میں تو مشدّد ہے۔ بطّ تو ایک ب اور دو ط ___ اور فارسی میں یہ مخفف ہے۔ ایک ب اور ایک ط۔ تو فارسی میں بطُ کہتے ہیں اور عربی میں بطّ کہتے ہیں۔
تعبیر دینے والے کو یہ اختیار ہے کہ فارسی کا لفظ لے لے یا عربی کا۔ تو اگر میں فارسی کا بط لے لیتا تو اس میں ب اور ایک ط ہے۔ تو ب کے عدد دو اور ط کے عدد نو۔ تو نو اور دو مل کر گیارہ اور عربی کا بط لیتا تو ایک ب اور دو ط ہوئیں تو ب کے دو اور ایک ط کے نو تو نو اور نو مل کر اٹھارہ۔ اٹھارہ اور دو بیس ہو گئے۔ معبّر کو اختیار ہے کہ وہ فارسی کا بطُ لے یا عربی کا بطّ لے لے اس واسطے میں نے یہ تعبیر دی تھی۔ یہ باریک پہنچاں اس وقت تک نہیں ہو سکتیں جب تک تعبیرِ خواب کے اصول ذہن کے اندر نہ ہوں۔ تو تعبیرِ خواب میں علم کی بھی ضرورت ہے۔ موسم کی بھی ضرورت ہے۔ اعداد و شمار کے جاننے کی بھی ضرورت ہے بہت سے اصول

شریعت نے قائم کر دیئے ہیں قرآن و حدیث میں یہ ایک مستقل فن بن گیا۔

آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں علوم کا جمگھٹ

تو انبیاء علیہم السلام کو جو علوم دیئے گئے وہ حدِ کمال کے ساتھ جمع ہو کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ خواہ تعبیرِ خواب کا علم ہو۔ خواہ منطق الطیر اور پرندوں کی بولیوں کا علم ہو۔ خواہ اسماء و صفات کا علم ہو۔ یہ سب علوم اسی ذات بابرکات میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور آپ کے بعد جو علماء آنے والے ہیں وہ آپ ہی کے در کے فیض یافتہ ہوں گے۔ وہ تو عالم ہی اس لئے ہوں گے کہ آپ کا فیض پہنچ رہا ہے تو ایک ذاتِ بابرکات میں علوم کا ایک جمگھٹ ہے جس خصوصیت سے آپ کو علم دیا گیا۔ وہ اوروں کو نہیں ملا۔ تو اور انبیاء کی حقیقت فقط انبیاء کی ہے۔ وہ صرف نبی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فقط نبی نہیں بلکہ خاتم الانبیاء ہیں اور ختمِ نبوّت کے معنی منتہٰی نبوّت کے ہیں کہ نبوّت کی انتہا ہو گئی، یعنی سارے درجاتِ نبوّت اس ذاتِ اقدس کے اوپر پورے ہو گئے۔ ظاہر بات ہے کہ جو خاتم النبیین ہو گا۔ وہ تمام اوصاف و کمالات میں بھی خاتم ہو گا۔ تو خاتم العلوم بھی آپ کو کہا جائے گا کہ تمام علوم کے درجات آپ کے سینے میں جمع کر دیئے گئے آپ کو خاتم اخلاق بھی کہا جائے گا کہ اخلاق کے سارے نمونے اور کمالات آپ کی ذاتِ بابرکات میں جمع کر دیئے گئے۔ ___ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ جب نبوّت کا معیار اور مقامِ نبوّت کی کسوٹی کمالِ علم اور کمالِ اخلاق ہے تو جس کا علم سب سے بڑا ہو گا اس کی نبوّت بھی سب سے بڑی ہو گی۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سب سے بڑھ کر بھی ہے اور سب پر حاوی بھی ہے۔ تمام علوم کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں اور پھر آپ کے جو مخصوص علوم ہیں وہ الگ ہیں، اس لئے علم میں آپ سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور اسی واسطے آپ کو انبیاء سابقین کے لئے مصدّق کہا گیا کہ آپ ان کی نبوت اور ان کے علوم کی تصدیق کرنے والے ہیں اور تصدیق وہی کیا کرتا ہے جو پہلے سے علوم جانتا ہو، جو کسی چیز سے واقف نہ ہو وہ تصدیق نہیں کرتا وہ تو سلام کیا کرتا ہے تاکہ کسی کو غلم نہ ہو جائے کہ یہ علم نہیں رکھتا۔ لیکن یہ کہنا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ پہلے سے اس چیز کو جانتا ہے تو آپ کو مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ کہا گیا ہے اے پیغمبرو! جو تمہیں علوم دیئے جائیں گے۔ ان کی تصدیق کرنیوالے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ تو تصدیق کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ سارے علوم آپ کے اندر جمع تھے اس کی شرح اوتیت علم الاوّلین والاٰخرین کی حدیث نے کر دی۔ مجھے اگلوں اور پچھلوں کے سب کے علوم عطا کر دیئے گئے۔ جب ذاتِ بابرکات علوم میں سب سے اونچا مقام رکھتی ہے تو نبوّت میں بھی سب سے بڑا مقام ہو گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نبی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ آپ ہی کو خاتم النبیین بننا چاہئے تھا۔ آپ ہی نبیوں کے سردار بننے والے تھے۔ آپ ہی کو نبیّ الانبیاء کہا گیا۔ تو ایک رکن مقامِ نبوّت کا کمالِ علم ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اونچے تھے تو آپ کا مقامِ نبوّت سب سے اونچا ہو گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اخلاق

اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اخلاق میں بھی سب سے اونچا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو مقام سب سے آخری اور اونچا ہوتا ہے تو نیچے کے سارے مقامات اس میں جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ فلاں آدمی "بخاری" پڑھا ہوا ہے۔ تو بخاری آدمی کب پڑھے گا؟

پہلے میزان و منشعب پڑھے‘ پھر قدوری پڑھے پھر شرح وقایہ پڑھے‘ پھر ہدایہ پڑھے‘ تب جا کے بخاری پڑھے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے بخاری آ گئی اسے میزان بھی آ گئی‘ اسے منشعب بھی آ گئی۔ اسے شرح وقایہ بھی آ گئی‘ ہدایہ بھی آ گئی۔ ساری نیچے کی کتابیں آ گئیں ___ لیکن جو میزان پڑھ چکا ہے ضروری نہیں کہ اسے بخاری بھی آ جائے۔ تو نیچے کی چیز جاننے سے اوپر کی چیز کا جاننا ضروری نہیں مگر جو اوپر والی چیز کو جان جائے تو نیچے کی ساری چیزیں جان جائے گا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اخلاق کا اعلیٰ مقام دے دیا گیا‘ تو اس کے نیچے جتنے مقامات تھے وہ خود بخود آ گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جامع اخلاق بھی ہیں۔

اور وہ کس طرح سے....؟

وہ یہ کہ ہم نے جہاں تک غور کیا تو قرآن و احادیث سے اخلاق کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک اخلاقِ حسنہ‘ ایک اخلاقِ کریمانہ اور ایک اخلاقِ عظیم۔

خُلقِ حسن۔ یہ اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ **یا خلیلی حسن خلقک** اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو حسن بناؤ اگرچہ کفّار کے ساتھ معاملہ پڑے تب بھی اخلاقِ حسنہ سے پیش آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خُلقِ حسن ہے۔ جس کی تعلیم حضرت ابرہیم علیہ السلام کو دی گئی۔

ایک خُلقِ کریم ہے جسے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق کو مکمل کر کے تمہارے سامنے پیش کر دوں۔

اور ایک خُلقِ عظیم ہے۔ جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی خُلق ہے جس کو قرآن میں فرمایا گیا **وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** اے نبی‘ آپ خُلقِ عظیم کے اوپر ہیں۔ تو تین قسمیں نکلیں۔

ان تینوں میں فرق کیا ہے؟ خُلقِ حسن ابتدائی درجہ ہے۔ خُلقِ کریم درمیانہ درجہ ہے اور خُلقِ عظیم انتہائی درجہ ہے۔

خُلقِ حسن کہتے کسے ہیں؟ عدلِ کامل کو یعنی معاملہ میں کوشش کرو کہ اس میں حدِّ اعتدال سے نہ گزرو۔ اگر آپ کو خدانخواستہ کوئی ایک تھپڑ مار دے تو آپ نے بھی اتنے ہی زور سے تھپڑ مار دیا‘ جتنی زور سے اس نے مارا تھا۔ تو کہا جائے گا کہ آپ خُلقِ حسن کے اوپر ہیں۔ اگر آپ تھپڑ کے جواب میں مکّہ مارتے تو کہا جاتا کہ بڑے بداخلاق آدمی ہیں۔ اس نے تھپڑ مارا تھا۔ انہوں نے مکّہ مار دیا۔ تعدّی کی اور زیادتی کی۔ تو تعدّی اور ظلم سے بچ جانا یہ خُلقِ حسن ہے۔ یعنی عدل کے اوپر قائم رہنا۔ بال برابر اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دینا یہ خُلقِ حسن کا مفہوم ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے کسی کو ایک روپیہ دیا ہے اور آپ خواہش مند ہیں کہ بدلے میں وہ بھی مجھے ایک دے تو یہ خُلقِ حسن کی بات ہے اور اگر آپ یوں کہیں کہ میں تو دوں ایک اور اس سے وصول کروں پانچ ___ تو کہا جائے گا کہ یہ بداخلاقی کی بات ہے۔ یہ زیادتی کی بات ہے تو خُلقِ حسن کا حاصل اعتدال اور معاملات کا عدل ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر کوئی شخص کسی کے اوپر حملہ کر دے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اسے بھی حق حاصل ہے کہ حملہ کر کے آنکھ پھوڑ دے مگر ایک ہی پھوڑے گا‘ دو نہیں پھوڑے گا‘ دو پھوڑے گا تو کہا جائے گا ظالم ہے۔ تو غرض خُلقِ حسن کا حاصل یہ کہ اوّل بدل ہو تو پورا پورا ہو۔ عدل کے مطابق ہو‘ انصاف کے مطابق

ہو۔ اس سے گزرنا بداخلاقی ہے۔

دوسرا درجہ خُلقِ کریم کا ہے۔ اس میں اَدل بَدل تو نہیں ہوتا۔ اس میں ایثار ہوتا ہے کہ دوسرا زیادتی کرے آپ اسے معاف کردیں۔ ایک نے تھپڑ مارا۔ آپ نے کہا مجھے حق تو تھا بدلہ لینے کا مگر اس احمق اور بے وقوف سے کیا بدلہ لوں، جا میں معاف کرتا ہوں۔ یہ کریمانہ خُلق ہے۔ دوسرے نے گالی دی، آپ کو بھی حق تھا کہ اتنی زیادتی آپ بھی کرتے لیکن آپ نے معاف کردیا تو یہ ایثار کا درجہ ہے۔ اس کو خُلقِ کریم کہیں گے۔

اور تیسرا درجہ خُلقِ عظیم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو نہ صرف یہ کہ آپ معاف ہی کردیں بلکہ الٹا اس کے ساتھ احسان بھی کریں۔ یہ خُلقِ عظیم کہلاتا ہے۔ جس کو حدیث میں فرمایا گیا کہ **صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک** جو تمہارے ساتھ قطع تعلق کرے تم جوڑنے کی کوشش کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرو۔ یہ خُلقِ عظیم کہلاتا ہے۔ اور یہ خُلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

شرائع سابقہ اور شریعت محمدی کے درمیان اخلاق کا موازنہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خُلقِ حسن کی تعلیم دی۔ یعنی مکمل عدل و اعتدال کی، تو قرآن کریم میں فرمایا گیا **وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ**۔ ہم نے توراۃ میں فرض کردیا تھا اور لاگو کردیا تھا کہ اَدل بَدل ہوگا۔ اگر کوئی تمہارا دانت توڑ دے تمہارا فرض ہوگا کہ تم بھی دانت توڑو، تمہاری کوئی آنکھ پھوڑ دے تمہارا فرض ہوگا کہ تم بھی اس کی آنکھ پھوڑ دو۔ انتقام لینا توراۃ میں واجب کیا تھا۔ معاف کرنا جائز نہیں تھا۔ سخت شریعت تھی، تو ناک کا بدلہ ناک، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ، کان کا بدلہ کان، دانت کا بدلہ دانت، اور کوئی زخم لگائے تو تم بھی زخم لگاؤ برابر سرابر، تو یہ خُلقِ حسن تھا جس کی تعلیم موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دَور ہے۔ انہوں نے خُلقِ کریم کی تعلیم دی۔ وہاں تعلیم یہ دی ہے کہ اگر کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے، تو نہ یہ کہ تم بدلہ نہ لو بلکہ بایاں گال بھی سامنے کردو کہ بھائی! ایک تھپڑ اور مارتا چل۔ یہ ایثار کی بات ہے کہ بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کردیا بلکہ اپنے کو پیش کردیا کہ لے اور مار، اگر تیری خوشی اسی میں ہے اور تیرا جی اسی میں ٹھنڈا ہوتا ہے تو مار تھپڑ، میں مرنے کے لئے تیار ہوں۔ تیرا دل ٹھنڈا ہونا چاہئے۔ یہ ایثار کی تعلیم ہے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جامع تعلیم دی۔ وہ یہ کہ نہ تو یہ فرمایا کہ تم پر بدلہ لینا واجب ہے اور نہ یہ فرمایا کہ تم پر معاف کرنا واجب ہے۔ دونوں چیزیں جمع کیں اور ساتھ میں اعلیٰ مقام بھی پیش کردیا، فرمایا کہ **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ** برائی کا بدلہ برائی ہے۔ تمہیں حق ہے کہ جو تمہارے ساتھ برائی کرے، تم بھی برائی کرو۔ کوئی تمہیں تھپڑ مارے، تم بھی تھپڑ مارو۔ جو مکہ مارے تم بھی مکہ مار دو۔ برائی کا بدلہ برائی ہے۔ بدلہ لینے کا حق تمہیں حاصل ہے۔ لیکن آگے فرمایا **فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ** اور اگر تم معاف کردو تو اللہ کے ہاں بڑے بڑے درجے ملیں گے۔ تو دونوں حق دیدیئے انتقام لینے کا حق بھی اور معاف کردینے کا حق بھی۔

اس واسطے کہ اسلام دنیا کی ہر قوم کے لئے پیغام ہے اس میں نرم مزاج قومیں بھی شامل ہیں، سخت مزاج

بھی۔ اگر یہ تعلیم دی جاتی کہ انتقام لینا تمہارے اوپر واجب ہے تو بیچاری نرم خُو قومیں مشرقی بنگال کے رہ
والے، ان میں سے کوئی بھی اسلام قبول نہ کرتا کہ اس خون خوار مذہب کو کون قبول کرے؟ کہ اگر کوئی تھ
مارے تو تمہارے اوپر بھی فرض ہے کہ تم بھی تھپڑ مارو، کوئی لاٹھی مارے تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی لاٹھ
مارو، یہ تو بڑا سخت مذہب ہے۔

اور اگر یہ تعلیم دی جاتی کہ معاف کرنا واجب ہے شاید جو پٹھان ہے۔ وہ ایک اسلام قبول نہ کرتا کہ اس
بزدلانہ مذہب کو کون قبول کرے کہ بھئی اگر کوئی مارے تو دوسرا گال بھی پیش کردے۔ کیوں بھئی کس لئے؟
اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ تو دونوں قوموں کو جان کر اسلام نے دونوں قوموں کو یہ حق دیئے کہ برائی کا بد
برائی سے لے لینا یہ بھی حق ہے اور اگر معاف کردے تو اجر و عزیمت کی بات ہے۔

اور اگر معاف کردینے کے بعد اس کے ساتھ خیر خواہی بھی کرے تو یہ خُلقِ عظیم ہے یہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا خُلق ہے۔ جس کو ایک موقع پر قرآن کریم نے فرمایا کہ **فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ
كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ** اے پیغمبر یہ تو ہم نے کُوٹ کُوٹ کر رحمت تمہارے قلب
کے اندر بھری ہے اس سے تمہارے قلب میں نرمی اور لینت ہے، رأفت اور ترس کھانا ہے۔ اگر آپ سخت
گیر ہوتے۔ تو یہ جو پروانوں کی طرح جمع ہیں سب بھاگ جاتے، کوئی پاس نہ پھٹکتا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علی
وسلم کے قلب میں نرمی اور رحمت و رأفت بھردی۔ تو اس کا تقاضا کیا ہونا چاہئے **فَاعْفُ عَنْهُمْ** پہلا مقا
آپ کا یہ ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کوئی برائی کرے تو آپ معاف کردیں۔ بدلہ بالکل نہ لیں یہ ہے آپ
شان۔

آگے فرمایا فقط یہی نہیں اس سے بڑھ کر آپ کا مقام ہے کہ کوئی برائی کرے تو نہ صرف معاف کردیں بلکہ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اس کے لئے دعائے مغفرت بھی کریں۔ وہ باغی ہوگیا آپ اس کے لئے دعا مانگیں۔ یہ آ
صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ ظرف ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوصلہ ہونا چاہئے۔ تو پہلا درجہ یہ
معاف کردیں، دوسرا درجہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت کی دعا بھی کرنی چاہئے۔

اور تیسرا درجہ ایک اور آگے بتلایا گیا کہ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے نیچا ہے۔ آپ کا مقا
اس سے بھی زیادہ بلند ہے وہ کیا؟

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ان ہی برا کہنے والوں سے بُلا کر مشورہ بھی کرلیں تاکہ یہ سمجھیں کہ ہمیں اپنا بھ
سمجھا۔ تو وہ کر رہے ہیں برائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا بنا رہے ہیں۔ وہ تو دے رہے ہیں گالیاں، آ
ان کو دعائیں دے رہے ہیں۔ یہ خلقِ عظیم ہے۔

تو جو خلقِ عظیم کا مالک ہوگا۔ خلقِ حسن بھی اس کے نیچے آگیا۔ خلقِ کریم بھی اس کے نیچے آگیا۔ اس
لئے کہ جب اعلیٰ مقام حاصل ہے تو درمیان کا اور اونچا مقام بھی حاصل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جناب نبی کر
صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق کا بھی نمونہ دیا گیا ہے کہ سارے اخلاقی نمونے اس کے اندر جمع ہو جاتے ہیں۔

تو علم کا تو وہ مقام کہ سارے علومِ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کردیئے گئے۔ اخلاق کا وہ مقام کہ
سارے پیغمبروں کے اعلیٰ اخلاق جمع کردیئے گئے۔ اور یہی دو چیزیں بنیادِ نبوت تھیں۔ کمالِ علم اور کمال
اخلاق۔ تو جب یہ دونوں چیزیں اعلیٰ طریق پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں تو آپ کی نبوت سب سے
زیادہ اونچی نبوت تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ نبوت اتنا بڑا اونچا مقام ہے کہ اور انبیاء علیہم السلا
وہاں تک نہیں پہنچ سکتے ___ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **لی مع اللہ وقت لایسع**

ملک مقرب ولانبی مرسل مجھے وہ قرب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے وہ نزدیکی میسر آتی ہے کہ وہاں تک نہ کوئی مقرّب فرشتہ پہنچا نہ کوئی نبیٔ مرسَل پہنچا' جہاں تک اللہ کے ہاں میری رسائی ہے۔

تو بہرحال اس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقامِ نبوّت واضح ہوا۔

مقامِ نبوّت کے آثار

اس مقامِ نبوّت کے آثار کیا ہیں؟ ان آثار کو ان دو احادیث میں بیان کیا گیا۔ جو میں نے تلاوت کی تھیں۔ دو غرضیں آپ نے اپنی بعثت کی بیان کیں' دو مقصد بیان فرمائے۔ وہ کیا ہیں؟ ایک یہ کہ **انما بعثت معلماً** اور دوسرے **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں اس لئے بھیجا گیا ہوں دنیا میں کہ تعلیم دے کر دنیا میں علم پھیلاؤں اور اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تکریم کر کے سب کو بااخلاق بنادوں۔ تو جو دو رُکن مقامِ نبوّت کے ہیں علم اور اخلاق ان ہی دو کے پھیلانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے یہی بعثت کی غرض وغایت ہے کہ آپؐ ایک دن مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو صحابہؓ کے دو گروہ تھے۔ ایک ایک طرف اور ایک ایک طرف۔ ایک گروہ تو مسئلے بیان کرنے میں لگا ہوا تھا۔ تعلیمی مسائل میں کہ یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ علمی باتیں ہو رہی تھیں اور ایک جماعت عبادت اور زہد و تقویٰ میں مشغول تھی کوئی تلاوت میں مشغول تھا' کوئی درُود پڑھنے میں مشغول تھا' عبادت میں لگے ہوئے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **کِلا کما علی الخیر** دونوں جماعتیں خیر پر ہیں۔ یہ عبّاد اور زہّاد کی جماعت بھی خیر پر ہے اور یہ علماء و فضلاء کی جماعت بھی خیر پر ہے۔ مگر فرمایا **انما بعثت معلماً** بھائی میں تو معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور یہ فرما کر اس جماعت میں بیٹھ گئے۔ جو مسئلے مسائل کا تذکرہ کر رہی تھی۔ تو نبوّت کی سب سے بڑی غرض وغایت تعلیم ہے۔ جس سے علم دنیا کے اندر پھیلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلّم بن کر آئے اور دنیا کے اندر آپ نے علم پھیلایا اور لوگوں کو عالم بنایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ علمی دیا گیا

ظاہر ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے۔ بندہ کی صفت نہیں۔ اس علم کو پھیلانا گویا بندہ کو خدا سے وابستہ کرنا ہے۔ چونکہ آپ تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے۔ تو سب سے بڑی نبوّت آپ کی' تو سب سے بڑی تعلیم بھی آپ کی۔ اسی واسطے آپ کو معجزہ بھی "علمی" دیا گیا۔ یعنی ہزاروں معجزے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عملی ملے لیکن سب سے بڑا معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم ہے جو علمی معجزہ ہے

علمی معجزے نے سب کو تھکا دیا' عاجز کردیا کہ کوئی اس کی نظیر نہ لاسکے۔ قرآن نے چیلنج بھی کئے اور فرمایا :

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

اگر سارے جن اور انسان مل جائیں اور ایک دوسرے کی مدد پر کھڑے ہو جائیں کہ اس قرآن کی نظیر لے آئیں تو وہ نہیں لاسکتے ناممکن ہے۔

اور تنزّل کر کے کہا کہ سارے قرآن کی نظیر نہیں تو کم سے کم دس سورتیں ہی بنا لائیں **فاتوا بعشر**

سور مثلہ مفتریت۔

کفار نے یہ الزام دیا تھا کہ یہ تو افتراء کردہ کلام ہے۔ یہ تو تہمتیں باندھ رکھی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ تہمت ہے۔ اسی قسم کی تہمتیں تم بھی لے آؤ۔ دس ہی سورتیں بنالاؤ۔

پھر اور زیادہ تنزل کیا کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ دس سورتیں تو تم نہ لاسکے۔ ایک ہی سورت بنالاؤ جو قرآن جیسی ہو کہ اس کا اسلوبِ بیان بھی وہی ہو، فصاحت و بلاغت بھی اعجازی ہو، اس میں علوم بھی اتنے ہی بھرے ہوئے ہوں، اس میں لطائف و حکم بھی بھرپور ہوں۔ تو اس جیسی ایک ہی سورۃ بنالاؤ۔

اور اس سورت میں بھی یہ قید نہیں لگائی کہ سورۂ بقرہ جیسی ہو جو ایک ہی سورت اڑھائی پارے کی ہے۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ (سورۂ کوثر) جیسی سورۃ لے آؤ جو ایک سطر سے بھی کم میں آجاتی ہے۔

اور پھر اور تنزل کیا کہ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ سورۃ تو بجائے خود ہے ایک آیت ایک بات ہی قرآن جیسی بنالاؤ۔ مگر نہیں لاسکے۔ تو لوگوں نے لڑائیاں لڑیں۔ گالیاں دیں، برا بھلا کہا لیکن یہ صاف صورت کیوں نہ اختیار کی کہ اس کی نظیر بنا کے پیش کردیتے۔ سارے جھگڑے ختم ہوجاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو سب سے بڑا معجزہ علمی قرآن ہے اور معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا تھک جائے مگر مثل نہ لاسکے۔ اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

علمی معجزہ دیئے جانے کی حکمت

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ، معجزۂ علمی ہے۔ عملی معجزے بھی ہزاروں دیئے گئے لیکن پچھلے انبیاء کو صرف عملی معجزے دیئے گئے عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتیٰ دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو عصاء موسیٰ اور ید بیضاء دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو نارِ خلیل کا معجزہ دیا گیا۔ یوسف علیہ السلام کو قمیصِ یوسف کا معجزہ دیا گیا کہ ان کا کرتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈالدیا گیا تو بینائی لوٹ آئی، آنکھیں واپس آگئیں۔ داؤد علیہ السلام کو "اِلانۃ حدید" کا معجزہ دیا گیا کہ لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو موم کی طرح سے پگھل جاتا تھا۔ مختلف انبیاء کو مختلف عملی معجزات دیئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے عملی معجزات سینکڑوں دیئے گئے تھے مگر سب سے بڑا معجزہ علمی دیا گیا وہ قرآن کریم ہے اور اس کا اثر کیا ہے؟

یہ قاعدہ کی بات ہے جب دنیا سے کوئی عامل رخصت ہوتا ہے اس کا عمل بھی ساتھ ہی رخصت ہوجاتا ہے۔ عمل باقی نہیں رہتا۔ جب عامل گیا تو عمل بھی گیا۔ لیکن اگر عالم دنیا سے رخصت ہوجائے تو علم رخصت نہیں ہوتا وہ باقی رہتا ہے، اَبد تک باقی رہتا ہے۔ تو معجزہ درحقیقت نبوت کی دلیل ہے۔ تو انبیاء سابقین کے معجزات عملی تھے۔ جب وہ دنیا سے تشریف لے گئے ان کے معجزات بھی گئے۔ تو کسی کی نبوت کی دلیل آج دنیا میں موجود نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علمی معجزہ دیا گیا اور علم، عالم کے جانے سے ختم نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے مگر دلیلِ نبوت آج تک موجود ہے اس لئے نبوت بھی موجود ہے اس لئے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے تحت آجاؤ اور عمل کرو۔ اس لئے کہ جب وہ نبوت موجود نہیں اور یوں موجود نہیں کہ دلیلِ نبوت موجود نہیں۔ اس لئے ہم چیلنج نہیں کرسکتے۔ عمل کے لئے بھی نہیں کہہ سکتے۔ لیکن نبوتِ محمدیؐ کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ نبوت موجود ہے۔ عمل کرو اس لئے کہ دلیل اس کی موجود ہے۔ اور وہ قرآن ہے جو کہ علمی معجزہ ہے۔ آج بھی اس کا چیلنج اسی طرح موجود ہے جیسے پہلے تھا۔

حقیقتِ محمدی ﷺ کی عجیب تعبیر

تو سب سے بڑی چیز آپ کو علمی معجزہ دیا گیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات میں علم رچایا گیا۔ حدیث میں ہے کہ اوّل ماخلق اللہ نوری سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔ تو یہاں یہ نور مراد نہیں جو چاند سورج کا حسی نور ہوتا ہے یہ تو بہت کم درجے کی چیز ہے۔ اس نور کے مقابلے میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ وہ حقیقتِ محمدی ہے جو علم سے گوندکر بنائی گئی ہے اس کے اندر اصل علم ہے۔ گویا علم رگ وپے میں رچایا گیا۔ استعدادِ علمی رچائی گئی تو حقیقتِ محمدیہ درحقیقت علم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بھی علم بھر اگیا۔ معجزہ بھی آپ کو علمی دیا گیا۔ امت بھی آپ کی علمی امت بنائی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی برکت ہے کہ امام اوزاعیؒ نے لکھا ہے کہ کثرتِ تصنیف اس امت کی خصوصیت ہے دنیا کی کسی امت میں وہ تصانیف نہیں ملیں گی۔ جو اس امت میں ملیں گی۔ کتُب خانے بھردیئے۔ ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ نہیں کروڑوں کتابیں آج تک موجود ہیں اور مدت سے چلی آرہی ہیں۔ مصر کے کتُب خانے' اُندلس کے کتُب خانے جب وہاں انقلاب ہوا اور مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی' اور عیسائیوں نے غلبہ پالیا۔ تو تعصب میں آکر یہ چاہا کہ ان کا لٹریچر' ان کا ادب' ان کا سب علمی ذخیرہ فنا کردیا جائے تاکہ ان کا وجود باقی نہ رہے۔ تو ایک مستقل عملہ اُندلس حکومت نے مقرر کیا تاکہ مسلمانوں کا لٹریچر ضائع کردیا جائے۔

ایک عورت نے اُندلس کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں وہ لکھتی ہے کہ اُندلس کے کتُب خانوں کو ضائع کرنے کے لئے ایک مستقل عملہ اُندلس حکومت نے مقرر کیا تاکہ مسلمانوں کا ادب اور علم باقی نہ رہے اور اس پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے۔ مستقل انچارج آفیسر رکھا۔ تو پچاس برس میں جاکر سب کتُب خانے ضائع ہوسکے ہیں۔ تو ایک ایک ملک کے اتنے کتُب خانے تھے۔ یہ مسلمانوں کی تصنیف و تالیف نہیں تھی تو اور کیا تھا؟

بغداد کے اوپر تاتاریوں کا جب سیلاب آیا ہے۔ اور خلافت تباہ ہوگئی اور پارہ پارہ ہوگئی۔ تو بغداد دجلہ کے کنارے پر ہے جو بہت بڑا دریا ہے۔ پُل مسلمانوں نے توڑدیا تھا۔ تاتاریوں نے جب بغداد فتح کرلیا۔ تو صرف ایک کتُب خانہ مسلمانوں کا لوٹ کر اس کی کتابیں بھر کر دجلے میں سڑک بنائی گئی۔ وہ بہت چوڑی سڑک بنائی گئی۔ وہ اتنی چوڑی سڑک تھی کہ چار پانچ گاڑیاں برابر گذر سکتی تھیں۔ یہ صرف ایک کتب خانے کی کتابیں تھیں۔ جس سے دجلہ کا پل بنایا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان کی سیاہی بہہ کر جو پانی میں گھلی ہے تو ایک مہینے تک علماء کو لکھنے کے لئے روشنائی کی ضرورت نہیں تھی۔ دجلہ کا پانی روشنائی کا کام دیتا تھا۔ تو جس قوم کے ایک ملک کے ایک شہر کے صرف ایک کتُب خانے کا یہ حال ہو۔ اندازہ کیا جائے کہ بغداد میں کتنے کتُب خانے ہوں گے؟ اُندلس میں کتنے ہوں گے؟ حجاز میں کتنے ہوں گے؟ مصر میں کتنے ہوں گے؟ خود آپ کے پاکستان میں کتنے کتُب خانے ہیں بہت سے کتُب خانے وہ ہیں سندھ وغیرہ میں کہ آج تک ان کو کیڑا چاٹ رہا ہے۔ کوئی پڑھنے والا لکھنے والا ان کتابوں کو نہیں ہے۔ ہزاروں کی ہزاروں کتابیں موجود ہیں' ذخیرے ہیں۔ یہ سب علماءِ اسلام کے لکھے ہوئے ہیں اور یہ سب کی سب کتابیں قرآن حکیم کی شرح ہیں۔ ہر کتاب کے شروع میں کوئی نہ کوئی آیت ہے جس سے مضمون کو شروع کیا گیا ہے۔

تو قرآن کریم اتنا عظیم علمی معجزہ ہے کہ لاکھوں کتُب خانے بن گئے۔ لاکھوں افراد عالم بن گئے۔ کوئی حد

کتابوں اور کُتب خانوں کی باقی نہ رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ علمی دیا گیا تو جس ذاتِ اقدس کا علم اتنا بڑا اس کی نبوت کتنی بڑی ہوگی؟ تو پھر اس کی تعلیم کتنی بڑی ہوگی؟ تو فرمایا کہ انما بعثت معلماً میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے ذریعے دی۔ اس قرآن نے دنیا بھر کے اندر علم پھیلایا جس سے بڑے بڑے علماء تیار ہو گئے۔

قرآن معجزہ نُما بھی ہے

اور میں تو کہتا ہوں کہ قرآن خود ہی معجزہ نہیں بلکہ معجزہ نُما بھی ہے۔ معجزے بناتا بھی ہے۔ اس لئے کہ قرآن پر چل کر ہی تو خواجہ معین الدین اجمیریؒ خواجہ اجمیری بنے اور اکابر اولیاء اللہ اسی پر چل کر اولیاء اللہ بنے۔ تو قرآن درحقیقت نہ صرف خود معجزہ ہے بلکہ معجزہ نما بھی ہے۔ اور پھر یہ سلسلہ تاقیامت چلتا ہی رہے گا۔ تو اتنے علوم آپ کی ذاتِ بابرکات میں رکھ دیئے گئے جو تاقیامت ختم ہونے کو نہیں آئیں گے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علوم ہیں۔ جو علماء، صوفیاء، محدّثین اور فقہاء کے ذریعے ظاہر ہو رہے ہیں۔ علم کا تو یہ عالم تھا اور تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا بعض روایات میں جیسے کہ اس سے زیادہ ایک لاکھ ۴۴ ہزار کا عدد آیا ہے۔ تو ایک لاکھ چوالیس ہزار نمونے بنا کے رکھ دیئے۔ کسی مربّی اور معلّم کی یہی خوبی سمجھی گئی ہے کہ اپنے شاگرد کو اپنے جیسا بنا دے۔ تو ایک ایک کو ایسا بنایا کہ ایک ایک امّت اور جہان کے برابر بن گیا۔ ایک ایک صحابیؓ پوری امت بن گیا۔ صدیق اکبرؓ کو دیکھو تو پوری امت، عمر فاروقؓ کو دیکھا جائے تو پورا جہان، عثمان غنیؓ کو دیکھا جائے تو اکیلے ہی پورا عالَم، علیؓ مرتضٰی کو دیکھا جائے تو ایک فرد پورا جہاں۔

حدیث میں ہے کہ آپ نے بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پوری امت ایک پلڑے میں رکھی اور مجھے ایک پلڑے میں۔ میرا پلڑا جھک گیا۔ ساری امّت سے وزن دار میرا ایمان اور علم و عمل ثابت ہوا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایک پلڑے میں صدّیقِ اکبرؓ کو بٹھایا گیا اور دوسرے پلڑے میں ساری امّت کو تو صدّیق اکبرؓ کا پلڑا جھک گیا۔ علم و عمل اور اخلاق کے لحاظ سے پوری امت سے وزن دار ثابت ہوا ___ پھر اس پلڑے میں۔ فاروقِ اعظمؓ کو بٹھایا گیا اور ساری امت دوسرے پلڑے میں تو فاروق اعظمؓ کا پلڑا جھک گیا۔

تو صدیقؓ، فاروقؓ اور ایسے نمونے بنائے کہ ایک فرد جہانوں کے برابر ثابت ہوا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضِ تعلیم اور فیضِ تربیت تھا۔ تو صدّیق اکبر و فاروقِ اعظم و عثمانِ غنی، علی مرتضٰی، خالد سیف اللہ، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن مسعود (رضی اللہ عنہم) یہ تو وہ ہیں جو نمایاں نام ہیں ورنہ ایک ایک صحابی کو دیکھا جائے تو امّت کے سارے اَقطاب بڑے بڑے غوث جمع ہو جائیں لیکن صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ تو جو اخلاص، معرفت اور للّٰہیت ایک صحابی کے قلب میں جمع تھی، اس کا نمونہ غیر صحابی کے قلب میں موجود نہیں ہو سکتا۔

صحابہؓ نے نہ صرف اپنی زندگی کو تج دیا تھا بلکہ زندگی کی غرض و غایت ہی دین بن گیا تھا۔

مقامِ صحابہؓ اور ان کی فدائیت

حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے۔ ایک صحابی ہیں جو عوام صحابہؓ میں ہیں۔ کوئی علماء اور فقہاء میں ان کا شمار

نہیں ہے۔ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ ہل چلا رہے تھے کہ کسی شخص نے جاکر خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ___ بس ہل چھوڑ کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ کہ اے اللہ! یہ میری آنکھیں اس لئے تھیں کہ تیرے نبی کا دیدار کریں۔ یہ میرے کان اس لئے تھے کہ تیرے نبی کا کلام سنیں۔ جب آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں نہیں تو میری آنکھیں ختم کردے۔ میرے کان بھی ختم کردے۔ اب نہ بینا رہنا چاہتا ہوں نہ شنوا' تھے مستجابُ الدّعوات۔ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ اسی وقت بہرے ہو گئے پھر مرتے دم تک نہ کسی کی صورت دیکھی نہ کسی کی آواز سنی۔ تو گویا انہوں نے اپنی بینائی اور شنوائی آنکھ اور کان کا مقصد اللہ کے رسول کے کلام سننا اور جمالِ مبارک کا دیکھنا بنالیا تھا اور یہی غرض و غایت تھی۔

تو جس قوم کا یہ حال ہو کہ ادنیٰ ادنیٰ فرد جس کا علماء میں بھی شمار نہ ہو۔ وہ اس درجہ معرفت، للّٰہیت اور اخلاصِ کامل پر ہو کہ سارے بدن کی قوتوں کی انتہائی غرض نبی ہو تو اس سے بڑھ کر اور کون نمونے تیار کر سکتا ہے؟ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نمونے اپنے جیسے بنادیئے۔ یہ تعلیم اور تکمیل اخلاق کا اثر تھا۔ جس صحابی کو دیکھو علم و عمل کا ایک مجسمہ معلوم ہوتا ہے اور ایثار اور زہد و قناعت کا ایک مجسمہ نظر آتا ہے۔ قلوب کی یہ رفتار امت کے کسی طبقے میں نہیں جو صحابہؓ میں تھی۔

اسی لئے قرآن کریم نے **من حیث الطبقہ** اگر کسی طبقے کی تقدیس کی ہے تو وہ صحابہؓ ہیں کہ پورے طبقے کے طبقے کو مقدس قرار دیا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا

یہ تو سابقین اوّلین اور مہاجرین و انصار تھے جو بعد میں ملتے گئے مہاجرین و انصار جتنے ہیں وہ' وہ ہیں کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ طبقے کے طبقے کے ساتھ اللہ تعالیٰ رضامندی کا اعلان کر رہے ہیں۔ اس طبقے کے ساتھ کبھی رضامندی ظاہر نہیں فرماسکتے۔ جس طبقے کے اندر کھوٹ موجود ہو یا ان میں کوئی خرابی موجود ہو اور اعلان کر رہے ہیں قرآن کے اندر اور قرآن قیامت تک رہنے والی چیز ہے۔ تو رضی اللہ عنہم کا وعدہ بھی قیامت تک رہے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے اترنے کے بعد کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں آسکتا کہ صحابہؓ میں کوئی فرق پڑسکے۔ وہ برگزیدہ ہی رہیں گے۔ تاقیامت وہ پسندیدہ رہیں گے۔ ورنہ قرآن کی آیت غلط ثابت ہوگی۔ تو من حیث الطبقہ جس طبقہ کی تقدیس کی ہے اور بزرگی بیان کی ہے۔ وہ صرف صحابہؓ ہیں ___ کہیں فرمایا **اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً** یہ بزرگ لوگ ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جن کو بزرگ کہے ان کی بزرگی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

کوئی یوں کہے کہ صاحب! پہلے تو ایسے ہی تھے مگر بعد میں معاذ اللہ ان میں کچھ نفاق پیدا ہو گیا تھا۔ تو قرآن کریم نے اس کی تکذیب و تردید کردی۔ فرمایا **اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ** یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو پہلے ہی جانچ لیا تھا۔ امتحان لے لیا تھا۔ یہ پرکھے جانے لوگ ہیں۔ تو جن کو خدا پرکھ لے ان میں کھوٹ نہیں آسکتا۔ ورنہ پرکھ غلط ثابت ہوگی۔ تو بہر حال طبقے کے طبقے کو مقدس کہنا یہ صرف حضراتِ صحابہؓ کی شان ہے اور صحابہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کا نمونہ ہیں۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** کہیں فرمایا **اللہ اللہ اصحابی لاتتخذوھم من بعدی غرضا** میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو ہدف نہ بناؤ۔ ان

پر ملامت نہ کرو۔ ان پر اپنی جانب سے تنقید مت کرو۔ ان کے بارے میں خدا سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو، تو بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کا نمونہ حضرات صحابہؓ تھے۔ اِتباعِ سنت کے اندر غرق تھے کہ ان کے عمل کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کا پتہ چل جاتا تھا۔

تو دو غرضیں بیان فرمائی گئیں۔ تو میری تقریر کا حاصل نکلا ایک تو مقامِ نبوّت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کس مقام کی تھی اور آپ کا مقام کیا تھا۔ علم و عمل کے اعتبار سے، علم و اخلاق کے اعتبار سے ___ اور ایک یہ کہ نبوّت کے مقاصد اور غرض و غایت کیا تھی؟ ___ تو ان دو احادیث سے وہ غرض و غایت ظاہر ہوئی کہ وہ تعلیم علم اور تربیت اخلاق تھی۔

مقامِ امّتِ محمّدیہ

اور پھر تیسری چیز یہ کہ اس تعلیم و تربیت کے آثار کیا تھے؟ وہ نمایاں ہوئے۔ وہ اس طرح کہ علم و عمل کے لاکھوں نمونے پیدا ہوگئے اور صرف صحابہؓ ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **مثل امتی کمثل المطر لایدری اولہ خیرام اخرہ** میری امّت کی مثال اس بارش جیسی ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ بارش کا پہلا قطرہ زمین کے لئے فائدہ مند ہوگا یا بیچ کا یا اخیر کا ___ مطلب یہ کہ خیریت اوّل سے لے کر اخیر تک امت میں گھومتی ہوئی موجود ہے۔ اوّل بھی خیر، بیچ بھی خیر، اخیر بھی خیر۔ مراتب کا فرق رہے گا۔ فرقِ مراتب الگ چیز ہے۔ مگر نفسِ خیریت، نفسِ ہدایت وہ پوری امت میں مشترک ہے۔ اخیر میں بھی اعلیٰ نمونے ملیں گے، وسط میں بھی اعلیٰ نمونے ملیں گے۔ ابتداء میں بھی ملیں گے۔

حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **کیف تھلک امۃ انا اولھا والمھدی وسطھا والمسیح اخرھا** وہ امت کیسے ضائع ہو سکتی ہے جس کی ابتداء میں میں ہوں اور انتہاء میں مسیح علیہ السلام ہوں اور بیچ حضرت مہدیؓ ہوں۔ یہ امت ضائع ہونے والی نہیں ہے۔

کبھی فرمایا **لاتزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضرھم من خذلھم ولامن خالفھم حتی یاتی امر اللہ** میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ باقی رہے گی چاہے چھوٹی ہو۔ جو منصور من اللہ ہوگی، حق پر قائم رہے گی۔ وہی کچھ کرتی رہے گی جو کچھ میں نے کیا۔ وہی کچھ کہتی رہے گی جو میں نے کہا ہے۔ وہی اس کا نعرہ ہوگا جو میرا نعرہ ہے۔ انہیں کوئی رسوا کرنے والا رسوا نہیں کر سکے گا۔ ذلیل کرنیوالا ذلیل نہیں کر سکے گا۔

کبھی فرمایا (ترجمہ) اس امّت میں خلفِ رشید سے خلفِ رشید پیدا ہوتے رہیں گے اَخلاف پیدا ہوتے رہیں گے۔ وہ کیا کریں گے؟ تحریف کرنے والوں کی تحریفات کو مٹادیں گے مبطل اور باطل پسندوں کی دروغ باطنیوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی جاہلانہ تاویلات کے پردے چاک کرتے رہیں گے۔ اور حق کو حق اور باطل کو باطل نمایاں کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اطلاع دی کہ خیریت منحصر نہیں ہے کہ صحابہؓ کے دَور میں ختم ہوگئی۔ ہمیشہ اہلِ خیر آتے رہیں گے۔ ہمیشہ اَخلافِ رشید پیدا ہوتے رہیں ہے۔ یہ امت آفتابوں، ماہتابوں سے بھری ہوئی ہے۔ تو آثارِ نبوّت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی نمونے پیدا ہوئے۔ اور قیامت تک کی اطلاع دیدی کہ پیدا ہوتے رہیں گے **ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا** فرماتے ہیں کہ

حق تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر مجدّد بھیجتا رہے گا۔ جو دین نکھارتے رہیں گے۔ جو لوگوں نے اس میں خلط ملط کر دیا ہو گا۔ اس کو نکھار کر دودھ کا دودھ' پانی کا پانی الگ کر دیں گے۔ تو صدی کے سرے پر الگ وعدے کئے۔ صدی کے اندر رہ کر اخلافِ رشید پیدا ہونے کے الگ وعدے کئے گئے۔ پوری امت کے اندر عالم وقت کے الگ وعدے کئے گئے۔ تو یہ امّت مجموعی حیثیت سے' طبقاتی حیثیت سے زمانے کی حیثیت سے خیر سے بھری ہوئی ہے۔ تو یہ آثارِ نبوت ہیں کہ ہر دور کو خیر سے لبریز کر دیا۔ ہر زمانے کو خیر سے بھر دیا۔ تو یہ وہی کر سکتا ہے جس کا مقامِ نبوّت سب سے زیادہ بلند ہو جس کا علم اور اخلاق سب سے زیادہ اونچے اور بڑھ کر ہوں اور جس کے پیدا کردہ نمونے ایسے ہوں کہ کسی پیغمبر کو وہ صحابہ نہ ملے ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے ہوں۔ کسی پیغمبر کو وہ جان نثار نہ ملے ہوں جو آپ کو عطا کئے گئے ہوں۔

تو بہر حال مجھ سے میرے بعض بزرگوں نے فرمایا تھا کہ ___ دراصل میرے ذہن میں تو دوسرا مضمون تھا جو عرض کرتا۔ میرے ذہن میں یہ تھا کہ میں زیادہ تر طلباء کو خطاب کروں گا' طلباء کے فرائض' اس کے ذیل میں دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ اس واسطے کہ ساری امت تو طلباء نہیں ہے۔ سارے طالبانِ علم نہیں ہیں۔ ایک خاص طبقہ طلباء کا ہے۔ تو ارادہ تو میرا یہ تھا کہ طلباء کے فرائض اور طلباء کی خصوصیات اور ان کے اخلاق ذکر کئے جائیں۔ لیکن جلسہ میں آتے وقت بعض عزیزوں نے فرمایا کہ اگر "مقامِ نبوّت" کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے اور مقاصدِ نبوّت کے بارے میں تو شاید زیادہ بہتر ہو گا۔ اس واسطے میں نے یہ چند جملے عرض کئے۔

حاصل تقریر

تو میں نے دو حدیثیں تلاوت کیں۔ ان دو احادیث میں مقاصدِ نبوّت اور بعثت کی غرض و غایت بھی واضح ہو گئی اور چونکہ یہ غرض و غایت انتہائی اونچی تھی اس لئے مقامِ نبوّت پر بھی روشنی پڑ گئی۔ اور پھر جب آثارِ نبوّت سامنے آئے تو اس سے نبوّت کی عظمت اور بڑائی اور واضح ہوئی۔ اس لئے میں نے تین باتیں عرض کیں۔

مقامِ نبوّت' مقاصدِ نبوّت اور آثارِ نبوّت۔ اور اس کے بارے میں یہ چند جملے عرض کئے جو اس وقت ذہن میں تھے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو اپنے پیغمبر کا متبع بنائے اس لئے کہ اتباع ہی میں علم اور اخلاق نصیب ہو سکتے ہیں۔

اگر یہ امت اپنے پیغمبر سے کٹ جائے اگر اس سلسلہ سے جو علم و اخلاق کا چلا آ رہا ہے یہ الٹ کر کٹ جائے تو یہ امت علم سے بھی محروم ہو جائے گی اور اخلاق سے بھی' علم نبی کے دامن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اخلاق فاضلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کے سوا کہیں نہیں ملیں گے۔

تو ہمارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو سنبھال لیں' دامن پکڑ لیں۔ وہ کہیں ہو۔ آپ گرد و غبار سمجھ کر اس کو جھٹکیں نہیں۔ دامن کو اگر گرد لگ جائے تو لگی رہنی چاہئے۔ کہ یہ میرے ہی مقام اور مکان کی گرد ہے' میرے ساتھ وابستہ رہے گی۔ تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جائیں گے۔ دامن جائے گا۔ یہ گرد و غبار بھی وہیں جائے گا۔ تو دامن سے وابستہ ہو جایئے۔ یہی سب سے بڑی بات ہے۔ اصل بنیادی چیز وابستگی ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ ریل گاڑی میں سب سے اونچا فرسٹ کلاس کا ڈبہ سمجھا گیا ہے جس میں بڑے

بڑے لوگ تموّل کے اعتبار سے یا اپنے کمال کے اعتبار سے سفر کرتے ہیں۔ اسی فرسٹ کلاس میں ایک چھوٹا کمپارٹمنٹ ہوتا ہے جسے سرونٹ کلاس کہتے ہیں۔ سرونٹ کلاس میں نہ ڈبے ہوتے ہیں نہ برقی پنکھے ہوتے ہیں۔ نہ کوئی سامان راحت ہوتا ہے۔ وہ تھرڈ کلاس ہے۔ مگر لگا ہوا اور جڑا ہوا فرسٹ کلاس سے ہے اس میں ملازمین بیٹھتے ہیں۔ اس کی وابستگی کا اثر یہی ہے کہ جہاں جاکے فرسٹ کلاس رکے گا وہیں جاکے ملازمین کا سرونٹ کلاس رکے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آقا کے ملازم کے ڈبے کو روک دو۔ سرونٹ کلاس روک دو جہاں آقا اتریں گے ___ ملازم بھی وہیں اترے گا اور جس کوٹھی میں آقا کا قیام ہوگا اس میں ملازمین بھی حصہ لیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ جگہ جوتیوں میں مل جائے۔ مگر ملے گی اسی کوٹھی کے اندر، ملازمین باہر نہیں نکالے جائیں گے۔

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے فرسٹ کلاس میں سوار ہیں اور ہم سارے سرونٹ ہیں۔ تو جہاں آقا کی سواری جنت کے مقام میں جائے گی۔ وہیں یہ بندے اور غلام بھی ساتھ جائیں گے۔ بشرطیکہ وابستگی رہے تو وابستگی قائم رکھنا یہی سب سے بڑی نعمت ہے، علم بھی اسی وابستگی سے آئے گا اور اخلاق بھی۔ اسی سے کٹ گئے تو نہ علم باقی رہے گا نہ اخلاق۔ تو اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم تعلیم نبوّت سے مستفیض ہوں۔ اخلاقِ نبوّت سے مستفید ہوں اور حق تعالیٰ شانہ دنیا و آخرت میں ہماری اس خصوصیت کو قائم رکھے اور دنیا کو ہمارے سے استفادہ کا موقع دے اور ہمیں کتاب و سنت اور علماء ربّانی سے استفادہ کا موقع عطا فرمائے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

اللّھم متّعنا باَسماعنا وابصارنا وقوّتنا ماأحييتنا واجعل ثأرنا على مَن ظلمنا ولاتجعل مصيبتنا فى ديننا ولاتجعل الدنيا اكبر همّنا ولامبلغ علمنا ولاغاية رغبتنا۔

اللّھم لاتسلّط علينا من لايرحمنا

وصلّى اللّٰہ تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمّد وّعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين برحمتک ياارحم الرّاحمين ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

قرآن حکیم کی عملی تفسیر

سرکارِ دو عالم، فخرِ بنی آدم، رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پنہائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں وہ کسی شخص واحد کا دستور زندگی نہیں بلکہ جہانوں کے لئے ایک مکمل دستورِ حیات ہے۔ جوں جوں زمانہ ترقی کرتا ہوا چلا جائے گا اسی حد تک انسانی زندگی کی استواری اور ہمواری کے لئے اس سیرت کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جائے گی۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ——— اَمَّا بَعْدُ ———

جہانوں کا دستورِ حیات

بزرگانِ محترم!

سرکارِ دو عالم، فخرِ بنی آدم، رسول الثقلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں اور پنہائیوں کے لحاظ سے کوئی شخصی سیرت نہیں، وہ کسی شخص واحد کا دستور زندگی نہیں، بلکہ جہانوں کے لئے ایک مکمل دستورِ حیات ہے، جوں جوں زمانہ ترقی کرتا ہوا چلا جائے گا اسی حد تک انسانی زندگی کی استواری اور ہمواری کے لئے اس سیرت کی ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی چلی جائے گی۔

زمانہ اور اس کا تمدن اپنی اِرتقائی حرکت سے کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا اور کل کو نامعلوم کہاں تک جا پہنچے اور اس کی تمدنی زندگی کے گوشے کتنے بھی پھیل جائیں اور پھیل کر زمین و آسمان اور فضا و خلاء سب ہی کو ڈھانپ لیں پھر بھی یہ اِرتقائی سیرت اور اس کے تدین کے گوشے اسی حد تک تمدنی گوشوں کی تقویم و اصلاح کے لئے شاخ در شاخ ہو کر نمایاں ہوتے رہیں گے جیسا کہ وہ اب تک زمانہ کی مدنی ترقی کے ساتھ ساتھ نمایاں ہوتے رہے اور ان میں سکون و اطمینان کی روح پھونکتے رہے ہیں۔

ذاتِ نبوی میں عُلومِ قرآنی کا ظہور

اس کی شرعی وجہ یہ ہے کہ آیت وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کے بارے میں جب حضرت صدّیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ علیہ السلام کی اس خلقِ عظیم کی سیرت واخلاق کے سلسلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وکان خُلقہٗ القران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق (سیرت) یہ قرآن ہی تو ہے اور قرآن کے بارے میں خود حضرت صاحبِ سیرت علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ :

ولا ینقضی عجائبہٗ ولا یخلق عن کثرۃ الرد

اس قرآن کے عجائبات (علوم ومعارف) کبھی ختم ہونے والے نہیں اور یہ باربار کے تکرار سے کبھی پرانا نہیں ہوگا۔ (کہ اس سے دل اکتا جائیں)۔

اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیرت کے عجائبات بھی کبھی منتہی ہونے والے نہیں فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ قرآن میں لامحدود عجائبات علمی ہیں اور ذاتِ بابرکات نبوی کی سیرت میں یہی عجائبات عملی صورت میں ہیں۔ گویا ایک علمی قرآن ہے اور ایک عملی قرآن یعنی سیرت ہے، جو ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں محفوظ ہے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے پر مِن وعَن منطبق ہیں پس قرآن کا کہا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا قرآن کا کہا ہوا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم کی یہ ہزاروں آیتیں درحقیقت سیرتِ مقدسہ کے عملی پہلو ہیں۔ پس قرآن میں جو چیز **"قال"** ہے وہی ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں "حال" ہے اور جو قرآن میں نقوش ودوال ہیں وہی ذاتِ اقدس میں سیرت واعمال ہیں اسی لئے سیرت سے تو قرآن کی عملی صورتیں **مشخص** ہوتی ہیں اور قرآن سے سیرت کی عملی ہیئتیں کھلتی ہیں۔

اس لئے قرآن حکیم کے مختلف مضامین سے اپنی اپنی نوعیت اور مناسبت کے مطابق سیرت کے مختلف الانواع پہلو ثابت ہوتے ہیں۔

قرآن میں ذات وصفات کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد ہیں اور احکام کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، تکوین کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استدلال ہیں اور تشریع کی آیتیں آپ کا حال، قِصص وامثال کی آیتیں آپ کی عبدیت ہیں اور کبریائے حق کی آیتیں آپ علیہ السلام کی نیابت، اخلاق کی آیتیں آپ علیہ السلام کی حُسنِ معیشت ہیں اور معاملات کی آیتیں آپ علیہ السلام کا حُسنِ معاشرت، توجہ الی اللہ کی آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت ہیں اور تربیت خلق اللہ کی آیتیں آپ علیہ السلام کا جلوت، قہروغضب کی آیتیں آپ علیہ السلام کا جلال ہیں اور مہرورحمت کی آیتیں آپ علیہ السلام کا جمال، تجلیاتِ حق کی آیتیں آپ علیہ السلام کا مشاہدہ ہیں اور ابتغاءِ وجہ اللہ کی آیتیں آپ علیہ السلام کا مراقبہ، ترکِ دنیا کی آیتیں آپ علیہ السلام کا مشاہدہ ہیں، احوالِ محشر کی آیتیں آپ علیہ السلام کا محاسبہ، نفی غیر کی آیتیں آپ علیہ السلام کی فنائیت ہیں اور اثباتِ حق کی آیتیں آپ علیہ السلام کی بقائیت، انا اور انت کی آیتیں آپ کا شہود ہیں اور ھو کی آیتیں آپ علیہ السلام کی غیبت، نعیم جنت کی آیتیں آپ علیہ السلام کا شوق اور جحیم نار کی آیتیں آپ علیہ السلام کا ہمّ وغم، رحمت کی آیتیں آپ علیہ السلام کی رَجاء ہیں اور عذاب کی آیتیں آپ علیہ السلام کا خوف، انعام کی آیتیں آپ علیہ السلام کا سکون وانس ہیں اور انتقام کی آیتیں آپ علیہ السلام کا حزن، حدود وجہاد کی آیتیں آپ علیہ السلام کا بغض فی اللہ، نزولِ وحی کی آیتیں آپ علیہ السلام کا عروج ہیں اور تعلیم وتبلیغ کی آیتیں آپ کا نزول، تنفیذ اوامر کی آیتیں آپ علیہ السلام کی خلافت ہیں اور خطاب کی آیتیں آپ علیہ السلام

کی عبادت وغیرہ وغیرہ۔

کسی بھی نوع کی آیت ہو وہ آپ علیہ السلام کی کسی نہ کسی پیغمبرانہ سیرت اور کسی نہ کسی مقامِ نبوّت کی تعبیر ہے اور آپ علیہ السلام کی سیرت اس کی تفسیر جس سے صدّیقہؓ کے اس زریں مقولہ وکان خلقہٗ القراٰن سے قرآن اور ذاتِ اقدس کی کامل تطبیق اور صدیقہ پاک کی علمی گہرائیوں اور ذاتی ذکاوتوں کا نشان ملتا ہے ___ اس لئے یہ دعویٰ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ثابت ہوتا ہے اگر قرآن کے علمی عجائبات بھی کبھی ختم نہیں ہوسکتے تو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی عجائبات بھی کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ اگر قرآن علمی طور پر تاقیامت اپنے شاخ در شاخ علوم سے بنی نوع انسان کی تکمیل کا ضامن ہے تو یہ سیرت جامع بھی تایومِ حشر اپنے شاخ در شاخ عملی اسوؤں سے اقوامِ عالم کی تکمیل و تسکین کی کفیل رہے گی۔

سیرت کی بنیاد

اس توجیہ و استدلال کے سلسلہ میں ذرا اور آگے بڑھو تو قرآن کی شرعی تفسیر حدیث پاک ہے۔ قرآن اگر متن ہے تو حدیث اس کا بیان اور شرح ہے جس سے قرآن کے مخفی گوشے مرادی طور پر کھلتے ہیں اور مطالب خداوندی نمایاں ہوجاتے ہیں اس لئے اگر قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے تو حدیث اس سیرت کی تفصیل ہے اور اس لئے کتب حدیث کے ہزاروں ابواب وفصول درحقیقت سیرتِ مقدسہ ہی کے ابواب وفصول ہیں جن میں سے گزر کرہی آدمی اقلیم سیرت میں داخل ہوسکتا ہے۔

اندریں صورت کہ قرآن وحدیث سیرتِ مقدسہ کی تعبیر ہیں اس نکتہ پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن وحدیث کے مضامین کی ترتیب میں اوّلیت ایمان وعقائد کو اور پھر عبادات کو دی گئی ہے۔ فاتحہ قرآن کو بھی اولاً ذاتِ حق پھر اس کی ربوبیتِ عامہ پھر رحمتِ عامہ اور پھر مالکیتِ عامہ اور پھر عبادت واستقامت سے شروع کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کو لو تو اس کی ابتدا بھی ایمان بالغیب اور نماز وانفاق فی سبیل اللہ سے کی گئی ہے۔ بہرحال قرآن میں اولیتِ عقائد اور عبادات کو دی گئی ہے۔

اس کے بعد دوسرے ابواب میں دین کی تفصیل ہے۔ اسی طرح عموماً کتب حدیث میں اسی اسوۂ قرآنی کے مطابق ابواب وفصول کی ابتدا کتاب الایمان پھر کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج وغیرہ سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد اخلاق، معاملات، نکاح، طلاق، میراث، ہبہ اوقاف پھر مسائل معاش زراعت، تجارت، صنعت وحرفت، ملازمت اور پھر ان معاملات کے نفاذ کے لئے قضا، تعزیرات وکفارات وغیرہ اور پھر ان تمام ابواب کی حفاظت کے لئے آخر میں خلافت وامارت اور جہاد وسیاست کے ابواب لائے گئے ہیں۔ یہ سب کے سب مرتب شعبے بلاشبہ سیرت مقدسہ ہی کے ابواب ہیں لیکن اس ترتیبِ نبوی اور اس کی متابعت میں ان ترتیبات تابانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ سیرت کی اساس وبنیاد درحقیقت عقائد وعبادات ہی قرار دی گئی ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسلام کی اساس وبنیاد عقائد وعبادات ہی کو قرار دیا جو دوسرے لفظوں میں سیرت کی بنیاد ہے فرمایا :

> بنی الاسلام علی خمس' شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوٰة وايتاء الزكوة وصوم رمضان وحج البيت ان استطاع اليه سبيلا۔ (مشکوۃ)

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ

ادا کرنا' رمضان کے روزے اور بیت اللہ کا حج اگر استطاعت ہو'

جس سے نمایاں ہوتا ہے کہ سیرۃ نبوی میں عبادت اور دیانت اصلِ سیرت ہیں اور انتظامی اور سیاسی ابواب اس کے محافظ ہیں' جو بعدیت کا درجہ رکھتے ہیں کہ یہ بِرّو تقویٰ اور دیارِ خداوندی کا کارخانہ خلل اور زلل سے محفوظ رہے اور دنیا میں کسی فتنہ پرور کو اس نظامِ سیرۃ نبوی میں رَخنہ کی جرأت نہ ہو۔

قرآن کریم نے اس سے زیادہ کھلے لفظوں میں اقامتِ عبادت ودیانت کو اصل مقصود ٹھہراتے ہوئے تمکین وسیاست اور فتوحِ ممالک کو اس کا وسیلہ قرار دیا' فرمایا'

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

''اگر ہم ان مسلمانوں کو زمین کی سلطنت دیدیں تو یہ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ ادا کریں گے' پاکیزہ امور کا امر کریں گے اور منکَرات سے باز رہیں گے''۔

یہی وجہ ہے کہ دین ودیانت تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا گیا لیکن قہرو سیاست اور جہاد وجنگ سب کو نہیں دی گئی۔ جہاں ضرورت سمجھی دی گئی ورنہ نہیں دی گئی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان نبوّت کے ساتھ سب سے پہلے جو چیز دنیا کے سامنے پیش کی اور جس پر اپنے صحابہ کرامؓ کو تربیت دی وہ یہی ایمان باللہ 'مَبدا' معاد' توحید ورسالت اور سزاوجزا کے عقیدے تھے اور پھر خدا سے رشتہ جوڑنے کے لئے عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ کی تعلیم فرمائی گئی جس سے مکّی آیتیں بھری ہوئی ہیں

سیرتِ مقدّسہ کا اَساسی رنگ

اس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیرت مقدّسہ کا اساسی اور غالب رنگ عبادات اور تقدّس ہے اور دنیا کے سارے معاملات کو اسی عباداتی رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے یعنی اس کا طبعی رخ یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنی ساری دنیا اور دنیا کے ایک ایک کام کو مقدّس بنا کر برنگِ عبادت انجام دیں جن میں رضائے الٰہی ویادِ خداوندی کی روح کار فرما ہو وہ کچھ بھی کریں اللہ کے لئے کریں نفسانی انداز اختیار کرنے کی بجائے ربّانی راہ اختیار کریں اور ان کا ہر عمل مجاہدہ وجہاد یعنی عبادت ہو عادت نہ ہو جس کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہو' اعلائے نفس نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے یہی حقیقت جس کا نام تفویض ہے اپنے خلیل پاک حضرت ابراہیم علیہ السلام سے طلب فرمائی جسے اسلام کا نام دیا' فرمایا :

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔

''کہہ دو ابراہیم! کہ میری نماز اور عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس کا امر کیا گیا ہے اور میں ہی (اس امت میں) پہلا مسلم ہوں''

یہی تفویضِ مطلق اور عبدیتِ کاملہ کی بلندپایہ کیفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں کھولا ہے۔ فرمایا :

اللھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکّلت وبک حاکمت والیک خاصمت

والیک انبت والیک المصیر۔

"اے اللہ میں تیرے ہی لئے اسلام لایا اور تیرے اوپر ایمان لایا اور تجھی پر میں نے توکّل کیا اور تجھے ہی میں نے حَکَم مانا اور تیری ہی طرف میں جھگڑا لے گیا اور تیری ہی طرف میں نے رجوع کیا اور تیری ہی طرف جانا ہے"۔

یہی حال جب اہل اللہ پر طاری ہوتا ہے تو تفویض کے عجیب عجیب عنوانات ان کی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں حضرت بابا فرید گنج قدّس سرہٗ پر یہ کیفیت غلبہ کے ساتھ وارد ہوئی تو بار بار ذیل کی رباعی پڑھتے تھے اور سجدہ میں گر جاتے تھے۔ پھر وہی پڑھ کر سجدہ میں جا پڑتے جس کے راوی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدّین دہلوی قدّس سرہٗ ہیں ۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے توزیم
خاکے شوم وبہ زیر پائے توزیم
مقصود من بندہ نہ کونین توئی
ازبہر تو میرم واز برائے توزیم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور سیرت کے بے شمار عملی نمونے اور اُسوئے ہمہ وقت جس روح سے زندہ وپائندہ تھے وہ یہی ذکرِ الٰہی ، تفویضِ مطلق اور عباداتِ خداوندی کی روح تھی گویا اسی کے لئے اس پاک زندگی کا لمبا چوڑا ڈھانچہ بنایا گیا کہ اس میں یہ ذکر و فکر کی روح پھونکی جائے چنانچہ آپ علیہ السلام کی پاک زندگی کا ہر لمحہ ذکر اللہ سے معمور اور فکرِ آخرت سے بھرپور تھا۔ ذکر عام کے بارے میں حدیث ہے کہ کان یذکر اللّٰہ علی کل احیانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر لمحہ ذکر الٰہی میں لگے رہتے تھے اور فکر دائمی کے بارے میں ارشاد حدیث ہے کہ : کان دائم الفکرۃ حزینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ متفکر اور غمزدہ سے رہتے تھے۔

سیرتِ طیّبہ کی روح

پس آپ علیہ السلام کی زندگی کی سیرت بالاصل نہ ملوکیت تھی نہ ریاست نہ غلبہ وقہر تھی نہ تسلّط واستیلاء نہ تعیّش تھی ، نہ تزئین نہ آرائش نہ زیبائش تھی نہ راحت طلبی و آسائش بلکہ سرافگندگی ، نیاز کیشی ، عبودیت اور طاعت وعبادت تھی جس میں خوئے ذکر اور بوئے فکر سمائی ہوئی تھی اور جو کچھ بھی زندگی کی نقل وحرکت تھی وہ اسی فکر دائمی اور ذکر دوامی کے رنگ میں تھی۔

قرآن حکیم نے اسی ذکر و فکر کے مجموعہ کو دانائی کہا اور اولو الالباب یعنی عقلمندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران)

"(دانشمند) وہ ہیں جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں کھڑے بیٹھتے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی ساخت اور بناوٹ میں"۔

پس قرآن حکیم کی رو سے محض مفکّر بھی دانش مند نہیں جب کہ وہ ذاکر نہ ہو اور محض ذاکر بھی پورا

دانشمند نہیں جب کہ وہ مفکّر اور متفکّر نہ ہو حقیقی دانشمندی وہی ہے جس میں ذکر بھی ہو اور فکر بھی، عقل بھی ہو اور عشق بھی، محبت بھی ہو اور ہوش بھی' پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اسی ذکر و فکر کا مجموعہ اور ان دونوں مقاموں کا کامل امتزاج تھی جہاں آپ کی عبادت ان دونوں روحوں کا مظہر تھی وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست بھی ان دونوں روحوں سے عبادت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۂ خداوندی بھی ہیں' معاملات کے فیصلے بھی دے رہے ہیں' دیوانی اور فوجداری کے مقدّمات بھی فیصل فرمارہے ہیں' جہاد کے لشکر بھی بھیج رہے ہیں' غنائم کی تقسیم بھی کررہے ہیں' حدود قصاص کا اجرا بھی ہورہا ہے' فتوحات ممالک کا سلسلہ بھی جاری ہے' صوبوں اور نئی حکومتوں میں گورنر بھی مقرّر کئے جارہے ہیں یہ سب کچھ ہورہا ہے مگر صحن مسجد میں ذکر اللہ اور فکر آخرت کے ساتھ کیاجارہا ہے ___ یعنی یہ سب کچھ تھا مگر عبادتِ الٰہی کے رنگ میں تھا۔ ڈھانچہ اگر چہ سیاست کا تھا مگر روح عبادت کی اس میں کارفرما تھی اور روح اور ڈھانچہ میں کامل مناسبت کے ساتھ ڈھانچہ اس روح کے حسبِ حال تھا اور روح ڈھانچہ کی مثال۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ سیرت کا امتیازی اور غالب پہلو یہی ایمان وعبادت اور ذکر و فکر تھا جس میں عقل و عشق' محبت و بصیرت' مادیت اور ملکیت' امارت و مسکنت' خلافت وعبادت کا کامل اجتماع اور امتزاج تھا کہ ایک سے دوسری متقابل صفت کسی حالت میں بھی بے فکر نہیں بنا سکتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات اور جنگوں میں بنفسِ نفیس خود بھی شرکت فرماتے اور نہ صرف شرکت بلکہ قیادت بھی فرماتے لیکن یادِ الٰہی اور عبودیت سے یہ ہنگامہ خیزی بھی بھرپور رہ کر عبادت ہی کے رنگ میں ادا ہوتی تھی۔ عینِ جہاد میں بھی ذکر اللہ اور متعلقہ دعائیں پڑھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکروں کی قیادت فرماتے۔ جس سے یہ جہاد اعلیٰ ترین عبادت بن جاتا اور عین لڑائی میں جب کہ نماز کا وقت آتا تو یہ اضافی عبادت اس حقیقی عبادت میں حارج نہیں بن سکتی تھی بلکہ اس کی مدت متعین ہوتی ؎

آگیا عین لڑائی میں گر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

جس سے نمایاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ سیرت کا بنیادی پہلو ایمان وعبادت تھا جس کے لئے دوسرے شعبہائے زندگی بطور خادم اور بطور وسائل کے کام کرتے تھے پس زندگی کے عام شعبوں کی عبادتیں وقتی تھیں اور یہ اصل عبادت ہمہ وقتی ہوتی۔

سیرتِ جامعہ کا عجیب خلاصہ

اب اس سیرت جامع کا خلاصہ یہ نکل آیا کہ یہ سیرت مقدّسہ اصولاً زندگی کے تین شعبوں پر مبنی ہے۔

(۱) تعلّق مع اللہ　(۲) تعلّق مع الخلق　(۳) تعلّق مع النفس

تعلّق مع النفس کے سلسلہ میں پاکدامنی و پاک نفسی' عفّت و عصمت' حیا وانکساری' غیرت و حمیت' ہمّت و شجاعت' صبر و سماعت' علم و ضبط' اعتماد و توکّل' زہد و قناعت' مجاہدہ و ریاضت' تحمّلِ شدائد و مصائب اور خداترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اور اخلاق حمیدہ آپ علیہ السلام کی فطرت صالحہ کا خمیر تھے۔

اور تعلّق مع الخلق کے سلسلے میں خدمت خلق اللہ' صلہ رحمی' نصرت' اعانت' جود و سخا' ایثار و عفو' راحت رسانی اور کفّ اذیٰ وایذا رسانی سے بچنا' عفو و درگذر' محبت و شفقت' دلسوزی وہمدردی' تعلیم وتربیت' ارشاد و تزکیہ وغیرہ آپ علیہ السلام کی پاک طبیعت کے فطری جوہر تھے اور تعلّق مع اللہ کے سلسلہ

میں عبادت و ریاضت' مجاہدہ مراقبہ' کسرِ شہوات ولذات' تقرب وانابت' توبہ واستغفار' تہجد و شب بیداری ذکر و فکر وغیرہ آپ علیہ السلام کی پاک فطرت کی اُفتاد تھی لیکن ان تینوں تعلقات میں "تعلق مع اللہ" ہی دونوں تعلقات کی استواری کی روح تھی جو نفس و خلق کے تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتی ہے اگر نفس انسانی کو تعلق مع اللہ سے آشنا اور اس کے تقاضوں کا خوگر بنایا جائے تو تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس صحیح بنیادوں پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔

ازروئے مشاہدہ سیرتِ طیبہ کی ضرورت

آج بھی جو اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں تو طرح طرح کی مہلک لغزشوں سے دنیا فتنہ وفساد کا گھرانہ بنی ہوئی ہے۔

آج یورپ میں عقل وفہم کی کمی نہیں' روابط اور بین الاقوامی علائق کی کمی نہیں' سیاسی تعلقات کی ہمہ گیری اور ان کی تدابیر کی کمی نہیں حتی کہ صرف انہی بین الاقوامی تعلقات کے لئے متحدہ کونسل یو' این' او (U.N.O) بھی قائم ہے۔جس میں رات دن ممالک کے باہمی معاملات زیر غور آتے رہتے ہیں۔خانگی زندگی کے لئے تربیتوں کے بے انتہا ڈھنگ اور گھریلو زندگی کی خوشگواریوں کے لئے بے شمار لٹریچر وغیرہ سب ہی کچھ مہیا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہی کے اقراروں اور اعلانوں سے یہ ہی واضح ہوا ہے کہ گھر اور باہر سے سکھ اور چین مفقود ہے یہی نفوس کہ جن کی طمانیت کی خاطر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے امن واطمینان کی ہوا تک سے کوسوں دور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ فقدانِ اسباب ہے۔ اسباب تو سب مہیا ہیں بلکہ مسبب الاسباب سے ربط کا فقدان ہے۔ خدا پرستی' خوفِ آخرت اور مالک الملک کے سامنے جوابدہی کا فکر معدوم ہے۔ اعتقاداً عملاً جو ان تعلقات کو صحیح نہج پر نہیں آنے دیتا جس سے ان نفوس میں یہ جذبہ انقیاد واتباع حق کے بجائے خود رائی اور خود بینی کے جراثیم پرورش پائے ہوئے ہیں۔ مدارِ کار غرورِ نفس ہے یقین حق نہیں جس کے تحت خود غرضیوں اور قومی نسلی اور وطنی تعصبات کی آگ سُلگ رہی ہے اور اس سے تمدنی' سیاسی اور اقتصادی اونچ نیچ کی مہلک وبا سکون وامن کی جان لیوا بنی ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا ان کے تمدنی وسائل اور ایجادات سے فائدہ بھی اٹھارہی ہے لیکن دلوں میں ان سے تنفر کے جذبات لئے ہوئے اور ان کی جبری قیادت کا جواء بھی سروں سے اتار پھینکنا چاہتی ہے۔ یہ محبوبیت کا فقدان اسی خدا پرستی کے نہ ہونے سے رونما ہوا جس سے واضح ہے کہ کوئی بھی انسانی تعلق خواہ اپنے نفس سے ہو یا مخلوق سے بغیر تعلق کی ہمواری کے رہنا ممکن نہیں اسی لئے حضرت صاحب سیرت علیہ السلام نے اپنی سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں بطور ضابطہ حیات ارشاد فرمایا ہے کہ :

> من اصلح فیما بینہٗ وبین اللہ اصلح اللہ فیما بینہٗ وبین الخلق۔ (کنزالعمال)
>
> "جس نے اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ درست کرلیا اس کے درمیان اور خلق کے درمیان خود اللہ تعالیٰ معاملہ درست فرمادیتا ہے"۔

اس لئے اگر آج ہم اس سیرت پاک کو اپنا کر اپنی زندگی کو صحیح بنیادوں پر اٹھانا چاہتے ہیں تو اس میں سیرت مقدسہ کی روشنی میں ان تینوں تعلقات کو عملی صورت دیتے ہوئے ان کی روح اور بنیاد تعلق مع اللہ ہی کو بنانا ہوگا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کا اساسی پہلو یہی تعلق ہے۔

سیرتِ طیبہ سے بیگانگی کا نتیجہ

اب اگر ہم سیرت، عبادت واخلاق اور تعلق مع اللہ سے کنارہ کش ہو کر مثلاً محض قہرو سیاست اور اقتدار وغلبہ کی سیرت کو مطمع نظر بنالیں جس میں یہ اخلاقی روح نہ ہو تو یہ کوری سیاست مُلکِ عضوض "کھٹکنا بادشاہ" ہو کر رہ جائے گی جس میں کسی وقت ظلم و ستم زبردستی اور زیردست آزادی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہ جائے گی اور اگر محض قومی خدمت اور رفاہ عامہ کو مقصد زندگی ٹھہرالیں جس میں خدا ترسی اور اخلاقی قدریں نہ ہوں تو وہ کوری خود غرضی، نمود و نمائش اور شہرت پسندی ہو کر رہ جائے گی جس میں کسی وقت بھی قلبی یکسوئی اور مخلوق کی مدح وذم سے بالاتر ہو کر غنا و استغناء کی دولت نصیب نہ ہو سکے گی پھر اس کے ساتھ اگر ہم تمام طبعی اور اجتماعی تعلقات سے الگ ہو کر محض عبادت اور خلوت گزینی اختیار کریں گے تو نہ صرف ہم تعاون باہمی کی ان تمام قوتوں سے محروم ہو جائیں گے جو مدنیت کی روح اور اجتماعیت کی اساس ہیں اور جن کے بغیر وہ عالمگیر خدمت نہیں انجام پاسکتی جو سیرت پاک اور طبیعت اسلام کے تقاضے ہیں۔ بلکہ اس قید تنہائی میں گلہ سے الگ ہو کر کسی وقت بھی نفس وشیطان کی مکاری سے پناہ نہیں پاسکیں گے جنہوں نے خلوت گزیں راہبوں کو کتنی ہی بدکاریوں کا شکار بنایا ہے۔

پس خدمتِ خلق بلا عبادت انانیت ہے۔ خدمتِ نفس بلا خدا ترسی نفسانیت ہے **انقطاعی** عبادت بلاخدمتِ خلق رہبانیت ہے اور ریاست بلا عبادت ملوکیت واستبدادیت ہے اور ظاہر ہے کہ رہبانیت حضور علیہ السلام کی سیرت ہے نہ ملوکیت نہ نفسانیت اور نہ انانیت آپ علیہ السلام کی سیرت ہے ____ کیونکہ یہ اکہری چیزیں الگ رہ کر جیسے مجموعی سیرت نہیں بن سکتیں ایسے ہی اپنی روح سے الگ ہو کر اس روح کے خلاف خودرَو نقشوں اور رسوم کے اجزائے سیرت بھی نہیں کہلائی جاسکتیں کہ انہیں جزوی سیرت ہی کہا جاسکے البتہ جب اس خدمتِ خلق اور خدمتِ نفس کے خانوں میں اخلاق وعبادت کا رنگ بھردیا جائے اور سب اجزاء اپنے اپنے نقشوں کے ساتھ عبادت کے محور پر جمع ہو جائیں تو پھر اس جامع سیرت کا عکس پیدا ہو جائے گا۔ جس کا نام لے کر ہم اس کا کام کرنا چاہتے ہیں۔ اب اسے نہ نفسانیت کہیں گے نہ رہبانیت ____ نہ ملوکیت کہیں گے نہ انانیت بلکہ ربانیت کہیں گے۔ جس میں انسان اپنی ہر نقل وحرکت کا مرجع و محور اپنے رب کو بنالے گا۔

پس ان تمام اجزاء کی پاک اور مطلوب صورتوں کا صحیح اور معقول امتزاج ہی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع ترین سیرت ہے جس میں فرد کی رعایت الگ ہے اور قوم کی الگ، حکومت کی رعایت الگ اور محکوم کی الگ، اس میں دیانت بھی ہے، خدمت بھی ہے اور عنائیت بھی اور ان سب عناصر کے امتزاج سے سیرت صالحہ کا یہ حاصل نکل آتا ہے کہ انسان میں طبعی جذبات باقی رہیں، مگران پر عقل کی حکومت ہو عقلی نظریات بھی ہوں مگران پر وحی الٰہی کی نگرانی ہو، آزادی ضمیر بھی ہو مگر اس میں حق کے ساتھ تقلید ہو، غرض، نفس، طبع، عقل، وجدان، ضمیر اور جذبات میں سے کوئی چیز پامال نہ ہو سکے۔ سب کے تقاضے کار فرما رہیں مگر ہر ایک کی نقل وحرکت کا محور طاعت الٰہی اور ذکر خداوندی ہو اور کسی وقت بھی یہ تقاضے پابندی حق سے آزاد نہ ہوں پس اسی جامعیت اور اعتدال کامل کا نام سیرت مقدسہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

سیرتِ جامعہ کی عملی پیروی کی ضرورت

آج اگر ہم لوگ اپنے نونہالوں کے لئے سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ نہایت اونچے

پیمانے کے دیندار اور خدا پرست ہوں۔ جن میں رواداری' بے قاعدگی بداعتقادی اور اصول آزادی نہ ہو ان کی نگاہ خدا پر ہو اور اسی پر بھروسہ اور اعتقاد رکھتے ہوں اور دوسرے طرف وہ ملک کے سچے شہری اور متمدّن ہوں جن کے حالات و معاملات میں دیانت' صداقت و راستگوئی و راست بازی ہو' شخصی مفاد کے غلبہ کے بجائے قومی اور جماعتی مفاد ان پر غالب ہو۔ ایک طرف وہ مساجد و مدارس کی زینت ہوں اور دوسری طرف درباروں اور بازاروں کا نظم بھی ان کے ہاتھوں میں فروغ پارہا ہو۔ ایک طرف ان کی خلوت گاہیں یاد الٰہی سے بھرپور ہوں اور دوسری طرف ان کے جلوتیں اور حکومت کے دفاتر ان کی عدل گستری سے معمور ہوں۔ ایک طرف وہ اپنے ملک میں خوشحال و خوش مال ہوں اور دوسری طرف ملک ان کی طرف رجوع ہو کر نہ صرف ان سے عزت مندانہ تعلقات و معاملات ہی کو اپنی آبرو سمجھیں بلکہ ان کے مثالی معاملات سے بھی درس لیں تو یہ جامع زندگی بجز اس سیرت جامع کی عملی پیروی کے اور کہیں بھی انہیں دستیاب نہیں ہو سکتی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے پیغمبر کی سیرتِ مقدسہ اور اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ بنانے اور اس کے بھرپور اِتباع کے توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

رحمۃ للعالمین ﷺ

حدیث میں فرمایا گیا انا رحمۃ مهداة میں اللہ کی ایک رحمت ہوں، جو بطورِ ہدیہ کے بندوں کے پاس بھیجی گئی ہے' اللہ کا ایک ہدیہ جو بندوں کو ملا' وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے ___ تو اتنی بڑی نعمت دی گئی کہ جتنی عالم کی نعمتیں ہیں' سب اسی کے طفیل مل رہی ہیں.....

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ___ اَمَّا بَعْدُ ___

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، صدق اللہ العلی العظیم (پ۱۷-ع۷)

اقسامِ نعمت

...رگانِ محترم!

اس دنیا میں حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمتیں اس درجہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا ناممکن اور محالات میں سے ہے۔ ...متوں کی ایک بارش ہے۔ جیسے بارش کے قطرات کو آپ گننا چاہیں تو ساری دنیا کے انسان مل کر سعی کریں' ...ہ آسمان سے کتنے قطرے ٹپکے ہیں۔ تو یہ آپ کے قبضے میں نہیں ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اللہ کی رحمتوں کی ...ش دنیا پر ہے۔ اگر کوئی انسان گننا چاہے' تو قبضۂ قدرت میں نہیں ہے۔ کہ اللہ کی نعمتوں کو شمار کر سکے۔ اسی ...ئے قرآن کریم نے دعویٰ فرمایا کہ :

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو' تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے' گن نہیں سکتے ___ آسمان کے ستاروں ...گننا ممکن ہے۔ بارش کے قطروں کا گن لینا ممکن ہے۔ لیکن اللہ کی رحمتوں کا گن لینا' یہ ناممکن اور محالات ...ں سے ہے ___ لیکن جہاں تک دیکھا جائے' تو اصولی طور پر دو قسم کی نعمتیں ہیں۔ ان دو قسموں میں پھر

کروڑوں اور اربوں نعمتیں ہیں، مگر قسمیں دو ہیں۔ ایک ظاہری نعمتیں ہیں۔ ایک باطنی نعمتیں ہیں۔ ایک نعمتیں وہ ہیں، جن کو ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، ہمارے بدن کو لگ سکتی ہیں۔ ایک نعمتیں وہ ہیں، جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ بدن سے بظاہران کی ٹکر بھی نہیں لگتی۔ لیکن عجیب نعمتیں ہیں، جن کو انسان اپنے ضمیر میں محفوظ کرتا ہے۔ نعمتوں کے درجے میں سورج بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ اس سے روشنی چھن رہی ہے وہ اللہ کی نعمت ہے۔ وہ نہ ہو تو ہم کام کاج نہیں کر سکتے۔ اس سے جو گرمی برس رہی ہے، وہ اللہ کی نعمت ہے۔ وہ نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا ___ غذائیں انسان کو اللہ نے لاکھوں دیں۔ ترکیبیں بتلادیں کہ مختلف انداز سے جوڑ توڑ کر کے انسان نئی نئی غذائیں نکالتا ہے۔ یہ ایک مستقل نعمت ہے، لباس مستقل نعمت ہے، گھر دیا گیا یہ مستقل نعمت ہے۔ غرض کھیتی باڑی، باغ زمین، کھانا پینا وغیرہ یہ سب نعمتیں ہیں، اور ان میں بھی اتنی قسمیں ہیں کہ انسان گننے لگے، تو ان کا گننا ناممکن ہے۔ ہر وقت آدمی ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے پھل فروٹ ہے یہ ایک نعمت کا دائرہ ہے ہزاروں پھلوں کی قسمیں ہیں۔ غلّات ہیں، تو ہزاروں قسم کے غلے ہیں۔ کہیں چنا، کہیں چاول اور گیہوں۔ غرض کھانے پینے، رہنے، سہنے، اور استعمال کی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاتھوں اور بدن کو لگتی ہیں ان کا ہم احساس کرتے ہیں۔ ان کو ظاہری نعمتیں کہا جائے گا۔

ایک باطنی نعمتوں کی قسم ہے، جو دل محسوس کرتا ہے آنکھوں سے نظر نہیں آتی۔ جیسے علم اور معرفتِ خداوندی ہے۔ علم دل کے اندر بھر جانا یہ ایسی چیز تو نہیں کہ آدمی اسے پکڑ کر جیب میں رکھ لے۔ علم ظاہری چیز نہیں ہے، وہ بدن سے نہیں ٹکراتی۔ وہ دل سے دل میں آتی ہے۔ آدمی جانتا ہے کہ نعمت ہے لیکن آنکھ سے نظر نہیں آتی۔ محبتِ خداوندی ہے، یہ عظیم نعمت ہے۔ اپنے پروردگار سے محبت نہ ہو تو ایمان ہی نصیب نہیں ہوتا۔ لیکن محبت کوئی آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں، وہ دل میں رکھنے کی چیز ہے۔ ایمان ایک مستقل نعمت ہے، لیکن ایمان آنکھوں سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے۔ اسلام تو آنکھوں سے نظر آسکتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے معنیٰ ظاہری عمل کے ہیں۔ نماز پڑھی، روزہ رکھا، حج کیا، زکوٰۃ دی، نماز پڑھنے والے کو دیکھ کر ہر ایک کہے گا کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ حج کرنے والے کو دیکھ کر کہے گا کہ حج کر رہا ہے۔ لیکن ایمان دل میں چھپا ہوا رہتا ہے، اسے آدمی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ مگر ہر دل جانتا ہے کہ اس میں ایمان ہے۔ تو ایمان بھی ایک نعمت، محبتِ خداوندی بھی ایک نعمت ___ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت یہ عظیم نعمت ہے۔ ایمان کی بنیاد ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے محبت نہ ہو، ایمان ہی نصیب نہیں ہو سکتا۔

امتحانِ محبت نعمت میں نہیں، مصیبت میں ہوتا ہے

اسی واسطے حدیث میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والنّاس اجمعین۔

"تم اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے جب تک میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ نہ اتنی محبت اپنی والاد اور ماں باپ سے ہو، نہ دنیا کے کسی سامان سے ہو"۔

جب تک میرے ساتھ اتنی محبت نہیں ہوگی آدمی مؤمن نہیں بنے گا۔ اس محبت کا ظہور کب ہوتا ہے؟ جب خدا، اور رسول کی محبت کا دوسری محبتوں سے مقابلہ پڑے۔ آدمی سو رہا ہے، اسے محبت اس سے ہے کہ میٹھی نیند آ رہی ہے نہ اٹھوں۔ مسجد میں اذان ہوتی ہے کہ آؤ مسجد میں ___ اس وقت امتحان ہوگا کہ نفس

سے زیادہ محبت ہے یا خدا سے زیادہ محبت ہے۔ اگر لحاف کو اتار پھینکا' گرم ٹھنڈے کی پراہ نہ کی' وضو کیا' مسجد میں حاضر ہوا۔ تو اپنے نفس کو چھوڑ دیا، اپنے خدا کو اختیار کیا۔ گویا یہ امتحان کا موقع ہوتا ہے ___ اللہ کے راستہ میں جانا ہے' اولاد کی محبت چاہتی ہے کہ نہ جاؤں چھوڑ کے۔ خدا اور رسولؐ کی محبت چاہتی ہے کہ چلا جاؤں۔ اگر چلا گیا تو محبت میں کامیاب ہے۔ اللہ و رسول کی محبت اولاد کی محبت پر غالب آ گئی۔

جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً) کی طرف ہجرت فرمائی ہے۔ تو حضرات صحابہؓ کے گھر بار' بال بچے مکہ ہی میں تھے۔ جائیدادیں مکہ ہی میں تھیں۔ عزیز و اقرباء مکہ میں تھے۔ سب کو چھوڑ چھاڑ کر کے اللہ کے رسولؐ کے ساتھ چل دیئے۔ نہ جائیداد کی پرواہ کی نہ اولاد کی نہ بنیاد کی۔ تو یہ کہا جائے گا کہ یہ محبت میں کامیاب ہو گئے امتحان میں پاس ہو گئے جب خدا اور رسولؐ کی محبت کا اولاد و بنیاد کی محبت سے مقابلہ پڑا' انہوں نے اولاد و بنیاد کو چھوڑ دیا۔ اللہ و رسولؐ کا راستہ اختیار کیا۔ یہ مطلب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جب میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی اولاد سے ہو نہ ماں باپ سے ہو' نہ دنیا کی کسی چیز سے ہو' اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا ___ تو وہ محبت ہے جو مقابلہ کے وقت غالب آ جائے۔ یوں تو ہر شخص کہتا ہے کہ مجھے اللہ سے محبت ہے۔ مجھے اللہ کے رسولؐ سے محبت ہے۔ لیکن جب دنیا کی محبت کا مقابلہ اللہ کی محبت سے پڑ جائے' اس وقت کہے کہ ہاں مجھے محبت ہے۔ اس وقت کہا جائے گا کہ ہاں واقعی محبت والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے آپؐ سے محبت ہے۔ فرمایا۔ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو؟ عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ سے مجھے محبت ہے۔ فرمایا۔ دیکھو بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہو' سمجھ کے کہو کیا بات ہے؟ عرض کیا آپؐ سے محبت ہے۔ فرمایا۔ اگر محبت ہے؟ تو تیار ہو جاؤ فقر و فاقہ کے لئے' تنگیاں اٹھانے اور مصیبتیں جھیلنے کے لئے۔ یعنی ان تمام مواقع میں بھی محبت باقی رہی تب یہ دعویٰ سچا ہو گا کہ واقعی اللہ و رسول سے محبت ہے۔ عیش و آرام کے اندر ہر شخص کہتا ہے کہ یا اللہ! مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ میرے رب اور میں آپ کا بندہ۔ لیکن سب کچھ چھن جائے پھر بھی کہے۔ آپ میرے رب اور میں آپ کا بندہ۔ تب کہا جائے گا سچا بندہ یہی ہے۔ نعمتوں میں رہ کر بندگی کا اعلان کرنا' یہ آسان ہے۔ مصیبت میں رہ کر محبت اور بندگی کا اعلان کرنا یہ مشکل ہے' اور یہی آزمائش کا وقت بھی ہوتا ہے۔ وہ کسی شاعر نے کہا تھا کہ ؎

دلا اندر جہاں یاراں سہ قسم اند
زبانی اند ونانی اند وجانی

اے دل زمانے میں دوستوں کی تین قسم ہیں ___ یعنی آدمی جب دوستی کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے پرکھا بھی جاتا ہے کہ دوستی میں سچا بھی ہے یا نہیں۔ تو شاعر نے کہا دوستوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک زبانی' جو زبانی جمع خرچ کرتے ہیں' کہ ہم آپ کے دوست ہیں، ہم آپ کے خیر خواہ و بہی خواہ ہیں ___ ایک نانی ہیں' روٹی کے دوست ہیں۔ یعنی جب تک دستر خوان پر چکنا کھانا مل رہا ہے، ہم آپ کے دوست ہیں۔ اور اگر دستر خوان اُٹھ گیا' تو کہاں کی دوستی۔ کہاں کے تم کہاں کے ہم؟ بس ختم ہو گئی ساری دوستی ___ اور ایک دوست وہ ہیں جو جگری دوست ہیں کہ دوست راحت میں ہو تب بھی ساتھ۔ مصیبت میں دوست ہو تو کہیں کے پہلے ہم مصیبت جھیلیں گے' بعد میں تمہارے اوپر آئے گی یہ جانی دوست کہلاتا ہے۔ تو ایک زبانی جمع خرچ' ایک روٹی کی دوستی' ایک جگر کی دوستی ___ اس شاعر نے کہا ہے کہ تینوں کے تین ہی طریقے ہیں۔ جو زبانی دوست ہیں' ان کے بارے میں کہتا ہے کہ ؎

بنانی ناں بدہ از در بدر کن
تلطف کن بیاران زبانی

یہ جو روٹی کے دوست ہیں۔ انہیں کچھ کھلا پلادو۔ اس کے بعد رخصت کرو۔ ان کو دوست مت سمجھو وہ آئے تھے' ان کو ٹکڑا مل گیا۔ بس ٹھیک ہے ___ اور جو زبان سے کہتے ہیں کہ جناب کے دوست ہیں۔ بھی زبان سے کہہ دو جناب کا بہت بہت شکریہ! ہم بھی تمہارے دوست ہیں' نہ حقیقی معنیٰ میں وہ دوست حقیقی معنیٰ میں تم دوست۔ وہ زبان کی بات ہے' زبان سے وہ خوش کرنا چاہتے ہیں' تم بھی زبان سے خوش کردو مگر اعتماد مت کرو' وہ دوست نہیں ہے۔

وہ جیسے کسی شاعر کا واقعہ ہے' وہ کسی امیر کے ہاں گئے تھے۔ اس نے قصیدہ لکھا اور امیر کی بڑی تعریف کہ آپ ایسے اور ایسے۔ اور شاعری میں آدمی سچ کم بولتا ہے' جھوٹ زیادہ بولتا ہے۔ شعر اچھا ہوتا ہی وہ جس میں غلط بیانی زیادہ ہو۔ اور جو سیدھی سیدھی بات کہہ دے اس سے کوئی بھی خوش نہیں ہوتا۔ تو مبالغ اور بہت حد سے گزر کر بات کرنا' یہی ہوتا ہے ___ شاعر حضرات خفا نہ ہوں کبھی کبھی میں بھی شعر کہہ لی ہوں' مجھے بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے ___ تو شعر کہتے ہی اسے ہیں جس میں آدمی سچ کم بولے' جھوٹ زیاد بولے۔ تو اس شاعر نے قصیدہ لکھا۔ اس میں ایران توران کی ہانکی۔ آپ کی سلطنت تو ایسی ہے کہ آپ تخت کا پایہ آسمان پہ رکھا ہوا ہے' اور آپ کے حسن وجمال کے آگے چاند بھی شرما رہا ہے' اور ستارے بھی شرمندہ ہیں کہ ہمیں وہ حسن وجمال نصیب نہ ہوا' جو ان نواب صاحب کو نصیب ہے۔ جب وہ قصیدہ پڑھ چکے امیر نے کہا کہ پرسوں کو آنا۔ دو ہزار روپیہ تمہیں (انعام) دیں گے' یہ بہت خوش ہو کر واپس ہوئے' چونک بڑے آدمی نے وعدہ کیا تھا تو یقین بھی پورا تھا' آ کے پانچ سو روپے قرض بھی لے لیا۔ اور بڑا عمدہ اچکن بھی بنوایا۔ گھر میں مرغا اور بکرا بھی پک رہا ہے۔ اس نے کہا پرسوں تو دو ہزار روپے مل ہی جائیں گے۔ پانچ سو قرض ادا کر دیں گے۔ دو ہزار سے بھی بچ جائے گا۔ بہت بڑی رقم ہوگی۔ تو خوش خوش گھر میں چاندنا' کھانا او پینا ___ پرسوں وہ پہنچے' وہ امیر بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے جا کر سلام کیا' انہوں نے جواب بھی نہیں دیا سرے سے گردن ہی نہیں اٹھائی۔ بہت دیر کھڑے رہے۔ آخر انہوں نے کچھ کھنکار کے کہا حضور میں حاض ہوں۔ انہوں نے کہا کون ہیں؟ میں وہی شاعر ہوں جو آپ کی تعریف میں قصیدہ لکھ کے لایا تھا۔ اور آپ وعدہ کیا تھا کہ پرسوں آنا' دو ہزار دوں گا ___ کہنے لگے' تم بڑے بے وقوف آدمی ہو۔ بھئی! تم نے ہمیں لفظوں سے خوش کیا ہے' معنیٰ کچھ نہیں تھے۔ ہم نے بھی لفظوں سے خوش کردیا' معنیٰ کچھ نہیں تھے۔ نہ ان اشعار کے معنیٰ تھے نہ اس وعدہ کے معنیٰ تھے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ جو زبانی جمع خرچ کے دوست ہیں' آپ بھی ان کے ساتھ زبانی جمع خرچ کر دیں۔ مگ اصل دوست وہ ہے جو سچا دوست ہو اور مصیبت کے وقت کام آئے ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشان حالی ودر ماندگی

شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ دوست وہ ہے جو پریشان حالی میں آ کر دوست کا ہاتھ پکڑے ___ مگر ہاتھ پکڑے

؎ اس کا تیسرا مصرعہ اس تقریر میں آگے ارشاد نہیں فرمایا' لیکن ایک اور تقریر سے نقل کیا جاتا ہے ؎

ولیکن یار جانی را بدست آر
مدار آتش نگیری تا توانی

(از مرتب غفرلہٗ)

کے وہ معنیٰ نہیں جیسے ایک صاحب نے پکڑے تھے' ان کے بھی ایک دوست تھے۔ انہیں اتفاق سے دشمنوں نے گھیر کر مارنا پیٹنا شروع کردیا۔ انہوں نے جلدی سے جا کر ان کے ہاتھ پکڑ لئے۔ اب وہ غریب حملوں کو روکتا' دو مارتا۔ اب رکا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کم بخت! کیا کر رہا ہے؟ میں پٹ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ چھوڑ دے۔ میں بھی تو مقابلہ کروں ___ انہوں نے کہا نہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے کہ دوست وہ ہے جو مصیبت میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ میں نے بھی آ کے ہاتھ پکڑ لئے ___ اب وہ غریب اچھی طرح سے پٹ رہا ہے ___ تو یہ معنیٰ ہاتھ پکڑنے کے نہیں ہیں۔ ہاتھ پکڑنے کے معنیٰ مدد کرنے کے ہیں' کہ جب دوست پریشانی میں مبتلا ہو' مدد کرے۔

تو جب دنیا کی دوستی میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ آڑے وقت میں آدمی دعوٰے کو سچا کر کے دکھائے کہ میں دوست ہوں۔ دین کے معاملہ میں تو اور بھی زیادہ امتحان کی ضرورت ہے۔ جب اللہ یوں کہے کہ میں آپ کا دوست ہوں تو اگر حق تعالیٰ کوئی مصیبت ڈالیں' جب بھی یوں کہے کہ میں آپ کا نیاز مند' غلام اور بندہ ہوں۔ تب کہا جائے گا کہ یہ سچا بندہ ہے۔ ورنہ نعمتیں برس رہی ہیں۔ اس میں کہے کہ میں بندہ ہوں۔ یہ نہیں۔ نعمت چھن جائے اور پھر کہے کہ ویسا ہی بندہ ہوں جیسا پہلے تھا۔ جس حال میں آپ رکھیں میں خوش ہوں۔ تب کہا جائے گا کہ یہ سچا بندہ ہے۔

تو محبتِ خداوندی ایک بڑی نعمت ہے۔ ایمان بھی نعمت' علم اور معرفت بھی نعمت۔ مگر یہ سب نعمتیں باطنی نعمتیں کہلاتی ہیں' جن کا قلب سے تعلق ہے۔ علم' ایمان اور محبت روٹی کی طرح سے نہیں ہیں کہ رکابی میں رکھ کر پیش کردیئے جائیں۔ یہ قلبی دولت ہے ___ تو نعمت کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک مادی نعمت جو آنکھوں سے نظر آتی ہے۔ ایک روحانی نعمت ہے۔ جس کو آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر دل پہچانتا ہے کہ یہ نعمت ہے۔

اعلیٰ ترین نعمت اور حاصلِ کائنات

ان تمام معنوی نعمتوں میں اعلیٰ ترین نعمت درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے' جس کو اللہ نے بطور نعمت کے دنیا میں بھیجا کہ آپؐ ہی کی ذاتِ بابرکات کے طفیل سے علم نصیب ہوا' ایمان نصیب ہوا۔ اور آپؐ ہی کی ذاتِ بابرکات کی جوتیوں کے صدقے بندے کو اللہ کی محبت نصیب ہوئی۔ جس سے انسانوں نے اپنے خدا کو پہچانا' اپنی زندگیوں کے مقاصد کو جانا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل ہے۔ اگر دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے' یہ عالم ظاہر نہ کیا جاتا' جیسے ایک حدیث میں ہے۔ گو وہ حدیث ضعیف ہے' مگر معنیٰ کے لحاظ سے وہ مقبول ہے ___ ابن کثیر مکیؒ نے البدایہ والنہایہ میں یہ حدیث نکالی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آدم علیہ السلام کو فرمایا۔ جب ان کو پیدا کیا گیا۔ اور ان میں روح ڈالی گئی' تو سب سے پہلے ان کی نگاہ عرش کے اوپر پڑی۔ دیکھا کہ عرش کے پائے کے اوپر لکھا ہوا ہے :

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ محمد رسول اللہ کون ہیں؟ فرمایا۔ تیری اولاد میں سے ہیں۔ میرے آخری اور سب سے بڑے پیغمبر یہی ہیں۔ اور اے آدم! اگر مجھے ان کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ تجھے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ان کو دنیا کے اندر لانا ہے۔ تو ساری کائنات کا پھل درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک درخت لگائیں۔ دس برس اس کے اوپر محنت کریں۔ پانی دے رہے

ہیں۔ دھوپ اور پالے سے بچا رہے ہیں۔ پھر جاکے وہ تیار ہوا۔ کیوں آپ نے یہ درخت لگایا؟ کیوں اس پر اتنی محنت کی؟ اس لئے کہ اس پر پھل آجائے۔ اگر اس نے پھل دے دیا' آپ کہیں گے محنت وصول ہوگئی۔ پھل نہ دیا تو کہیں گے محنت اکارت گئی' ضائع ہوگئی ___ تو درخت سے مقصود پھل ہوتا ہے۔ پھل آگیا تو سمجھو کہ درخت کے لگانے کا مقصود حاصل ہوگیا۔

یہ پوری کائنات ایک درخت ہے۔ اس کے مالک نے اس کو چھ ہزار برس میں بنایا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

"تیرے پروردگار نے اس زمین و آسمان کی کائنات کو چھ دن میں بنایا"۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

"اللہ کے ہاں کا ایک دن تمہارے ہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہے"۔

تو چھ دن میں بنانے کا یہ مطلب نکلا کہ چھ ہزار سال میں یہ کائنات تدریجی طور پر تیار ہوئی۔ اور وہ چھ دن ہفتے کے ہیں۔ یک شنبہ سے گویا کائنات شروع ہوئی ہے' اور جمعہ پر ختم ہوئی۔ ہفتہ کا دن فارغ ہے۔ آپ کے نزدیک یہ دن چوبیس گھنٹے کا ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں یہ ایک ہزار سال کے برابر ہے ___ آخری دن جمعہ کا تھا' اس کی آخری ساعت میں جو غروب آفتاب کے ساتھ ہی گھنٹہ ہے اس میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ گویا چھ ہزار سال میں کائنات بنی۔ اور آخری جو مخلوق ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس لئے کہ آدم ہی کے لئے یہ ساری کائنات بنائی گئی ___ زمین' آسمان' چاند ستارے' سب اس لئے ہیں کہ آدم اس میں گزر بسر کرسکے۔ آسمان کی چھت ڈال دی۔ زمین کا فرش بچھادیا۔ ستاروں کے **قمقمے** لٹکا دیئے۔ دریاؤں میں پانی رکھا۔ زمین میں اگانے کی صلاحیت رکھی' چوپائے اور جانور پیدا کئے جو انسان کے کام آئیں ___ جب مہمان کو بلاتے ہیں تو پہلے سامان سب مرتّب کردیتے ہیں۔ مکان' بستر' پلنگ' ملازم' کھانے کا سامان وغیرہ' تاکہ مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ تو آدم کو لانا تھا۔ اس لئے پہلے گھر بنایا اور ساری چیزیں تیار کیں۔ جب دنیا مکمل ہوگئی تو آخیر ساعت میں آدم علیہ السلام کو لائے۔ گویا آدم ساری کائنات کا ایک شجرہ ہے۔ جیسے آپ نسب نامے کا شجرہ بناتے ہیں کہ باپ کا نام لکھا' ان کے چار بیٹے تو چار شاخیں نکلیں۔ پھر آگے اور شاخیں نکلیں۔ اس کو نسب کا شجرہ کہتے ہیں ___ کائنات کے شجرہ و درخت کا پھل حضرت آدم ہیں۔ اور آدم کا جو شجرہ ہے اس میں آخری پھل جو مقصودِ اصلی ہے' وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو ساری کائنات کا مقصودِ اصلی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نکل آئی ہے۔ آپؐ کو لانا تھا۔ اس لئے یہ سارا قصہ کیا گیا۔

مقصدِ کائنات عبدیتِ محمدیؐ ہے

اور آپ کیوں لائے گئے؟ اس واسطے کہ کائنات کو بنانے کا مقصد انسان کو لانا ہے۔ اور انسان کا مقصد عبادت ہے کہ وہ اپنے پروردگار کو یاد کرے۔ تو عبادت کے لئے یہ قصہ کیا گیا تاکہ اللہ کے آگے نیازمندی' اس کے سامنے جھکنا اور گڑگڑانا ہو۔ اور آدم اور اس کی اولاد میں سب سے زیادہ مکمل عبادت' سب سے زیادہ اعلیٰ ترین عبادت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ آپؐ سے بڑا کوئی عابد نہ پیدا ہوا اور نہ آئندہ پیدا ہوگا۔ آپ کی ذات کے اوپر مراتبِ عبادت ختم ہیں۔ بندگی اور عبودیت کی جتنی شاخیں آپؐ نے

دکھائی، اتنی عالم میں کسی نے نہیں دکھائیں ۔۔۔ یوں کہنا چاہئے جیسے اللہ معبودیت میں وحدہٗ لا شریک ہے۔ معبودیت میں اس کی کوئی نظیر نہیں، یکتا معبود ہے ۔۔۔ عبدیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحدہٗ لا شریک ہیں۔ عبدیت میں کوئی آپؐ کی نظیر نہیں ہے۔ اللہ کے آگے جتنی مکمل عبدیت اور بندگی آپ نے پیش کی ہے، عالم میں کسی نے نہیں پیش کی ۔۔۔ حدیث میں فرمایا گیا :

کان یذکر اللّٰہ علٰی کلّ احیانہٖ

آپؐ کا کوئی لمحہ ذکر اللہ اور یادِ خداوندی سے خالی نہیں تھا ۔۔۔ کان دائم الفکرۃ حزیناً کوئی لمحہ فارغ نہیں تھا کہ آپؐ پر آخرت کا غم طاری نہ ہو۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی غم میں ڈوبا ہوا ہے اور فکر میں مبتلا ہے۔ یہ کیفیت تھی ۔۔۔ صحابہؓ عرض کرتے یا رسول اللہ! آپؐ تو وقت سے پہلے بوڑھے ہوگئے۔ قوتیں آپؐ کی بڑی عظیم تھیں۔ فرمایا۔ شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌوَاِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ مجھے سورۂ ہُود اور تکویر نے بوڑھا کردیا ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت کے ہولناک مناظر بیان کئے گئے ہیں۔ ان حالات کو سامنے رکھ کر مجھ پر بڑھاپا طاری ہوگیا۔ تو کوئی لمحہ آخرت کے فکر سے خالی نہیں تھا، کوئی لمحہ ذکر اللہ سے خالی نہیں تھا۔ قدم قدم کے اوپر طاعت، ذکر، عبادت ہے۔ تو عبادت کو جس مکمل طریق پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات نے پیش کیا ہے۔ گویا وہ عبادت مقصود تھی۔ وہ عبادت نمایاں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں آنے سے تو مقصد کائنات کا پورا ہوگیا۔

اب آپؐ کے تشریف لانے کے بعد، پھر اس امّت کی عبادتیں درکار ہیں کہ یہ نبیؑ کے نمونے پر چل کر اس نمونے کا پیغام دنیا کی اقوام کو پہنچادیں۔ ورنہ مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پورا ہوگیا ۔۔۔ اسی واسطے آپؐ فرماتے ہیں کہ بعثت انا والسّاعۃ کھاتین میں اور قیامت اس طرح سے ہے جیسے یہ دو انگلیاں ملی ہوئی ہیں، کہ میں ذرا آگے نکل آیا ہوں، قیامت پیچھے دوڑتی ہوئی چلی آرہی ہے۔ اس لئے کہ جب کائنات کا مقصد پورا ہوگیا، تو اب اس کائنات کو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں ۔۔۔ جب درخت پھل دے کر فارغ ہوجائے، اور آئندہ ایسا پھل بھی آنے والا نہیں۔ پھر اسے کاٹ کے جلادیتے ہیں کہ مقصد پورا ہوگیا۔ وہ پھل تھا جو ہم نے کھالیا، تو اصل پھل آگیا، مقصد پورا ہوگیا۔ اب کائنات کو باقی رکھنے کی ضرورت نہیں۔

اور فرمایا کہ قیامت کی ہزاروں علامتیں ہیں۔ سب سے پہلے دنیا میں میرا آنا ہے۔ سمجھو کہ دنیا کے خاتمے کا وقت قریب ہے۔ اس لئے کہ دنیا کے برپا کرنے کا مقصد میرے آنے سے پورا ہوگیا۔ اب جب مقصد آگیا تو اب دنیا کے باقی رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف دنیا اس لئے باقی رہے گی کہ میرا پیغام پوری دنیا تک پہنچ جائے۔ اور امّت نمونہ بن کر دکھلائے کہ یہ عبادت کا نمونہ، جس کے لئے دنیا قائم کی گئی ۔۔۔ تو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب سے بڑی نعمت ہے اور نعمتوں کی جڑ بنیاد ہے کہ آپؐ عالم کے لئے رحمت ہیں۔ پوری دنیا کو آپؐ نے عبادت کا سبق دیا۔

اسلام تمام انبیاء علیہم السّلام کا دین ہے

بعض غیر مسلموں نے یہاں مجھ سے سوال کیا کہ اسلام نے ہمیں نئی چیز کیا دی؟ جو ہم اسلام قبول کریں۔ ہم تو اپنے مذہب پر چل رہے ہیں۔ میں نے کہا اسلام کوئی نئی چیز لے کر نہیں آیا۔ جو کل انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔ وہی دین اسلام لے کر آیا ہے۔ یہی اسلام ہے جو سارے انبیاءؑ کا مذہب اور دین رہا ہے۔

یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی لے کر آئے ہیں ___ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے تمام انبیاءؑ کا دین اسلام بتلایا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ایک جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا :

اِذْقَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

''اے ابراہیم مسلم بن جاؤ' کہامیں بھی مسلم بن گیا۔ فرمایا اگر بن گئے ہو تو اعلان کرو''۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○لَاشَرِیْکَ لَہٗ ج وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ○

''اے ابراہیم کہہ دو! میری نماز اور میراحج' میرا مرنا' اور جینا سب اللہ کے لئے ہے۔ مجھے اسی کا امر کیا گیا ہے' اور میں ہی آج کے دور میں اوّل مسلم ہوں''۔

تو ابراہیم علیہ السلام کی طرف اسلام منسوب کیا گیا کہ وہ بھی مسلم تھے۔ اور اسلام ہی لے کر دنیا میں تشریف لائے ___ حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں :

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ○

''اے میرے پروردگار مجھے وفات بھی مسلم بنا کر دیجئے' کہ مرتے دم تک میں اسلام پہ قائم رہوں''۔

یوسف علیہ السلام کا دین بھی اسلام ہی ثابت ہوا ___ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ فرمایا :

وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرٰھٖمُ بَنِیْہِ وَیَعْقُوْبُ ط یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ فَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی' کہ اے بیٹو! تمہارے لئے اللہ نے دین پسند اور منتخب کیا' تم مرو بھی تو اسلام ہی کے اوپر مرنا' یہی تمہارا دین ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا دین بھی اسلام ہے۔ یوسف علیہ السلام کا دین بھی اسلام ہے ___ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا دین بھی اسلام ہے' جو خود قرآن نے نقل کیا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا کہ وَاشْھَدْبِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اے مسیح علیہ السلام آپ گواہ رہیں ہم سب مسلمان ہیں۔ تو دین عیسوی بھی اسلام ہے۔ سلیمان علیہ السلام پر بلقیس جیسی ملکہ ایمان لائی، تو کہتی ہے ، اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اس سے پہلے گناہگار تھی مگر اب میں اسلام لاتی ہوں سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر ___ تو سلیمان علیہ السلام کا دین بھی اسلام ہے۔ غرض کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہے۔ جس کی طرف اسلام منسوب نہیں کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسلام لے کر آئے۔ فرمایا، ان الدین عند اللہ الاسلام دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ تو میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے۔ جو سارے انبیاء علیہم السلام لے کر آئے' وہی دین ہے۔ نئی چیز کیا ہے؟

تکمیل دین ایک مستقل نعمت ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ___ میں نے دین کو مکمل نقشے کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تو دین نیا نہیں بلکہ تکمیلِ دین ہے' کہ دین کے ہر ہر جز' ہر ہر اصول

و فروع کو آپ نے اتنا مکمل کر دیا ہے کہ اب اس میں زیادتی کی گنجائش باقی نہیں رہی ___ گویا دین' اسلام چل رہا تھا' شریعتیں آرہی تھیں۔ اس میں اضافے ہو رہے تھے۔ کمی بھی ہو رہی تھی۔ احکام منسوخ بھی ہوتے تھے۔ نئی نبوت آکر نیا پروگرام دیتی تھی ___ آپ نے جو پروگرام دیا وہ اتنا مکمل ہے کہ اب اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ تو تکمیلِ دین ہے۔ دین نیا لے کر نہیں آئے۔ دین وہی ہے جو سارے انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ شریعت مکمل لے کر آئے جو پروگرام کہلاتا ہے' وہ نیا اور مکمل لے کر آئے۔ اب اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جب کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ اسے جو کرتہ پہنائیں گے' وہ بالشت بھر کا ہوگا' لیکن اس کے بعد جب وہ چھ مہینے کا ہوگا' تو کرتہ ڈیڑھ بالشت کا ہوگیا۔ اس کے بعد جب وہ آٹھ برس کا ہوا تو گز بھر کا کرتہ پہننے لگا۔ بچہ تو وہی ہے بعینہٖ جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ آٹھ برس پہلے بھی وہی تھا چار برس پہلے بھی وہی تھا۔ کرتے بدل رہے ہیں' اس کی پیمائش بڑھ رہی ہے۔ بچہ وہی ہے ___ پھر چودہ برس کا ہوا تو سوا گز کا کرتا ہوگیا۔ اور جب تینتیس برس کا جوان ہوگیا' جو نشوونما کا انتہائی وقت ہے۔ اس وقت کرتے کی پیمائش بالکل آخری اور مکمل ہوگئی' اب گھٹنے بڑھنے کا کوئی سوال نہیں' کیونکہ اب گھٹنا بڑھنا ختم ہوگیا ___ جتنا قدو قامت ہونا تھا' وہ ہوگیا' اب جو کرتے کی پیمائش ہے' وہ مرتے دم تک ایک ہی رہے گی۔ اس میں اب کمی بیشی نہیں ہوگی۔

تو دین کو ایک بچے کی مانند سمجھو۔ آدم علیہ السلام جو دین لے کر آئے' وہ یہی اسلام تھا' لیکن اس وقت یہ چھوٹا سا تھا۔ پیدا ہوا ہی تھا۔ اس کے لئے شریعت بھی چھوٹی رکھی گئی۔ بالشت بھر کا کرتہ اس کے لئے کافی تھا ___ عارضی طور پر وہ اس کے بدن کے اوپر پھب گیا جوں جوں اسلام کا قدو قامت بڑھتا گیا شریعتیں یعنی کرتے بھی بڑھتے رہے۔ تو آدم علیہ السلام کے زمانے کی شریعت بہت مختصر اور معمولی سی تھی ___ حدیث میں ہے کہ ایک وقت کی نماز تھی' اور وہ بھی مکمل صورت نہیں تھی جو اب اسلام میں ہے ___ بس اللہ کے آگے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاؤ' نیاز مندی سے کھڑے ہو جاؤ' یا اوندھے منہ لیٹ جاؤ' یہ کافی ہے ___ یہ قیام' رکوع' تشہد' قومہ' جلسہ اور یہ سجدہ' یہ چیزیں آدم علیہ السلام کی شریعت میں نہیں تھیں۔ جیسا اسلام' دین چھوٹا سا تھا' پیدائش ہی ابھی ہوئی تھی' ویسی ہی شریعت تھی۔ گویا لباس بھی اس کا چھوٹا تھا ___ جب اسلام کا قدو قامت بڑھا' اور ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ شریعت بھی ذرا پھیل گئی ___ موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا۔ دین کا قدو قامت بڑھا۔ تو شریعت کا لباس بھی وسیع ہوا۔ اور فرمایا وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہم نے دین کے اندر بہت تفصیل کر دی۔ اور جب آخری زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آیا تو دین کا نشوونما ختم ہو کر جوان ہوگیا۔ اب جو شریعت کی پیمائش ہے اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ یہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے جب کوئی تعلیم پائے۔ اور دوسری شریعتوں کا شریعتِ اسلام سے موازنہ کرے' بالکل زمین آسمان کا بیّن فرق معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک شریعت کے احکام معلوم ہوتے ہیں جیسے بچے ہیں اور شریعتِ محمدیؐ کے احکام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے جوان ہیں کہ ان کا قدو قامت مکمل ہے ___ وہ تفصیلات ہیں۔

توحید کی تکمیل

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شریعت پیش فرمائی' وہ دین کی تکمیل ہے۔ دین وہی ہے جو پہلے سے تھا۔ مگر اس میں کمال پیدا ہوگیا۔ یعنی مثلاً توحید ہے۔ ہر نبی نے توحید کا عقیدہ سکھلایا۔ کسی نبی نے شرک

کی تعلیم نہیں دی۔ سب نے یہی کہا کہ اللہ کو ایک جانو۔ لیکن توحید کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، کہ اللہ کو ایک جانو۔ اس کی ذات کو یکتا، اس کی شان یکتا، افعال یکتا، اس کو صفات و افعال کے لحاظ سے بھی یکتا جانو۔ ہر ہر چیز میں اسے یکتا سمجھنا چاہئے۔ جب اس کی ساری شانوں میں یکتائی ہے، تو اتنے ہی حقوق قائم ہوں گے، پھر عبادتیں بھی اتنی ہی ہوں گی۔ کہ قلب سے یوں عبادت کرو۔ زبان سے یوں عبادت کرو۔ قالب سے یوں عبادت کرو۔ اس لئے کہ جب اس کے حقوق بہت ہیں، اس کی شانیں بے حد ہیں۔ اس کے سامنے نیاز مندی کے سارے طریقے بھی مکمل ہونے چاہئیں ___ اسی طرح سے اور انبیاء علیہم السلام نے شرک سے روکا اور منع کیا۔ لیکن اسلام نے فقط شرک سے نہیں روکا، بلکہ شرک کے اسباب سے بھی روک دیا کہ وہ بھی منع ہیں۔ جن اسباب سے شرک کے پیدا ہونے کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ ان کو بھی رد کر دیا۔ جہاں شرک کا وہم بھی ہو سکتا تھا۔ اس وہم کو بھی ختم کیا۔

اسبابِ شرک کو بھی شریعتِ محمدی میں قطع کر دیا گیا

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے۔ حج کا زمانہ تھا۔ اور مطاف کے اندر ہزاروں آدمی طواف میں مشغول تھے، جو لوگ حج کر کے آئے ہیں انہیں معلوم ہے۔ بیت اللہ کے اردگرد سات پھیرے کئے جاتے ہیں۔ اس کو طواف کہتے ہیں۔ حجرِ اسود ایک جنت کا پتھر ہے، اس کو چوم کر پھیرا شروع کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر آکر ختم کیا جاتا ہے۔ ہر پھیرے پر اس کی تقبیل کرتے اور چومتے ہیں ___ تو لوگ دوڑ رہے تھے، حجرِ اسود کے اوپر جھک رہے تھے۔ اور عوام الناس حجرِ اسود پر زیادہ جھکتے ہیں، چاہے طواف ملے نہ ملے مگر اس کا چومنا مل جائے۔ اتنا ہجوم ہوتا ہے کہ لڑائی تک کی نوبت آتی ہے۔ تو لوگ ہجوم کر رہے تھے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بالکل ایسی شان ہو گئی۔ جیسے حجرِ اسود کی پوجا اور عبادت کر رہے ہوں۔ بس وہیں کھڑے ہو کر للکارا، ایک دم طواف رک گیا، اور حجرِ اسود کو خطاب کیا۔ فرمایا :

> انی اعلم انک حجر لاتنفع ولاتضر لولا انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک ماقبلک۔
>
> "میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ تجھ میں نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھتا کہ آپؐ نے تجھے چوما۔ تو میں کبھی نہ چومتا"۔

ہمارا نفع نقصان قطعاً تیرے قبضے میں نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے ___ مطلب یہ کہ اتباعِ سنت کے لئے چوم رہا ہوں۔ عبادت کے لئے نہیں۔ لوگوں کے خیالات درست ہو گئے۔ وہ جو لوگ یہ سمجھ رہے تھے، یا سمجھنے کا اندیشہ تھا کہ شاید اسی پتھر کی عبادت مقصود نہ ہو۔ پھر بت پرستی اور خدا پرستی میں فرق کیا رہتا؟ اس کو رد کر دیا ___ تو اتنے اتنے احتمالات کے اوپر اسلام نے روک ٹوک کی ہے۔ شرک تو بجائے خود ہے۔ شرک کا وہم بھی پیدا ہو۔ اس کو بھی رد کرنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ میدان میں نماز پڑھی۔ تو مسئلہ آپ کو معلوم ہے کہ سُترہ سامنے رکھ لیتے ہیں۔ کوئی لاٹھی کھڑی کر لی، کوئی پتھر کھڑا کر لیا۔ تاکہ آنے جانے والے نمازی کے سامنے نہ آئیں، بلکہ اس کی وجہ سے باہر باہر سے چلے جائیں۔ مقصد یہ کہ نمازی کے آگے سے جو گزرے گا، تو وہ بندے اور خدا کے درمیان رابطہ ہے وہ قطع ہو جاتا ہے، تشویش پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن جب سُترہ کھڑا کر لیا۔

اور جائے والا سُترہ سے باہر چلا گیا۔ اب قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے سنت طریق یہ ہے کہ کوئی سُترہ رکھ لو۔ لاٹھی رکھ لو یا پتھر رکھ لو ___ تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہٗ نے بھی سامنے سُترہ رکھا۔ ایک پتھر کھڑا کر لیا۔ لیکن پتھر دائیں مونڈھے کے سامنے کھڑا کیا' اور لوگوں کو حکم دیا کہ دائیں مونڈھے کے سامنے یا بائیں مونڈھے کے سامنے پتھر رکھو۔ بالکل ناک کے سامنے مت رکھو۔ فرمایا ناک کی سیدھ میں رکھو گے تو کسی کو وہم ہوگا کہ کہیں پتھر کی تو عبادت نہیں کی جارہی۔ اس وہم سے بھی بچو ___ تو یہاں پر اسبابِ شرک کو بھی رَد کیا ہے۔ فقط شرک ہی کو رَد نہیں کیا۔ ورنہ ظاہر ہے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہٗ جو نماز پڑھ رہے تھے۔ ان کے قلب میں تو شرک کا وہم بھی نہیں تھا۔ جلیل القدر صحابی ہیں' ان سے زیادہ مُتبعِ سنت کون ہے؟ یہ احتمال بھی نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ عبداللہ ابن عمرؓ کے قلب میں کوئی شرک کا وہم تھا ___ لیکن صورت بھی ایسی نہیں بنانی چاہئے۔ ناک کی سیدھ میں پتھر رکھنے سے شرک کی صورت بنتی تھی۔ اس صورت کو ختم کر دیا' تو بعید سے بعید احتمالات کو بھی قطع کر دیا کہ کسی طرح شرک قلب کے اندر گنجائش نہ پانے پائے۔ قلب اس سے بری رہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الشّرک اخفٰی من دبیب النّمل ___ اتنا باریک باریک شرک ہے جیسے ایک چکنے پتھر کے اوپر چیونٹی ہے۔ تو اس کے چلنے کی آواز نہیں آتی۔ اتنی باریک آواز ہوتی ہے کہ آپ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔ فرمایا جتنی وہ باریک چال ہے' شرک اس سے بھی زیادہ باریک چال ہے۔ بعض دفعہ آدمی شرک میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میں شرک میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ مثلاً فرمایا اگر کوئی شخص نماز پڑھنے لگے اور دل میں یہ جذبہ ہو کہ لوگ یوں سمجھیں کہ بڑا عبادت گزار ہے۔ فرمایا الرّیاء شرک ریاء خود شرک ہے۔ یہ خدا کی نماز نہیں پڑھ رہا' بلکہ بندے کی نماز پڑھ رہا ہے۔ لوگوں کو دکھلانے کے لئے تاکہ یہ مجھے عبادت گزار سمجھیں۔ اب ریاء اور دکھلاوا کرنے والا ذہن میں تصوّر نہیں کرتا میں شرک کر رہا ہوں۔ وہ تو دیکھنے والوں کی عبادت ہو رہی ہے' جن کو وہ دکھلا رہا ہے۔ تو ریاء بھی ایک شرک ہے مگر یہ ظاہری اور کھلا ہوا شرک نہیں۔

اور ایک شرک اس سے بھی زیادہ باریک ہے۔ یعنی کوئی بھی دیکھنے والا نہ ہو' اور پھر بھی شرک پیدا ہو جائے۔ اس کو عُجب کہتے ہیں۔ یعنی آدمی تنہا عبادت کر رہا ہے دل میں غرور ہے کہ میں ایسی عبادت کر رہا ہوں کہ آج تک کسی نے نہیں کی۔ گویا میں ہی دنیا میں ایسی عبادت کرنے کو پیدا ہوا ہوں۔ فرمایا یہ شرک ہے۔ یہ اپنے نفس کے لئے عبادت کر رہا ہے' خدا کے لئے نہیں۔ اس کے نفس میں غرور اور پندار پیدا ہو رہا ہے۔ اور اپنے نفس میں بڑائیاں مار رہا ہے کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں۔ اتنی بڑی عبادت کی۔ جب یہ خود خدا کے سامنے کھڑا ہو کے بڑا بننے لگا' اس کی بڑائی کا تو انکار کر دیا۔ اپنے نفس کو اس کی بڑائی میں جگہ دے دی۔ یہ بھی شرک پیدا ہوا۔ اس تک کو اسلام نے قطع کیا ہے کہ جب تنہا کھڑا ہو' تو عُجب اور خود بینی نہ ہو کہ اپنے کو دیکھ کر نماز پڑھو۔ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو تو لوگوں کے دِکھلاوے کے لئے مت پڑھو' کہ وہ بھی شرک ہے۔ اگر ضرورت ہو تو مُستتر رکھو۔ اس کو بھی ایسے انداز سے مت رکھو' کہ وہاں شرک کی صورت بھی بن جائے۔ تو شرک کی صورت بھی درست نہیں۔ حقیقی شرک تو کیا درست ہوتا؟ اور مذاہب نے بھی شرک کو رَد کیا ہے۔ مگر دُور دُور کے اسباب کو رَد نہیں کیا۔ اسلام نے ان کو بھی رَد کیا تاکہ توحید مکمل ہو کر دنیا کے سامنے آئے ___ وحدانیت کی تکمیل اسلام (شریعتِ محمّدی علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) نے پیش کی ہے۔ صرف توحید پیش نہیں کی' توحید تو پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی پیش کر گئے۔ مگر اس توحید کو اتنا مکمل بنا دیا کہ ظاہر اور

باطن میں شرک کی کچھ گنجائش باقی نہیں رہی۔

اس مذہب میں تصویر حرام کی گئی کہ اس سے شرک کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تصویر ہی سے شرک کی ابتدا ہوئی ہے ___ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پہلے شرک پیدا ہوا ہے۔ ان کی قوم میں پانچ بزرگ تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا، قوم نے ان کے بُت بنا کے عبادت گاہوں میں رکھ دیئے تھے۔ کہا ان کی صورتیں دیکھ دیکھ کے ہمیں خدا یاد آئے گا، جیسے ان کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا تھا ___ پہلی نسل تو ان کو دیکھ کر خدا کو یاد کرتی رہی۔ ان کی عبادت انہوں نے نہیں کی۔ مگر جب دوسری نسل آئی، ان کے دلوں میں وہ علم و معرفت نہیں تھا، جو ان کے بڑوں میں تھا، تو کچھ تعظیم انہوں نے مورتیوں کی شروع کی جو عبادت گاہوں میں رکھی ہوئی تھیں، کچھ خدا کی طرف جھکے۔ اب جب تیسری نسل آئی، تو خدا کو تو بھول گئے۔ اور ساری عبادت ان بتوں ہی کے لئے رہ گئی۔ یہیں سے شرک کا قصہ چلا۔ تو شرک کی ابتدا انہی چیزوں سے ہوئی ہے۔ ابتداً تصویر رکھ لی گئی۔ پھر وہ شرک کا ذریعہ بن گئی۔

اور اسی طرح سے دنیا کی قومیں بہکتی ہیں، کہ کسی بزرگ نے غلبۂ حال میں کسی کام پر عمل کر لیا۔ بعد والوں نے اسے قانون بنا کر اسی پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور شرک میں مبتلا ہو گئے، تو ان کے بزرگوں نے تصویر یادہانی کے لئے رکھی تھی، عبادت کے لئے نہیں۔ مگر بعد والوں نے ان کی صورت کو اختیار کر لیا کہ وہ بتوں کے آگے جھک رہے تھے۔ للذا ہم بھی جھکیں۔

یہی صورتیں ہوئی ہیں کہ درختوں کی پوجا شروع ہوئی۔ کسی بزرگ نے کسی درخت کے نیچے بیٹھ کے عبادت کی ہوگی۔ اس کے ماننے والے معتقدین نے اس درخت کی عظمت شروع کی۔ انہوں نے فقط تعظیم کی۔ ان کے بعد والوں نے اس کو پوجنا شروع کر دیا۔ آج ہندوؤں میں پیپل کا درخت واجب العبادت ہے۔ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ ان کا کوئی بزرگ پیپل کے درخت کے نیچے عبادت کرنے بیٹھا ہوگا۔ انہوں نے پیپل ہی کی عبادت شروع کر دی، وہی معبود بن گیا ___ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اس چیز کو سمجھا۔ حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت جہاد کی۔ آپؐ کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کے نیچے بیٹھ کر بیعت لی۔ وہ وقت ختم ہو گیا۔

یہ واقعی اثری بات ہے کہ بزرگ اور اہل اللہ جہاں بیٹھ جاتے ہیں، وہاں بھی برکت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ تو سید الاوّلین والآخرین کسی جگہ بیٹھیں اور وہاں برکت نہ ہو؟ یہ ناممکن تھا۔ اس درخت کے اندر برکت کے آثار پیدا ہوئے، صحابہؓ نے یہ شروع کیا کہ جب ادھر سے گزرتے تو تبرکاً اس درخت کے نیچے دو رکعت نفل پڑھ کے جاتے۔ اگر نماز کا وقت نہ ہوا یا وقت مکروہ تھا۔ تو کم سے کم وہاں بیٹھ کے کچھ تسبیح و تہلیل ہی کر لیتے ہیں، کہ برکت حاصل ہوگی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے دیکھا کہ آج تو یہ صحابہ ہیں یہ تو عارفین ہیں اللہ اور رسول کی پہچان ہے یہ محض تبرکاً یہاں بیٹھتے ہیں درخت کی پوجا کرنے نہیں بیٹھتے۔ لیکن آئندہ نسلیں جو آنے والی ہیں، کیا خبر ہے ان کے دل میں یہ علم و معرفت نہ ہو، اور وہ اس درخت کی عظمت کر کے اسی کی پوجا کریں۔ حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ دو۔ درخت کٹوا دیا ___ صحابہ کرامؓ کو ناگوار ہوا کہ ایک بابرکت درخت کٹوا دیا ___ فرمایا ___ یہ تمہارے نزدیک بابرکت ہے۔ اگلوں کے نزدیک یہی عبادت کا ذریعہ بنے گا۔ اور کیکر کا درخت معبود بن جائے گا۔ پوجا شروع ہو جائے گی ___ دنیا کی اقوام اسی طرح سے بہکی ہیں ___ کہیں درخت معبود بنا ___ وہ اسی طرح سے کہ کسی بزرگ نے وہاں برکت حاصل کرنے کے لئے قیام کیا۔ معتقدین و متوسلین نے نیک نیتی سے اس چیز کی عظمت سے فائدہ اٹھایا۔ بعد والوں میں نہ وہ نیکی رہی، نہ وہ نیت رہی۔

ھوں نے اس چیز کو معبود بنالیا۔ یہیں سے شرک کی ابتدا ہو گئی۔

ہمارے دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرّس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جو عارفِ کامل' صاحبِ کشف و کرامت بزرگ اور اولیائے کاملین سے تھے۔ تو مولانا کے مزاج میں کچھ جذوبیت سی تھی۔ جیسے مجذوب ہوتے ہیں کہ آدھے باؤلے سے آدھے عقلمند سے۔ اس طرح سے ایک ذب کا مادہ تھا۔ آنکھیں سرخ رہتی تھیں۔ اور ایک کیفیت طاری ___ جس چیز کی لٹک گئی وہ لگ جاتی تھی۔ یک دن بیٹھے تھے یہ چیز ذہن میں آگئی کہ اس کی تحقیق کرنی چاہئے کہ یہ گنگا کہاں سے نکلی ہے؟ ہندوستان میں بڑا دریا ہے' ہندو گنگا کی پوجا کرتے ہیں۔ اس کے پانی کو بڑا باعظمت جانتے ہیں۔ اس کو سامنے رکھ کر پوجا رتے ہیں۔ اس کی بڑی عظمت ان کے دلوں میں ہے۔ اس کو گنگا مائی کہتے ہیں کہ یہ ہماری ماں اور اصل ہے ___ جب وہ پانی لے کر گنگا سے چلتے ہیں' جب تک پانی کندھے پر رہتا ہے تو جوتا نہیں پہنتے، زمین پہ بیٹھتے یں۔ کھڑے کھڑے اس کو لاتے ہیں ___ اتنی عظمت کرتے ہیں ___ تو مولانا مرحوم کے دل میں یہ ایک ذبہ پیدا ہوا کہ یہ گنگا کہاں سے نکلی ہے؟۔ اور اس کے نکلنے کا کیا سبب ہوا ہے ___ ؟ حالانکہ اس کی تحقیق یک غیر ضروری بات تھی۔ مگر ایک لٹک لگ گئی' تو رات کے بارہ بجے چارپائی سے اٹھ کے گنگا کی تحقیق کے لئے روانہ ہو گئے۔

دیوبند سے گنگا چالیس میل کے فاصلے پر بہتی ہے۔ چالیس میل کے سفر کے ارادہ سے رات کو بارہ بجے ارپائی سے اُٹھ کر روانہ ہو گئے۔ صبح کو جب مولانا درس میں نہ آئے تو سارے دار العلوم میں ڈھونڈ پڑی کہ ولانا کہاں ہیں' مولانا کا کہیں پتہ نہیں' طلبہ پریشان' مدرّسین پریشان کہ ہمارا صدر مدرّس کہاں گیا۔ آدمی بھیجے لئے' کسی کو نانوتے' کسی کو گنگوہ' مولانا کا کہیں پتہ نہیں۔ لوگ سخت حیران۔ بعضے تو رو پڑے کہ خدا جانے کیا لزری۔ اور مولانا گنگا کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ پورا ایک دن ایک رات لگا۔ پورے چوبیس گھنٹے کا پیدل سفر ر کے وہاں پہنچے۔ وہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں نیچے کو ہے' گنگوتری اس کو کہتے ہیں' وہاں سے چشمہ گنگا کا پھوٹا ہے اور چونکہ گاؤں کا نام گنگوتری ہے۔ اسی مناسبت سے گنگا اس کو کہتے ہیں۔ تو گاؤں یں پہنچے' جہاں سے یہ دریا نکل رہا ہے۔ اور چشمہ ہے' ___ وہاں مولانا نے سات دن قیام کیا۔ نماز میں اور لاوت میں سات دن لگے رہے۔ رات دن کامل عبادت کی' چونکہ خود بھی بزرگ تھے' تو حال منکشف ہوا کہ نگا کیوں نکلی؟ کیا بات ہوئی؟

فرمایا کہ مجھ پر منکشف ہوا کہ جہاں سے گنگا نکلی ہے یہاں یا تو کسی نبی کی قبر ہے یا کسی نبی کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اُس برکت کے آثار ہیں۔ اِس لئے چشمہ نکلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کی قوم مبتلا ہے ___ تو گنگا کا چشمہ سی پیغمبر کی دعا سے نکلا ہو گا۔ اس میں کچھ برکت کے آثار آئے۔ لیکن قوم نے جہالت سے اس پانی کو معبود بجھ لیا' ابتدا میں اس کی تعظیم و وقعت کی ہو گی۔ اور جب علم و معرفت دل میں باقی نہ رہا' وہی معبود بن گیا' ابلِ پوجا بن گیا۔ اسی کے سامنے سجدے شروع ہو گئے ___ یہ امتِ مسلمہ پر اللہ کا رحم ہے کہ وہی نوعیت کہ مکرمہ میں آبِ زمزم کی ہے جو ہندو گنگا کو سمجھتے ہیں۔ لیکن اللہ کا فضل ہے آج تک آبِ زمزم کی پرستش سی نے نہیں کی' یا پوجا کی ہو' یا زمزم سامنے رکھ کر کسی نے سجدے کئے ہوں' عظمت و توقیر کرتے ہیں۔ شرعاً کم ہے کہ پانی بیٹھ کر پیو' مگر یہ پانی تبرکاً کھڑے ہو کر پیو۔ یہ سب کچھ ہے۔ لیکن یہ کہ اس سے' سلہ ان مرادیں نگتے ہوں' اے زمزم! ہمیں بیٹا دے دے۔ یا اے زمزم! روٹی دے دے۔ یہ کوئی نہیں کرتا۔ معبود نہیں انتے۔ یہ محض اللہ کا اس امت کے اوپر فضل ہے' اس امت میں بھی برکت کی چیزیں آئی ہیں مگر پوجا اور

عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات کو سمجھتے ہیں۔ غیر اللہ کے آگے نہیں جھکتے۔

وہ کیوں ___ ؟ اس لئے کہ اسلام نے نہ صرف شرک سے روک دیا، بلکہ شرک کے دُور دُور کے اسباب کو بھی قطع کر دیا ہے کہ شرک پیدا نہ ہونے پائے۔ اس لئے یہ امت کامل توحید پر قائم ہے۔ اگر اسلام اسبابِ شرک کو نہ روکتا تو ہم بھی انہی چیزوں میں مبتلا ہوتے، جس میں دوسری اقوام مبتلا ہوئیں۔ ہر درخت کو پوجتے۔ ہر پانی کو پوجتے۔ ہر پتھر کے آگے جھکتے، اور جہاں کچھ طبقات میں جہالت ہے، وہ اب بھی ایسا کرنے سے باز نہیں رہتے۔ لیکن مجموعی طور پر امت الحمد للہ کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ لوگ نادانی اور جہل کی وجہ سے غلطیاں کرتے ہیں۔ مگر اصل دین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے ہیں۔ وہ موجود ہے۔ وہ قیامت تک رہے گا۔ اصل دین میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ اسلام نے توحید کو لیا۔ شرک کو رَد کیا۔ اور شرک کے دُور دُور کے اسباب تک کو رَد کر دیا۔ صحابہؓ کے زمانے سے ہی روک تھام شروع ہو گئی تھی۔ حدیث میں ایک واقعہ ارشاد فرمایا گیا، کہ دمشق میں ایک پیغمبر کی قبر تھی۔ وہ اتفاق سے کھلی، پانی برسنے سے یا کسی اور وجہ سے۔ اس میں سے ایک کتاب نکل آئی۔ اس کتاب میں کچھ قواعد ایسے لکھے ہوئے تھے کہ آئندہ کی کچھ خبریں اس سے معلوم ہو سکتی تھیں۔ کسی آدمی نے اس کو پڑھ کر بتلایا کہ کل کو یوں ہوگا، پرسوں یوں ہوگا۔ اس سے لوگوں کے اندر فتنہ پھیلنا شروع ہوا۔ اور اس شخص نے دعویٰ کر دیا کہ میں خود پیغمبر ہوں۔ دیکھو میں تین دن کے بعد بات بتا رہا ہوں، کہ یہ ہوگا۔ ہفتہ بعد یوں ہوگا۔ اس کتاب سے دیکھ دیکھ کے اس قسم کی باتیں شروع ہوئیں۔ لوگوں میں فتنہ پھیلا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی ___ تو مدینہ طیبہ سے مستقل شام کا سفر فرمایا۔ اور بیت المقدس پہنچے۔ اس شخص کو بلوایا گیا۔ کتاب اس سے لی گئی۔ اس کتاب میں کچھ قواعد ایسے لکھے ہوئے تھے کہ جن کے ذریعے سے آئندہ کی کچھ معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ مگر ظاہر ہے کہ قواعد کے ذریعے سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ وہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتی، وہ قیاسی ہوتی ہیں، جیسے ایک طبیب طِب کے لحاظ سے پیشین گوئی کر دے کہ فلاں مریض تین دن میں مر جائے گا۔ یہ کوئی غیبی الہام نہیں ہوتا کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ قیاسی چیز ہے ہو بھی سکتی ہے، ممکن ہے نہ بھی ہو۔

بہت سے لوگ سیاسی پیشین گوئیاں کیا کرتے ہیں کہ دو برس کے بعد فلاں حکومت کا یہ حشر ہونے والا ہے۔ وہ اپنے تجربات اور سیاسی قواعد سے پیشین گوئی کرتے ہیں۔ وہ غیبی الہام نہیں ہوتا کہ اس کا یقین کرنا اور اس کا عقیدہ بنانا ضروری ہو۔ ہر صاحبِ فن اپنے فن کے لحاظ سے کچھ پیشین گوئیاں کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے علماء نے کچھ قواعد لکھے ہیں۔ ان کے ذریعے سے بعد کی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ کچھ مستقبل کی چیزوں کا پتہ چل سکتا ہے۔

اسلام نے ان چیزوں سے اس لئے روک دیا کہ یہ قیاسی چیزیں ہیں۔ قطعی نہیں ان پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہو جائے، ہو سکتا ہے اس کے خلاف ہو۔ مؤمن کا کام یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔ جو خبر اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی ہے یقینی ہے باقی اور کوئی چیز قطعی اور یقینی نہیں ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے وہ کتاب پیش کی گئی۔ فرمایا۔ جہاں یہ قبر کھلی ہے وہاں گیارہ قبریں کھدوائی جائیں۔ گیارہ قبریں کھدوادی گئیں۔ اور اعلان کیا کہ جن پیغمبر کی نعش مبارک ظاہر ہوئی ہے اور وہ اوپر آ گئی ہے۔ ان کو دفن کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ قبر جو تھی، اس میں سے نعش نکالی گئی اور رات کو جب تمام سو گئے، تو کسی قبر میں دفن کر دیا، اور کتاب بھی ان کے ساتھ دفن کر دی۔ اوپر سے ساری زمین برابر کر دی گئی۔ لوگوں کو اب یہ پتہ نہیں چلا کہ کون سی قبر میں وہ کتاب دفن کی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئی۔ یہ اس

لئے پیش بندی کردی کہ اگر وہ کتاب رہ جاتی' لوگ اس سے فتنہ پھیلاتے اس سے پیشین گوئیاں کرتے کہ ہم نبی ہیں۔ ہم پر الہام ہوا ہے' اس سے ختم نبوت کا انکار ہوتا۔ تو دور سے پیش بندی کر کے اس سلسلہ ہی کو قطع کردیا کہ لوگ پہنچنے ہی نہ پائیں۔

بہرحال اس قسم کے اسباب کو رد کرنا' یہ اسلام نے توحید کی تکمیل کے لئے کیا۔ تاکہ مکمل ہو کے توحید دلوں کے اندر آئے۔

اسبابِ معاصی بھی حرام ہیں

یہی وجہ ہے کہ ایسی تعظیم سے بھی روکا جس سے شرک کا واہمہ بھی پیدا ہو۔ جیسے فقہاء لکھتے ہیں کہ جب سلام کرو تو جھک کے مت کرو۔ مسلمانوں کا سلام "السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ" ہے۔ یہ جھکنا جھکانا نہیں ہے۔ تھوڑا سا کوئی جھک جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر اتنا جھک گیا کہ رکوع کی شکل پیدا ہو گئی' اس شخص کو سزا دی جائے گی کہ اس نے عبادت کی شکل پیدا کردی۔ حالانکہ انسان کے لئے عبادت نہیں رکھی گئی۔ تو سلام میں رکوع کی شکل پیدا ہو جانا' یہ مکروہ تحریمی کیا ہے۔ اس سے شرک کے پیدا ہونے کا احتمال ہے ___ یہاں تک پیش بندی کی۔ اور دُور تک اسباب کو قطع کیا۔

اسی طرح سے معاصی اور زنا میں بھی کیا گیا ہے کہ زنا سے روکنا مقصود ہے لیکن اس کے روکنے کے لئے جو اسبابِ زنا تھے' ان کو بھی حرام قرار دیا۔ اجنبی عورت پر ارادے سے نگاہ ڈالنا' یہ بھی ممنوع ہے۔ اس کو ہاتھ لگانا' یہ بھی ممنوع۔ اس کی آہٹ پر چلنا' یہ بھی ممنوع۔ حالانکہ اصل میں عورت کو دیکھنا کوئی ممنوع چیز نہیں ہے' یہ بُری بات نہیں ہے۔ وہ برا فعل ہے' جس کو زنا کہتے ہیں۔ مگر چونکہ بسا اوقات یہ اصل فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے اس سے بھی روک دیا۔ فرمایا عورت خوشبو لگا کر سڑک کے اوپر نہ نکلے۔ اس لئے کہ خوشبو ایک دعوت ہے کہ مجھے دیکھیں' خوشبو جب ناک میں پہنچے گی' لوگوں کی توجہات منعطف ہوں گی۔ تو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کی مثال حکمِ زانیہ کی ہے۔ گویا زنا کر رہی ہے کہ زنا کی دعوت لوگوں کو دے رہی ہے' اس حد تک روک دیا گیا ___ تو باہر نکلنا' یا خوشبو لگا کے نکلنا' یا ایسے زیورات پہن کے نکلنا' جس کی آواز دوسروں کے کانوں تک پہنچے' ان سب چیزوں سے روکا۔ تاکہ اصل فعل سے آدمی رک جائے۔ روکنا زنا کا مقصود ہے۔ یہ چیزیں اپنی ذات سے ناجائز نہیں تھیں۔ اس لئے روک دی گئیں' کہیں ذریعہ نہ بن جائیں۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں سدِ ذرائع کہتے ہیں۔ یعنی وسائل کو روک دو تاکہ آدمی مقاصد تک نہ پہنچنے پائے ___ روکنا تو چوری کا مقصود ہے کہ دوسرے کا مال نہ لے۔ لیکن تاک لگانا' کسی مکان میں ٹوہ لینا' نقب لگانا' دیوار میں دیکھنا کہ اینٹ کہاں سے ٹوٹ سکتی ہے' مال اسباب کہاں کو رکھا ہوا ہے۔ اس دیکھنے کو ممنوع و حرام قرار دے دیا۔ اس لئے کہ جو آج دیکھ رہا ہے' وہ کل چوری بھی کرے گا۔ یہی چیزیں ذریعہ بنیں گی۔ تو چوری کو روکنے کے لئے جتنے اسباب اور دواعی تھے' ان سب کو ممنوع اور ناجائز قرار دے دیا گیا۔

حدیث میں ہے کہ من اتی عرّافاً فقد کفر بما انزل علی محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلّم جو جادوگر کے پاس گیا' اس نے شریعتِ محمّد کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ جادوگر کے پاس جانا اپنی ذات سے کفر نہیں۔ اس لئے کہ جب وہ اس کے پاس گیا تو اس نے توحید کا انکار نہیں کیا۔ نبوّت' قیامت اور فرشتوں کا انکار نہیں کیا۔ ایمان کا تعلق تو ان چیزوں سے ہے۔ جب یہ ساری چیزیں موجود ہیں پھر کیسے کفر کیا ___ فرمایا

گیا اس لئے کہ جو آج کسی جادوگر کے پاس جائے گا' تو سب سے پہلے تو جادو کی برائی دل سے نکلے گی' وہ جو دل میں بیٹھا ہوا تھا کہ جادو کرنا حرام ہے۔ وہ حرمت دل سے نکلے گی۔ دوسرے دن جا کے وہ اسے یوں کہے گا کہ ایک منتر مجھے بھی سکھلا دو' تو ایک منتر سیکھ لیا' تیسرے دن جائے گا تو خود منتر کرے گا۔ اور چوتھے دن اچھا خاصا جادوگر بن جائے گا۔ اور کفر میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس سے بچانے کے لئے یہیں سے روکا کہ جادوگر کے پاس جانا ہی کفر کی چیز ہے ___ اس کو کہتے ہیں کسی عمل کی تکمیل۔ کہ اس کے دُور دُور کے اسباب کو بھی روک دو' تاکہ اصل برائی کے اندر مبتلا نہ ہونے پائے۔

روکنا شراب سے مقصود تھا۔ فرمایا ما اسکر کثیرہٗ فقلیلہٗ حرام ___ جس چیز کے زیادہ حصے میں نشہ ہے' اس کا کم حصہ بھی ناجائز اور حرام ہے یعنی شراب کا گلاس پینا حرام ہے۔ ایک قطرہ چکھنا بھی حرام ہے۔ اس کو نجس العین کہا گیا ہے۔ جیسے خنزیر نجس العین ہے کہ اس کی ذات ہی ناپاک ہے اسی طرح شراب کو بھی فرمایا گیا کہ اس کی ذات اور جوہر بھی ناپاک ہے۔ اس لئے فرمایا ایک قطرہ بھی اسی طرح سے حرام ہے جس طرح سے ایک گھونٹ اور ایک جام پینا حرام ہے۔

لیکن اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شراب اس لئے حرام کی کہ نشہ لاتی ہے۔ اور نشے میں آدمی کی عقل جاتی رہتی ہے۔ مگر ایک قطرہ چکھنے سے تو نشہ نہیں پیدا ہوتا' پھر یہ کیوں حرام ہے؟ ___ وہ یہی وجہ کہ جس نے آج ایک قطرہ پیا۔ وہ کل کو ایک گھونٹ پیئے گا۔ جو کل کو ایک گھونٹ پیئے گا' پرسوں کو ایک گلاس بھی پیئے گا۔ جو پرسوں کو ایک گلاس پیئے گا' وہ چوتھے دن جا کر شراب خورا بن جائے گا۔ تو شراب خورا بننے سے روکنے کے لئے ایک قطرے کو بھی ممنوع قرار دے دیا' تاکہ ابتدا سے آدمی رک جائے۔

پھر یہی نہیں کہ شراب کا ایک قطرہ یا ایک گھونٹ ہی پینا حرام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں چار قسم کے برتن تھے' جن میں شراب پی جاتی تھی۔ جیسے اس زمانے بھی شراب پینے کے کچھ مخصوص برتن ہوتے ہیں' جام اور صراحی اس کا الگ ہوتا ہے۔ ایسے ہی زمانہ جاہلیت میں چار قسم کے برتن تھے۔ حنتم' دُبّہ' نقیر' اور مزفّت۔

دُبّہ ایک خاص قسم کا کدو ہوتا تھا۔ جس کو اندر سے کھرچ کر کھوکھلا کرتے تھے۔ اس میں شراب رکھتے تھے' تو اس میں نشہ زیادہ پیدا ہوتا تھا ___ اسی طرح سے نقیر ایک خاص قسم کے درخت کی جڑ ہوتی تھی۔ اس کو کھود کر پیالہ بناتے تھے۔ اس پر روغن اور بہت عمدہ رنگ کر کے اس کو بیچتے تھے' اس میں شراب پی جاتی تھی' تو وہ اچھی معلوم ہوتی تھی۔

اسی طرح دوسرے برتن تھے ___ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس طرح سے شراب حرام ہے اسی طرح سے یہ چار برتن بھی حرام قرار دیئے گئے کہ ان میں پانی بھی مت پیئو۔ اس لئے اگر پانی پینے بیٹھے' ممکن ہے شراب یاد آجائے' اور شراب کی طرف توجہ ہو جائے ___ میرا مقصد یہ ہے کہ روکنا اصل حرام فعل سے مقصود ہے۔ اس کے جتنے اسباب تھے' دُور دُور سے انہیں روکا ہے تاکہ آدمی وہاں تک نہ پہنچنے پائے۔ تو شرک ایک قبیح فعل تھا' اس کو روکنے کے لئے اس کے جتنے اسباب تھے' ان سے بھی روک دیا' تاکہ انسان میں کمال توحید اور کمالِ تقویٰ پیدا ہو۔

یہ جو آپ نے سنا ہوگا کہ صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ ___ تو صغیرہ اور کبیرہ گناہ کی تعریف یہی ہے کہ ہر گناہ کے سلسلہ میں جو فعل اصل مقصود ہوتا ہے وہ تو کبیرہ ہے۔ اور جو اس کے اسباب ہوتے ہیں' وہ صغیرہ ہے ___ زنا تو کبیرہ گناہ ہے عورت کو دیکھنا' ہاتھ لگانا بُری نیت سے اس کی طرف چل کے جانا' یہ سارے گناہِ صغیرہ ہیں ___ اگر خدانخواستہ وہ اصل فعل واقع ہو گیا۔ تو یہ سارے گناہ لادے جائیں گے۔ اور سب کا وبال چکھنا

پڑے گا۔ لیکن اگر یہ سارے افعال سرانجام دیئے اور اصل فعل سے بچ رہا' تو یہ بھی سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ نیکیاں کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو شریعتِ اسلام نے فقط گناہ سے نہیں روکا' بلکہ ان کے اسباب یعنی صغیرہ گناہ سے بھی روکا ہے۔ تاکہ اس گناہ سے آدمی دُور دُور رہے۔ یہ اصل میں دین کی تکمیل ہے کہ اصل مقاصد کو روکنے کے لئے اس کے دواعی اور اسباب تک کو روکا اور مکمل قانون بنا دیا۔

اسبابِ فرائض پر اجر و ثواب ہے

اسی طرح سے جو فرائض ہیں۔ ان میں اصل مقصود تو فرض ہے۔ لیکن فرض کو انجام دینے کے لئے اسباب کا سلسلہ بچھا دیا۔ مثلاً اصل مقصود نماز ہے۔ یہ تو فرض ہے لیکن اس کے لئے شریعتِ اسلام نے کہاں سے سلسلہ چلایا۔ فرمایا گیا اگر ایک شخص لحاف میں پڑا ہوا سو رہا ہے۔ اور اذان ہوئی۔ تو جب موذن حیّ علی الصلوٰۃ کہے' جبھی بستر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر یہ خیال ہوا کہ ابھی یہ اذان دے رہا ہے۔ ابھی پانچ منٹ اذان ہی میں لگیں گے۔ اس کے بعد پندرہ منٹ نماز میں۔ ذرا اور سو جاؤں ___ تو سوتے سوتے وہ آدھ گھنٹے سوئے گا۔ جماعت بھی قضا ہو جائے گی۔ مسجد میں جانا ہی نصیب نہیں ہو گا۔ تو وہاں سے پکڑا ہے کہ جب حیّ علی الصلوٰۃ کی آواز آئے' جبھی اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ آسانی اسی میں ہے۔ اس کے بعد آدمی نے وضو کیا۔ فرمایا گیا جب آدمی وضو کرنے بیٹھتا ہے' تو جس عضو کو آدمی دھوتا ہے' جو گناہ اس عضو سے کئے ہیں۔ وہ جھڑنے شروع ہوتے ہیں۔ ہاتھ سے گناہ کیا۔ جب ہاتھ دھوئے گا تو ناخنوں سے وہ گناہ جھڑیں گے۔ پیر دھوئے گا' تو پیروں کے گناہ جھڑیں گے۔ کلی کرے گا تو منہ سے جو گناہ کئے ہیں۔ وہ جھڑیں گے۔ ناک میں پانی دے گا' تو ناجائز سونگھنے کے جو گناہ کئے ہیں' وہ جھڑیں گے۔

حتٰی یخرج نقیًا من الذنوب۔

جب وضو کر کے اٹھے گا' تو ایسا پاک ہو گا گویا اس نے وہ گناہ کئے ہی نہیں تھے۔ یہ سب پاکی نماز کے لئے کی جا رہی ہے۔ پھر فرمایا گیا جب وضو کر کے آدمی چلا' تو مسجد تک جانے میں ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے' اور ایک بدی مٹا دی جاتی ہے۔ اب نیکیوں کا ایک ذخیرہ یہاں سے جمع ہوا' ___ پھر فرمایا گیا اگر مسجد میں بیٹھا ہے اور ابھی نماز نہیں ہوئی' دیر ہے۔ یہ انتظار کر رہا ہے۔ تو نماز کا انتظار کرنے والا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہے۔ انتظار کے وقت میں اتنا ہی اجر دیا جائے گا جتنا کہ نماز پڑھنے میں دیا جاتا ہے۔ یہاں سے ایک اجر کا ذخیرہ مہیا ہوا۔ تو وہاں سے ثواب کے وعدے دینے شروع کئے۔ کہ لحاف سے اٹھے تو اجر و ثواب' وضو کی تو ایک ایک عضو دھونے پر ثواب' مسجد گئے تو ایک ایک قدم پر ثواب مسجد میں انتظار کیا تو ایک ایک منٹ پر ثواب ___ تاکہ نماز کا وقت آ جائے۔ تو مقصود نماز کا ثواب دینا ہے ___ اس کے لئے ایک سلسلہ بچھا دیا کہ وہاں سے آدمی چلے۔ تاکہ نماز کے قضا ہونے کا کوئی احتمال باقی نہ رہے۔

تو جیسے ناجائز چیزوں میں روکنے کے لئے اسباب تک کو روک دیا۔ یہاں فرائض کے ادا کرانے کے لئے کچھ اسباب بھی کروائے تاکہ آدمی مکمل طریق پر اپنے دین کو انجام دے۔

یہ بات مجھے اس پر یاد آ گئی کہ سوال اس نے یہ کیا تھا کہ اسلام نے کوئی نئی چیز ہمیں کیا لا کر دی' جو ہم اس کی طرف متوجہ ہوں؟ میں نے کہا کہ دین نیا نہیں لا کے دیا۔ دین تو وہی ہے جو سارے انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اس دین کی تکمیل لا کر دی ہے۔ ہر ہر حکم کو اتنا مکمل کیا کہ وہ مستقل ایک قاعدہ اور ضابطہ بن گیا۔ توحید کی تکمیل' نماز کی تکمیل' صدقات کی تکمیل' حج کی تکمیل' سونے اور جاگنے کے اوقات کو عبادت سے مکمل

بنانا۔ یہ چیز اسلام نے لاکر دی ہے۔ اسی کی ہم دعوت دیتے ہیں۔ دوسرے مذاہب میں یہ چیز نہیں ملتی۔ اصل دین ملتا ہے۔ نیکی ملتی ہے۔ ہر مذہب کہے گا کہ زنا مت کرو' بہت بری بات ہے۔ کوئی بھی اجازت نہیں دے گا۔ لیکن بچنے کے طریقے کیا ہیں؟ قانون کا ایک لاثبہ سلسلہ یہ نہیں ملے گا۔ ہر مذہب کہے گا کہ شراب مت پیو' لیکن شراب کے لئے اسباب کیا ہیں جن سے شراب بنتی ہے اور جن سے پیتا ہے۔ ان سے اسلام نے روکا ایسی صحبت مت اختیار کرو جس میں شراب کی رغبت پیدا ہو۔ ایسے اوباش لوگوں کے پاس بیٹھو بھی مت' جو تمہیں شراب پینے پر ڈال دیں' اور تمہارے اندر رغبت پیدا کر دیں۔

ایک ایک شق اور سبب کو روک دینا ہر حکم میں یہی دیکھتے ہیں۔ ہر حکم ایک مستقل قانون بنا ہوا ہے۔ یہ ہے تکمیل دین۔ یہ تکمیل جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے آئی۔ تو کامل دین ایک مستقل نعمت' اور اس نعمت کے لانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس واسطے آپ کا دنیا میں آنا سب سے بڑی نعمت ہے۔

اللہ کی طرف سے ہدیہ

اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا انا رحمۃ مھداۃ میں اللہ کی ایک رحمت ہوں' جو بطور ہدیہ کے بندوں کے پاس بھیجی گئی ہے۔ اللہ کا ایک ہدیہ جو بندہ کو ملا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ تو اتنی بڑی نعمت دی گئی کہ جتنی عالم کی نعمتیں ہیں۔ سب اسی کے طفیل میں مل رہی ہیں۔ زندگی کی نعمت ملی' تب اسی کے طفیل ملی۔ جب آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ اگر انہیں پیدا نہ کرنا ہوتا' تمہیں بھی پیدا نہ کرتے۔ اگر آدمؑ کو پیدا نہ کرتے' ہم اور آپ کہاں سے آجاتے؟ ہمارا وجود اور زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہے۔ زندگی کے بعد جتنی کائنات میں نعمتیں ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ آتے کائنات نہ بنتی۔ تو وہ نعمتیں پھر آپؐ کے طفیل ہوئیں ___ ہمیں کھانا پینا جو بھی نعمتیں مل رہی ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مل رہی ہیں ___ اگر آخرت میں نعمتیں ملیں گی' وہ ایمان کی وجہ سے ملیں گی۔ ایمان حضورؐ نے لاکے دیا۔ پھر یہ ایک مستقل نعمت ہے۔ غرض دنیا سے لے کر قبر تک' اور قبر سے لے کر حشر تک نعمتوں کا ایک سلسلہ ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں سے ہے۔ اس لئے اس نعمت کا جتنا بھی ناز کیا جائے' وہ کم ہے' اور جتنا بھی حضورؐ کے حقوق کو پہچانا جائے اتنا ہی کم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بنیادی طور پر تین ہیں' جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ ایک عظمت' ایک محبت' ایک متابعت ___ عظمت یہ کہ آپ کو اتنا بڑا جانا جائے کہ کائنات میں کوئی اتنی بڑی ہستی نہیں ہے جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دوسری چیز محبت ہے۔ اگر محبت نہیں ہوگی تو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ آپؐ کا یہ حق ہے کہ ہم آپؐ سے محبت کریں۔ محبت کا یہ خاصہ ہے کہ فقط محبوب ہی محبوب نہیں ہوتا۔ محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہو جاتی ہیں۔ جس سے محبت ہوتی ہے' تو آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں صورت بھی ایسی بنالوں جیسی محبوب کی ہے۔ میں چال ڈھال بھی ایسی بنالوں جیسی محبوب کی ہے۔ میں رہن سہن کا ڈھنگ بھی وہ بنالوں جو میرے محبوب کا ہے۔ محبوب سے جب محبت ہوتی ہے تو فقط محبوب سے نہیں ہوتی' اس کی ہر ایک ادا سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس کا گھر در بھی محبوب بن جاتا ہے ___ جیسے مجنوں لیلیٰ کا عاشق بن گیا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ مجنوں لیلیٰ کے

مکان کی ایک ایک اینٹ چُومتا ہوا پھر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ بھئی! اینٹ میں کیا رکھا ہے؟ اس نے یہ شعر پڑھا ۔

امرّ علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذالجدار وذالجدارا

میں لیلیٰ کے مکان سے گزرتا ہوں تو کبھی اس اینٹ کو چومتا ہوں کبھی اس کو، کبھی دہلیز کو، کبھی اس کے کواڑوں کو ۔

وما حبّ الدیار شغفن قلبی
ولکن حبّ مَن سکن الدیارا

مجھے ان اینٹوں سے محبت نہیں۔ مجھے اس سے محبت ہے جو ان اینٹوں کے اندر بیٹھی ہوئی ہے ___ اس کی وجہ سے مجھے اینٹیں بھی عزیز ہو گئیں۔ وہ محبوب ہے تو اس کا مکان اور کتا بھی محبوب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں محبوب ہیں، تو مدینہ منورہ بھی محبوب ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے۔ مسجدِ نبوی ؐ بھی ہمیں محبوب ہے کہ وہ حضورؐ کی مسجد ہے۔ مدینہ کے رہنے والے بھی ہمیں محبوب ہیں، اور ہم انہیں اپنا مخدوم جانتے ہیں۔ اس لئے کہ حضورؐ کے پڑوسی ہیں۔ جب محبوب، محبوب ہے۔ تو ادائیں بھی محبوب، ان سے جن کو نام لگ گئے ہیں یا ان کی نسبت لگ گئی ہے، وہ بھی سب محبوب بن گئے۔ تو وہ وطن بھی، مکان بھی، اور وہاں کے باشندے بھی محبوب۔

سب سے بڑی نعمت کی عظمت پہچاننے والے

اور عظمت تو عظمت کرنے والوں نے کی۔ ہم تو دعویٰ ہی دعویٰ کرتے ہیں۔ حقیقی عظمت کرنے والے تو گزر گئے۔ عظمت کرنے والے وہ تھے کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ جب حج کرنے گئے ہیں، تو تین دن ٹھہر کر مدینہ طیبہ سے واپس ہونے لگے، تمام اہلِ مدینہ نے آکے راستہ روکا کہ ہم تو آپ کو نہیں جانے دیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ کی عظمت اور محبت تھی۔ سارے اہلِ مدینہ آکے کھڑے ہو گئے کہ ابھی آپ اور رہیں۔ ہم نہیں جانے دیں گے۔ ان کے کہنے سے پھر رک گئے۔ پانچ دن کے بعد پھر ارادہ کیا، پھر اہلِ مدینہ نے آکے روک دیا کہ ابھی نہیں جانے دیں گے بہت کہا، بہت معذرت کی مگر اہلِ مدینہ نے نہیں مانا۔ پھر رک گئے۔ یہاں تک کہ کئی دفعہ ہوتے ہوتے گیارہواں دن آگیا۔ اب جانے کا ارادہ کیا، پھر اہلِ مدینہ نے روکا کہا اب میرے بس میں نہیں ہے رُکنا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ حضرت! بس کی کیا بات ہے؟۔ فرمایا۔ گیارا دن گزر گئے ہیں آج تک میں نے استنجاء نہیں کیا۔ ایک ہی وضو سے اتنے دن گزارے۔ اس لئے کہ میرے دل نے گوارہ نہیں کیا کہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر میں یہاں بول و براز کروں۔ اس زمین کو گندہ کروں۔ معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم کہاں پڑا ہو گا۔ اور میں وہاں گندگی ڈالوں ___ ؟ یہ تھی حقیقی عظمت۔ ہم اور آپ اس عظمت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ امام ہی کا رتبہ اور حق تھا کہ گیارہ دن تک ایک وضو سے رہے۔ تب اہلِ مدینہ نے کہا کہ اب تو ہم رخصت کریں گے۔ جلدی رخصت کیا۔ تب جا کے استنجاء وغیرہ سے فارغ ہوئے ___ خیر یہ تو ایک کرامت کا درجہ ہے ہر ایک اس کو انجام نہیں دے سکتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام دارالہجرت کہلاتے ہیں۔ مدینہ سے بے حد محبت تھی اور یہ چاہتے تھے کہ

مدینہ ہی میں میری وفات ہو جائے۔ اور مدینہ ہی کی زمین مجھے قبول کرے۔ تو آخیر عمر ساری مدینہ میں گزاری۔ اور اس ڈر کے مارے حج نفل ادا کرنے نہیں جاتے تھے کہ کہیں مدینہ سے باہر موت نہ آجائے۔

کیفیت یہ تھی۔ جب تک مدینہ میں رہے ہیں۔ مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں ننگے پاؤں پھرتے تھے کہ معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک کہاں پڑا ہو گا۔ میں جوتے لے کر وہاں سے گزروں؟ مجھے چاہئے تھا کہ میں سر کے بل چلتا۔ مگر یہ میرے بس میں نہیں۔ کم سے کم جوتا تو پہن کے نہ چلوں۔ عظمتِ حقیقی یہ تھی جو ان اکابر نے کی ہے کہ ساری عمر مدینہ میں جوتے پہن کر نہیں چلے۔

جب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دار العلوم دیوبند' جب حج کے لئے گئے ہیں تو مدینہ منورہ کے قریب ایک منزل آتی ہے' جس کو بیر علی کہتے ہیں۔ ذرا سی پہاڑی ہے' اس پر جب اونٹ یا کاریں چڑھتی ہیں تو ایک دم حرم شریف کے مینار نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے مدینہ منورہ تین چار میل کے فاصلے پر ہے ــــ یہ حضرات مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور سارے بزرگ ــــ جب بیر علی پر پہنچے اور حرم کے مینار پر نظر پڑی۔ تو حضرت مولانا قاسم صاحبؒ بے تاب ہو کر ایک دم اونٹ سے کودے' اور ننگے پیر چل پڑے تھے۔ اور کچھ عاشقانہ اشعار زبان پر تھے' جیسے معلوم ہو کہ اپنے ہوش میں نہیں۔ حالانکہ وہاں کی کنکریاں ایسی ہیں کہ جب وہ چبھتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے' جیسے چھریاں چبھ رہی ہوں ــــ اور لوگ حضرت کو دیکھ کر کود پڑے۔ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ دوسرے لوگ جو کودے ہیں' یہ نقالی کر رہے ہیں' ان پر تو حال طاری ہے' وہ تو اپنے آپے میں نہیں' ان کی یہ نقل نہیں اتار سکیں گے۔ چار پانچ میل اسی طرح ننگے پاؤں چلے۔ پیر لہولہان ہو گئے مگر انہیں کچھ ہوش نہیں تھا' حقیقی عظمت تو اہل اللہ کی ہوتی ہے۔ جن پر عظمت کا حال طاری ہوتا ہے ــــ لیکن میں کہتا ہوں' ہم اگر تھوڑی بہت نقل بھی اتار لیں۔ یہ بھی ہماری سعادت ہے۔ وہ حال تو حال والوں کا ہوتا ہے۔ ہم میں وہ حال کہاں؟

غرض مدینہ منورہ سے محبت کیوں ہے۔ اس لئے کہ صاحب مدینہ سے محبت ہے' وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن بنا تھا۔ جب وطن والا ہمارا محبوب ہے' تو وہ وطن بھی محبوب' اس کے رہنے والے بھی ہمیں محبوب' اس کا پانی اور اینٹ اینٹ بھی محبوب ــــ یہی وجہ ہے کہ خاکِ شفاء مدینہ کی مٹی' تھوڑی تھوڑی تبرک کے طور پر لے کر آتے ہیں۔ اس کو گھر میں تبرکاً رکھتے ہیں۔ اس واسطے کہ جس ذاتِ اقدس سے ہمیں محبت ہے۔ وہیں کہ تو یہ مٹی ہے۔ یہ مٹی بھی ہمیں عزیز ہے' اس کا ایک ذرہ بھی ہمیں عزیز ہے۔

امام مالکؒ کا تو یہ حال تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مجھے موت مدینہ میں آئے نفلی حج کرنا اس ڈر کے مارے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں باہر نہ وفات ہو ــــ ان کے واقعات میں لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ خواب میں دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ صحابہ کرامؓ حاضر ہیں۔ امام مالکؒ آگے بڑھے' اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے یہ بتلا دیا جائے میری عمر کتنی باقی ہے؟ تاکہ میری عمر زیادہ باقی ہو تو میں حج نفل کر لوں۔ اور توقع رکھوں کہ لوٹ کے آجاؤں گا' اور مدینہ میں میرا انتقال ہو جائے گا۔ میں مدینہ کی زمین کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مجھے یہ پتہ چل جائے کہ میری عمر کے کتنے سال باقی ہیں۔ اگر دو تین سال باقی ہوں تو میں نفلی حج ہی کر آؤں۔

یہ پوچھا۔ تو آپ نے اس طرح سے ہاتھ سامنے کر دیا کہ پانچ انگلیاں سامنے ہیں۔ امام مالکؒ کی آنکھ کھل گئی اور حیران ہوئے کہ پانچ انگلیوں کا کیا مطلب ہے؟ آیا میری عمر کے پانچ برس' یا پانچ ماہ' یا پانچ ہفتے یا پانچ دن باقی ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

تو تعبیرِ خواب کے بڑے ماہر محمدؒ ابن سیرینؒ جو تابعی بھی ہیں اور امام مالکؒ کے ہمعصر ہیں۔ خواب کی بیر ایسی دیتے ہیں کہ اُدھر تعبیر دی اور ادھر ہاتھ کے ہاتھ واقعہ ظاہر ہو گیا۔ اس فن کے بڑے امام تھے۔ ھوں نے کتاب لکھی ہے "تاثیر الأنام فی تعبیر المنام" ___ دو جلدوں میں ہے اس میں بہت بڑے تعبیر واب کے اصول بتلائے ہیں۔

ان کی بات پر یاد آیا۔ ان کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا۔ حضرت! میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ یری چارپائی کے نیچے انگارے دھک رہے ہیں۔ فرمایا جلدی جا۔ تیرا مکان گرنے والا ہے۔ بیوی بچوں اور امان کو نکال آیا۔ بے چارے نے جلدی جلدی سامان اور بیوی بچوں کو نکالا۔ دو تین گھنٹے کے بعد ساری ڑ نگ آ پڑی۔ خواب کی تعبیر بالکل ہاتھ کے ہاتھ ظاہر ہو گئی ___ کوئی پانچ چھ مہینے کے بعد ایک اور شخص یا۔ اور عرض کیا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میری چارپائی کے نیچے انگارے دھک رہے ہیں۔ فرمایا جاکر ارپائی کے نیچے کھدائی کر، تجھے سونا ملے گا، کھودنا جو شروع کیا تو لاکھوں روپے کا سونا نکلا۔ ایک خزانہ دبا ہوا لا۔

لوگوں نے امام ابن سیرینؒ سے عرض کیا کہ حضرت! خواب تو دونوں نے ایک ہی دیکھا ایک کا تو آپ نے ھر گروا دیا۔ اور ایک کو سونا دلوا دیا۔ فرمایا کہ پہلے نے جو خواب دیکھا وہ گرمی کے زمانے میں دیکھا۔ اور گرمی ں چارپائی کے نیچے آگ کا ہونا، یہ گویا بنیاد کے منہدم ہونے کی علامت ہے۔ میں نے تعبیر دی کہ تیرا گھر ر پڑے گا ___ اور دوسرے نے یہی خواب سردی کے زمانے میں دیکھا، اور سردی میں چارپائی کے نیچے آگ ہونا یہ بڑی خوشگوار نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر نعمت نہیں۔ اور آگ کی رنگت سونے کے مشابہ ہے۔ میں نے کہا چارپائی کے نیچے سے سونا نکلے گا۔ دونوں باتیں پوری ہوئیں۔ تو ابن سیرینؒ اس درجے کے امام تھے کہ ن کی تعبیر ہاتھ کے ہاتھ پوری ہوتی تھی ___ امام مالکؒ نے اپنا یہ خواب کہ میں نے عمر حضور صلی اللہ علیہ سلم سے پوچھی۔ آپؐ نے پانچ انگلیاں سامنے کردیں۔ ایک شخص سے کہا کہ تو اس کی تعبیر ابن سیرین سے پوچھ کے آ۔ مگر یہ مت کہنا کہ مالکؒ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ یوں کہنا کہ ایک مسلمان نے یہ خواب دیکھا ہے۔ میرا م مت بتلانا ___ وہ شخص ابن سیرینؒ کے پاس گیا اور کہا کہ ایک مسلمان نے یہ خواب دیکھا ہے۔ حضور صلی للہ علیہ وسلم کا دربار ہے اور وہ یہ عرض کر رہا ہے کہ حضرت! یہ فرمادیجئے میری عمر کتنی باقی ہے۔ آپؐ نے پانچ نگلی اٹھادی۔ اس کی کیا تعبیر ہے؟

فرمایا۔ سچ بتلا یہ خواب کس نے دیکھا ہے؟ اس نے کہا جس نے دیکھا ہے اس نے نام بتلانے کی ممانعت ردی ہے۔ بس یہ سمجھ لیجئے ایک مسلمان نے دیکھا ہے۔

فرمایا یہ خواب کوئی بہت بڑا عالم دیکھ سکتا ہے۔ عوام الناس میں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ فرمایا۔ مدینہ میں م مالکؒ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ تو امام مالکؒ نے تو یہ خواب نہیں دیکھا؟ اب وہ بے چارہ چُپ ہو گیا۔ اسے انعت تھی۔ فرمایا۔ اچھا جاؤ پوچھ کے آؤ۔ نام بتلانے کی اجازت لے کے آؤ۔

اس نے آکر عرض کیا۔ حضرت! وہ تو پہچان گئے کہ آپ ہی نے خواب دیکھا ہے مگر چونکہ اجازت نہیں ی اس لئے میں نے کوئی حامی نہیں بھری۔ بس چپ ہو گیا۔ فرمایا۔ اچھا جاؤ میرا نام بتلا دینا۔ یہ آیا اور آکر ن سیرینؒ سے عرض کیا کہ وہ واقعی امام مالکؒ نے ہی خواب دیکھا تھا۔ آپ نے ٹھیک سمجھا تھا۔ فرمایا۔ امام لکؒ ہی یہ خواب دیکھ سکتے تھے دوسرے کسی عالم کی مجال نہیں تھی۔ کہہ دینا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ حضور نے پانچ انگلیاں اٹھا کے دکھلائیں۔ اس سے نہ پانچ برس، نہ پانچ گھنٹے نہ پانچ دن اور ماہ مراد ہیں، بلکہ اشارہ اس

طرف ہے کہ ھِیَ مِنْ خَمْسٍ لَایَعْلَمُھُنَّ اِلَّااللّٰہُ موت اور زندگی کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ

پانچ چیزیں اللہ نے ارشاد فرمائیں کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے کہ کب آئے گی؟ کس سن میں آئے گی؟ کسی کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کو بھی نہیں دیا گیا۔ اور یہ بارش کہاں سے آتی ہے؟ کیوں آتی ہے؟ کیا اسبابِ باطنی بنتے ہیں کسی کو پتہ نہیں۔ ظاہری طور پر ہم آلات سے پتہ چلالیں کہ بادل اٹھے گا' مون سون اٹھے گا لیکن خود مون سون آج کے دن کیوں اٹھے گا۔ مون سون کو بنانے والی کیا چیز ہے؟ وہ کیا ہے؟ اور وہ کیوں بناتی ہے۔ یہ سب عِلل اور بنیادی چیزیں اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں ہے۔ ہم ظاہری اسباب کا کچھ پتہ چلا سکتے ہیں۔ مگر باطنی اسباب کا کچھ پتہ نہیں۔ وہی جانتا ہے ___ وَیَعْلَمُ مَافِی الْاَرْحَامِ ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ لڑکا یا لڑکی؟ اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض دفعہ بزرگوں نے بتلادیا ہے کہ لڑکی ہے یا لڑکا ہے۔ وہ شخصی طور پر ایک جزوی چیز بتلائی۔ کلی طور پر یہ علم کہ لڑکا کیوں بنتا ہے؟ لڑکی کیوں بنتی ہے؟ کیا اندرونی اسباب ہیں کہ اس دفعہ لڑکا بن گیا۔ اس دفعہ لڑکی بن گئی۔ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے ___ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا اور کسی نفس کو یہ پتہ نہیں وہ کل کو کیا عمل کرنے والا ہے۔ کل جب آئے گی جبھی پتہ چلے گا ___ وَمَاتَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کسی نفس کو یہ پتہ نہیں کہ کونسی زمین میں اور کب اس کا انتقال ہوگا؟ ___ تو فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پانچ انگلیاں دکھائیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کونسی زمین میں آپؐ کا انتقال ہوگا۔ یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں ہے۔

سب سے بڑی نعمت کے حقوق

تو بات مجھے اس پر یاد آئی تھی کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے عالم کے لئے محسنِ اعظم ہیں اور ساری نعمتیں آپ کے طفیل سے ہیں۔ تو آپؐ کے حقوق کو پہچاننا یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور آپؐ کے حقوق تین ہیں۔ آپؐ سے ہم محبت کریں۔ آپ کی عظمت کریں۔ آپؐ کی اطاعت اور متابعت کریں۔ تو عظمت کے بارے میں کہہ رہا تھا کہ عظمتِ حقیقی کرنے والے تو گزر گئے ہیں۔ لیکن ان کو دیکھ کر کچھ بھی کرلیں وہ بھی ہماری سعادت ہے۔ چلو جتنی ہی کر سکیں ___ ورنہ اصل عظمت تو یہ تھی کہ امام مالکؒ نے عمر بھر جوتا پہننا چھوڑ دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے گیارہ دن استنجا تک نہیں کیا کہ مدینۃ الرسول میں رہ کر میں گندگی پھیلاؤں۔

دوسری چیز محبت ہے کہ اولاد بنیاد کی محبت اس درجہ کی نہ ہو۔ یعنی جب اولاد بنیاد سے مقابلہ پڑے' تو ہم اللہ ورسول کی محبت کو ترجیح دیں۔ اولاد کی محبت کو ترجیح نہ دیں۔ جب کسی حکمِ شرعی سے اولاد کی محبت سے مقابلہ پڑجائے تو ہم حکمِ شرعی کو ترجیح دیں۔ مثلاً خدانخواستہ کسی کا بچہ بیمار ہوجائے۔ تو مرد تو نہیں' مگر عورتیں' ٹوٹکے' ٹونے اور شرکیہ رسموں میں مبتلا ہوجاتی ہیں' کہ شاید اچھا ہوجائے۔ جو خلافِ شرع ہوتا ہے۔ تو محبت کا اقتضا یہ ہے کہ شریعت سے محبت ہونی چاہئے۔ بچے سے اتنی نہ ہو کہ ماں باپ شرکیہ اُمور سرانجام دینے لگیں' کہ کسی طرح اس کی جان بچ جائے۔ جان بچانے والا اللہ ہے۔ جب اس کے قانون کی پابندی کروگے'

ممکن ہے اسی کی برکت سے جان بچ جائے۔ بچے کی جان بچانے کے لئے شرکیہ اُمور انجام دینا یہ اس کی دلیل ہے کہ خدا کی محبت گویا اتنی نہیں ہے' جتنی بچے کی ہے۔ بچے کی محبت سامنے آئی تو خدا کے قانون کو چھوڑ دیا۔ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ بچے کی جان کی شریعت کے مقابلے میں پرواہ نہ کی جائے۔ تو دوسرا حق یہ ہے۔

اور تیسرا حق متابعت ہے' جو قانون آپؐ نے لا کے دیا ہے اس کی پیروی اور اطاعت کریں۔ جو سنتیں آپؐ سے ثابت ہیں۔ ان کی اِتباع کریں۔ ایک ایک سنت کی پیروی میں جو نورانیت اور برکت ہے' ہم اپنی عقل سے ہزار قانون بنالیں اس میں وہ خیروبرکت نہیں آسکتی' جو آپؐ کی ایک سنت کی ادائیگی میں برکت ہو سکتی ہے۔ تو ایک ایک سنت کی پابندی کرنا مثلاً پہننے میں' کھانے میں' پینے میں' چلنے پھرنے میں' اٹھنے بیٹھنے میں' اس انداز کو اختیار کرنے کی کوشش جو آپ کا انداز تھا۔ یہ ایک مستقل نعمت اور برکت ہے۔ اسی کا نام متابعت ہے۔

ایک فرائض میں اِتباع ہے جیسے نماز پڑھ لی' وہ بھی آپ ہی کی سنت کے مطابق پڑھیں گے۔ روزہ رکھیں گے' وہ بھی حضورؐ ہی کے طریق کے مطابق ہے۔ یہ وہ فرائض ہیں جو ہمارے ذمے ہیں ہی۔ اصل تو یہ ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو آپؐ کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اسی کے لئے تعلیم پائی جاتی ہے۔ علم سیکھا جاتا ہے' تو قدم بقدم چلنے کی کوشش کریں۔

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگوں میں سے کسی نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر ہے' اور آپؐ تشریف لے جارہے ہیں۔ صحابہؓ کا ہزاروں کا مجمع پیچھے ہے' اور بھی ہزاروں لوگ ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو بھی دیکھا گیا' وہ بھی مجمع کے ساتھ ساتھ ہیں۔ لیکن مجمع تیزی سے جارہا ہے کہ جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں' اور مولانا آہستہ آہستہ دھیمی چال' سوچ سوچ کے قدم رکھ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجمع سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں ___ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں دوڑے جارہے ہیں کہ حضورؐ آگے آگے ہیں جلدی پہنچیں' اور کسی طرح زیارت نصیب ہو ___ جا تو آپ بھی رہے ہیں' مگر قدم ٹٹول ٹٹول کے۔ فرمایا کہ ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں حضورؐ کا قدم پڑا ہے۔ میں بھی وہاں قدم بہ قدم' قدم رکھوں۔ اس کے دیکھنے میں دیر لگتی ہے۔ اس لئے میں آہستہ چل رہا ہوں۔ الحمدللہ میرا ایک قدم بھی حضورؐ کے نشان سے الگ نہیں پڑا۔ ٹھیک اسی نشان پہ قدم رکھتا ہوا جارہا ہوں۔ اگرچہ دیر میں پہنچوں گا۔ گویا وہ ان کی اِتباعِ سنت کی چیز تھی جو خواب میں دکھلائی گئی ___ مسلمان میں یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اس انداز میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہو بہو نقشہ تو ہم نہیں اتار سکتے۔ ہماری ایسی قسمت کہاں؟ مگر اپنا کام سعی اور جدوجہد کرنا ہے۔ دل میں تڑپ پیدا ہو جائے۔ اگر تڑپ پیدا ہو گئی تو ممکن ہے اللہ پوری پیروی نصیب کردے۔ ورنہ جتنی بھی نصیب ہو جائے۔ اس جذبہ کی وجہ سے ہمیں نجات ہونے کی توقع ہے ___ تو تین حقوق ہیں۔ ایک عظمت' ایک محبت' ایک متابعت۔

محبت میں فنائیت ہوتی ہے کہ آدمی محبوب میں فنا ہو جائے۔ متابعت میں قدم بہ قدم چلنے کا جذبہ ہوتا ہے کہ ایک ایک چیز میں پیروی نصیب ہو۔ عظمت سے اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ اگر بڑائی دل میں نہ ہو تو عقیدت نہیں ہو سکتی۔ اور عقیدت و اعتقاد نہیں ہوگا۔ تو ایمان نہیں بنے گا۔ اس واسطے ان تینوں حقوق کی ضرورت ہے۔

تو میں نے آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ پڑھی تھی' کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ

اقدس کے بارے میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے آپؐ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ تو عالموں کا وجود‘ ان کی نعمتیں اور ان کی ہستی آپؐ کے طفیل ہی ہے۔ جو ہستی ایسی بابرکت ہو‘ جس امت کو دی گئی ہو۔ وہ امت کتنی قسمت والی اور بانصیب ہے کہ حضورؐ جیسا نبی عطا کیا گیا۔ تو امت پر نبی کے حقوق کا حق عائد ہوتا ہے۔ تو محبت بھی ہو‘ عظمت بھی ہو‘ اور متابعت بھی ہو۔ محض محبت ہو کہ آدمی دعویٰ کرے کہ میں عاشقِ رسولؐ ہوں مگر اطاعت نہ کرے۔ وہ محبت ناتمام ہے۔ محبت کی علامت ہی یہ ہے کہ اطاعت کرے۔ اطاعت دلیل ہے اور محبت دعویٰ ہے۔ جب کہے گا کہ مجھے محبت ہے۔ تو دلیل پوچھیں گے۔ تو کہے گا کہ میں پیروی کر رہا ہوں۔ کہا جائے گا کہ بے شک یہ محبت ہے ــــــ ایک شخص اپنے باپ سے کہے کہ مجھے آپ سے بڑی محبت ہے۔ باپ کہے مجھے حُقہ پینے کی عادت ہے۔ ذرا حُقہ بھر کے لاؤ۔ تو کہے صاحب! میں نے تو یہ کہا تھا کہ مجھے محبت ہے۔ یہ کب کہا تھا کہ میں حُقہ بھی بھر کے لاؤں گا‘ یا پانی بھی پلاؤں گا‘ باپ کہے گا تو پھر محبت کیسی؟ محبت تقاضا کرتی ہے کہ جو میں کہوں وہ کر ــــــ تو ہم نے دعویٰ کیا کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ محبت کا خاصہ ہے کہ اطاعت ہو۔ اطاعت نہیں ہوگی تو دعویٰ محبت غلط ہوگا۔

اسی کو حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **من احبّنی فقد اطاعنی‘ ومن اطاعنی کان معی فی الجنۃ** جسے میرے ساتھ محبت ہوگی‘ وہ میری اطاعت بھی کرے گا اور جو اطاعت کرے گا وہ جنت میں بھی میرے ساتھ ہوگا۔ تو اصل بنیاد محبت ہے۔ اور محبت کی علامت اطاعت ہے اور دل میں عظمت ہو۔

تو آیت میں نے پڑھی تھی‘ اس کی روشنی میں یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھیں تاکہ حقوقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے آجائیں۔ سارا دین اور اسلام اس لئے ہے کہ انسان آپؐ کے حقوق پہچان لے ــــــ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اطاعت‘ محبت و عظمت اور عقیدت و اعتقاد کی توفیق عطا فرمادے‘ اور سنّت کی پیروی نصیب فرمادے‘ اور ہم کو مرضیات پر چلائے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

نبیِ اُمّی علیہ السّلام

گھر میں حضور علیہ السّلام کو کوئی پڑھانے والا نہیں تھا' قوم میں کوئی پڑھانے والا نہیں' ملک میں علم کا چرچا نہیں تھا' غرض کوئی علمی وسیلہ اور ذریعہ نہیں تھا ___ تو اُمّیوں کا ملک تھا' بے پڑھوں کا ملک تھا ___ اس میں ایک شخص آکر اُٹھے اور اتنے بڑے بڑے عُلوم پیش کرے کہ اس کے علم کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ جائے ___ اور نہ صرف علم پیش کرے بلکہ اتنا عظیم قانون دنیا کے آگے پیش کرے جو زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں پر حاوی ہو اور اس حالت میں پیش کرے کہ نہ خود پڑھا لکھا نہ کسی نے اس کو پڑھایا نہ ملک میں پڑھنے لکھنے کا کوئی چرچا نہ گھرانے اور خاندان میں کوئی پڑھا لکھا عالم موجود' اس کے باوجود ایسا علم پیش کرے کہ علماء اس کے علم کو دیکھ کر تھک جائیں دانش مند عاجز ہو جائیں' ہاری مان لیں' تو یہ اتنا بڑا علم ___ بجز اس کے کہ خُدا نے سکھایا ہو اور کیا سبیل ہو سکتی ہے؟ درحقیقت یہ حضور علیہ السّلام کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

از حضرت حکیمُ الاسلام مدّظلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ___ اَمَّا بَعْدُ ___

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔
ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ٥ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

تمہید

بزرگانِ محترم!
آپ اس مقدّس مجلس میں سیرت سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور سیرت کس کی؟ میری یا آپ کی نہیں یا

مطلقاً انسان کی نہیں..... بلکہ عالم بشریت کے سردار اور آقائے دو جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیرتِ پاک" سُننے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی سیرت، ظاہر ہے کہ آپ نبوّت کی حیثیت سے سُننا چاہتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام میں ایک حیثیت بشر اور انسان ہونے کی ہے اور ایک حیثیت پیغمبر اور رسول ہونے کی ہے۔ آپ محض انسانی سیرت سُننے کے لئے نہیں آئے بلکہ "پیغمبرانہ سیرت" سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ گویا نبوّت کی سیرت آپ کا مقصد ہے ___ اور ظاہر ہے کہ نبوّت کی سیرت اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی کہ کچھ تھوڑا بہت نبوّت کا مفہوم آپ کے سامنے آجائے۔ جب آپ نبوّت کو کسی حد تک سمجھ لیں گے تو پھر نبوّت کی سیرت خود بخود سامنے آجائے گی ___ اسی بنا پر میں نے یہ آیت تلاوت کی ہے۔

موضوعِ تقریر

اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے پہلے حضور علیہ السّلام کی نبوّت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے بعد "نبوّت کی دلیل" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد "اجزائے نبوّت" کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کے بعد "مقاصدِ نبوّت" بیان کئے ہیں۔ اس لئے اس تقریر کے کچھ اجزا ہوں گے۔ ایک دعویٰ نبوت ایک نبوّت کی دلیل ایک نبوّت کا تجزیہ کہ اس کے اجزا کیا کیا ہیں اور کن کن چیزوں پر نبوّت مشتمل ہے۔ نبوّت کی حقیقت کیا ہے؟ ___ اور پھر نبوّت کے دنیا میں آنے کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ___ یہی چند اجزا ہیں جو اس وقت تقریر کا موضوع ہیں۔ اور یہی موضوع اس آیت کا بھی ہے۔ تو تقریر درحقیقت، اس آیت کی توضیح اور اس کی تشریح ہوگی آیت بہت سے عُلوم پر مشتمل ہے اور ہم جیسوں کا کام نہیں کہ ان علوم اور ان معارف کو بیان کردیں یا بیان کا حق ادا کردیں ___ لیکن بالاِجمال تھوڑا تھوڑا ان تمام موضوعات کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔

دعویٰ نبوّت اور دلیلِ نبوّت

پہلی بات دعویٰ نبوّت ہے ___ حق تعالیٰ شانہٗ نے خود دعویٰ کیا ہے :

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا

اللہ وہ ذات ہے جس نے اُمّیوں میں رسول بھیجا۔ اَن پڑھوں میں رسول بھیجا۔ تو بعثت کا دعویٰ یہی درحقیقت دعویٰ نبوّت ہے۔ اللہ جس کو بھیجتا ہے وہ نبی ہوتا ہے، رسول ہوتا ہے ___ یہ تو گویا ایک دعویٰ ہوا کہ ہم نے ایک رسول بھیجا لیکن رسالت کی دلیل کیا ہے۔؟ جو ذاتِ مقدّس آئی اور جس کے لئے اللہ نے بھی دعویٰ کیا کہ میں اپنا رسول بھیج رہا ہوں اور رسول نے بھی دعویٰ کیا کہ میں رسول ہوں :

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا

اے انسانو! خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں، کسی قوم کے فرد ہوں، آج کے ہوں یا آئندہ قیامت تک کے ہوں۔ میں ان سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ___ تو اللہ نے بھی دعویٰ کیا کہ میں رسول بھیج رہا ہوں اور رسول نے بھی دعویٰ کیا کہ میں اللہ کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔

اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور رسالت تسلیم کی جائے؟

وہ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ :

اُمّیوں میں اُمّی رسول آیا۔

یعنی اَن پڑھوں میں ایسا رسول بھیجا جو پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ یہ اَن پڑھ ہونا درحقیقت نبوت کی دلیل ہے۔ آپ سوال کریں گے کہ اَن پڑھ ہونا تو بظاہر عیب کی بات ہے۔ اگر ہم کسی پڑھے لکھے کو یوں کہدیں کہ تم اَن پڑھ ہو۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تو وہ اپنی توہین محسوس کرے گا۔ اَن پڑھ ہونا یا بے پڑھا لکھا ہونا بظاہر تو کوئی کمال کی چیز نہیں ہے۔ عرفِ عام میں اسے حقیر سمجھا جاتا ہے' عیب سمجھا جاتا ہے اور یہاں اتنے بڑے منصب کے لئے یہ دلیل بیان کی جارہی ہے کہ جس منصب سے بڑھ کر دنیا میں کوئی منصب نہیں ہے۔ آخر اس دعویٰ میں اور دلیل میں ربط کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ ہیں اور عالم میں سب سے بڑے ہیں ___ تو میں کہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے پڑھا لکھا ہونا ہی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ عالمِ بشریت میں اونچے اور سارے انسانوں میں مقدس ترین انسان ہیں ___ اس لئے کہ انبیاء علیہم السّلام دنیا میں علم سیکھنے کے لئے نہیں آتے' سکھلانے کے لئے آتے ہیں۔ دنیا میں ان کا کوئی استاذ نہیں ہوتا۔ وہ براہِ راست اللہ سے علم حاصل کرتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں۔

تو پیغمبر کسی کے شاگرد نہیں ہوتے۔ صرف حق تعالیٰ ان کے استاذ ہوتے ہیں۔ پھر وہ دنیا کو اپنا شاگرد بناتے ہیں اور تلمیذ بناتے ہیں۔ تو انبیاء علیہم السّلام دنیا میں علم دینے کے لئے آتے ہیں۔ علم لینے کے لئے نہیں آتے۔

نبوّت اِنسانیت کے لئے ذریعۂ علم

اسی واسطے کوئی بھی علم ایسا نہیں ہے جس کی بُنیادیں پیغمبروں نے قائم نہ کی ہوں۔ یعنی آخرت کا علم ہو' معاد کا علم ہو' مبداء کا علم ہو' معاشیات کا ہو' اقتصادیات کا ہو' عمرانیات کا ہو'۔ غرض کوئی بھی علم ہو سب کی بنیادیں انبیاء علیہم السلام نے قائم کی ہیں ___ پہلے تو میں اپنے ذہن میں ایک دلیل سمجھا کرتا تھا کہ شاید میرا مفہوم ہو اور وہ یہ کہ قرآنِ کریم میں سب انسانوں کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے :

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا

"ہم نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ اس حال میں کہ تم ذرہ برابر علم نہیں رکھتے تھے"۔

تو انسان دنیا میں بے علم آتا ہے۔ ماں کے پیٹ سے کوئی علم لے کر نہیں آتا۔ جاہل پیدا ہوتا ہے۔

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا

عربیّت کے قاعدہ کے مطابق یہاں نکرہ نفی کے نیچے آرہا ہے جس کے معنیٰ عمُوم کے ہوتے ہیں کہ ذرّہ برابر بھی انسان علم نہیں رکھتا' جب آتا ہے تو ایک مضغہ گوشت ہوتا ہے نہ اس میں شعور ہے نہ عقل نہ علم ہے صرف حس ہے ___ جب انسان جاتا ہے تو فرماتے ہیں :

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا

"پھر ہم تمہیں ایک ایسی عمر کی طرف لوٹاتے ہیں جو آرذل ترین عمر ہے کہ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود پھر تم بے پڑھے ہو جاتے ہو۔ علم کے باوجود پھر بے علم بن جاتے ہو"۔

جب انسان انتہائی بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے تو آج قوّتِ حافظہ رخصت ہوگئی تو پہلا علم ختم ہوگیا ___ حوّاس میں خلل آگیا تو جدید علم آنے کی صورت نہ رہی کہ نہ سُنتا ہے نہ دیکھتا ہے تو پچھلا سرمایہ بھی ختم ہوجاتا ہے اور آئندہ کے آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی ___ تو جیسا آیا تھا ویسا ہی چلا جاتا ہے ___ تو حق تعالیٰ گویا

اعلان کرتے ہیں کہ جب تم آئے تھے تو اس وقت بھی عالِم نہیں تھے اور جب جا رہے ہو تو جب بھی نہیں۔ تو علم تمہارا ذاتی نہیں۔ اگر تمہارا ہوتا تو ماں کے پیٹ سے آتا اور قبر کے پیٹ تک ساتھ جاتا۔ علم ہمارا ہے جتنے زمانے تک ہم چاہتے ہیں تمہارے اندر ڈال دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں نکال لیتے ہیں۔ تو کسی انسان کی ذات میں علم نہیں ہے۔ تو جب سارے انسان ایسے ہی فرض کر لئے جائیں تو عالمِ انسانیت میں علم نہ رہا۔ تو سر چشمہ علم کا اللہ کی ذات نکلتی ہے۔

عُلومِ دُنیوی کا ذریعہ بھی نبوّت ہے

اس واسطے کہ انسان جانوروں سے تو علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ تو اس سے بھی زیادہ کم رتبہ ہیں۔ نباتات، جمادات سے حاصل نہیں کرتا۔ وہ جانوروں سے بھی کم حیثیت ہیں۔ تو ماتحت اور اَرذل سے سے علم حاصل نہیں کیا جاتا۔ افضل سے حاصل کیا جاتا ہے تو انسان کے اوپر جو افضل ذات ہے وہ تو اللہ ہی کی ہے تو سوائے اس کے کہ خدا سے انسان میں علم آئے اور کوئی شکل نہیں اور خدا سے علم آنے کی صورت یہی ہے کہ کچھ مخصوص بندے ایسے ہوں جن کو براہِ راست اللہ میاں اپنا علم سکھائیں ــــ وہی انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام ہیں ــــ تو ہر علم لوگوں کو پیغمبروں ہی کے ذریعے سے آسکتا ہے ــــ تو پہلے تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارا ہی مفہوم ہوگا...

مگر بعد میں دیکھا کہ ابن حزم ظاہریؒ جو بہت بڑے جلیلُ القدر عالم ہیں نے مِلل و نحل میں دعویٰ کیا ہے کہ :

"تمام علوم معاش کے ہوں یا معاد کے۔ سب انبیاء لے کر آئے ہیں"۔

چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام پر لغت کا علم اترا۔ فرمایا گیا :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔

حضرت ادریس علیہ السلام پر ھندسہ اور ریاضی کا علم اُترا ــــ حضرت داوٗد علیہ السلام نے صنّاع کا علم سکھلایا ــــ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ :

كان بعض الانبياء يخطّ خطاً۔

بعض انبیاء خط کشی سے خطوط سکھلاتے تھے۔ یا تو لکھنا مراد ہے کہ لکھنا ان سے چلا یا خط کشی کا علم مراد ہے کہ خطوط کھینچ کر آئندہ کے بارے میں باتیں بتلانا اور قواعد سے ان کا استخراج کرنا جس کو رَمل اور جَفر کا علم کہتے ہیں۔ بہر حال مختلف قسم کے عُلوم احادیث میں آتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسُوب ہیں اور سب کے استاذِ حق تعالیٰ شانہٗ ہیں۔

مُعلّمِ الاَنبیاء

اس لئے قرآن کریم میں جہاں بھی پیغمبروں کے علم کا دعویٰ کیا گیا ہے وہاں انہوں نے معلّم اپنے آپ کو ظاہر کیا :

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔

"اللہ نے آدم علیہ السلام کو ناموں کا علم سکھلا دیا"۔

حضور علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے :

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔

"اے پیغمبر! اللہ ہی نے تمہیں علم دیا، تم پہلے سے نہیں جانتے تھے؟

فرمایا گیا :

مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔

"اے پیغمبر! تمہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں۔ ایمان کیا چیز ہوتی ہے لیکن ہم نے تمہارے قلب میں نور ڈالا، جس سے تم پر یہ تمام چیزیں روشن ہو گئیں۔ تو ہم ہیں ہدایت کرنیوالے"۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کا علم دیا گیا۔ تو کہتے ہیں :

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ

"اے میرے پروردگار! آپ ہی نے مجھے مصر کی سلطنت عطا کی اور آپ نے ہی مجھے خواب کی تعبیرات کا علم بخشا"۔

حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا :

وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا

"ہم نے خضر "علیہ السلام" کو علم فراست سکھلا دیا تھا"۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کہتے ہیں :

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ

ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم سکھلا دیا ___ اور یہ اللہ نے ہم کو سکھلایا۔

تو یہ تمام علوم جو انبیاء علیہم السلام میں آئے ___ ظاہر ہے کہ نہ انہوں نے کسی کالج میں تعلیم پائی نہ کسی یونیورسٹی کی ڈگری ان کے ہاتھ میں تھی۔ براہِ راست اللہ کی تعلیم تھی اور پیغمبر شاگرد تھے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں علم دینے اور سکھلانے کے لئے آتے ہیں۔ سیکھنے کے لئے نہیں آتے۔

نبوّت اور طبیعت

انبیاء علیہم السلام کی فطرت پیدائشی طور پر منوّر ہوتی ہے۔ ان کی طبیعت ادھر ہی چلتی ہے جدھر علم اور کمال ہو۔ نقص اور عیب کی طرف پیغمبر کی طبیعت فطرۃً نہیں چلتی۔

سِیَر کی روایات میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب پانچ سال کی عمر کے ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ نے انہیں پڑھنے کے لئے مکتب میں بھیج دیا۔ مکتب میں جا کے شاگردوں کی لائن میں بیٹھ گئے۔ تو استاذ نے کہا کہ کہو "الف"۔

فرمایا : الف کے معنٰی کیا ہیں۔؟

استاذ نے کہا کہ الف کے بھی کوئی معنٰی ہوتے ہیں۔؟

فرمایا : کیا تو مہملات کی تعلیم دینے بیٹھا ہے۔
استاذ نے کہا کہ کیا الف کے کچھ معنٰی ہوتے ہیں۔؟
فرمایا : معنٰی نہ ہوتے ہیں تو اسے شئ کیوں کہتے؟ بے معنٰی چیز کا وجود نہیں ہوتا۔
فرمایا : جو چیزیں علم کا سرچشمہ ہیں اگر وہی علم سے تعلق نہ رکھیں تو پھر علم کہاں سے آئے گا؟ انہی حروف سے تو علم پیدا ہوتا ہے۔

استاذ بے چارہ حیران ہوا کہ یہ بچہ کہاں سے آگیا۔ اس نے مجھے ہی پڑھانا شروع کردیا۔ اس نے کہا کہ کیا تو جانتا ہے کہ اَلف اور بَ کے کیا معنٰی ہیں؟

فرمایا۔ ہاں جانتا ہوں۔ پوچھا کیا معنٰی ہیں۔

فرمایا، ایسے تھوڑا ہی بتلاؤں گا۔ استاذی کی جگہ چھوڑ اور شاگردی کی لائن میں آ اور میں تیری جگہ بیٹھوں۔ اس کو اُٹھایا اور اُٹھا کر شاگردوں کی جگہ بٹھایا اور خود جا کر مسند پر بیٹھ گئے۔

پھر الف سے جو توحید کے مضامین اور حقائق بیان کرنے شروع کئے ہیں۔ تو استاذ بھی حیران تھا اور مکتب والے بھی حیران تھے کہ اس بچے کے پیٹ میں کیا چیز بول رہی ہے۔

غرض انبیاء علیہم السلام طبعی طور پر اور فطری طور پر علم کی طرف چلتے ہیں۔ یہ ان کی طبیعت ہے۔ باوجود یہ کہ فلاسفہ یہ لکھتے ہیں کہ طبیعت بے شعور ہوتی ہے۔ طبیعت میں جذبات ہوتے ہیں، شعور نہیں ہوتا۔ مثلاً آپ کو بھوک لگتی ہے۔ یہ ایک طبعی جذبہ ہے لیکن آپ دلیل سے بھوک نہیں لگاتے۔ طبیعت خود بخود اُبھر آتی ہے۔ پیاس لگتی ہے تو دلائل سے نہیں لگتی۔ آپ یوں نہیں کہتے کہ چونکہ یہ وجہ ہے۔ لہٰذا مجھے پیاس لگنی چاہئے۔ بلکہ بلا دلیل پیاس لگتی ہے۔ اس لئے کہ طبعی جذبہ ہے۔

بلکہ اگر پیاس اور بھوک لگی ہوئی ہو اور دلائل سے ثابت کیا جائے کہ ہرگز پیاس نہیں لگ سکتی۔ وہ تب بھی نہیں رکے گی۔ آپ جتنی چاہیں دلیلیں بیان کریں۔ وہ تو طبیعت سے اُبھر رہی ہے۔ تو طبیعت جذبات کا سرچشمہ ہے۔ طبیعت سے شعور اور علم نہیں پیدا ہوتا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی طبیعت بھی شعور کی طرف چلتی ہے۔ عقل تو بڑی چیز ہے۔ ان کی طبائع میں شعور ہوتا ہے۔ طبعی جذبات خود عاقلانہ ہوتے ہیں۔

نبوت اور بچپن کا دَور

آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کے واقعات قرآنِ کریم میں سیّارات کے بارے میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ تو ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام گہوارے کے اندر لیٹے ہوئے تھے۔ اچانک ستارے طلوع ہونے شروع ہوئے۔ اب گہوارے میں لیٹا ہوا بچہ، عقل تو بڑی چیز ہے، اس کی تو طبیعت بھی پختہ نہیں ہوتی۔ مگر گہوارے میں لیٹے ہوئے جب دیکھتے ہیں کہ کچھ روشن چیزیں سامنے آئیں۔ تو طبعاً روشنی کی طرف بڑھتا ہے ظلمت کی طرف نہیں جاتا اسے چاندنا اور روشنی محبوب ہوتی ہے تاریکی محبوب نہیں ہوتی ___ اور طبعی طور پر یہ بھی تمام انسان جانتے ہیں کہ روشنی ظلمت سے برتر ہے۔ اس لئے اس کی طرف کشش ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے دیکھ کر فرمایا :

هٰذَا رَبِّیْ

یہ پروردگار معلوم ہوتا ہے جو اتنی چمک دمک کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں رفعت و بلندی اور اونچائی بھی ہے اور روشنی بھی ہے۔ تو جس میں رفعت و عظمت اور نورانیت ہو۔ بس وہ ربّ ہو گا۔ تو فرمایا :

هٰذَا رَبِّیْ

لیکن جب ستارے طلوع ہو کر بالآخر غروب ہونا شروع ہوئے تو فرمایا :

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

ڈوبنے والی چیز ربّ اور خدا نہیں ہو سکتی۔ جو چیز وجود پائے اور پھر وہ زائل ہو جائے' یہ شان ربّ کی نہیں ہے۔ اس کے بعد چاند نکلا فرمایا :

هٰذَا رَبِّیْ

یہ ربّ ہو گا اس لئے کہ یہ تمام ستاروں سے بڑھ گیا۔ اس ایک نے وہ روشنی کی کہ سارے ستارے اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ تو فرمایا :

هٰذَا رَبِّیْ

"یہ میرا ربّ ہو گا"۔

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ

جب وہ اپنی چمک دمک دکھا کر گم ہو گیا اور نیچا پڑ گیا اور آنکھوں سے چھپ گیا۔ تو فرمایا کہ یہ بھی میرا ربّ نہیں ہو سکتا ___ بس اب تو اگر میرا ربّ ہی مجھے ہدایت نہ دے تو معلوم نہیں میں کس کس چیز کو ربّ سمجھتا رہوں گا۔

اس کے بعد آفتاب نکلا جس نے پوری دنیا کو جگمگا دیا' جس رات کو لاکھوں کروڑوں ستارے مل کر زائل نہیں کر سکتے تھے' کتنا ہی چاندنا کیا مگر رات ہی رہی۔ سورج کی ایک کرن نکلی اور رات غائب ہو گئی ___ اور کرن بھی ابھی نہیں نکلی' وہ تو صبح صادق ہوئی' جبھی رات بھاگنی شروع ہو جاتی ہے بہرحال جب سورج نکلا تو اس کی چمک دمک دیکھ کر فرمایا :

هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ

"یہ بڑا ربّ معلوم ہوتا ہے"۔

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔

جب وہ بھی اپنی چمک دکھلا کر اور پورا عروج پا کے گرنے لگا اور زوال کی طرف چلا' عصر کے وقت اس کا چہرہ فق ہونے لگا۔ روشنی ماند پڑ گئی اور بالآخر منہ چھپا کے رخصت ہوا تو فرمایا :

"ان تمام چیزوں کو ربّ ماننا' درحقیقت شرک میں مبتلا ہونا ہے۔ میں ان چیزوں سے بری ہوں جن میں تم شرک کرتے ہو اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ میں اس شرک کا ساتھی نہیں"۔

تو ابراہیم علیہ السلام گھوارے میں لیٹے ہوئے بچپن کی حالت ہے اور آسمانوں کے حقائق میں غور فرما رہے ہیں اور خدا کی بڑائی اور خدا کے وجود پر استدلال کر رہے ہیں۔ اگر مفسّرین کا یہ قول مان لیا جائے کہ آپ گھوارے میں ہیں اور مہد کی حالت میں ہیں تو اس سے یہ مدّعا ثابت ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی طبیعت بالطبع علم کی طرف چلتی ہے وہ پالنے میں ہوتے ہیں جب بھی وہ علم ہی کی باتیں کرتے ہیں۔ مکتب میں پہنچا دیئے جائیں جب بھی علم ہی کی باتیں کرتے ہیں۔

آخر حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے ہیں تو بعض روایات میں پیدائش کی کیفیت آتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس شان سے پیدا ہوئے؟ نگاہیں آسمان کی طرف تھیں

اور شہادت کی انگلی اُٹھی ہوئی تھی۔ گویا توحید کا اعلان کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔

گویا طبعی چیز ہے ___ لیکن طبیعت ادھر ہی چلتی ہے جو حقیقت ہے گویا انبیا علیہم السلام کی طبیعت حقائق کی طرف جاتی ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا

"حضرت یحییٰ علیہ السلام کا بچپن تھا کہ ہم نے حکم دیدیا"۔

یعنی علم اور معرف لدُنّی اور کمالات ربّانی عطا کردیئے گئے حالانکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا بھی بچپن تھا۔ اسی لئے بعض علماء نے تو دعویٰ کیا ہے کہ سنّتُ اللہ سے مستثنیٰ کر کے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوّت بھی دے دی گئی۔ بہرحال انبیاء علیہم السلام کی طبیعت پیدائشی طور پر پاک ہوتی ہے۔ وہ نیکی ہی کی طرف چلتی ہے۔ کبھی بدی کی طرف نہیں جاتی۔ ہمیشہ خیر کی طرف اور علم و شعور کی طرف بالطبع چلتی ہے۔ بہرحال پیغمبر دنیا میں آکر کسی سے سیکھتے نہیں۔ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کرتے نہ کسی مدرسہ میں جاکر پڑھتے ہیں۔ ان کے معلِّم براہِ راست حق تعالیٰ شانہٗ ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان فرمائی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی اور اَن پڑھ تھے یعنی کسی مدرسہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہیں پائی۔ کسی استاذ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سیکھا ہی نہیں۔

خاندانی ذرائعِ علم کے اِنقطاع سے اُمّیت کا تحفّظ

پھر ساتھ میں یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُمّی اور بے پڑھے لکھے تھے ___ لیکن پڑھنے کا ذریعہ یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ اولاد کو تعلیم دیا کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ خود بچہ اپنے طور پر تعلیم کی طرف نہیں جاتا۔

ع طفل بمکتب نمی رود و لے برندش

بچہ مکتب کی طرف خود نہیں جاتا اسے زبردستی بھیجا جاتا ہے بعض اوقات ماں باپ مار پیٹ کے بھیجتے ہیں۔ بہرحال باپ کا یہ فرض ہوتا ہے کہ بچے کو تعلیم دلائے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے باپ کو اُٹھالیا گیا کہ ہمارے پیغمبر پر یہ تہمت ہی نہ آنے پائے کہ باپ نے تعلیم دلادی ہوگی۔ اس سے اُمّیت اور زیادہ مضبوط ہوگئی کہ خود بھی پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور جو پڑھنے لکھنے کا ذریعہ تھا' باپ۔ وہ پہلے ہی اُٹھالئے گئے۔

اب یہ ہوسکتا تھا کہ ماں تعلیم دلائے ___ جو دانش مندمائیں ہوتی ہیں۔ اگر باپ دنیا سے رخصت ہوجائے وہ باپ کے قائم مقام ہو کے تعلیم دِلاتی ہیں اور بعض دفعہ بچے کی تعلیم و تربیت میں باپ سے بھی آگے بڑھ جاتی ہیں۔

علماء اسلام میں ایک بڑے جلیلُ القدر عالم اور امام ہیں۔ جن کا نام نامی امام ربیعہؒ ہے۔ سلَفِ صالحین میں مشہور ہیں ___ ربیعۃُ الرّئے ان کا لقب ہے ___ یہ ماں کے پیٹ میں تھے کہ باپ کو اتفاق سے سفر پیش آگیا۔ اس زمانے کا تجارتی سفر تھا۔ آج کے وسائلِ سفر تو مہیّا نہ تھے کہ موٹروں میں بیٹھے اور پہنچ گئے۔ ریلوں میں بیٹھ گئے اور ہزاروں میلوں کے سفر کی مسافت طے کرلی۔ ہوائی جہاز میں بیٹھے اور ہزاروں میل گھوم لئے۔ یہ تو تھا ہی نہیں' وہی اونٹوں کا سفر تھا۔ بہت زیادہ ہوئے گدھے پر سوار ہوگئے اور تیز چلے گھوڑا لیا گیا۔

اس طرح سے سفر کرتے تھے ___ غرض امام ربیعہؒ کے والد ماجدؒ کو سفر پیش آیا۔ تجارتی سفر تھا اور سفر بھی یا چوڑا۔ دس برس لگ جائیں، بیس برس لگ جائیں تو خود ربیعہؒ کے والد نے ربیعہؒ کی والدہ سے کہا کہ مجھے ر درپیش ہے۔ تجارت کا سفر ہے اور کئی ملکوں میں جانا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مجھے دس بارہ برس لگ جائیں یس ہزار روپیہ اپنی بیوی کو دیا۔ دس پندرہ برس مجھے آنے میں لگ جائیں تو اس سے اپنا خرچ چلاتی رہنا اور ں کا حساب رکھنا ___ چنانچہ یہ دے کر رخصت ہو گئے۔

ان کے جانے کے چار پانچ ماہ بعد امام ربیعہؒ پیدا ہوئے ___ جب ان کی چار پانچ برس کی عمر ہوئی تو ماں نے انہیں مکتب میں بٹھلا دیا۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے مستقل استاذ مقرر کئے اور ان کی تنخواہ مقرر کی اور قم خرچ کرنا شروع کر دی ___ گیارہ بارہ برس کی عمر میں ربیعہؒ نہایت جیّد عالِم بنے۔ حافظ بنے، محدّث بنے، سر بنے اور فقیہ و مفتی بنے حتیٰ کہ بارہ برس کی عمر میں فتویٰ انہیں سُپرد کر دیا گیا۔ مدینہ منوّرہ (زادھا اللہ شرفاً رامتاً) کی مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام) میں ان کا درس شروع ہوا۔ بڑے بڑے جلیل القدر ماء ان کے درس میں آکر بیٹھتے تھے۔ خود یہ لڑکے۔ ابھی ڈاڑھی بھی نہیں نکلی ___ مگر بڑے بڑے علماء ان ے سامنے زانوئے اَدب تہہ کرنے لگے۔ تمام ممالکِ اسلامیہ میں ان کا شہرہ اور چرچا ہوا ___ تقریباً پندرہ رس کے بعد ان کے باپ لوٹے۔

جب گھر پہنچے تو امام ربیعہؒ گھر میں تھے۔ اپنی عمر کے لحاظ سے جوان ہو گئے تھے، قدو قامت تھا۔ باپ نے یکھا کہ ایک اجنبی مرد میرے گھر میں گھسا ہوا ہے۔ باپ کو آیا غصہ۔ اس نے کہا کہ :

تو کون ہے جو میرے گھر میں گھسا ہوا ہے؟

بیٹا، باپ کو نہیں جانتا تھا۔ اس نے کہا :

کم بخت! تو کون ہے جو میرے گھر میں گھسا ہوا چلا آ رہا ہے؟

باپ بیٹے میں سر پھٹول شروع ہوئی۔ وہ اسے کہتا کہ تو اجنبی مرد میرے گھر میں کیوں آیا ہے؟ اور بیٹا باپ ے کہہ رہا ہے۔

آوازیں جو بلند ہوئیں تو ماں نے اندر سے سُنا۔ جھانک کر دیکھا تو پہچان گئی کہ میرا خاوند آ گیا ہے۔ جلدی ے آکر بیچ بچاؤ کیا اور ربیعہؒ کو اشارہ کیا کہ تم باہر چلے جاؤ اور ربیعہؒ کے باپ کے غصہ کا یہ عالَم کہ بیوی پر ے اطمینانی کا اظہار کیا کہ یہ کون مرد تھا جو گھر میں گھسا ہوا تھا ___ اس نے کہا کہ تم اطمینان سے بیٹھو۔ میں ب کچھ سمجھاؤں گی۔ خیر بمشکل تمام ٹھنڈا کیا ___ مگر وہ بار بار پوچھتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کون تھا؟ اور آتے ہی سوال کیا کہ جو روپیہ میں دے گیا تھا۔ اس کا حساب دے ___ اس نے کہا میں روپیہ لے کر کہیں بھاگ یں جاؤں گی۔ حساب بھی آپ سُن لیں اور اس شخص کے بارے میں بھی آپ سُن لیں۔ مگر آپ جلدی نہ ریں۔ کچھ دَم لیں، بمشکل تمام خاوند کو ٹھنڈا کر کے کھانا دانا کھلایا ___ اور کہا کہ آپ لباس تبدیل کریں، سل کیا لباس تبدیل کیا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ کہا آپ مسجدِ نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ سلام) میں آپ نماز پڑھ آئیں۔ اس کے بعد آپ کو سارا حساب سمجھا دوں گی۔

یہ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گئے ___ تو نماز کے بعد وہاں ربیعۃ الرائےؒ کا درس شروع ہوا تو ڑے بڑے اَجلّہ علماء ان کے سامنے بیٹھے اور اتنا بڑا درس مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی عالِم کا نہیں و تا تھا جتنا ربیعۃ الرائےؒ کا ہوتا تھا ___ تو باپ بیٹھ گیا۔ انہیں کیا خبر کہ یہ میرا بیٹا ہے سنتے رہے، سنتے رہے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد جب درس سے اُٹھے تو گھر آئے اور آکر یہ کہا کہ :

”آج میں نے ایک ایسے جلیلُ القدر عالِم کا درس سنا ہے کہ میں نے اپنی عمر میں ایسا بڑا عالِم نہیں دیکھا اور میری روح تازہ ہو گئی۔ میری تمام کدورتیں دُھل گئیں میں نے تو ایسا کوئی امام نہیں دیکھا۔ بہت زیادہ تعریفیں کیں“۔

بیوی نے کہا کہ آپ کے نزدیک ایک اتنا بڑا عالِم کتنے روپے میں تیار ہو سکتا ہے؟ کہا کتنے روپے ہیں؟ اگر خزانے بھی ختم ہو جائیں تو وہ خزانہ ہلکا پڑ جائے گا اور وہ عالِم بھاری ہو گا ___ پوری دنیا خرچ کر کے بھی اگر ایسا عالِم بنا دیا جائے تو سستا سودا ہے ___ کہا کہ :

”یہی ہے وہ آپ کا بیٹا اور بیس ہزار روپے میں نے اس کے عالِم بنانے پر خرچ کئے ہیں“۔

تو بیوی کے ہاتھ چُوم لئے ___ اور جب بیٹا آیا تو اس سے معافی مانگی اور بیٹا باپ سے معافی مانگ رہا ہے کہ میری گُستاخی معاف کیجئے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ آپ باپ ہیں ___ باپ کہہ رہے ہیں تو عالِم کا استاذ ہے تو میرا بھی استاذ ہے۔ اتنا بڑا عالِم ہے۔

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہے۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا ہے ___ میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر باپ نہ ہو مگر ماں سلیقہ مند ہو تو وہ بیٹے کو پڑھاتی ہے۔ ربیعۃ الرئے جیسا بیٹا پیدا ہو جاتا ہے ___ اگر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، ماں پڑھاتی ___ لیکن ابھی چند ہی سال کے ہونے پائے تھے کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ وہ سہارا ابھی ختم ہو گیا جو علم کا ذریعہ بنتا۔ باپ بھی نہیں رہے، ماں بھی نہیں رہی۔

اب دادا نے اپنی کفالت میں لیا۔ مگر ظاہر ہے کہ دادا پھر ایک واسطہ ہوتا ہے جو لو اپنے باپ کو یا ماں کو لگتی ہے، واسطہ کے ساتھ اتنی لَو نہیں ہوتی ___ لیکن جتنی بھی لگتی ہے..... مگر آٹھ ہی برس کی عمر تھی کہ دادا کا بھی انتقال ہو گیا ___ اس کے بعد ابو طالب کے سپرد کر دیا گیا کہ آپ نگرانی اور تربیت کریں۔ ابو طالب نے عمر بھر نگرانی اور دیکھ بھال کی ___ بہر حال گھرانے میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو تعلیم دے سکتا۔

قومی ذرائعِ علم کے اِنقطاع سے اُمیّت کا تحفّظ

اب اگر گھر میں ماں باپ اور دادا بھی نہ ہو کوئی تعلیم دلانے والا نہ رہے لیکن ملک و قوم میں علم کا چرچا ہو، تب بھی آدمی کچھ نہ کچھ پڑھ لکھ سکتا ہے۔ وہاں ملک بھی جاہلوں کا ملک تھا۔ دنیا کی قوموں میں ان کا لقب ہی جہلائے عرب تھا۔ یہ بھی کوئی نہیں کہتا تھا کہ عرب کے دانش مند ہیں ___ عالِم نہ کہتے تو دانش مند تو کہتے، جہلائے عرب ان کا خطاب تھا اور اس زمانے کا نام زمانہ، جاہلیت تھا۔ گویا اوپر سے لے کر نیچے تک قوم پر جاہلیت چھائی ہوئی تھی اگر حضور علیہ السّلام کے لئے گھرانے میں کوئی مربّی نہیں تھا تو ممکن تھا کہ قوم کے اندر کوئی مربّی بن جاتا، کوئی معلّم بن جاتا، تو تہمت آجاتی کہ یہ جتنا علم ہے یہ تو قوم کا سکھلایا ہوا ہے۔

طبیعت ذہین تھی، چند باتیں قوم والوں سے سُنی، ذکی طبیعت تھی تو پاؤ بھر کا علم مَن بھر کا کر کے دکھلایا۔ تو نبوّت کے اوپر تہمت آجاتی۔ اس لئے گھرانہ جیسا تھا اس سے زیادہ قوم تھی کہ وہاں علم کا نشان نہیں تھا۔ کوئی علم کا چرچا نہیں تھا۔

محلِّ بعثت کے لحاظ سے اُمّیت کا تحفّظ

پھر یہ ممکن تھا کہ قوم میں کوئی نہ ہو تو باہر سے اہلِ علم کی آمدورفت رہتی۔ اگر باہر سے اہلِ علم اور علماء کی آمدورفت رہتی تو کچھ نہ کچھ علم کے کلمات کان میں پڑتے.... لیکن باہر سے کوئی کیسے آتا۔؟

اس لئے کہ باہر سے جب آئیں ملک میں تجارت ہو' زراعت ہو' دولت ہو اور دولت بڑھانے کے وسائل موجود ہوں۔ باہر کے لوگ آئیں' اہلِ کمال آئیں تو وہاں کی کیفیت یہ ہے :

وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

نہ پانی نہ گھاس نہ دانا...... بے آب و گیاہ ملک' سوکھی ہوئی پہاڑیاں' بگولے موجود' غبار موجود' ریگستان یا کوہستان' نہ نہریں نہ دانہ نہ پانی نہ سبزہ نہ باغ نہ کھیتی کوئی چیز بھی تو نہیں تھی۔ باہر سے کوئی آئے تو کس لئے آئے؟

اگر علم کا چرچا ہو تو اہلِ علم آئیں' صنعت و حرفت کا چرچا ہو تو صناع پہنچیں' تجارت اور زراعت ہو تو تاجر اور زراع پہنچیں' جب کوئی سلسلہ نہیں تو باہر سے کوئی کیسے آئے؟

خلاصہ یہ نکلا کہ گھر میں حضور علیہ السلام کو کوئی پڑھانے والا نہیں تھا۔ قوم میں کوئی پڑھانے والا نہیں تھا۔ ملک میں علم کا چرچا نہیں تھا۔ غرض کوئی علمی وسیلہ اور ذریعہ نہیں تھا ___ تو اُمیوں کا ملک تھا' بے پڑھوں کا ملک تھا.... اس میں ایک شخص آکر اُٹھے اور اتنے بڑے بڑے عُلوم پیش کرے کہ اس کے علم کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ جائے اور نہ صرف علم پیش کرے بلکہ اتنا عظیم قانون دنیا کے آگے پیش کرے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہو اور اس حالت میں پیش کرے کہ نہ خود پڑھا لکھا نہ کسی نے اس کو پڑھایا نہ ملک میں پڑھنے لکھنے کا چرچا نہ گھرانے اور خاندان میں کوئی پڑھا لکھا عالم موجود ___ اس کے باوجود ایسا علم پیش کرے کہ علماء اس کے علم کو دیکھ کر تھک جائیں' دانش مند عاجز ہو جائیں' ہاری مان لیں۔ تو یہ اتنا بڑا علم.... بجز اس کے کہ خدا نے سکھلایا ہو اور کیا سبیل ہو سکتی ہے؟

تو اُمّی ہونا درحقیقت یہ حضور علیہ السّلام کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اُمّیت' نبوّت کی سب سے بڑی دلیل

نبوت کی عظیم الشان دلیل یہ ہے کہ آپ اُمّی تھے اور اُمیوں کے اندر مبعوث ہوئے۔ پڑھے لکھے لوگوں میں آتے تو متہم ہو سکتے تھے کہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھا دیا ہوگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ سکھا دیا ہوگا۔ لیکن سکھلانے کے جتنے راستے ہیں سب بند ہیں اور اس کے جتنے اسباب ممکن ہیں سب منقطع ہیں۔ خود پڑھے لکھے نہیں اور علم وہ پیش کیا کہ پڑھے لکھے سب عاجز ہو گئے' دنگ رہ گئے' انگشت بدنداں رہ گئے۔ تو بجز اس کے کہ یہ علم حق تعالیٰ تعلیم فرمائیں اور کوئی صورت نہیں اور اللہ ہی کی تعلیم فی الحقیقت نبوّت ہے۔ حق تعالیٰ مخفی طور پر قلب کے اوپر علوم کا اِلقاء فرمائیں' کمالاتِ وحی اِلہام فرمائیں۔ غرض اُمّیت اور اَن پڑھ ہونا آپ علیہ السّلام کی نبوّت کی سب سے بڑی دلیل ہے ___ اَن پڑھ ہیں قرآن کریم لا کر پیش کیا۔ قرآن کریم وہ ہے کہ پوری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز آ گئی۔ چیلنج کئے گئے' تحدّیاں کی گئیں۔ مگر عاجز آئے اور اس کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قوم اس کی طرف جھک رہی ہے۔ اس کے اصول سے استفادہ کرنا چاہتی ہے اور اس کے فروغ سے مستفید ہونا چاہتی ہے۔ زمانہ بڑھتا جاتا ہے' ترقی کرتا جاتا ہے۔ ہر پُرانی کتاب پُرانی بن گئی۔ مگر یہ کتاب (قرآن مجید) ہر زمانے میں نو بہ نو اور تازہ بہ تازہ ہے۔ تو اتنا جامع قانون پیش کرنا اور

پیش کرنے والے ایک اُمّی ہوں۔ یہ اس کے سوا اور کاہے کی دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ اتنا عظیم قانون خدا ن
اِلقاء کیا ہوا ہے۔ گویا نبوّت کی سب سے بڑی دلیل اُمیّت ہوئی۔

وحی اور عقل کا فرق

ظاہر میں تو اَن پڑھ ہونا بشری کمزوری سمجھی جاتی ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہی سب
بڑے کمال کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ پیغمبر کا یہ کمال نہیں ہے کہ وہ سوچ سوچ کر کچھ اچھی باتیں
دے۔ سوچ کر کہیں گے وہ استدلال ہو گا وہ عقل کا شگوفہ ہو گا۔ لیکن وحی عقل سے بالا تر چیز ہے۔ عقل ج
خود غلطیاں کھانے لگتی ہے۔ تو اس کی صحت و سُقم کا معیار خود وحی بنتی ہے۔ جو اس کو سیدھا کرے۔ عقل
استقامت نہیں پیدا ہوتی' پورا جِلا نہیں پَیدا ہوتا' جب تک علم اور وحی اس کی مدد نہ کرے۔

دیہات میں بھی تو عُقلاء ہوتے ہیں لیکن ان کی عقلیں ماند ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ علم سے جلا نہیں ہ
۔ شہروں میں تعلیم کا چرچا ہوتا ہے تو عقلیں کُھل جاتی ہیں اور جِلا پا جاتی ہیں۔ یہ نہیں کہ دیہات میں عق
ہوتے ہی نہیں اور تقسیم یہ ہو گئی کہ خدانخواستہ دیہات میں سب بے وقوف اور شہروں میں سارے عقلمند
نہیں۔ دیہات میں بھی دانشمند ہوتے ہیں' اعلیٰ سے اعلیٰ اہلِ استعداد ہوتے ہیں۔ چونکہ تعلیم نہیں ہوتی ا
لئے ان کی عقلیں ماند پڑی رہتی ہیں اور علماء اسلام میں تو بڑے بڑے ائمہ بکثرت دیہات سے اُٹھے ہیں۔
غزالیؒ' غزالہ دیہات کے رہنے والے ہیں۔ امام رازیؒ خود دیہاتی ہیں۔ امام حسن بصریؒ خود دیہاتی ہیں۔ غ
بڑے بڑے اَجِلّہ علماء اور صوفیاء دیہات کے رہنے والے تھے۔ علم حاصل کیا۔ اس نے عقلوں کو جِلاد
فہموں کو اونچا کیا تو جلیلُ القدر علماء بن گئے۔ غرض عقلِ محض جب تک اس کی علم مدد نہ کرے ٹھوکریں کھ
ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ کمال نہیں ہے کہ وہ عقل سے سوچ کر کچھ کہیں۔ یہ تو ہر شخص کر
ہے۔

نبی کی عقل کی بُلندی

باوجودیکہ انبیاء علیہم السّلام کی عقل عام انسانوں کی عقل سے بہت بلند و بَرتر اور اونچی ہوتی ہے۔
واسطے کہ اس عقل کے اوپر ہی تو علم اُترتا ہے۔ جتنی بڑی عقل ہو گی اتنا بڑا علم اس کے اوپر اُترے گا۔ ا
'بڑا ہو کر نمایاں ہو گا۔

اگر آپ کے دَرس میں کوئی کم عقل بیٹھا ہوا ہو اور آپ اس کے سامنے تقریر کریں اور ایک دانش
بیٹھا ہوا ہے۔ تو تقریر دونوں کے دماغ میں ایک پہنچی۔ مگر ایک اُٹھے گا تو اس ایک تقریر کی دو بنا کر پیش کر
اور ایک اُٹھے گا تو آدھی بھی باقی نہیں رہے گی۔ غرض کامِلُ العقل کے سامنے جب علم رکھا جاتا ہے تو وہ ک
کا کہیں پہنچ جاتا ہے اور ناقصُ العقل کے سامنے جب علم ہوتا ہے تو وہ آدھا بھی نہیں رہتا۔ انبیاء علیہم ال
کی عقلیں بھی سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں..... اور سرورِ انبیاء اور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ع
یہ فرمائی گئی کہ :

اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔

"اگلوں اور پچھلوں کے علوم بھی مجھے عطا کر دیئے گئے"۔

اتنے بڑے علم کے لئے اتنی بڑی عقل کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے سیّد الانبیا کے عقلی کارنامے خ
کرنے کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یعنی ایک تو وحیِ الٰہی کے ذریعے پیغمبرانہ کارنامے ہیں لیکن

خالص عقل سے فیصلے فرماتے ہیں۔ ان کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلے میں واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقلی کارنامے

چنانچہ اس ذیل میں ایک واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ جب غزوۂ بدر ہوا۔ اِدھر سے مسلمان تو تین سو تیرہ صحابہ تھے اور اُدھر ایک ہزار کا لشکر تھا تو تین سو تیرہ کا ایک ہزار سے مقابلہ تھا۔ دونوں کے کیمپ الگ الگ تھے۔ پہاڑ کے اُس دامن میں مشرکینِ مکّہ کا کیمپ تھا اور اِدھر صحابہ کرامؓ تھے۔

اِتفاق سے دشمن کے کیمپ کا ایک آدمی صحابہؓ کے کیمپ میں نکل آیا مشرکین کا کوئی نوجوان اِدھر آ گیا۔ راستہ بھولا یا قصداً آیا۔ بہر حال اِدھر آیا تو صحابہؓ نے اس کو تھام لیا۔ یہ تو بڑی اہم بات ہوتی ہے کہ دشمن کے کیمپ کا کوئی فوجی آدمی آ جائے تو فوراً اس کو پکڑ لیا' پکڑ کر اس سے پوچھنا شروع کیا کہ تمہارے کیمپ میں کتنے آدمی ہیں؟ مقصد یہ تھا کہ دشمن کی قوّت کا اندازہ کیا جائے۔ تو یہ ایک طبعی بات ہے کہ جب بھی دو جماعتیں لڑتی ہیں تو ہر ایک چاہتا ہے کہ میں اندازہ کروں کہ دشمن کی طاقت کتنی ہے تو صحابہؓ نے یہ چاہا کہ طاقت کا اندازہ ہو جائے۔ تو پوچھا کہ تمہارے لشکر میں کتنے آدمی ہیں؟ اس نے مرعوب کرنے کے لئے کہا کہ :

واللّٰہ لکثیر

بہت بڑا مجمع ہے' بڑی جمعیّت ہے۔ پھر پوچھا۔ دباؤ ڈال کر پوچھا۔ سختی سے پوچھا۔ مگر اس نے بتلا کے نہیں دیا۔ بس یہ کہتا رہا۔

واللّٰہ لکثیر

خدا کی قسم بہت بڑا مجمع ہے۔

غرض پوچھنے میں ناکام ہو گئے۔ اس میں جو کچھ آوازیں بلند ہوئیں تو حضور علیہ السلام اپنے خیمہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا :

یہ شور کیسا ہے؟

لوگوں نے عرض کیا :

یا رسول اللہ! مشرکین میں سے ایک شخص اِدھر آ گیا ہے۔ ہم اس سے پوچھ رہے ہیں کہ تمہاری طاقت کتنی ہے یہ بتا کے نہیں دیتا۔

فرمایا :

اسے چھوڑ دو! کیوں خواہ مخواہ اسے پریشان کرتے ہو؟ اس کو چھڑوا دیا۔ اس نے ذرا اطمینان کا سانس لیا۔ تو دو منٹ کے بعد پوچھا کہ :

تمہارے لشکر میں اونٹ کتنے ذبح ہوتے ہیں؟

اس نے کہا دس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے ہیں۔

فرمایا :

ایک ہزار آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایک اونٹ کو سو آدمی کھا سکتے ہیں اور دس اونٹ روز ذبح کرنا بتلا رہا ہے کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ ایک ہزار آدمی ہے۔

غرض وہ بات جو سب مل کر حل نہ کر سکتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منٹ بھر میں حل کر دی۔ یہ

وحی سے نہیں بتلایا، عقل سے بتلایا۔ محض تدبر اور دانش سے بتلایا۔ یہ ایک تجربہ اور اندازہ سے بتلایا۔

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل مصفّٰی بھی بہت اونچی تھی اور علم تو آپ کا اونچا تھا ہی۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ :

میرا پڑوسی مجھے بہت زیادہ ستاتا ہے۔ میں عاجز آگیا ہوں میں نے منّتیں کیں خوشامدیں کیں، ہاتھ جوڑے، ___ مگر وہ باز نہیں آتا، اور ہر طور پر مجھے ستاتا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ عاجز ہو گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ”تدبیر بتلاتا ہوں اور وہ یہ کہ اپنے گھر کا سارا سامان نکال کر سڑک کے بیچ میں رکھ دے اور اس کے اوپر بیٹھ جا اور جو آنے والا پوچھے کہ بھئی تم نے گھر کے ہوتے ہوئے سامان کیوں باہر ڈالا؟ اسے کہنا کہ پڑوسی ستاتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ گھر چھوڑ دے۔ سڑک کے بیچ میں بیٹھ جا۔

چنانچہ اس نے جا کر سامان نکالا اور سڑک کے بیچ میں رکھ کر خود سامان کے اوپر بیٹھ گیا۔ اب جو آرہا ہے پوچھتا ہے کہ بھئی! گھر تمہارا موجود ہے کیوں سڑک کے بیچ میں بیٹھے ہو۔ اس نے کہا صاحب! پڑوسی ستاتا ہے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا، گھر چھوڑ دو، سڑک پہ بیٹھ جاؤ، لوگوں نے کہا لعنت ہے اس شخص پر جو اپنے پڑوسی کو ستائے۔

اب جو آرہا ہے وہ اس پر لعنت کر رہا ہے۔ صبح و شام ہزاروں لعنتیں اس پر برسیں۔ شام کو اس نے ہاتھ جوڑے، اللہ کے واسطے تو اپنے گھر چل اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ عمر بھر تجھے کبھی نہیں ستاؤں گا۔ خود جا کے اس کا سامان رکھا اور وعدہ کیا کہ عمر بھر خدمت کروں گا اور اللہ کے واسطے دیکر اس کا سامان رکھا۔ یہ بات وحی سے نہیں ارشاد سے فرمائی تھی بلکہ یہ دانش کا اثر تھا۔

غرض انبیاء علیہم السلام جیسے اللہ کی طرف سے علم لے کر آتے ہیں۔ ویسے ہی کمالِ دانش لے کر آتے ہیں۔ تو جتنا بڑا علم اتنی ہی بڑی دانش۔ چونکہ سیّد الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم سب سے بڑا تھا تو دانش بھی سب سے بڑی تھی۔ اس لئے حضور علیہ السلام کی دانش منڈیوں پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

وصفِ اُمیّت کو مفاخر کے مواقع پر ذکر کیا گیا

بہرحال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے اور اُمیّت آپؐ کا سب سے بڑا وصف ہے۔ حق تعالیٰ نے اس کو مفاخر کے مواقع پر اور مدح کے موقع پر ذکر فرمایا ہے :

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ○

توراۃ و انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا گیا ہے کہ ایک رسول آئیں گے وہ نبی ہوں گے اور اُمّی ہوں گے۔ تو صحابہؓ کو کہا جا رہا ہے اور پوری انسانیت کو خطاب ہے کہ جن کا تم توراۃ اور انجیل میں ذکر پاتے ہو۔ وہ نبی اُمّی بے پڑھے لکھے ہیں۔ تو یہ اَن پڑھ ہونا اور بے پڑھا ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا علم پیش فرمایا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوچا سمجھا نہیں تھا بلکہ من اللہ تھا۔ حق تعالیٰ کی جانب سے آیا ہوا تھا۔

جیسی بعثت ویسا علم

اور پھر وہ علم کیسا تھا؟

اوتیتُ علم الاوّلین والاٰخرین

اگلے اور پچھلوں کے تمام عُلوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جمع کر دیئے تھے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے :

کان النبی یُبعث الی قومہٖ خاصۃ وبعثت الی الناس کافۃ

"پہلے تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اقوام کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں سارے انسانوں کی طرف بِلا تفریقِ قوم ووطن سارے وطنوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ فرمایا' :

بُعِثتُ اِلَی الاَ سْوَدِ وَالاَحْمَرِ۔

"کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔

میری اُمت میں جیسے تُرکی ہیں ویسے ہی حَبَشی بھی آئیں گے۔ جیسے عرب ہیں ویسے ہی ہندی اور چینی بھی آئیں گے۔ ہر خطّے اور ہر ملک کے لوگوں کی طرف میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ تو پہلے انبیاء علیہم السلام مخصوص اقوام کی طرف آتے تھے۔ اس لئے اُنہیں وہ علوم دیئے جاتے تھے جو اُنہی قوموں کی ذہنیّت کے مطابق ہوں۔ ان قوموں کے مِزاج کے مناسب ہوں اور معجزات بھی ویسے ہی دیئے جاتے تھے گویا مخصوص علوم ہوتے تھے۔

بعثتِ عیسوی کا پسِ منظر

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف تشریف لائے اور خود فرماتے تھے۔ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یعنی ان کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔ تو قدرتی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہی علوم عطا کئے گئے جو اسرائیلی ذہنیت کے مطابق تھے دنیا کی دوسری اقوام کی کچھ بھی ذہنیت ہو۔ ان علوم میں اس کی رعایت کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ اس لئے کہ ان کے ذمّہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح تھی۔
دوسری اقوام کی طرف جو انبیاء آئے' ان قوموں کے مناسب علوم اور کمالات لے کر آئے۔ تو جیسی ذہنیت کی قوم ہوتی ہے اسی نوع کے علوم اور مسائل دیئے جائے ہیں اور دلائل و معجزات دیئے جائے ہیں۔

بعثتِ مُوسوی کا پسِ منظر

حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے زمانے میں سحر و ساحری کا زور تھا۔ لوگ رسیوں کے سانپ بنا لیتے تھے۔ لاٹھیوں کے سانپ بنا کر پیش کرتے تھے۔ ویسا ہی معجزہ دیا گیا کہ عصا ہاتھ میں دی گئی۔ زمین پہ ڈالا تو اژدہا بن گیا' ہاتھ میں اُٹھایا تو لکڑی بن گئی۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فنِ طِب کا زور و شور تھا' ایک ایک طبیب اُٹھتا تھا اور گارنٹی دیتا تھا کہ میں مریض کو ضرور اچھا کر کے رہوں گا۔ اَبرص کو اچھا کردوں گا' مادرزاد اندھوں کو اچھا کردوں گا۔ تو اسی نوع کا معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا کہ وہ دواؤں سے اچھے کریں اور یہ آنکھ پر ہاتھ پھیردیں تو آنکھ صحیح و سالم ہو جائے۔ مبروص کے بدن پر ہاتھ پھیردیں تو برص غائب اور انتہا یہ کہ کسی پرندے کی صورت بنا کر قُمْ

بِاِذْنِ اللّٰہِ کہہ دیں تو وہ اُڑتا ہوا دکھائی دینے لگتا تھا۔ تو احیاءِ موتیٰ' ابرص کا اچھا کرنا اور مادر زاد اندھوں کی آنکھوں کا درست کردینا۔ غرض ایسے معجزات دیئے گئے۔ جس قسم کی چیزیں اسباب کے درجے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ تو ہر نبی کے زمانے میں ہر نبی کو اسی قسم کے علوم دیئے گئے جو اس قوم کے مناسبِ حال تھے۔

بعثتِ نبی اُمّی کا پس منظر

جنابِ رسول اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام عالَم کی طرف مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع العلوم بنایا گیا۔ ہر ذہنیت آپ کی شریعت میں موجود ہے کہ اسی ذہن کے مطابق تربیت دی جائے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو علمِ اسماء دیا گیا۔ فرمایا گیا :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

تو حدیث میں ہے کہ :

عُلِّمْتُ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا كَمَا عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔

''آدم علیہ السلام کو سب نام سکھلا دیئے گئے تو وہی علم مجھے بھی عطا کیا گیا''۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر کا علم دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل تعبیرِ خواب کا علم تھا کہ تعبیرِ خواب کے اصول بیان کرنا کہ جس سے فن بن جائے۔ اور ہزاروں معبّر پیدا ہو جائیں۔ تو انبیاء علیہم السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کا علم دیا گیا تھا لیکن حضور علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کے اصول بتلائے گئے جو قرآن وحدیث میں بکھرے ہوئے ہیں جس کے ذریعے سے یہ ایک فن بنا اور اس فن کے بڑے بڑے امام اس اُمت کے اندر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے انہی اصول وقواعد کے مطابق تعبیرات دیں۔ جُزئی علم نہیں دیا گیا بلکہ کُلّی طور پر علم دیا گیا۔ غرض حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیرِ خواب کا علم دیا گیا یعنی جزئی خواب جو آتے تو وہ ان کی تعبیر بتلا دیتے تھے۔ مگر وہ اصول وقواعد جن سے تعبیر دینے کا طریقہ معلوم ہو جائے یہ فنی صورت نہیں تھی ___ لیکن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قواعد منکشف ہو گئے جن کو کتابوں میں نقل کیا گیا ہے اور وہ فنِ مستقل بن گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے خواب ذکر کیا جاتا تو جو تعبیر ان کے قلب میں اِلقاء کی جاتی وہ ارشاد فرماتے اور واقعہ سامنے آجاتا۔ مگر جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعبیرات فرماتے۔ ان کے دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ علماء نے ان کو منضبط اور جمع کر کے ایک فن کی صورت دیدی۔

تعبیرِ خواب کا علم علومِ مقصودہ میں سے نہیں ہے۔ علومِ مقصودہ میں تو اَحکام ہیں جن پر چل کر آدمی سعادتِ اَبدی حاصل کرے اور اُخروی نجات حاصل کرے۔ اگر عمر بھر کسی کو خواب کی تعبیر نہ معلوم ہو یا کوئی فن نہ جانے تو قیامت کے دن یہ سوال تھوڑا ہی ہوگا کہ تم نے تعبیرِ خواب کا علم کیوں نہ حاصل کیا؟ تو علومِ مقصودہ میں سے نہیں مگر اس کے باوجود قرآن کریم اور احادیث سے ایسے علوم کی بُنیاد بھی نکلتی ہے جو مقاصد نہیں ہیں مگر قرآن وحدیث نے ان کو ایک فن کی صورت دیدی ہے اور علماء نے اپنے فہم کے مطابق اس فن کو ترتیب دے دیا ہے۔

غرض دیگر انبیاء علیہم السلام کو مخصوص علوم عطا کئے گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تو بنیاد ہی خواب سے چلی ہے۔ اس لئے خواب کا علم ہی ان پر وارد کیا گیا :

اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ

یوسف علیہ السلام نے ہی تو خواب دیکھا تھا کہ میں دیکھتا ہوں کہ گیارہ ستارے اور شمس و قمر مجھے سجدہ کررہے ہیں۔ یہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدا ہوتی ہے۔ وہ شمس و قمر تو ان کے والدین تھے اور وہ گیارہ ستارے ان کے بھائی تھے۔ پھر لمبا قصّہ چلا اور نکلنا پڑا۔ پھر کنعان کے کنویں میں گرائے گئے پھر وہاں سے نکالے گئے' کنعان کے بازار میں بیچے گئے اور پھر جاکر ملکِ مصر کی سلطنت پر فائز ہوئے۔ پھر وہ گیارہ بھائی محتاج ہو کر پہنچے' انہوں نے ہی سرپرستی کی اور بالآخر حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پہنچے۔ آپ نے جاکر تعظیم و تکریم کی۔ تو ابتدا خواب سے ہوئی تھی' تو خواب کا علم ایک مستقل علم کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا جو وحی کے ذریعہ ان کے اوپر اُترنا تھا۔ غرض انبیاء علیہم السلام کو جتنے علوم عطا کئے گئے وہ سارے کے سارے حضور علیہ السلام کو عطا کئے گئے' تو تمام علوم کا جامع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنادیا گیا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے اور ظاہر بات ہے کہ جب تمام ماتحت عدالتوں سے فیصلہ چلتا ہے اور اپیل چلتی ہے تو آخری عدالت میں آکر آخری حکم ہوتا ہے پھر اس کے بعد کسی اور جگہ مقدّمہ نہیں جاتا۔ وہاں بالکل اِنتہا ہوجاتی ہے۔

خاتم النبیین کے لئے کمالِ جامعیّت ضروری ہے

کسی اسکول یا کالج میں جب اساتذہ جمع ہوں تو کچھ اساتذہ درجۂ ابتدائی کے ہوتے ہیں' وہ ابتدائی علوم کچھ سکھلاتے ہیں' کچھ لُغات بتلادیتے ہیں۔ اس کے بعد درجۂ وسطانی کے استاذ ہوتے ہیں جو اوپر کی باتیں بتلاتے ہیں۔ جو آخری مُدرّس ہوتا ہے۔ جس کو پرنسپل کہنا چاہئے وہ سب سے اَخیر کا مدرِّس ہے جو سب سے اونچی چیزیں بتلاتا ہے۔ تو قاعدہ کی بات ہے کہ پرنسپل کو ان تمام چیزوں کا علم ہونا چاہئے جو ماتحت مُدرّس بتلارہے ہیں۔ لیکن ماتحت مُدرّس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اتنا بڑا علم رکھتا ہو جتنا صدر مدرِّس رکھتا ہے۔ اس کی جماعتیں چھوٹی ہیں وہ ابتدائی چیزیں سکھلائے۔

تو حضرت آدم علیہ السلام آئے بچے کو جب آپ کچھ سکھلاتے ہیں تو پہلی چیز سکھلانے کی یہ ہے کہ آپ نام سکھلادیتے ہیں کہ یہ روٹی ہے' یہ لوٹا ہے' یہ زمین ہے۔ یہ آسمان ہے' تو سب سے پہلا علم ناموں کا ہے۔ اس کے بغیر اشیاء میں تمیز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اسماء سکھلائے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

"آدم علیہ السلام کو ناموں کی تعلیم دی گئی"۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام آئے۔ وہ اسماء جان چکے تھے۔ اب انہیں آگے کا علم دینا چاہئے۔ انہوں نے اسماء کی مسمّیات اور اشیاءِ مدلولہ کو سامنے کراکر معرفتِ خداوندی کرائی جن کے نام پہلے سے سیکھے ہوئے تھے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا

"اے لوگو! کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کیسے آسمان کو تہہ بہ تہہ پیدا کیا اور چاند اور سورج کے انڈے اس میں جلائے"۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا

زمین سے تمہیں اس طرح سے اُگا دیا جیسے کہ درخت اُگائے جاتے ہیں زمینی اجزاء جمع کر کے تمہیں انسان مجسّم بنا دیا۔ تو اللہ نے تمہیں زمین سے پرورش کیا اور پروان چڑھایا۔ گویا حضرت نوح علیہ السلام نے آسمان اور زمین کے نام نہیں سکھلائے بلکہ نام والی چیزیں سامنے کر رہے ہیں کہ انہیں دیکھ کر اس بنانے والی ذات کا پتہ چلاؤ۔ تو آدم علیہ السلام نے فقط نام سکھلائے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اسماء والی چیزیں دکھلانا شروع کر دیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا تو انہوں نے فقط زمین و آسمان کی صُورتیں نہیں دکھلائیں۔ فرمایا گیا

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔

آسمان وزمین کا نہیں بلکہ ان کے "ملکُوت" کا علم دیا۔ "ملکُوت" حقائق کو کہتے ہیں۔ یعنی زمینوں کی حقیقتیں نمایاں کیں۔ آسمانوں کے نفُوس نمایاں کئے اور حقائق منکشف کئے۔ تو پہلے پیغمبر نے اسماء سکھلائے۔ دوسروں نے صُورت دکھلائی۔ تیسرے نے حقیقت کا پتہ دیا کہ ان صورت کے اندر کیا حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں۔ سیّارات کے نفُوس کا پتہ دیا۔ زمین کے نفُوس اور حقائق کا پتہ دیا۔

اب جبکہ شئ کا نام بھی معلوم ہو گیا۔ صُورت بھی معلوم ہو گئی۔ اس کی حقیقت اور ماہیت بھی معلوم ہو گئی۔ اب یہ معلوم ہونے کی ضرورت تھی کہ انکے احکام کیا ہیں؟ ان کی خاصیتیں کیا ہیں؟

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکام کی تفصیل بیان کی جس کو فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو توراۃ دی۔

تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

جس میں ہر چیز کی تفاصیل بتلا دی گئیں۔ ہر چیز کا حکم ان کے سامنے کر دیا گیا۔ تو جب ایک شئے کا نام بھی معلوم ہو گیا۔ صورت کا بھی پتہ چل گیا' حقیقت کا بھی پتہ چل گیا' خاصیت اور حُکم بھی معلوم ہو گیا۔ اب حکم کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ اس کے عِلَل و اَسرار اس کے دلائل اور حقائقِ شرعیّہ کا پتہ چلے۔

نبیِ اُمّی کے دین کا امتیاز

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقائقِ شرعیّہ کا علم دیا گیا۔ یعنی اسماء بھی معلوم' صُورتیں بھی معلوم' حقیقتیں بھی معلوم' اَحکام بھی معلوم۔ مگر اَحکام کے حقائق کا پتہ نہیں تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ قرآنِ کریم کا نام ہے۔

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

تِبیان دعویٰ مع الدلیل کو کہتے ہیں۔ جو دعویٰ کیا اس میں علّت چھپی ہوئی ہے۔ جو حکم پیش کیا اس میں حِکمت پوشیدہ ہے۔ اس سے مجتہدین نے کام لیا اور اس سے عِلَل و اَسرار نکال کر اس سے فقہ نکالنا شروع کیا اور اَحکام کا اِستنباط کیا۔ تو انبیاء علیہم السلام پر شرائع اصلیہ اُتاری گئیں اور اس اُمت کے ربّانی علماء اور ائمہ پر شرائعِ وضعیّہ اُتاری گئیں کہ اصلی شریعتوں سے استنباط کر کے وضعی شریعتیں پیدا کریں۔ استنباط واجتہادِ اَحکام کریں۔

تو اِجتہاد فقط حکم میں نہیں ہوتا۔ حکم کی علّت میں ہوتا ہے کہ جب یہ علّت یہاں ہے اور اس پر حکم دائر ہے۔ تو یہ علّت اگر کسی اور جگہ پہنچ گئی تو یہ حکم وہاں بھی پہنچ جائے گا۔ اسی کو قیاس کہتے ہیں کہ کسی علّتِ جامعہ کی وجہ سے حکم مشترک کیا جائے کہ جو حکم یہاں ہے وہی وہاں ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ اجتہاد پیدا ہوئے

___ غرض پچھلی شرائع میں صرف اَحکام تھے۔ وہ اَحکام جُزوی طور پر اقوام کو معلوم تھے۔ وہ رسوم کے طور پر ان پر عمل کرلیتی تھیں ___ لیکن اس شریعت میں احکام کے ساتھ عِلَل وآسرار بھی دیئے گئے تاکہ ایک حکم پر قیاس کرکے ہزاروں اَحکام پیدا کئے جاسکیں۔

نبیٔ اُمّی کے علم کی شانِ جامعیّت

اب ظاہربات ہے کہ جو اَحکام کی **علّتیں** بیان کرے گا۔ اَحکام اسے پہلے سے معلوم ہوں گے۔ اگر نہ ہوں تو علّت کہاں سے بیان کرے گا؟ اور جسے اشیاء کے اَحکام معلوم ہوں گے اسے اشیاء کا بھی معلوم ہونا چاہئے ورنہ حکم کیسے بیان کیا؟ اور جب اشیاء کا علم ہوگا تو صُورتیں اور شکلیں بھی پہچانی ہوئی ہوں گی اور جب صورتیں معلوم ہیں تو ان کے اسماء بھی معلوم ہوں گے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کتنا وسیع اور کتنا جامع ہوگا۔

اور ایسی جامعُ العلوم شخصیّت پر جو علم اُتارا جائے گا اس کی وُسعت کا اندازہ بھی اسی سے کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتمُ الأنبیاء بن کر آنے والے تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کے علوم جمع کردیئے گئے۔

ظاہربات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی ہوکر اتنے وسیع علوم پیش کریں اور ظاہری صورت ان کے علوم کی کوئی نہیں۔ تو یہ متعیّن ہوجاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دینے والی فقط ایک اللہ ہی کی ذات ہے کہ اُمّی ہیں مگر سرچشمۂ علوم سے براہِ راست تعلق ہے۔ اس کی صفت علم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں علم اِلقاء کیا جاتا ہے۔

تو اُمیّت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی سب سے بڑی اور امتیازی دلیل ہے۔ بظاہر اُمّی ہونا ایک عیب ہے مگر یہ اُمّتی کے لئے ہے نبی کے لئے اس کی عظمت کی یہی دلیل ہے۔

یہ چند باتیں میں نے عرض کیں ___ وقت کافی ہوگیا۔ اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نبیِ اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اِتباع کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلنا آسان فرمائے اور ہم سب کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین ۔

شانِ بعثت

"حق تعالیٰ شانہ کی رحمت عرش پر چھائی ہوئی ہے۔ اور رحمت کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ بندوں کی ہدایت کا سامان کر دیا انبیاء علیہم السلام' وہ ہدایت لیکر آئے۔ انبیاء علیہم السلام کا بھیجا جانا خود مستقل ایک انعام نکلا۔ اس سے بڑھکر عالم میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر انبیاء علیہم السلام دنیا میں نہ آئیں۔ آدمی کو آدمی بننا میسّر نہیں ہو سکتا"۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ـــــ اَمَّا بَعْدُ ـــــ

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً وَّلَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)

حرفِ آغاز

بزرگانِ محترم!

اس وقت میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حدیثیں آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ ان تینوں احادیث میں تین بنیادی مقاصد ارشاد فرمائے گئے ہیں ___ پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ کہ آپ کس رنگ کے ساتھ مبعوث کئے گئے۔ کون سی شان لیکر آپ دنیا میں تشریف لائے ___ تو ایک بعثت کی شان اور اس کی صفت کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ دوسری دو روایتوں میں آپ کی بعثت کی غرض وغایت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ کو کیوں مبعوث کیا گیا اور وہ کیا مقاصد تھے جن کو لیکر آپ دنیا میں تشریف لائے۔

اس تقریر کا موضوع دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ پہلا جز شانِ بعثت کہ آپ کا رنگ کیا ہے؟ دوسرا جزیہ کہ آپؐ کی بعثت کے کیا مقاصد متعین تھے؟ وہ جبھی صحیح طور پر سامنے آسکیں گے جب ان کی اصل اور بنیاد پر روشنی ڈالی جائے۔ اس واسطے ابتدا میں بطور تمہید کے میں چند کلمات گزارش کروں گا اس کے بعد احادیث کی تفسیر ان کا موضوع اور انکا معنی انشاء اللہ واضح ہو جائیں گے۔

کلمات تمہید

حق تعالیٰ شانہٗ' سارے کمالات کا سرچشمہ ہیں۔ ساری برکات اور ساری نعمتیں انہی کی ذات میں ہیں۔ انہوں نے دنیا میں تمام نعمتوں کو بھیجا۔

حق تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک جلالی صفات ہیں اور ایک جمالی۔ جلالی صفات جیسے شانِ قہر' شانِ غضب' شانِ انتقام یہ تمام جلالی صفات کہلاتی ہیں ___ اور جمالی صفات جیسے رزاقی' انعام واکرام اور تربیت۔ یہ تمام جمالی شانیں کہلاتی ہیں۔ غرض صفات خداوندی دو نوع میں منقسم ہیں۔ ایک جلالی شانیں اور ایک جمالی شانیں ہیں۔

جمالی شانوں کا سرچشمہ رحمت ہے۔ اور جلالی شانوں کا سرچشمہ غضب ہے تو ساری صفات مللر دو نوع میں آجاتی ہیں۔ ایک رحمت کے نیچے ایک غضب کے نیچے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ :

"میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

حدیث میں ہے کہ عرش عظیم کے اوپر اللہ نے ایک لوح رکھی ہوئی ہے جس کی بڑائی زمینوں اور آسمانوں کے برابر ہے' اس پر **ان رحمتی سبقت غضبی** میری رحمت میرے غضب کے اُوپر غالب ہے میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے۔ جب رحمت اور غضب کا مقابلہ ہوتا ہے تو رحمت آگے آگے چلتی ہے اور غضب پیچھے رہ جاتا ہے۔ تو عرش عظیم کے اُوپر یہ بطور دستاویز کے لکھ کر رکھ دیا ہے۔

تخت شاہی

عرش عظیم وہ تخت شاہی ہے۔ احکام خداوندی عرش سے جاری ہوتے ہیں جس کو فرمایا گیا :

ثم استوی علی العرش یدبر الامر۔

"کہ تمام امور کی تدبیر عرش سے ہوتی ہے۔ اس لئے عرش تخت شاہی ہے اور ساری کائنات اس کے نیچے"۔

اس کائنات کو دیکھا جائے یہ زمینیں' آسمان' جنتیں ان سب سے اوپر جاکر عرش کا سلسلہ ہے۔ تو مخلوقات عرش تک جاکے ختم ہو جاتی ہیں۔ عرش کے اوپر کسی مخلوق کا وجود نہیں ہے' بجز اس تختی کے جو اُوپر رکھی گئی ہے جس پر لکھدیا گیا ہے کہ۔

دستاویز رحمت

ان رحمتی سبقت غضبی۔

صرف اس مخلوق کے سوا اُوپر تجلیّات ربانی ہیں۔ اور صفاتِ الٰہیہ کا وہ مرکز ہے تو عرش گویا پائیۂ تخت

خداوندی ہے جس سے دنیا میں تدبیر امر ہوتی ہے اور احکام چلتے ہیں۔ اس عرش پر رحمت کو غالب کر دیا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام احکام میں رحمت کا غلبہ ہے۔ اور اللہ نے اپنے بندوں سے جو تعلق قائم فرمایا ہے وہ شانِ رحمت سے قائم کیا ہے۔ اگر کہیں شانِ غضب سے تعلق قائم کرتے تو مخلوق کا وجود باقی نہ رہتا۔ مخلوق پامال ہو جاتی' غضب اور قہر کے سامنے کیا چیز ٹھہر سکتی تھی تو بندوں سے جو رشتہ قائم فرمایا وہ صفت رحمت سے قائم فرمایا۔ صفت غضب سے نہیں۔

غضب تو تنبیہ کرنے اور سزا دینے کے لئے ایک وقتی چیز ہے لیکن دوامی چیز جو تمام باتوں پر چھائی ہوئی ہے وہ رحمت کی شان ہے۔ اسی واسطے فرمایا گیا :

الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔

"رحمٰن عرش کے اوپر چھا گیا"۔

اور عرش ساری کائنات پر چھایا ہوا ہے اور عرش کے اوپر رحمٰن چھایا ہوا ہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ساری کائنات پر رحمٰن شانِ رحمت سے چھایا ہوا ہے یعنی ساری کائنات کے اوپر رحمت غالب ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ

الجبار علی العرش استوی۔

یا القہار علی العرش استوی۔

اس کا مطلب یہ ہوتا کہ کائنات پر غضب چھایا ہوا ہے۔ اگر غضب چھایا ہوا ہوتا تو کائنات کا وجود ہی باقی نہ رہتا بلکہ **الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى** رحمٰن عرش کے اوپر چھایا ہوا ہے۔ یعنی صفت رحمت عرش کے اوپر چھا گئی۔ اور عرش ساری کائنات کے اوپر چھایا ہوا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ عرش پوری کائنات پر اس طرح سے ہے جس طرح ایک قبہ ہوتا ہے جس طرح خوان بنا کر اس کو آپ خوان پوش سے ڈھانپ دیں اور وہ سارے خوان پر چھا جائے۔ اس طرح سے پوری کائنات پر مثل قبہ کے چھایا ہوا ہے اور اس پر رحمت چھا گئی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ رحمت ساری کائنات پر چھا گئی ہے۔ تو رحمٰن عرش پر چھا گیا اور عرش کے اوپر دستاویز لکھ کر رکھ دی کہ میری رحمت میرے غضب کے اوپر غالب ہے۔

محلِّ عرش

پھر عرش کو کس چیز پر قائم کیا؟

حدیث میں بھی موجود ہے اور قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے :

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ۔

"عرش کو پانی کے اوپر قائم کیا ہے"۔

حدیث میں ہے کہ وہ ایک عظیم سمندر ہے' جس کی ایک ایک موج زمینوں اور آسمانوں کے برابر ہے ___ اس سمندر پر عرش قائم ہے اگر رحمت کو مجسّم بنایا جائے تو پانی کی شکل اختیار کرے گا۔ جس طرح غضب کو اگر جسم دیا جائے تو وہ آگ کی صورت بن جائے گا۔

جب کوئی شخص مہربان ہوتا ہے۔ اور رحم و کرم کرتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص پانی پانی ہو گیا۔ یعنی اس پر شان رحمت غالب آ گئی۔ اور محبت غالب آ گئی اور اگر کوئی غضب ناک ہوتا ہے اور غصّہ میں ہوتا ہے تو

کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آگ بگولہ ہو گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غضب کو آگ سے مناسبت ہے اور رحمت کو پانی سے نسبت ہے، تو عرش کو اللہ تعالیٰ نے پانی کے اُوپر قائم فرمایا۔ اگر آگ پر قائم فرماتے تو معلوم ہوتا کہ غضب زمین ہے اُس کے اوپر عرش کو قائم کیا۔ پانی کے اوپر قائم کیا اور پانی شانِ رحمت کی صورتِ مثالی ہے تو گویا عرش کے نیچے بھی رحمت ہے اور اُوپر بھی رحمت ہے عرش پانی پر قائم ہے اور پانی شانِ رحمت کی صورت ہے۔ تو عرش رحمت کے اوپر قائم ہوا۔ عرش پر رحمٰن چھا گیا، یعنی صفتِ رحمت چھائی ہوئی ہے۔ عرش کے اُوپر تختی لکھ کر رکھدی کہ میری رحمت غضب پر غالب ہے تو دستاویز بھی رحمت کی ہے گویا عرش کے اُوپر بھی رحمت نیچے بھی رحمت۔

قیامت میں غلبۂ رحمت

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنی شانِ رحمت سے سو رحمتیں عالموں کے لئے پیدا فرمائیں۔ جن میں ایک رحمت اس دنیا میں اتاری ہے۔ اس ایک رحمت کا اثر ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں، جانور اپنے بچوں پر رحم کرتے ہیں۔ دوست دوست پر رحم کرتا ہے۔ عزیز عزیزوں پر رحم و کرم کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک رحمت کا اثر ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی مخلوق پر رحم و کرم فرماتا ہے۔ رزق دے رہا ہے، بارشیں آرہی ہیں، نعمتیں مل رہی ہیں۔ یہ سب ایک رحمت کا اثر ہے۔ ننانویں رحمتیں جو ہیں ان کی بارے میں فرمایا گیا کہ وہ اپنے عرش کے نیچے چھپا کر رکھی ہوئی ہیں۔ قیامت کے دن ایمان والوں پر وہ رحمتیں کی جائیں گی تو اندازہ کیا جائے کہ قیامت کے دن کتنی رحمتیں ہونگی جب ایک ہی رحمت کا اثر یہ ہے جو پوری دنیا میں نمایاں ہے تو ان ننانوے رحمتوں کے آثار کیا ہوں گے، جو قیامت کے دن ایمان والوں پر کی جائیں گی ___ حیلوں پر مغفرت کی جائیگی۔ ذرا ذرا سے بہانے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نجات دی جائے گی۔ گناہ گاروں پر شفقتیں کی جائیں گی۔ تو ننانوے رحمتیں وہاں کام آئیں گی ___ تو حاصل یہ نکلا کہ عرش کے اُوپر بھی رحمت، نیچے بھی رحمت، پانی رحمت کی صورتِ مثالی اور ننانوے رحمتیں عرش کے نیچے چھپائی ہوئی ہیں۔ تو عرش گویا رحمت سے ڈھنپا ہوا ہے۔ اوپر سے نیچے تک رحمت ہی رحمت چھائی ہوئی ہے۔ اور **اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى** اور اللہ شانِ رحمت سے عرش کے اوپر چھا گیا ہے تو ساری کائنات پر رحمت غالب ہے۔

شانِ رحمت کا اثر

اور اس شانِ رحمت کا اثر شانِ ہدایت ہے۔ اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی تو بندوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ بندوں کے لئے راہنمائی فرمائی کہ خیر کی طرف چلیں اور شر سے بچیں۔ بھلائی کی طرف آئیں اور برائی سے اپنے آپ کو بچائیں۔

یہ اسی شانِ رحمت کا اثر ہے۔ اگر بندوں کے اوپر رحمت و شفقت نہ ہو تو بھلائی کی طرف راہنمائی کیوں کریں؟ ___ اگر کسی سے دشمنی کا تعلق ہو تو دشمن کو کون اچھا راستہ دکھلاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہ اور جا کے جہنم میں جھک جائے، جلدی سے ہلاک ہو، جب دشمن ہی ٹھہرا دوست کو راہنمائی کی جاتی ہے کہ کسی برائی میں مبتلا نہ ہو۔ ماں باپ اپنے بچے کے دوست کو راہنمائی کرتے ہیں کہ بیٹا یہ کلام کرو یہ کام مت کرو۔ یہ تمہارے لئے بھلائی کی بات ہے اور یہ برائی کی بات ہے۔ یہ رحمت و شفقت ہی کا اثر ہوتا ہے اگر استاذ کو طالب علموں سے دشمنی ہو جائے وہ طالب علموں پر کیوں محنت کرے گا؟ نہ کتاب پڑھائے گا نہ راہنمائی کرے گا نہ مسائل

ئے گا تو شفقت اور رحمت کا اثر ہوتا ہے۔ جو راہنمائی کی جاتی ہے۔ سب سے بڑا رحمت کا ظہور ہدایت ہے
سیدھی اور بھلائی کی راہ بتلادی جائے۔

سب سے بڑی دعاء

اسی شانِ ہدایت کے تحت حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم السّلام کو دنیا میں بھیجا۔ وہ اللہ کی ہدایت ہیں جو
ب کے ذیل میں نمایاں ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام کا ہدایت کرنا۔ یہ اللہ کا ہدایت کرنا ہے۔ یہ اس کی رحمت کا
ر ہے۔ تو ہدایت سب سے بڑی چیز ہے۔

سورۂ فاتحہ جس کو قرآن عظیم فرمایا گیا ہے اور نماز کی ہر رکعت میں اس کو پڑھا جاتا ہے اس سورۃ کا نام
ۃ المسئلہ بھی ہے۔ یعنی سوال کرنے کی سورت۔ اس میں سوال کیا گیا ہے؟

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ

''ہدایت دیدیجئے سیدھے راستہ کی''۔

یہ ہے سب سے بڑی دعا جو سورۂ فاتحہ میں منگوائی گئی ہے۔

سورۂ فاتحہ کی ابتدا میں حق تعالیٰ شانہٗ کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ وہ ربّ العٰلمین ہے۔ رحمٰن ورحیم
۔ ملکِ یوم الدّین ہے، معبود ہے کہ جن کی عبادت کی جاتی ہے ___ آگے بندگی کی شان فرمائی گئی کہ بندہ کا
یہ ہے کہ معبود کے آگے جھکے، بھیک مانگے، سوال کی دعا یہ بتلائی گئی کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۔
بندے مکلّف اور مامور کئے گئے ہیں کہ پانچوں نمازوں میں یہ دعا کریں۔ جب فاتحہ پڑھیں گے یہ دعا
ئے گی۔ فرائض کے بعد سنتیں پڑھے تو پھر فاتحہ کے ذریعہ یہ دعا مانگے۔ نفلیں پڑھے یا تہجد پڑھے یہ دعا
ے غرض جتنی نمازیں فرض، واجب، سنّت اور نفل، یہ دعا سب میں لازم ہوگی، معلوم ہوتا ہے کہ
ی بڑی اہم دعا ہے۔ ہدایت کا مانگنا کوئی بہت اہم چیز ہے۔

بظاہر ایک سوال ہوتا ہے کہ فاتحہ جس کو سورۃ المسئلہ کہا گیا ہے۔ اس میں کوئی ذرا اونچی دعا منگوائی جاتی
یا اللہ! ہمیں جنّت عطا کردیجئے، یا اللہ ہم سے راضی ہوجایئے اپنی رضا عطا کردیجئے، ہمیں اپنے عرش کے
ئے میں جگہ دیدیجئے یہ تو معمولی سی دعا ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو ساری دعاؤں کی جڑ بنیاد یہی دعا ہے
واسطے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیدھا راستہ دکھلادیجئے تو جب سیدھا راستہ مل گیا تو آدمی اس پر چل
رضا خود بخود حاصل ہوگئی۔ بے راہ رو کو رضا حاصل نہیں ہوتی، سیدھے راستہ پر پڑ گئے تو جنت خود بخود
ل ہوگئی، بے راہ تو جنّت نہ ملی، سیدھے راستہ پر چل پڑے تو عرش کے سائے میں بھی جگہ خود بخود مل
۔ اگر آدمی بد راہ ہوگا۔ عرش کا سایہ نہیں ملے گا۔ تو جتنی بڑی سے بڑی دعا ہوسکتی تھی، اور جتنا بڑے سے
قصد ہوسکتا تھا وہ سب اس دعا سے حل ہوتا ہے اصل میں ہدایت ہے۔ ہدایت ہوگئی تو رضا بھی ملی، جنت
ملی عرش کا سایہ بھی ملا اور انبیاء علیہم السلام کی مرافقت بھی ملی ___ ساری نعمتیں دستیاب ہوگئیں ___
اگر خدانخواستہ ہدایت نہ ملے تو نہ جنت، نہ عرش اگر آدمی ضلالت اور گمراہی کے اوپر ہوجائے تو کہیں سے
ی نعمت دستیاب نہیں ہوسکتی ___ اس سے اندازہ ہوا کہ سب سے بڑی نعمت ہدایت ہے۔ اس لئے سورۂ
میں دعا منگوائی گئی کہ ہدایت کی دعا مانگو کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھلادیجئے، دل کی کلیں درست ہوگئیں۔
کا راہ درست ہوگیا۔ تو دنیا و آخرت کی ہر نعمت مل گئی۔

ثمرۂ دعاء

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ :

ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب۔

انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لو تھڑا ہے جو صنوبری شکل کا ہے۔ اگر وہ درست ہے تو سارا انسان درست ہے اگر وہ غلط ہے تو سارا انسان غلط ہے اور وہ گوشت کا لو تھڑا "دل" ہے اگر دل درست ہے تو سارا انسان درست ہے اور اگر دل خراب تو سارا انسان خراب ہے ___ اور دل کب درست ہوتا ہے جب دل کی کلیں درست ہوں، دل کا راہ درست ہو، دل میں ہدایت موجود ہو۔ دل میں ضلالت اور گمراہی موجود نہ ہو تب دل درست ہوتا ہے۔ تو سارے انسان کی درستگی قلب کی ہدایت پر موقوف نکلی ___ تو معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کوئی بہت بڑی عظیم نعمت ہے اس لئے یہاں دعاء منگوائی گئی کہ :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

"ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے دیجئے"۔

اور وہ صراطِ مستقیم کونسا ہے؟

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

"جن پر آپ نے انعام کیا ان کا راستہ"۔

اور وہ کون ہیں جن پر انعام کیا گیا؟

وہ انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صلحاء ہیں تو انکا راستہ مطلوب ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

جن پر آپ کا غضب و قہر نازل ہوا، ان کا اور گمراہوں کا راستہ ہمیں نہیں چاہئے۔ ان کا راستہ چاہیے جن پر پر آپ کا انعام ہوا۔ وہ آپ کی رحمت کے نیچے ہیں۔

تو سب سے بڑی دعاء جو فاتحہ میں منگوائی گئی وہ ہدایت کی دعاء ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت اتنی بڑی نعمت ہے کہ ساری نعمتیں اس کے تابع ہیں اور ضلالت سب سے بڑی گمراہی ہے کہ ساری مصیبتیں اس کے تابع ہیں۔

اس لئے فاتحہ جو قرآن کریم کا خلاصہ ہے اس میں ہدایت کی دعاء رکھی گئی جو فاتحہ کا خلاصہ ہے۔ تو سارے قرآن کا خلاصہ ہدایت نکل آتی ہے۔

نعمتِ عظمیٰ

اسی واسطے سورۂ بقرہ سے جب قرآن کریم کا آغاز کیا گیا اور کہا گیا کہ :

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔

"وہ کتاب ہے جس میں کوئی کھٹکا نہیں"۔

اس کی شان یہ فرمائی گئی کہ :

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔

"یہ کتاب متقین کے لئے ہدایت ہے"۔

یہ تو سب سے بڑی نعمت کتاب اللہ ہے' کتاب اللہ کی سب سے بڑی نعمت جو بنیاد ہے وہ ہدایت ہے ___ تو فاتحہ میں ہدایت مانگی گئی ہے ___ تو حق تعالیٰ شانہ' کی رحمت عرش پر چھائی ہوئی ہے۔

اور رحمت کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ بندوں کی ہدایت کا سامان کردیا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام وہ ہدایت لیکر آئے۔ انبیاء علیہم السلام کا بھیجا جانا خود مستقل ایک انعام نکلا۔ اس سے بڑھ کر عالم میں کوئی نعمت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر انبیاء علیہم السلام دنیا میں نہ آئیں' آدمی کو آدمی بننا میسّر نہیں ہوسکتا۔ انسان کو انسان انبیاء علیہم السّلام نے بنایا ہے۔ ورنہ انسان تو ___ گھوڑوں اور ڈنگروں کا ایک مجموعہ ہے۔ جو آپس میں ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے۔ ایک دوسرے کے درپے آزار ہوتا ہے ___ جانور' جانور کے ساتھ وہ بدسلوکی نہیں کرتا' جو انسان انسان کے ساتھ کرتا ہے۔ تو انسان اگر انسانیت پر نہ آئے تو سب سے بڑا درندہ یہ ہے۔ سب سے خونخوار غضبناک بھی یہ ہے اس کو جو جانور کی حد سے نکال کر انسانیت میں داخل کیا ہے وہ انبیاء علیہم السّلام ہی نے تو کیا ہے انہی کی تعلیمات کا تو اثر ہے کہ آدمی آدمی بنتا ہے۔ جب ان کی تعلیمات کسی جگہ ختم ہوجاتی ہیں۔ وہیں انسان گھوڑوں اور ڈنگروں میں شامل ہوجاتے ہیں۔ جہاں تعلیمات آئیں وہیں آدمیّت آجاتی ہے۔ تو آدمی کی آدمیّت ہدایت پر موقوف ہے۔ اور ہدایت انبیاء علیہم السّلام کے آنے پر موقوف ہے۔ تو نبیوں کا آنا ایک عظیم نعمت نکلی ___ اور کل انبیاء علیہم السّلام میں سے بھی سب سے بڑی نعمت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا ہے کہ آپ خاتم النبیّین ہیں ___ افضل الانبیاء ہیں۔ اور افضل البشر ہیں۔

نبی الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)

حتیٰ کہ انبیاء علیہم السّلام کی نبوتوں کا فیض بھی درحقیقت نبوّتِ محمّدی سے چلا' حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ :

انا نبی الانبیاء۔

"میں نبیوں کا نبی ہوں"۔

اور انبیاء امتوں کے نبی ہیں ___ اسی واسطے انبیاء علیہم السّلام پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ انبیاء کرام سے عہد لیا گیا :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ

"یاد کرو اس وقت جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب وہ رسول عظیم الشان آئے جن کو بھیجنا ہے ___ اور تمہیں میں نبوت اور کتاب دیدوں اور پھر وہ رسول آئیں گے تو تم اس کے اوپر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو۔ اگر تم میں سے کوئی اس کا زمانہ پائے تو خود مدد کرے۔ ورنہ اپنی اقوام کو ہدایت کرو کہ وہ خاتم النبین کی مدد کریں"۔

اس نبی کی کیا شان ہوگی؟ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ ___ وہ رسولِ عظیم' جو کچھ تمہیں علم دیا گیا ہے' اس کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

جامع الہدایات

تصدیق' اس کی دلیل ہوتی ہے کہ جس چیز کی وہ تصدیق کرتا ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ جس علم کی تصدیق کوئی کرے گا تو پہلے اس کا علم ہونا چاہیئے۔ جاہل تصدیق نہیں کر سکتا۔ عالم تصدیق کرے گا۔ تو سارے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کا مطلب یہ ہے کہ جو علم سارے انبیاء کو دیا گیا تھا وہ علم اس نبی عظیم میں موجود ہو گا تو آپ تمام علوم انبیاء کے جامع ہونگے۔ اس لئے آپ سارے انبیاء کی تصدیق کریں گے' جو کچھ جسے ملا ہے' میں کہتا ہوں کہ وہ حق ہے۔ وہی سچ ہے۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے پاس حق موجود ہو۔ وہ علم اس کے پاس موجود ہو تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّن اور جامع العلوم بنائے گئے تو اگر انبیاء کا دنیا میں آنا رحمت ہے تو خاتم النبیّن کا آنا سب سے زیادہ رحمت ہے۔ جو جامع ترین نعمت لیکر آئے ___ اگر اور انبیاء علیہم السلام مختلف رنگوں کی ہدایات لیکر آئیں تو آپؐ ساری ہدایتوں کا مجموعہ بن کر آئے۔ تو خاتم النبیّن کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ جامع الہدایات ہیں۔ جامع العلوم اور جامع الکمالات ہیں تو ایک ایک کمال کا آنا اگر نعمت اور رحمت ہے تو سارے کمالات کے مجموعے کا آنا سب سے بڑی رحمت ہے ___ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا نعمت ہوگی اور سب سے بڑی نعمت آپ کی بعثت ہوگی۔

افضل الشئون

اس لئے آپؐ کی جو شان ہوگی وہ ساری شانوں سے افضل ہوگی۔ جب آپؐ خاتم ہیں تو خاتم الشئون بھی ہونگے' ساری شانیں بھی آپؐ پر ختم ہوں گی۔ تو جامع ترین آپؐ کی شان ہونی چاہیئے۔

تمام انبیاء علیہم السلام حق تعالیٰ کے کمالات کا مظہر بن کر آئے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم جامع الکمالات ہیں اس لئے حق تعالیٰ شانہ' کے کمالات کا مظہر اتم ہیں تو حق تعالیٰ شانہ' کی شانیں جس قوت اور کمال کے ساتھ آپؐ میں آئی ہیں' دوسروں میں نہیں آئیں۔

شانِ نبوی ﷺ میں غلبۂ رحمت

ابھی آپ نے سنا کہ حق تعالیٰ شانہ' کی شان یہ ہے کہ ان کی تمام صفات دو نوع میں ہیں۔ صفات جمال اور صفات جلال۔ صفات جمال کا منشاء رحمت ہے اور صفات جلال کا منشاء غضب ہے۔ اور رحمت اللہ کے غضب پر غالب ہے تو جو اللہ کا سب سے بڑا مظہر اتم ہے اس میں بھی رحمت ہی غالب ہونی چاہیئے۔ اس لئے آپ کی شان فرمائی گئی کہ :

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

جیسے اللہ کے ہاں شانِ رحمت غالب ہے تو خاتم النبیّن میں بھی ساری شانیں ہیں مگر سب پر جو شان غالب ہے تو وہ رحمت کی شان ہے آپ کو رحمت مجسم بنا کر بھیجا گیا آپؐ فرماتے ہیں کہ :

اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ

میں ایک رحمت ہوں جو بطور ہدیہ کے مخلوق کو دی گئی ہوں ___ یعنی میں اللہ کا ایک ہدیہ ہوں جو مخلوق کو عطا کیا گیا۔ ایک تحفہ ہے جو اللہ نے بنی آدم کے لئے بھیجا ہے۔ اور وہ میں ہوں۔ اور میں کون ہوں؟ رحمۃ

مھداۃ ایک رحمت مجسم ہوں جس کو بطور ہدیہ کے عطا کیا گیا۔ تو اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے عظیم ہدیہ بھیجا۔ وہ ہدیہ رحمت ہے۔

تو جیسے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ میری شانوں میں رحمت کی شان غالب ہے یہی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہے کہ آپ پر شانِ رحمت کا غلبہ ہے۔ شان غضب غالب نہیں ہے۔ جب آپ حق تعالیٰ شانہٗ کے نمائندے اور مظہر ہیں۔ تو شان غضب بھی موجود ہے۔ اس غضب کا اثر یہ ہے کہ آپ کی شریعت میں حدود بھی ہیں۔ قصاص بھی ہیں۔ کفارات بھی ہیں۔ تعزیرات اور سزائیں بھی ہیں۔ جہاد بھی ہے۔ جو شانِ غضب کا مظہر ہیں ___ مگر ان سب کے اندر بھی اگر غلبہ ہے تو شانِ رحمت کا غلبہ ہے۔ غضب بھی چلتا ہے تو وہ بھی رحمت ہی سے چلتا ہے۔

اگر باپ بچے کو مارتا بھی ہے۔ اس کا منشاء دشمنی نہیں ہوتی۔ محبت منشاء ہوتی ہے۔ محبت ہی سے مارتا ہے تاکہ اس کو ہدایت ہو حق تعالیٰ شانہٗ بھی اگر کسی فرد یا قوم پر غضب فرماتے ہیں اس کا منشاء رحمت ہوتا ہے ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اگر کسی پر غضب یا غصہ فرمائیں اس کا منشاء بھی رحمت ہی ہے ہدایت اور تنبیہہ اس کا منشاء ہوتی ہے۔ تو غضب کا منشاء بھی فی الحقیقت رحمت ہے تو رحمت غالب آگئی۔ کہیں بلاواسطہ رحمت کا ظہور ہے۔ کہیں غضب کے واسطہ سے رحمت کا ظہور ہے غضب میں بھی سو رحمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ دشمن اگر غصہ کرے تو یہ غصہ ہے اور باپ اگر غصہ کرے، اس کے اندر رحمت چھپی ہوئی ہے۔ دشمنی چھپی ہوئی نہیں۔ تو اللہ اپنی کائنات پر اور مخلوق پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے۔ اس کے غصہ میں بھی ہزاروں رحمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ تو آپ غصہ بھی فرمائیں گے تو اس کا منشاء رحمت اور محبت ہی ہوگا ___ تو آپ شانِ رحمت اور رحمتِ مجسم بنکر آئے ہیں۔

صحابہؓ میں شانِ رحمت

اسی لئے آپ کی شریعت میں رحمت کا غلبہ ہے۔ ایک ایک حکم کے اندر رحمت کا غلبہ ہے۔ ہر ہر حکم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شفقت ٹپکی پڑتی ہے۔ بندوں کو ہدایت دے رہے ہیں۔ اس میں بھی شان رحمت کا غلبہ ہے۔

اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ جیسے رحمتِ مجسم ہیں تو تمام صحابہؓ کی تربیت شانِ رحمت سے ہی فرمائی۔ اس لئے صحابہؓ کی شان یہ فرمائی گئی کہ

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

رحمت اور کرم ان کے اندر مخفی ہے۔ رحمت و کرم ان کے اندر رچا ہوا ہے اگر کفار پر شدت ہے تو ان کی ذوات پر نہیں ان کے کفر پر ہے۔ رحمت وہاں بھی چھپی ہوئی ہے کہ کسی طرح سے وہ بھی ایمان قبول کرلیں۔ کسی طرح یہ ہدایت پر آجائیں۔

رحیمِ اُمّت

صحابہؓ میں سے بھی اَجلّ صحابہؓ اور افضل صحابہؓ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ___ اسی واسطہ حدیث میں فرمایا گیا کہ انبیاءؑ کے بعد اگر کوئی شخصیت ساری کائنات پر افضل ہے تو وہ صدیق اکبرؓ ہیں اور صدیق اکبرؓ کی شان فرمائی گئی :

أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْبَكْرٍ

''صدیق اکبرؓ پر رحمت کا غلبہ ہے''۔

حدیث میں واقعات آتے ہیں کہ صدیق اکبرؓ جب اپنے مکان سے مسجد نبوی کی طرف چلتے تھے گویا دربار خلافت میں پہنچتے تھے تو رحمت کا غلبہ اس درجہ پر تھا۔ اور اس درجہ مخلوق اس رحمت سے آپ کی طرف متوجہ ہوتی تھی کہ چھوٹے چھوٹے سینکڑوں بچے آپ کے پیچھے ہوتے تھے۔ کوئی کہتا یَا اَبَتَا اے باپ اور کوئی کہتا کہ اے چچا' اور صدیق اکبرؓ ہیں کہ کسی بچے کو کندھے پر چڑھائے ہوئے ہیں۔ کسی کو گود میں لئے ہوئے ہیں۔ کسی کے سر پر ہاتھ ہے۔ بیسیوں بچے پیچھے پیچھے ہیں اور دربار خلافت میں امیر المؤمنین جا رہے ہیں۔ یہ رحمت کا غلبہ تھا۔

اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں یہ روایات میں ہے کہ جب گھر سے مسجد نبوی کی طرف چلتے تھے۔ تو لوگوں کی اپنے گھروں کے آگے بیٹھکیں ہوتی تھیں۔ جب گھر سے نکلتے تھے تو ڈر کے مارے لوگ کرسیاں چھوڑ کر ہیبت کی وجہ سے گھروں میں چھپ جاتے تھے اور صدیق اکبرؓ جب چلتے تھے تو بڑے اور بچے سب ان کے پیچھے' اور بچوں میں سے کسی کو گود میں اور کسی کو کندھے پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ کسی کے سر پر ہاتھ اور کسی کی انگلی پکڑے ہوئے ہیں۔ اور امیر المومنین دربار خلافت میں جا رہے ہیں۔

أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْبَكْرٍ۔

سب سے رحیم القلب اور سب سے زیادہ شفیق صدیق اکبرؓ کو فرمایا گیا تو اللہ کے یہاں شان رحمت غالب ہے تو سب سے زیادہ بڑے نائب اور اللہ کے وزیر اعظم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کو رحمتِ مجسّم فرمایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتوں میں جو سب سے زیادہ اکمل ہے اس کو أَرْحَمُ کہا گیا کہ سب سے زیادہ رحیم ہیں۔ تو رحمت اوپر سے لیکر نیچے تک چھائی ہوئی ہے اور رحمت کا ایک سلسلہ چلا جو پہلے انبیاء میں آیا۔ اکمل ترین حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا۔ سارے صحابہؓ میں آیا کہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ اکمل ترین صدیق اکبرؓ میں آیا۔ غرض رحمت غالب ہے اور رحمت کا سرچشمہ وہ فی الحقیقت ہدایت ہے۔ تو سارے صحابہؓ ہادی ہیں۔

طبقۂ صحابہؓ کی تقدیس

اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ :

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

''میرے تمام صحابہؓ ستاروں کے مانند ہیں جس کی روشنی میں راستہ طے کرو گے ہدایت پا جاؤ گے''۔

ہر ایک ہادی اور مہدی ہے گویا صحابہ کی وہ شان ہے کہ اگر قرآن و حدیث نے من حیث الطبقہ کسی کو مقدس کہا ہے تو وہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے۔ اوروں میں افراد کی تعریف کی گئی ہے لیکن طبقے کے طبقے کو مقدس کہنا یہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

سابقین اوّلین مہاجرین ہوں یا انصار ہوں اور جو بعد میں ان کے ساتھ ملتے گئے ان سب کے مجموعے کو کہا کہ اللہ ان سب سے راضی وہ اللہ سے راضی تو اللہ طبقہ سے راضی۔ افراد کا نام نہیں لیا کہ صدّیقِ اکبرؓ سے راضی یا فاروقِ اعظم سے راضی۔

مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ۔

مہاجرین اوّلین ہوں' انصار اوّلین ہوں یا بعد میں ان کے ساتھ لاحق ہونے والے ہوں۔ سب کو کہا گیا اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی جس طبقے میں طبقے کی حیثیت سے کھوٹ ہو۔ اللہ کبھی ان سے راضی نہیں ہو سکتا۔ رضا کا اعلان دلیل ہے کہ طبقے میں کھوٹ نہیں۔ طبقہ بہت مقدّس ہے۔

دوامی رضا کا اعلان

پھر رضا کا بھی اعلان کوئی ہنگامی اور وقتی نہیں۔ یہ رضا مندی کا اعلان قرآن میں کیا گیا۔ اور قرآن قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ اس کا حاصل یہ کہ کوئی دقیقہ بیچ میں ایسا نہیں گزرے گا کہ اللہ صحابہؓ سے ناراض ہو۔ جو رضا ابتداء میں ہے وہی وسط میں ہے' وہ انتہا میں ہے۔ قیامت تک وہ رضا باقی رہے گی اور قیامت کے بعد بھی رہے گی۔ قیامت کے بعد قرآن اسی طرح موجود ہو گا۔

حدیث میں ہے کہ جنت میں حافظ سے کہا جائے گا کہ :

رتل وارتق۔

قرآن پڑھتا جا۔ اور جہاں تک تیری طاقت میں ہے ترقی کرتا جا۔ تو وہاں بھی تلاوت ترقیات کا ذریعہ بنے گی۔ قرآن قیامت تک ختم نہیں ہو گا اس کے بعد بھی قرآن ہی کا دور حکومت ہے۔ جنت میں بھی قرآن ذریعہ ترقی بنتا جائے گا۔ اور جب تک قرآن ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ___ کا نعرہ موجود ہے تو مطلب یہ نکلا کہ اب جب صحابہؓ (نزولِ قرآن کریم کے وقت) موجود ہیں۔ اب بھی ہم ان سے راضی' ان کی وفات کے بعد بھی ان سے راضی' یعنی ابد الآباد تک ان سے راضی ہیں۔ تو جس طبقے کے بارے میں رضا کا اعلان کیا جائے کہ علی الاطلاق ہم ان سے راضی ہیں اور وہ علی الاطلاق ہم سے راضی تو وہ طبقہ یقیناً بحیثیت طبقے کے مقدّس ہے۔ یہ نہیں کہ ایک دو فرد مقدس ہیں۔ باقی میں معاذ اللہ' کچھ کھوٹ ہے۔ پورا طبقہ مقدّس ہے۔

کُتبِ سابقہ میں شانِ صحابہؓ کا ذکر

پھر یہ کہ کُتبِ سابقہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان بیان کی گئی۔ تورات میں بیان کی گئی ___ حدیث میں ہے کہ صحابہؓ کی شانیں اور صفات دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے خواہش کی اور کہا کہ اے پروردگار! یہ امّت مجھے عطا کر دیجئے' فرمایا گیا کہ "یہ امّتِ محمد ہے" تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پھر امّت ہی میں مجھے داخل کر دیجئے۔

تو گویا ایسی شان بیان کی گئی کہ انبیاء نے تمنائیں کیں کہ اس امّت کے ذیل میں ہمیں شمار کر لیا جائے۔ تو اس امّت میں سب سے زیادہ مقدّس طبقہ صحابہؓ کا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ کُتبِ سابقہ میں بھی اس طبقہ کے مقدّس ہونے کی شہادت دی گئی' اور قرآن میں شہادت دی گئی تو ازل سے ان کا تقدّس چلا اور ابد تک

چلتا رہا۔ تو اوّل سے لیکر اخیر تک یہ طبقہ مقدّس ہے ___ اور طبقات کے تو افراد کا نام لے کر مقدّس کہا گیا ہے یا بلا نام کے۔ اور اس پورے طبقے کی تقدیس کر دی گئی۔

اصنافِ صحابہؓ کی تقدیس

پھر اس طبقے کے نام لے لے کر قرآن کریم نے الگ تقدیس کی :

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

اللہ ان مؤمنوں سے راضی ہو گیا جن سے آپ نے شجرۃ الرضوان کی بیعت لی ہے۔ حدیبیہ میں بیٹھ کر بیعت لی ان سے اللہ راضی۔

وہ ڈیڑھ ہزار کے قریب صحابہؓ ہیں۔ تو ایک صنف بتلائی گئی۔ اس پر پھر رضا کا اعلان کیا گیا ___ تو مجموعہ سے رضا کا اعلان اور اس کی اصناف سے رضا کا اعلان۔ اصحابِ بدر سے رضا کا اعلان، اصحابِ اُحد سے رضامندی کا اِعلان پھر پورے رضا کے نیچے آجاتے ہیں۔ پورے صحابہؓ کی تقدیس و تقدس کا قرآن کریم اعلان کر رہا ہے۔ اور شہادت دے رہا ہے۔ یہ اللہ کی شہادت ہے تو اٹل اور مضبوط ترین شہادت ہے تو طبقۂ صحابہؓ کو بحیثیت طبقۂ مقدس قرار دے دیا گیا۔

مقاماتِ صحابہؓ کی تقدیس

پھر ان کے اعمال کی تقدیس الگ کی گئی، ان کے اخلاق کی تقدیس الگ کی گئی۔

پھر ان کے مقامات کو مقدس الگ بتلایا گیا۔

ایک موقع پر فرمایا گیا :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔

جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ہیں۔ ان کی شان یہ ہے کہ کفر کے بارے میں شدید ہیں اور ایمان اور مؤمن کے بارے میں رحیم اور رقیق القلب ہیں یہ ان کے مقامات کو سراہا گیا کہ ان کے قلبی مقامات میں سے دو مقام یہ ہیں کہ ایمان کے روبرو اٹل اور مضبوط اور کفر کے بارے میں بہت شدید ہیں۔ کفر کا چھوٹے سے چھوٹا جزیہ بھی آجائے۔ اس کے سامنے جھک نہیں سکتے کفر کی ہر چیز کی رد کریں گے۔ کفر کی چیز سے رضامندی کا اعلان نہیں کر سکتے۔ تو یہ ان کے قلبی مقامات کو سراہا گیا آگے فرمایا گیا :

اعمالِ صحابہؓ کی تقدیس

تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔

پہلے قلبی مقامات تھے۔ اب بتلاتے ہیں کہ عمل کیا ہے؟

جب دیکھو رکوع اور سجود میں ہیں۔ اللہ کی رضا اور اس کے فضل کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ جب دیکھو عبادت اور طاعت میں ہیں :

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔

جب کوئی ظرف بھر جاتا ہے۔ تو بھر کر چھلکنے لگتا ہے۔ بھر کر وہ شئی اس کے اُوپر آجاتی ہے ___ تو اس

درجہ صحابہؓ کے قلوب میں ایمان بھر چکا ہے۔ چھلک کر ان کی پیشانیوں پر نمایاں ہو گیا۔ سجدے کے آثار ان کی پیشانیوں پر ہیں۔ ان کو دیکھ کر ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان کی پیشانی ہر وقت اللہ کے سامنے جھکی رہتی ہے۔ ہر وقت یہ حق تعالیٰ کے سامنے ناک رگڑتے ہیں ___ تو یہ ان کا عمل بتلایا گیا۔

ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ۔ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ۔

ان کی شانیں توراۃ وانجیل میں بیان کردی گئی ہیں ___ تو پہلے سے انبیاء انہیں سراہتے ہوئے آرہے ہیں ___ تو انبیاء علیہم السلام نے ان کو الگ سراہا۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو الگ سراہا۔ حق تعالیٰ نے قرآن میں الگ سراہا اور دوامی رضا کا اعلان کردیا کہ یہ طبقہ یقیناً کھوٹ سے بری ہے۔ نیتوں کی خرابی سے بری ہے۔

خطاءِ فکری

اجتہادی کوئی خطا اور غلطی ہو جائے وہ ہو سکتی ہے۔ خطاء اجتہادی تو انبیا سے بھی ممکن ہے۔ وہ فکری خطاء ہوتی ہے اس کو معصیت نہیں کہتے فرق اتنا ہے کہ نبی اگر خطاء اجتہادی کرتے ہیں تو حق تعالیٰ انہیں فوراً صواب پر پہنچا دیتے ہیں۔ غیر نبی اگر خطا اجتہادی کرے وہ اس کے اوپر باقی رہ سکتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ صواب پر آئے ___ مگر اس کی خطا پر بھی اسے اجر دیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ فکر کی خطا ہوتی ہے، نیت اور ارادے کی خطا نہیں ہوتی۔ صورت عمل کی خطا ہوتی ہے ___ تو انبیاء علیہم السلام کی نیتیں پاک اور مقدس ہیں۔ اسی طرح سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی فرمایا گیا کہ عمل بھی پاک اور قلبی مقامات بھی پاک، کوئی ان میں کھوٹ نہیں ہے نیتیں بھی مقدس ہیں، ارادے بھی مقدس ہیں۔ فکری طور پر یا اجتہادی خطا واقع ہو یہ بڑے سے بڑے کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یہ کوئی معصیت نہیں، کوئی برائی نہیں۔

اس سے زیادہ سے زیادہ مخلوقیت ثابت ہوتی ہے۔ علم الٰہی ہے جو ہر قسم کی خطا سے بری ہے لیکن مخلوق کے علم میں خطا کا آجانا ممکن ہے ___ تو مخلوق ہونا تو کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔ انبیاء بھی مخلوق ہیں۔ ملائکہ بھی مخلوق ہیں، اولیاء بھی مخلوق ہیں تو مخلوق ہونا عیب نہیں ہے ___ تو اتنا تو ہے کہ وہ بے شک مخلوق ہیں۔ لیکن مخلوق ہونے کے بعد ان کا ظاہر وباطن ان کا قلب و قالب مقدس ہے۔

تقدیسِ قلب

ممکن تھا کوئی یوں کہتا کہ دلوں کے اندر خرابی ہوگی یہ تو ظاہری اعمال ہیں۔ تو قرآن کریم نے اس کا بھی رد کردیا۔ فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی

اللہ نے پہلے ہی ان کے قلوب کا امتحان کرلیا تھا۔ تقویٰ کے معیار پر ان کے قلوب کو جانچ لیا تھا۔ یہ پختہ نکلے:

اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔

یہ سب کے سب بزرگ اور مقدس ہیں۔ رشد و ہدایت لئے ہوئے ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً

”یہ اللہ کی طرف سے اس کا فضل ہے اور اس کی بڑی نعمت ہے“۔

تو قلب کو الگ سراہا گیا۔ قالب کو الگ سراہا گیا۔ قلبی مقامات، قالب کے افعال کو الگ سراہا گیا اور طبقے کو الگ۔

شرفِ صحابیت

اس وجہ سے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ **الصحابۃ کلھم عدول** سارے صحابہ متقی پاکباز اور مقدس ہیں۔ امت میں کوئی بڑے سے بڑا قطب، شیخ، ولی اور کامل گزرے مگر صحابیت کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابہؓ کا جو رفعتِ مقام ہے۔ وہ بڑے سے بڑے قطب اور غوث کو نصیب نہیں ___ اس واسطے کہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی آنکھ سے نبی کریمؐ کا دیدار کیا ہے۔ اپنے کانوں سے بلاواسطہ کلام مقدس کو سنا ہے۔ یہ شرف غیر صحابی کو ___ نصیب نہیں ہو سکتا، تو بلاواسطہ، آفتاب نبوت کا نور جس طبقے نے لیا ہے۔ جو تیزی اس میں ہوگی بالواسطہ نور میں وہ تیزی نہیں ہو سکتی۔ وسائط کے سبب سے کچھ نہ کچھ پھیکا پن ضرور آئے گا۔ سب سے پہلے ایمان کا اثر اور نقش جو پڑا ہے۔ وہ صحابہؓ کے قلب پر پڑا ہے بلاواسطہ کسب فیض کیا۔ اور فیض صحبت حاصل کیا۔ تو نگاہیں بھی مقدس تھیں ان کے کان اور سماعتیں اور زبانیں بھی مقدس ہو گئیں۔ اور ان کی ترقی قلوب ہو گئی۔

ان کی کیفیت یہ ہو گئی کہ انہوں نے اپنی ہر قوت کا مصرف یہ سمجھا کہ اس کے ذریعہ اللہ کے رسول کے ساتھ رضامندی کا اظہار کرتے جائیں۔ یہی ان کا دین یہی ان کا ایمان ہے۔

عشقِ صحابہؓ

حدیث میں ایک واقعہ فرمایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی جب وفات ہوئی تو ایک صحابی ہیں، وہ عوامِ صحابہؓ میں سے ہیں۔ یعنی خواص میں سے نہیں ہیں کہ فقہاء وعلماء صحابہ میں سے ہوں کھیتی باڑی کرتے تھے، دیہاتی تھے۔ تو اس دور میں عوام میں تھے مگر صحابی ہیں تو کھیت میں ہل چلا رہے تھے۔ تو کسی خبر دینے والے نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ ایک دم رک کر ششدر اور حیران رہ گئے!

کہا وفات ہو گئی ___؟

کہا کہ ہاں! وفات ہو گئی ___

بس ہل چھوڑ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ!

> "اے اللہ! یہ آنکھیں اس لئے تھیں کہ تیرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا دیدار کریں۔ یہ کان اس لئے تھے کہ تیرے مقدس رسول کی آواز سنیں اور جب رسول دنیا میں نہیں تو میری بھی بینائی ختم کر دے اور میری سماعت بھی ختم کر دے۔ اب میں نہ کسی کا چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ نہ کسی کی آواز سننا چاہتا ہوں"۔

مستجاب الدعوات تھے۔ اسی وقت دعا قبول ہو گئی اور اسی وقت نابینا ہو گئے اور اسی وقت بہرے ہو گئے کہ کوئی لفظ سن نہیں سکتے تھے۔

یہ گویا انتہائی محبت تھی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں کا مصرف دیدار نبوی سمجھا ہوا تھا۔ کانوں کا مصرف یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنیں، اور کوئی مصرف نہ تھا۔

یہ انتہائی کمال ولایت اور قرب مع اللہ اور نسبت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تمام اعضاء و قویٰ بدن کی آخری ـــــ غایت اللہ اور اس کا رسول رہ جائے' کان ہوں تو ان کا مصرف یہ ہے کہ اللہ و رسول کی باتیں سنیں' آنکھ ہو تو اس کا مصرف یہ ہو کہ اللہ کے رسول کا دیدار کرے۔ ہاتھ اس لئے ہوں کہ اس سے اللہ اور رسول کے آثار کو چھوئیں۔ قرآن پر ہاتھ رکھیں۔ حدیث پر ہاتھ رکھیں دینی کتابیں اور دینی مکانات پر ہاتھ رکھیں۔ بیت اللہ کے پردوں پر ہاتھ رکھیں گویا ہاتھ کا مصرف یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوئیں جو اللہ و رسول کے نام لگی ہوئی ہیں۔

وہ کسی عارف نے کہا ہے کہ ۔

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکوئے تو رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دستِ خویش را
او دامنت گرفتہ بسوئے ام کشیدہ است

عارف کہتا ہے کہ مجھے اپنی آنکھ پر ناز ہے۔ مگر اس لئے ناز نہیں کہ میری آنکھ ہے' اس لئے ناز ہے کہ وہ تیرا جمال دیکھنے والی ہے۔ نہ اس لئے کہ وہ میری آنکھ ہے اس لئے کہ وہ تیری دیدار کنندہ ہے ـــــ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے قدموں پہ سر رکھدوں۔ اپنے قدموں کی تعظیم کروں نہ اس لئے کہ میرے قدم ہیں بلکہ اس لئے کہ یہ قدم مجھے تیرے کوچے کی طرف کھینچ کر لے گئے ہیں۔ تیری مسجد اور بیت اللہ کی طرف دینی احکامات کی طرف' دینی چیزوں کی طرف' یہ قدم مجھے کھینچ کر لے گئے ہیں۔ تو میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے قدموں میں اپنا سر ڈالدوں۔ مجھے قدموں سے محبت ہو گئی۔ یہ تجھ تک پہنچنے کا واسطہ بن گئے ہیں۔

اور میرا جی چاہتا ہے کہ ہر دم اپنے ہاتھوں کو چومے جاؤں۔ نہ اس لئے کہ میرے ہاتھ ہیں بلکہ اس لئے کہ تیرا دامن پکڑ کر تجھے میری طرف لے آتے ہیں۔ اور قرب کا ذریعہ بن جاتے ہیں ـــــ تو کمال ولایت یہ ہے کہ آدمی اپنی ہر قوت کو ہر عضو کو ہر ملکے کو حق تعالیٰ تک پہنچنے کا اور اللہ کے رسول تک پہنچنے کا واسطہ بنائے۔ صحابہ میں عوام صحابہ کو یہ مرتبہ نصیب تھا۔ صحابہ کے بعد پچاسوں برس کی محنت اور ریاضت کے بعد کہیں یہ مسئلہ آدمی کو سامنے حل ہوتا ہے کہ میرے جسم اور میری روح کی غرض و غایت اللہ اور اس کا رسول ہے۔ بیسیوں برس کی محنت ترک لذّات اور مجاہدوں کے بعد کہیں اس مقام تک پہنچتا ہے۔ مگر صحابہ کی یہ بات ہے کہ عوام صحابہ پہلے ہی قدم پر اس مقام تک پہنچ جاتے تھے کہ دنیا تو دنیا اگر ہماری ذات کا بھی مصرف ہے تو اللہ و رسول ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز نہیں' غرض اس طبقے کی تقدیس فرمائی گئی۔ اور اس طبقہ کو مقدس ترین طبقہ کہا گیا۔

معیار ایمان و عمل

اس واسطے اہلسنّت والجماعت کا یہ مذہب ہو گیا کہ :

الصحابۃ کلھم عدول۔

سارے صحابہؓ متقی' عادل اور پاکباز ہیں اور ہماری تنقید سے بالاتر ہیں۔ ہماری ہر حالت سے اونچے ہیں۔ ہمارا فرض ہوگا کہ ان کو سامنے رکھ کر اپنے ایمانوں کو پرکھیں۔ اگر ان کے ایمان کے مطابق ہو جائے تو ہمارا

ایمان درست ہے۔ ورنہ غلط ہے ہم ان کے اعمال کو کسوٹی کے طور پر سامنے رکھیں اگر ہمارا عمل ان کے عمل پر منطبق ہو گیا تو سیدھا' ورنہ ہمارے عمل کو کھوٹ ہے وہ ہمارے عمل کے حق و باطل کو پرکھنے اور پہچاننے کے معیار اور کسوٹی ہیں۔ اسی طرح ہمارے ایمانوں کے پہچاننے کے معیار ہیں۔ اس لئے کہ سب سے پہلے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے راوی ہیں اگر انمیں معاذاللہ کوئی خرابی ہے تو پھر ہمارے دین کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر بنیاد میں خرابی پڑے تو ہم پھر صحیح ایمان نہیں لا سکتے۔ ہمارا ایمان تو انہی کے قدموں کے صدقے ہے اگر وہ صحیح ایمان لائے ہیں تو ہمارے پاس صحیح ہے اگر انہوں نے کوئی معاذ اللہ غلطی کی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ بعد والوں کے ایمان درست ہوں۔ تو درحقیقت وہ ہمارے ایمان کے پہچاننے کے لئے ایک کسوٹی ہیں۔ ہمارے علم اور عمل کے صحیح اور درست ہونے کے لئے' اس لئے کہ علم کی روایت بھی انہوں نے اللہ کے رسول سے کی ہے۔ اور عمل کی روایت بھی انہوں نے ہی کی ہے۔

اسوۂ علم و عمل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے یہ فرمایا گیا کہ آپ اللہ کی طرف سے علم لے کر آئے ہیں۔ سچا اور قطعی علم لا کے امت کے سامنے پیش کیا۔ اسی طرح عمل کے نمونے بھی اللہ کی طرف سے آپ ہی لے کر آئے ہیں۔ ان نمونوں کو دیکھ کر امت نے عمل کا نمونہ سیکھا۔ اگر علم محض دیدیا جاتا اور عمل کا نمونہ سامنے نہ آتا تو جس شخص کا جیسا جی چاہتا عمل کا نمونہ اختیار کر لیتا۔ نماز کا حکم دیدیا جاتا مگر نماز کا ڈھنگ عمل کر کے نہ بتلایا جاتا تو میں اپنی ڈھنگ کی نماز پڑھتا۔ آپ اپنی روش کی نماز پڑھتے۔ ایک نماز کی لاکھوں نمازیں بن جاتیں لیکن اللہ کے رسول نے جہاں علم دیا' جہاں نماز کا آرڈر دیا وہاں نماز کا نمونہ بھی دیا۔

اسی واسطے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ :

صلوا اے لوگو! نماز پڑھا کرو۔

یہ فرمایا کہ :

صلوا کما رایتمو نی اصلی۔

"نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھو"۔

یعنی نماز کے صحیح ہونے کا نمونہ میں ہوں اسی ڈھنگ کی پڑھو۔

اسی طرح آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ **توضّؤا** ___ اے لوگو وضو کر لیا کرو۔ جس طرح تمہارا جی چاہے۔ وضو کا آرڈر بھی دیا اور وضو کر کے بھی دکھلائی کہ یوں کرو۔ ایک دفعہ آپ نے وضو فرمائی تو تمام اعضاء کو ایک ایک دفعہ دھویا۔ فرمایا :

هذا وضوء لايقبل الله الصلوة الابه۔

"یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر نماز ہی نہیں قبول ہوگی"۔

یعنی اگر ایک دفعہ بھی اعضاء وضو نہ دھوئے جائیں تو وضو نہیں ہوتی تو پھر نماز کیسے ہوتی۔ تو یہ تو وہ وضو ہے کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوگی۔

اس کے بعد دوبارہ وضو کیا اور ہر عضو کو دو دو مرتبہ دھویا۔ ہاتھ بھی دو مرتبہ دھوئے' کلی بھی دو مرتبہ کی' ناک میں پانی دو مرتبہ اور منہ دو مرتبہ۔

فرمایا کہ یہ وہ وضوہے جو نور علی نور ہے۔ ایک نور ایک دفعہ دھونے میں دوسرا نور دوسری دفعہ کے دھونے میں۔

پھر تیسری دفعہ وضو کیااور اس میں تمام اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھویا اور فرمایا کہ :

هذا وضوءی ووضوء الانبیاء من قبلی۔

''یہ میراوضوہے اور میرے سے پہلے سارے پیغمبروں کا یہی وضوہے''۔

تو آپ نے آرڈر نہیں دیا کہ وضو کرو۔ یعنی جیسے تم علم میں مختار نہیں ہو کہ جب چاہو تم اپنی طرف سے گھڑلو۔ عمل کے نمونے میں بھی آزاد نہیں کہ جیسا چاہو نمونہ بنالو اس میں بھی اللہ کے رسول کی پابندی کرنی پڑے گی۔

اسوۂ نبی کی احتیاج

حدیث میں واقعہ آتا ہے' حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کا جو صحابی ہیں' رمضان شریف کے بارے میں آیت نازل ہوئی :

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔

فرمایا گیا کہ ___ کھاؤ اور پیؤ جب تک کھل کر نمایاں نہ ہو جائے' سیاہ ڈورا سفید ڈورے سے' یعنی متمیز ہو جائے اور الگ پہچان نہ ہو جائے' اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رات جب جانے لگے' سپیدی کا تاگہ جب نمودار ہو جائے اور صبح صادق ہو گئی' اب کھانا پینا بند کردو' روزے کی نیت کرلو۔ رات میں کھانے کی اجازت ہے اور جہاں پو پھٹی اب کھانا پینا ممنوع ہو گیا۔

تو خیط ابیض یعنی سفید ڈورا صبح صادق کی لکیر کو کہا گیا ہے۔ اور سیاہ ڈورا رات کی لکیر کو کہا گیا۔

حضرت عدی ابن حاتمؓ نے ایک ڈورا سفید رکھا اور ایک ڈورا سیاہ رنگوایا اور تکیہ کے نیچے رکھ لئے اور کھانا پینا جاری ہے' تکیہ اٹھا کر دونوں کو دیکھ لیتے ہیں کہ جب یہ ڈورے الگ پہچان ہو جائیں گے۔ تب کھانا پینا بند کروں گا۔ تو صبح صادق کب کی ہو گئی' چاندنا بھی ہو گیا مگر اتنا چاندنا نہیں ہوا تھا کہ ڈورے بھی الگ نمایاں ہو جائیں۔ تو صبح صادق گزرے ہوئے بیس منٹ گزر گئے اور یہ اپنا کھا پی رہے ہیں سو جب تک ڈورے الگ الگ نمایاں نہیں ہوں گے۔ کھانے پینے کی اجازت سمجھے ہوئے ہیں۔ یہ اطلاع ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

تو آپ نے عدی ابن حاتمؓ سے فرمایا! تم کیا کرتے ہو؟ روزے کی نیت کب کرتے ہو؟

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ کھاؤ پیو جب تک سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے الگ پہچان نہ ہو جائے ___ یا رسول اللہ میں نے دو ڈورے تکئے کے نیچے رکھ رکھے ہیں۔ ایک کالا ڈورا! ایک سفید ڈورا۔ آپ نے فرمایا : **اِنَّ وِسَادَتَكَ لَعَرِيْضٌ**

تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے کہ کالا ڈورا اور سفید ڈورا دونوں تیرے تکئے کے نیچے آ گئے ___ یعنی رات اور دن دونوں تیرے تکئے کے نیچے آ گئے' تیرے تکئے کی بڑائی کا کیا ٹھکانہ ہے؟

بندہ خدا! کالے ڈورے سے مراد رات کی سیاہی ہے اور سفید سے مراد صبح صادق کی لکیر ہے' تو تیرا تکیہ

اتنا بڑا ہے کہ اس کے نیچے صبح صادق بھی آگئی اور رات بھی آگئی ___ تب واضح ہوا کہ کالے ڈورے سے مرادِ خداوندی رات ہے اور سفید ڈورے سے مرادِ خداوندی صبح صادق ہے۔ تو لغت کے لحاظ سے وہ یہ مطلب سمجھے اور لغت کے لحاظ سے وہ مطلب صحیح تھا۔ مگر مراد' اللہ کی یہ نہیں تھی۔

اب اگر اللہ کا رسول اس مراد کو بیان نہ فرماتے۔ تو عمر بھر وہ اسی غلطی میں مبتلا رہتے' ایک روزہ بھی ان کا صحیح نہ ہوتا ___ اس سے واضح ہوا کہ قرآن وحدیث میں ایک لغوی معنی ہوتے ہیں اور ایک ارادی معنی جن کا اللہ ورسول نے ارادہ کیا ہے۔ ایک اس کا ترجمہ ہے اور ایک اس کا مطلب ہے یعنی جیسے تم علم میں مختار نہیں کہ جو چاہو اپنی طرف سے گھڑلو۔ عمل کے نمونے میں بھی آزاد نہیں ہو کہ جیسا چاہو نمونہ بنالو۔ اس میں اللہ کے رسول کی پابندی کرنی پڑے گی۔

علم وعمل کی مطابقت

اسی واسطے قرآن کریم میں جہاں یہ فرمایا گیا کہ یہ قرآن تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ ہے۔ ہر چیز کے لئے یہ تبیان ہے۔ تبیان دعویٰ مع الدلیل کو کہتے ہیں' یعنی اس میں احکام بھی ہیں اور احکام کے دلائل بھی ہیں یعنی مدلل دعوؤں اور مدلل مسائل کا مجموعہ ہے۔

اس طرح سے فرمایا کہ:

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ

تو قرآن نے جتنے علم کے نمونے پیش کئے۔ اللہ کے رسول نے اتنے ہی عمل کے نمونے پیش کئے۔ قرآن میں جو چیز قال کی صورت میں ہے اللہ کے رسول میں وہی چیز حال کی صورت میں ہے۔ وہاں قول ہے یہاں عمل ہے تو قول اور عمل دونوں مطابق ہیں۔ آپ جو کچھ عمل کرتے ہیں' قرآن وہی کچھ کہتا ہے' جو کچھ قرآن کہتا ہے وہی آپ عمل کرتے ہیں۔ تو علم وعمل کی مطابقت ہے۔

اِتباعِ محض

یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اختلافات بہت کم ہیں۔ اس لئے کہ جہاں کسی آیت کے مضمون میں انہیں اشکال ہوا وہ اللہ کے رسول کے عمل کو دیکھ لیتے تھے اشکال حل ہو جاتا تھا۔ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس علم کا مصداق یہ ہے اور اس علم کی ہیت عمل یہ ہے جو اللہ کے رسول نے کر کے دکھلائی۔ تو جتنی چیزیں قرآن میں علم کی صورت میں ہیں وہ سب چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمل کی صورت میں ہیں۔ تو آپ نے جہاں یہ فرمایا کہ "یہ کرو اور یہ نہ کرو" وہیں آپ نے کر کے دکھلا دیا کہ جو کرنے کی چیز ہے اس کی یہ ہیئت ہے اور جو بچنے کی صورت ہے تو بچنے کی یہ ہیئت ہے۔ تو وضو کر کے دکھلایا۔ نماز کو کر کے دکھلایا جہاد کو کر کے دکھلایا۔ روزے کو کر کے دکھلایا۔ شادیاں کر کے دکھلائیں کہ یہ نمونہ ہے۔ اور غمی کو کر کے دکھلایا کہ یہ نمونہ ہے' دوستوں سے یہ معاملہ ہے۔ دشمنوں سے یہ ہے' صلح کا یہ طریقہ ہے۔ جنگ کا یہ طریقہ ہے۔ اصول بتلادیئے اور ان اصولوں کے مطابق اپنے عمل کا نمونہ پیش کر دیا ___ تو خلوت ہو یا جلوت' انفراد ہو یا اجتماع' جماعتی زندگی ہو یا فردی' سب کے عمل کے نمونے آپؐ نے کر کے دکھلا دیئے۔ اس واسطے امّت کے لئے اتباع ہی اتباع ہو گیا تجویز باقی نہیں رہی۔ تجویز تو تب کریں جب کوئی نمونہ نہ دکھلایا گیا ہو۔ سارے نمونے موجود ہیں آگے اتباع رہ جاتا ہے۔ گھڑنا یا بنانا یا ساخت سوخت نہ علم کے درجے میں باقی۔ علم پورے کا پورا لا کر پیش

کردیا۔ شریعت جامع ہے۔ اس شریعت پر پورا پورا عمل کرکے دکھلایا تو اتباع باقی رہ جاتا ہے۔ تجویز امّت کا کوئی درجہ باقی نہ رہا۔

تو حضرات صحابہؓ نے سب سے پہلے اتباع کیا۔ سب سے زیادہ متبع سنت وہی ہیں۔ سب سے زیادہ متبع شریعت وہی ہیں۔ انہوں نے ہر نمونے کو اللہ کے رسول سے روایت کیا ___ تو قرآن کریم کی علمی روایت بھی صحابہؓ سے چلی اور اس کے عمل کی روایت بھی صحابہؓ سے چلی۔ عمل بھی کرکے دکھلاتے رہے۔ صحابہؓ پھر تابعین اس کے بعد تبع تابعین۔

فرائضِ رسالت

قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار وظیفے ہیں :

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ نے رسول بھیجا۔ اس کی کیا شان ہے؟

اللہ کے رسول نے چار کام کئے ___ پہلے تلاوت آیات کی یعنی بلاکم وکاست، وحی کے الفاظ جو اللہ نے آپ کے قلب مبارک پر نازل کئے پڑھ کرسنادیئے ___ اس کے بعد میں تعلیم دی ___ تعلیم تلاوت سے الگ ہے۔ تلاوت کا تعلق لفظوں سے ہوتا ہے۔ تعلیم کا تعلق معانی سے ہوتا ہے یعنی پہلے لفظ سنائے۔ پھر معانی سمجھائے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے ___ اس کے بعد تعلیم حکمت کی اور حکمت سے مراد یہاں اسوۂ حسنہ ہے یعنی کرکے دکھلایا۔ اس لئے کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمت نظری اور ایک حکمت عملی۔ حکمت نظری تو تعلیم میں آگئی کہ نظر وفکر کی چیز تھی علمی صورت میں آپ نے بتلادی۔ اب عملی صورت رہ جاتی تھی۔ اس کو حکمت سے تعبیر کیا کہ عمل کا نمونہ پیش کردیا تو علم بھی سکھلایا اور عمل کا نمونہ بھی دکھلایا۔

تزکیۂ قلوب

اس کے بعد چوتھی چیز بتلائی ویزکیهم

دلوں کو مانجھنا اور ان کو صاف کرنا یہ بھی آپ کا ایک وظیفہ ہے۔ امّت کا تزکیہ فرمانا اور ان نفوس میں استقامت پیدا کرنا۔ زیغ، کجی اور ٹیڑھ نکال دیں۔ فہم کی ایسی سلامتی پیدا کردیں کہ جب اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو آدمی، ٹھیک وہ مطلب سمجھے جو اللہ کی مراد ہے۔ دل صحیح راستہ پر پڑجائے۔

اس واسطے کہ اگر دل میں ٹیڑھ رہ جاتی ہے تو صحیح سے صحیح کلام کا مطلب بھی ٹیڑھا سمجھتا ہے۔ سمجھ کا دارومدار دل پر ہے اور دل کا راستہ غلط ہو تو ہر مکتوب غلط ہوجائے گا ___ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے دل میں خدانخواستہ یہودیت بھری ہوئی ہے وہ قرآن کو پڑھے گا تو ساری آیتوں میں سے یہودیت نکالنا شروع کردے گا۔ اسے یوں معلوم ہوگا کہ سارا قرآن یہودیت سکھلانے کے لئے آیا ہے۔ نصرانی ذہنیت ہے تو ہر آیت میں سے اسے نصرانیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اگر قادیانی ذہنیت ہے تو ہر آیت میں سے اسے قادیانیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی ___ کوئی اور نظریہ مکتب فکر لے لیجئے۔ جو مکتب فکر بنا ہوا ہوگا ویسا ہی آدمی ہر آیت ہر روایت سے مطلب سمجھے گا تو سمجھنے کا دارومدار دل پر ہے۔ اگر دل میں صحیح سلامتی پیدا کی جائے تو آدمی ٹھیک مطلب

سمجھے گا اور اگر دل ٹیڑھا ہے تو ہر چیز ٹیڑھی ہے ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط تعلیم ہی نہیں دی۔ فقط مطالب ہی نہیں بتلائے بلکہ دلوں کا راستہ بھی سیدھا کیا تاکہ سیدھا مطلب سیدھے دل میں اتر جائے گھر کر جائے۔ اگر دلوں میں ٹیڑھ رہ گئی تو یقیناً مطلب بھی ٹیڑھا بن جائے گا۔

عمل کی نگرانی

تو آپ نے تزکیہ بھی کیا اور عمل کی نگرانی بھی کی۔ ایک طرف مسائل سکھلائے اور ایک طرف عمل دیکھتے تھے کہ آیا صحابہ کا عمل اس کے مطابق ہے بھی یا نہیں؟ آپ ؐ راتوں کو نگرانی فرماتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رات کو آپ نگرانی کرتے ہوئے گھومے تو آپ صدیق اکبرؓ کے مکان سے گزرے تو صدیق اکبرؓ تلاوت میں مشغول تھے اور اتنی آہستہ تلاوت کر رہے تھے کہ کان لگا کے سنا جائے تو سننے میں آتی تھی ورنہ سننے میں نہیں آتی تھی۔ آپ آگے پہنچے 'فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مکان سے گزرے وہ اتنے زور زور سے قرآن پڑھ رہے تھے کہ سارا محلّہ گونج رہا تھا۔

صبح کو جب یہ حضرات دربار نبوی میں جمع ہوئے تو آپ نے یہ فرمایا اے ابوبکر! تم اتنا آہستہ کیوں پڑھتے تھے کہ کوئی دوسرا نہ سن سکے۔ کان لگائے تو مشکل سے سننے میں آئے۔ عرض کیا 'یا رسول اللہ اسے سنا رہا تھا جو نہ بہرہ ہے نہ مجھ سے غائب ہے یعنی اللہ رب العزت' تو مجھے زور زور سے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو میرے دل کی کھٹک سے بھی واقف ہے :

وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ

"مجھے ضرورت نہیں تھی کہ میں زور زور سے آواز اٹھاؤں"۔

لاتدعون اصم ولا غائبا۔

تم جو پکار رہے ہو نہ بہرے کو پکار رہے ہو نہ غائب کو پکار رہے ہو وہ تو ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور شنوا و بینا اور سمیع و بصیر ہے۔ اس واسطے میں آہستہ پڑھتا تھا۔

فاروق اعظمؓ سے پوچھا کہ تم اتنا زور زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟

عرض کیا :

اوقظ الوسنان واطرد الشیطان۔

زور زور سے پڑھ کر سوتے ہوؤں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ کہ اس کوچے میں نہ آنے پائے قرآن کی آواز سن کے دور سے بھاگ جائے ___ تو دونوں کے پاس ایک حجت تھی اور دونوں کے قلب کا ایک مقام تھا۔ اپنے مقام کے مطابق ہر ایک کا عمل سچا اور حق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اے ابوبکر! تم ذرا آواز کو پستی سے بلند کر دو ___ اور ___ اے عمر! تم ذرا رفعت سے پستی کی طرف آؤ ___ تاکہ اعتدال قائم ہو جائے۔ دونوں نقطہ اعتدال پر آجاؤ ___ ظاہر بات ہے کہ یہ نگرانی تھی۔ یہ قلب کی راہیں درست کرنا تھا۔

غرضِ مجاہدہ

یہ کوئی جائز و ناجائز کا مسئلہ نہیں تھا۔ آہستہ پڑھنا بھی جائز ہے اور پکار کر پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہاں جائز و ناجائز کی بحث نہیں تھی۔ یہاں قلب کو راہ اعتدال پر لانے کی بحث تھی۔ یہ چیز قلبی مقامات سے متعلق ہے،

ئل سے نہیں بلکہ مقامات باطن سے متعلق تھی تو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم سکھلایا۔ ئل بتلائے وہاں دلوں کو مانجھا بھی اور صاف بھی کیا۔ مجاہدے اور ریاضتیں کرا کر اللہ اور اللہ کے رسول کی ت بھری۔ تاکہ دنیا کی محبتیں قلب سے نکل جائیں تو کہیں جہاد' کہیں مجاہدہ اور کہیں راتوں کے تہجد صحابہ امؓ اس قدر راتوں کو تہجد میں راسخ القدم بنے کہ اتنا کھڑے رہتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا' یہ محنتیں مجاہدے کس لئے تھے؟ تاکہ نفس کی مرغوبات ختم ہو کر روح کی مرغوبات سامنے آجائیں' قلب کے اندر ت الٰہی جاگزیں ہو جائے اور راسخ ہو جائے۔ اب دنیا کا کام بھی کریں تو اللہ کے لئے کریں۔ نفس کے لئے نہ یں۔ تو نفس کی راہوں کو بند کر کے قلب اور روح کی راہیں ان کے سامنے کھول دیں۔ کوئی عمل بند نہیں ۔

فرقِ عمل

اعمال جو ایک عامی آدمی کرتا ہے' وہی ایک ولی بھی کرتا ہے۔ فرق ہوتا ہے قلب کے راستے میں' اس کا لوجہ اللہ ہوتا ہے' اور اس کا لوجہ النفس ہوتا ہے۔ عمل دونوں کا برابر ہے۔ کھاتا یہ بھی ہے اور ایک ولی کھاتا ہے۔ بازار میں یہ بھی جاتا ہے اور ایک ولی کامل بھی بازار جاتا ہے۔ صورتِ عمل میں تو فرق نہیں مگر عمل اور غرض وغایت عمل میں فرق ہے تو باطن کا فرق ہوتا ہے۔ آپ نے قلوب کو صاف کر کے باطن کو دیا کہ جو کچھ کریں لوجہ النفس نہ رہے' لوجہ اللہ ہو جائے۔ دوستی ہو یا دشمنی' محبت ہو یا عداوت خالص کے لئے ہو جائے۔

اخلاصِ عمل

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ سیر کی کتب میں مشہور ہے کہ آپ نے غزوۂ بدر میں ابو جہل کو پچھاڑ دیا رادہ کیا کہ خنجر لے کر اسے ذبح کر دیں۔ اس نے غصہ میں آکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک ۔ بس خنجر چھوڑ کر کھڑے ہو گئے قتل سے باز آگئے کہ اب نہیں قتل کروں گا۔

ابو جہل نے کہا اے علی! میں تو تم کو دانشمند سمجھتا تھا۔ میں تمہارا بھی دشمن' تمہارے رسول کا دشمن' اور ے دین کا بھی دشمن۔ ایک منٹ کے لئے میں نہیں چاہتا کہ تمہارا دین اس دنیا میں باقی رہے۔ تم یا ے رسول باقی رہیں اتنے بڑے دشمن پر قابو پا کر اسے چھوڑ دینا یہ کونسی دانشمندی ہے؟ تم نے کیوں نہیں قتل کیا۔

فرمایا کہ میں تجھے اللہ کے لئے قتل کرنے بیٹھا تھا۔ میری کوئی ذاتی لڑائی تجھ سے نہیں۔ کوئی ذاتی بغض ۔ اللہ کی وجہ سے عداوت تھی اور یہ ساری لڑائی بھڑائی اللہ کی وجہ سے تھی۔ جب تو نے میرے منہ پر تو میرے نفس میں غصہ پیدا ہو گیا۔ اب اگر میں قتل کرتا تو نفسانی جذبات سے قتل کرتا تو میری عبادت میں بدل جاتی۔ میری توحید' توحید باقی نہ رہتی۔ اس واسطے میں قتل سے باز آگیا۔ اس لئے کہ یہ قتل ت نفسانی جذبے سے نہیں رحمانی جذبے سے ہے۔ جب نفس میں غضب پیدا ہو گیا۔ تو اب قتل کرنا نفس ہنمائی سے ہوتا خدا کی راہنمائی سے نہ ہوتا۔ لوجہ اللہ نہ ہوتا۔ لوجہ النفس ہوتا۔ تو معلوم ہوتا ہے صحابہ کچھ عمل تھا وہ اللہ کے لئے تھا۔ نفس کے لئے نہ تھا۔

حقیقتِ ولایت

یہ دولت حضرات صحابہ کرام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیہ سے نصیب ہوئی۔ آپ نے ریا ضتیں اور مجاہدے کرا کر دلوں کو مانجھا اور دلوں کی راہ درست کی نیتیں بھی صاف۔ منزلیں بھی صاف، غرض وغایت بھی درست، ہر عمل کھانا پینا، سونا جاگنا اللہ کے لئے ہو گیا ___ ان کی جوتیوں کی برکت ہے کہ اولیاء کرام میں بھی یہ چیزیں آئیں ___ ولایت کہتے ہی اس کو ہیں کہ قلب کا راستہ درست ہو جائے۔ ولایت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی کھانا چھوڑ دے، لباس چھوڑ دے، گھر بار ڈھا دے، گھر میں رہنا سہنا ترک کر دے، ولی کے معنی یہ ہیں کہ گھر میں رہے مگر حظ نفس کے لئے نہیں۔ خدا کی رضا کے لئے، کھانا کھائے مگر نفس کی لذت کے لئے نہیں، رضائے خداوندی کے لئے۔ ایک ولی اور عامی میں یہی فرق ہوتا ہے تو عمل ولی اور عامی کا ایک ہوتا ہے۔ مگر قلب کا فرق ہے۔ نیتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ قلب کے مقامات کا فرق ہوتا ہے۔ تو اولیاء میں یہی چیز ہوتی ہے کہ وہ ہر بات کو لوجہ اللہ کرتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہؒ کا واقعہ

سہل بن عبداللہ تستریؒ یہ اولیائے کاملین میں سے ہیں اور بڑے اونچے رتبے کے اولیاء میں ہیں ___ حتیٰ کہ اس درجہ کے لوگوں میں ہیں کہ خود سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ وہ جو حق تعالیٰ نے عالم ازل میں عہد لیا تھا الست بربکم ___ ؟ آدم علیہ السلام کی کمر سے ان کی ساری اولاد نیک و بد نکالی گئی، اور سب کو سامنے کر کے حق تعالیٰ نے عہد لیا۔

الست بربکم ؟

”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟“

سب نے وہاں عہد کیا کہ بے شک آپ ہمارے رب ہیں۔ ہمارے پروردگار ہیں ___ یہ سہل بن عبداللہؒ اس درجے کے لوگوں میں ہیں فرماتے ہیں کہ :

”مجھے آج تک وہ عہد یاد ہے۔ اور وہ مقام بھی یاد ہے جہاں یہ عہد لیا گیا تھا“۔

اس درجہ کی ان کی روح صاف ہے اور جلا لئے ہوئے ہے کہ عالم ازل کا نقشہ پیدائش کے بعد بھی ان کے ذہن میں تھا ___ ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ مجاہدین کی ایک جماعت جارہی تھی۔ تو ان کا ارادہ ہوا کہ میں بھی جہاد میں شریک ہوں کہ مفت میں ایک اتنی بڑی عبادت ملتی ہے تو ان کے نفس میں تقاضا پیدا ہوا کہ میں جہاد میں شریک ہو جاؤں ___ لیکن جب نفس میں تقاضا پیدا ہوا تو بیٹھ گئے اور کہا کہ یہ نفس کیوں چاہتا ہے کہ جہاد میں شریک ہوں۔ نفس کو تو جہاد سے بچنا چاہئے تھا۔ نفس چاہے کہ میں عبادت کروں تو نفس تو اس درجے کی چیز نہیں وہ تو عبادت سے روکنے والی چیز ہے۔

اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ

نفس تو برائی کا امر کرتا ہے نہ یہ کہ امر کرے کہ تم نماز پڑھو اور جہاد کرو اور اللہ کی راہ میں جان دیدو۔ نفس کو تو بچنا چاہئے۔ تو نفس میں کیوں یہ تقاضا ہے؟ کوئی مکر پوشیدہ ہے اور نفس کے اندر کوئی کھوٹ ہے ___ غرض بیٹھ گئے اور بیٹھ کر سوچنا شروع کیا۔ کہ آخر نفس کے لئے جہاد کے اندر کیا لذت کا سامان ہے۔ کہ یہ نفس کہہ رہا ہے۔ کہ جہاد میں چلو۔

تو ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے چالیس برس روزے رکھتے ہوئے گزر گئے ہیں۔ اور ایک دن بھی چالیس

برس میں افطار نہیں کیا اور جہاد میں روزہ رکھ کر شریک ہونا مکروہ ہے۔ اگر رمضان بھی ہے تو بھی مستحب یہ ہے کہ افطار کرے تاکہ قوت سے جہاد کر سکے۔ بھوکا آدمی جہاد نہیں کر سکے گا۔ تو نفس کی مکاری یہ چھپی ہوئی تھی کہ چالیس برس سے مجھے بھوکا مار رکھا ہے۔ جہاد میں جاؤ گے تو دن میں کھانے کو روٹی مل جائے گی۔ یہ مکر پوشیدہ تھا ___ اب کھڑے ہوئے اور کہا اے نفس! میں جہاد میں جاؤں گا اور روزہ رکھ کر جاؤں گا۔ آج (افطار کرنے کے) مستحب کو انجام نہیں دوں گا چاہے مکروہ ہو مگر تجھے ستانا ہے اور تیرا مقابلہ کرنا ہے تو جہاد بھی کروں گا تو روزہ رکھ کر کروں گا۔ تجھے کھانے کو وہاں نہیں ملے گا۔

اس پر بھی نفس نے کہا تم جاؤ جہاد میں 'میں تیار ہوں۔

پھر بیٹھ گئے کہ یا اللہ! یہ نفس میں جہاد کا کیوں تقاضا ہے؟ یہ تقاضا قلب اور روح میں ہونا چاہئے۔ یہ نفس کیوں تقاضا کر رہا ہے۔ اسے تو جہاد سے بچنا چاہئے پھر بیٹھ گئے 'غور اور مراقبہ کیا کہ آخر کونسا مکر نفس کے اندر پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے یہ کہہ رہا ہے کہ جہاد کرو۔

تو سوچتے سوچتے ذہن میں یہ بات آئی کہ چالیس برس سے خلوت میں ہوں۔ آدمی کے نفس کا تقاضا لوگوں سے ملنا جلنا' انس و موانست حاصل کرنا ہوتا ہے۔ انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے۔ یہ جانوروں کی طرح بھٹوں میں وحشت زدہ ہو کر الگ الگ نہیں رہتا۔ بستیاں بنا کر رہتا ہے۔ میل جول سے رہتا ہے تاکہ انس و موانست پیدا ہو۔ یہ تو انس کا بندہ ہے ___ اور اسی واسطے انسان کو انسان کہتے ہیں کہ انسان کا مادہ انس ہے جس میں انس نہ ہو وہ انسان ہی نہیں۔ تو انسان کا جبلی تقاضا انسیت و موانست ہے۔ کسی عرب کے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

وَمَا سُمِّيَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاُنْسِهٖ
وَمَا الْقَلْبُ اِلَّا اَنَّهٗ يَتَقَلَّبُ

انسان کو انسان کہا ہی اسی لئے گیا ہے کہ اس میں انسیت اور موانست کا مادہ موجود ہے۔ جیسے قلب کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ قلب کے معنی لوٹنے پوٹنے کے ہیں۔ قلب میں چونکہ ہر وقت کا لوٹ پوٹ ہوتا رہتا ہے کبھی یہ جذبہ' کبھی یہ خیال' کبھی یہ ارادہ' اس لئے قلب کو قلب کہتے ہیں۔ تو انسان انسان بنا ہی اس لئے کہ اس میں انس ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ چار آدمیوں کے ساتھ ملکر رہے۔ تنہائی میں اسے وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔

تو چالیس برس سے سہل بن عبداللہ خلوت میں رہتے تھے۔ نفس چاہتا تھا کہ لوگوں سے مل جل کر رہیں' مگر بچتے تھے۔ نفس میں تقاضا جہاد کا ہوا کہ جب جہاد کریں گے تو چار آدمیوں سے ملاقات تو ہوگی۔ یہ جو تنہائی میں مجھے گھوٹ رکھا ہے۔ جہاد میں جاکے یہ تنہائی کی وحشت کچھ تو کم ہوگی۔ ایک خیمہ میں جب جمع ہونگے تو دس آدمی ہوں گے تو کچھ بات چیت کرنے کا موقع ملے گا' کسی میدان میں جمع ہوں گے تو ایک دوسرے کے ساتھ موانست حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ تو یہ جو تنہائی کی وحشت کے ساتھ چالیس برس سے مجھے مار رکھا ہے۔ یہ مار تو ختم ہو جائے گی۔ اس لئے جہاد کا تقاضا پیدا ہوا۔

یہ گویا مکر تھا جو چھپا ہوا تھا ___ تو سہل بن عبداللہ پھر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ :

"اے نفس! اگر میں جہاد کو بھی جاؤں گا تو کسی شخص کی طرف نہ دیکھوں گا نہ انس حاصل کروں گا۔ نہ کسی سے گفتگو کروں گا۔ تجھے خلوت ہی میں رکھوں گا اور تجھے اسی طرح مارا جائے گا"

نفس نے کہا کہ یہ بھی منظور ہے اگر تم جہاد کے لئے چلو ___ اب پھر بیٹھ گئے کہ یا اللہ کونسی ایسی مکار
چھپی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ نفس جہاد کا تقاضا کر رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ :

اے اللہ! اس نفس میں ایسا باریک مکر ہے جو مجھ پر منکشف نہیں ہوتا تو مجھ پر کھولے گا تو واضح ہو گا
کیا خباثت ہے اور کیا مکاری ہے جو چھپی ہوئی ہے کہ نفس چاہتا ہے کہ میں شریعت کے اعمال سرانجام دوں۔
ادھر سے الہام ہوا اور اب اصلیت کھلی۔

وہ یہ کہ چالیس برس ریاضت اور مجاہدے میں گزر گئے تھے گویا نفس کو مار رکھا تھا **موتوا قبل ا**
تموتوا ___ مرنے سے پہلے اسے مار دیا تھا۔ اس کی خواہشات کو کچل دیا تھا۔ اس کی مرضیات کو فنا کر دیا تھ
تاکہ مرضی حق حاصل ہو ___ نفس پر یہ چیزیں شاق تھیں۔ تو نفس میں جہاد کا تقاضا اس لئے تھا کہ میدا
میں جائے' ایک دفعہ گولی لگے گی تو روز روز کی جھک جھک کا تو خاتمہ ہو جائے گا۔ بس ایک دفعہ ختم ہو جائیں
گے یہ جو روز کی موت ہے۔ یہ تو ختم ہو گی۔ جو ہونا ہو گا ایک دفعہ ہو جائے گا۔ ایک دفعہ تلوار پڑے گی' خ
ہو جائیں گے ___ یہ مکر پوشیدہ تھا۔

سہل ابن عبداللہؒ نے اس سے توبہ کی۔ اور کہا کہ یا اللہ میری نیت درست کر دے ___ جب نیت
درست ہوئی تو جا کر مجاہدین میں شریک ہوئے اور جہاد کے لئے گئے۔

عمل بلا تزکیہ

یہ کیا چیز تھی؟ یہ وہی تھا کہ نفس مانجھ کر اس درجہ صیقل بنا لیا تھا اور حقیقی معنوں میں رضاء خداوندی ک
ادراک اور احساس جب تک نفس میں صفائی نہ ہو نہیں ہو سکتا ___ بعض دفعہ ایک عادت بصورت عبادت
ظاہر ہوتی ہے۔ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں عبادت کر رہا ہوں اور وہ نفس کی پرستش ہوتی ہے ایک صاحب باطن
بتاتا ہے کہ اس کے اندر کھوٹ ملا ہوا ہے۔ یہ عبادت صحیح نہیں بنی۔ اس سے رضائے حق تعالیٰ نہیں ہو گی
___ تو اس کا ادراک ہو جانا اور اس کی سمجھ پیدا ہو جانا کہ نفس کی کیا خواہش ہے اور حق تعالیٰ کی کیا مرضی ہے
کس جانب کو مجھے جانا چاہئے اور کس جانب کو ترک کرنا چاہئے۔ تو نفس کی باریک باریک خواہشیں اور
مکاریاں ہوتی ہیں یہ اس وقت تک منکشف نہیں ہو سکتیں۔ جب تک نفس کے اندر صفائی نہ پیدا ہو۔ جب
تک جلاء نہ پیدا ہو اور نورانیت نہ پیدا ہو ___ اور یہ نورانیت بغیر مجاہدے اور بغیر ریاضت کے نہیں آ سکتی
___ اس واسطے مجاہدے اور ریاضتیں کراتے ہیں تاکہ نفس میں استقامت پیدا ہو' سیدھا پن پیدا ہو' سلامتی
قلب پیدا ہو ___ تو حضرات صحابہ کرامؓ کو مجاہدے کرائے گئے۔ ریاضتیں کرائی گئیں۔ اس کے ذریعہ سے ان
کے نفوس سے جو شرک کے نرغے تھے۔ وہ نکل گئے۔ وہ جو کج راہی تھی وہ نکل گئی۔ وہ جو غیر اللہ کی محبت
میں سرشار تھے۔ وہ محبت ختم ہوئی۔

کمالِ استقامت

اب ان کی محبت تھی تو اللہ کے لئے' عداوت تھی تو اللہ کے لئے' دینا تھا تو اللہ کے لئے' لینا تھا تو اللہ کے
لئے' کمالِ ایمان کمال استقامت سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کو حدیث میں ایک موقع پر فرمایا گیا :

من احب للّٰہ وابغض للّٰہ واعطی للّٰہ ومنع للّٰہ فقد استکمل الایمان

"جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے کی۔ عداوت باندھی تو اللہ کے لئے‘ کسی کو دیا تو اللہ کے لئے‘ کسی سے ہاتھ روکا تو اللہ کے لئے‘ اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا"۔

تو دنیا میں آدمی جو کچھ بھی عمل کرتا ہے۔ یا بچتا ہے تو اس کا منشاء یا محبت ہوتی ہے یا عداوت ___ جس کام کو آپ کرتے ہیں اگر رغبت ہوگی جبھی تو آپ کریں گے‘ اگر نفرت ہوگی تو کیسے کریں گے۔ تو کسی چیز کی رغبت ہونا اس کے کرنے کی دلیل ہے‘ کرنا اس سے محبت اور مرغوب ہونے کی دلیل ہے۔ جس چیز سے عداوت ہوگی‘ اس سے آپ بھاگتے ہیں۔ تو کسی چیز کو نہ کرنا اس سے نفرت کی دلیل ہے ___ تو فرمایا گیا کہ جس نے رغبت کی تو لوجہ اللہ کی۔ نفرت کی توجہ اللہ کی۔ رغبت اور نفرت کا تعلق نفسانی جذبات سے باقی نہ رہے ___ یا کسی کو تو اللہ کے لئے‘ نہ دیا تو اللہ کے لئے جب ہر حرکت اور سکون لوجہ اللہ بن جائے۔ تب کہا جائے گا کہ نفس کامل ہو گیا۔ اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

تفویضِ مطلق

اس کے معنی اسلام کے ہیں یہی حقیقی اسلام ہے کہ جو کچھ ہو اللہ کے لئے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا گیا تھا :

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ

"اے ابراہیم! مسلم بن جاؤ"۔

مسلم بننے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ معاذ اللہ اب تک آپ غیر مسلم تھے۔ اب اسلام قبول کریں ___ آپ تو پیغمبر ہیں۔

مسلم ہونے کے کیا معنی؟ یعنی گردن جھکا دو۔ جو کچھ کرو‘ ہمارے لئے کرو۔ اپنے نفس کے لئے کچھ مت کرو ___ مسلم بننے کے یہ معنی تھی‘ یعنی تفویض کرنا‘ اپنے نفس کو سونپ دینا‘ اللہ کے حوالے کر دینا کہ جس طرح اس کی شریعت الٹ پلٹ کرے۔ اس طرح الٹ پلٹ ہو جاؤ‘ تمہاری اپنی کوئی مرضی یا تدبیر باقی نہ رہے‘ تم ایسے بن جاؤ کالمیت فی ید الغسّال جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ جدھر کو کروٹ دیدے‘ دیدے‘ مردہ یہ نہیں کہتا کہ مجھے ادھر کو کیوں پلٹ دیا‘ جدھر کو بٹھادے‘ لٹادے‘ کروٹ دیدے‘ میت نہلانے والے کے ہاتھ میں ہے ___ اس طرح سے آدمی اپنے ارادہ و اختیار سے شریعت کے ہاتھ میں ہو۔ غیر ارادی طور پر تو اب بھی انسان اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کی مرضی سے اس کی حرکت اور سکون ہے ___ لیکن ارادے سے اپنے آپ کو سونپ دے کہ جدھر کو آپ چاہیں گے ادھر ہی کو میرا ارادہ متوجہ ہو جائے گا۔

یہ اسلام ہے ___ اس کو کہا گیا کہ :

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ

"اے ابراہیم! مسلم بن جاؤ"۔

یعنی اپنے کو ہمارے حوالے کر دو‘ جس طرح ہم الٹیں پلٹیں تم تیار رہو۔

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

"اے اللہ! میں مسلم بن گیا"۔

یعنی میں نے اپنے کو حوالے کردیا۔ جس طرح سے آپ کا جی چاہے مجھ میں تصرف کریں۔ میری محبت ہوگی تو آپ کے لئے ہوگی۔ عداوت ہوگی تو آپ کی خاطر ہوگی نفس کی خاطر کچھ نہیں ہوگا۔

فرمایا کہ جب تم مسلم بن گئے اور مان لیا تو دوسری جگہ فرمایا گیا کہ اب اس اسلام کا اعلان کرو۔ وہ اسلام کیا ہے؟

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

”اے ابراہیم! اعلان کردو کہ میری نماز اور میرا حج، میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ کے لئے ہے میرے اپنے لئے کچھ نہیں“۔

جس کا کوئی شریک نہیں ہے تو میرے ان اعمال میں کوئی شریک نہیں ایک ہی کی رضا کے لئے کر رہا ہے، چند لی رضا کے لئے نہیں، اور اسی کا مجھے امر کیا گیا ہے اور میں آج کے دور میں اوّل مسلم ہوں ___ تو اسلام کے معنی یہ نکل آئے کہ نماز بھی ہے تو اللہ کے لئے ہے۔ حج ہے تو اللہ کے لئے۔ مرنا ہے تو اللہ کے لئے، جینا ہے تو للہ کے لئے۔ یعنی تفویض محض، اپنے آپ کو حوالے کردینا ہے۔ اسلام کے یہی معنی ہیں کہ آدمی اپنے کو حوالے کردے۔ کہ نہ اس کی اپنی مرضی باقی رہے نہ اس کی اپنی رضا باقی رہے، رضا ہو تو اللہ کی ہو ارادہ ہو تو للہ کا ہو۔

فناءِ کلی

کسی غلام سے کسی نے پوچھا تھا کہ تو کیا کھائے گا؟

اس نے کہا کہ جو آقا کھلادے۔

کہا تو کیا پہنے گا؟

اس نے کہا جو آقا پہنادے۔

کہا۔ تو کام کیا کرے گا؟

کہا۔ آقا جو کام لے لے۔

اس نے کہا کہ آخر تیری بھی کوئی مرضی ہے؟

اس نے کہا اگر میری اپنی مرضی ہوتی تو میں غلام ہی کیوں بنتا!

پھر میں آقا ہی نہ بن جاتا۔ میرے غلام ہونے کے یہ معنی ہیں کہ میری مرضی بھی غلام، میری رائے بھی غلام، میری خواہش بھی غلام، اگر خواہش ہے تو آقا کی ہے مرضی ہے تو آقا ہی کے لئے، ارادہ ہے تو آقا کا ہے ___ تو ایک انسان جب غلام بنکر اپنے کو دوسرے کے اس درجے حوالے کردیتا ہے، حالانکہ دوسرا انسان اس کا خالق نہیں۔ اس کا مالک نہیں، پھر بھی ذرا سے احسان کی بدولت حوالے ہوگیا۔ تو جو محسن حقیقی جو اللہ رب العزت ہیں، جس کا دعویٰ کیا ہے کہ میں اس کا غلام اور بندہ ہوں ___ اس کا بندہ بھی بنے اور تجویز بھی اپنی پیش کرے۔ اس کا بندہ بھی بنے اور اس کے سامنے پھر رائے بھی رکھے۔ یہ بندگی نہیں، دعویٰ بندگی ہے اور وہ غلط ہے۔ بندگی یہ ہے کہ کالمیت فی ید الغسّال مرضی حق کی تابع ہونا ہے۔

مرضیٔ حق

آج دنیا میں لوگ اللہ کو اپنے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ خود اس کے تابع ہونا نہیں چاہتے۔ مرضی سوچ لیتے ہیں کہ ایسا ہو' استفتاء بھی کریں گے تو اس نیت سے کہ ہماری مرضی کے مطابق فتویٰ ہو' اگر رائے بھی پوچھیں گے تو اس نیت سے کہ جو ہم چاہیں گے وہ تو اپنی جگہ قائم رہے اور دعاء بھی ہو تو اسی کے تابع ہو فتویٰ بھی ہو تو اسی کے تابع ہو۔ یہ تو اللہ کو تابع بنانا ہے۔ تو دعویٰ تو اپنے تابع ہونے کا ہے اور آدمی متبوع بن گیا اور چاہتا ہے کہ خدا اس کے تابع ہو تو یہ چلنے والی بات نہیں۔ تفویض کے بھی خلاف ہے اور اسلام کے بھی خلاف ہے۔ مسلم ہونے کے تو یہ معنی ہیں کہ میں تابع ہوں مرضی حق کے۔ میری مرضی کوئی چیز نہیں۔ فنائے مرضی ہی کا نام اسلام ہے فنائے خواہش ہی کا نام اسلام ہے۔ اگر ہم میں ہماری مرضی زندہ ہے تو مسلم کب ہیں؟ اور اگر خواہش زندہ ہے تو حقیقی معنی میں مسلم کب ہیں؟ اس لئے فرمایا گیا کہ اسلام یہ ہے کہ اپنے کو سونپ دو ، اور حوالے کردو۔ یہ زندگی اگر صحیح معنی میں دیکھی گئی تو حضرات صحابہ کرامؓ میں دیکھی گئی۔ اگر ان کی آنکھ اس چیز کو دیکھ رہی ہے اور اللہ و رسول اس کو کوئی اور چیز کہلوانا چاہیں تو آنکھ کو بے تکلف جھٹلانے کو تیار تھے مگر مرضی حق کو جھٹلانے کو تیار نہ تھے۔

حدیث میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ :

ای یوم ھذا۔

''یہ کون سا دن ہے؟''۔

سب جانتے تھے ۹ ذی الحجہ ہے' عرفہ کا دن ہے' حج میں جمع ہیں۔ تو سیدھا جواب یہ تھا کہ یوم عرفہ ہے۔ جواب کیا دیتے ہیں :

اللہ ورسولہ اعلم

''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا دن ہے؟''۔

آپؐ نے پوچھا؟

ای بلد ھذا

''مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ کون سا شہر ہے؟''۔

سب جانتے تھے کہ مکہ ہے۔ جواب یہ ہوتا کہ ''مکہ'' ہے مگر جواب کیا دیتے ہیں :

اللہ ورسولہ اعلم

''اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون سا شہر ہے''۔

آپ نے فرمایا :

ای شھر ھذا؟

''یہ کون سا مہینہ ہے؟''۔

سب جانتے تھے کہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے جواب دے دیتے کہ ذی الحجہ ہے مگر جواب میں یہ عرض کیا :

اللہ ورسولہ اعلم

"اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا مہینہ ہے"۔

تابعین میں سے ایک شاگرد نے ان صحابیؓ سے پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کیوں دیا۔ آپ کو قطعی علم تھا کہ یہ مکہ ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ ہے۔ نویں تاریخ ہے۔ تو نام لے کر بتاتے کہ فلاں شہر ہے، فلاں مہینہ ہے۔ فلاں تاریخ ہے۔ یہ کہنا کہ اللہ ورسولہ اعلم۔ یہ کچھ سمجھ آنے والی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیوں کہا ___؟

حقیقتِ اسلام

ان صحابی نے جو جواب دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفویض اسے کہتے ہیں ___ وہ صحابیؓ فرماتے ہیں ہم نے اس لئے کہا کہ:

اگر اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ مکہ نہیں، مدینہ ہے۔ تو ہم کہتے کہ ہماری آنکھوں نے غلط دیکھا، بلاشبہ یہ مدینہ ہے اللہ کا رسول غلط گو نہیں ہو سکتا ___ اور اگر آپؐ یہ فرمادیتے کہ یہ ذی الحجہ نہیں، محرم کا مہینہ ہے۔ ہم سب کہہ دیتے کہ ہم سب ایمان لائے، بلاشبہ محرم کا مہینہ ہے۔ ہمارا علم غلط تھا کہ ہم اسے ذی الحجہ سمجھ رہے تھے۔

اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ یہ نویں تاریخ نہیں بلکہ ذی الحجہ کی بارھویں تاریخ ہے۔ ہم کہتے کہ بلاشبہ یہ بارھویں تاریخ ہے، ہم سے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کہ یہ نویں تاریخ ہے۔

تو تفویض مطلق اسے کہتے ہیں کہ پیغمبر کی خبر کے مقابلے میں آنکھوں کو جھٹلانے کے لئے تیار ہو جائے، کانوں کو جھٹلانے کے لئے تیار ہو جائے کہ میرا کان غلطی کر سکتا ہے، میری آنکھ غلطی کر سکتی ہے، مگر خدا کا رسول تبلیغ حق میں غلطی نہیں کر سکتا۔ اس کو تفویض مطلق کہتے ہیں۔ اور فی الحقیقت یہ اسلام ہے۔

آج ہم اللہ و رسول کو اپنی خواہشات کا تابع بنانا چاہتے ہیں کہ اپنی مرضی پہلے متعین کرلی۔ اور مسئلے کو توڑ مروڑ کر اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہا۔ گویا خدا اور رسول کو اپنے تابع بنا رہے ہیں حالانکہ تابع بننے کا صحابہؓ نے یہ درجہ حاصل کیا ہے کہ آنکھوں تک کو جھٹلانے کے لئے تیار ہیں ___ ہم تو خدا اور رسول کو اپنے خیال کا تابع بناتے ہیں، وہ مشاہدے کا بھی تابع نہیں بناتے۔ مشاہدے کو بھی اللہ و رسول کے تابع کرتے تھے کہ آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے اگر اللہ کے رسول اس کے خلاف فرمادیں گے، حق وہ ہوگا، آنکھ حق پر نہیں ہوگی۔ آنکھوں کی تکذیب کے لئے تیار ہیں۔

اللہ کے نام کے مقابلہ میں مشاہدہ کی تکذیب

اور یہ تو یہ ہے ___ حضرات انبیاء علیہم السلام کا بھی یہ طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے نام کی وجہ سے اپنے مشاہدے کی تکذیب کر دیتے ہیں ___ سیر کی روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چور کو دیکھا کہ وہ چوری کر رہا ہے ___ اور دن میں دیکھا کہ وہ چوری کر رہا ہے۔ اور چیز اٹھا رہا ہے۔ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس کو بلا کر پکڑ کر فرمایا:

"ظالم! یہ دن دھاڑے چوری کرتا ہے تجھے شرم نہیں آتی"۔

اس نے کہا:

والله الذی لااله الاهو ماسرقت۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میں نے چوری نہیں کی"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

صدقت ربی۔ وکذبت عینی۔

اپنے پروردگار کے نام کے تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں بے شک تو نے چوری نہیں کی۔ جب تو نے اللہ کے نام پر حلف دیا تو اللہ کا نام سچا ہے۔ میں اس کی تکذیب نہیں کر سکتا ___ یہ اتباع کامل کا درجہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کا نام بھی آجائے۔ حالانکہ چور اس نامِ پاک کو غلط استعمال کر رہا ہے۔ مگر جرأت نہیں کرتے کہ تکذیب کریں کہ خدا کا نام آگیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خادم کو گوشت خریدنے کے لئے بھیجتے جب وہ لے کر آتا تو گوشت کی بوٹیاں گن لیتے تھے۔ مثلاً ایک پیسے میں چھ بوٹیاں آنی چاہئے تھیں۔ تو یہ چھ لایا ہے یا پانچ لایا ہے۔ خادم کہتا کہ مجھ پر کیا اعتماد نہیں ___ ؟

فرمایا اعتماد ہے۔ اپنے قلب کی تسکین اور تیرے ساتھ حسن ظن باقی رکھنے کے لئے میں یہ کام کرتا ہوں کہ گن لیتا ہوں۔

کسی نے کہا کہ یہ خادم دھوکہ کرتا ہے۔ اور یہ کم لے آتا ہے۔ اور پیسے آپ سے زیادہ لے جاتا ہے۔

فرمایا کہ وہ خادم اللہ کا نام لے کر کہتا ہے کہ میں پورا پورا لے کر آیا ہوں۔ اس نے کہا وہ غلط نام لیتا ہے، اور غلط حلف اٹھاتا ہے۔ اور کم لے کر آتا ہے۔ اور آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔

فرمایا :

من خدعنا فی اللہ ان خدعنالہ۔

"جو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دے گا، ہم ضرور اس کے دھوکہ میں آئیں گے اللہ کے نام کو ہم نہیں جھٹلا سکتے"۔

علم، محبّت اور اخلاق کا وظیفہ

اس کا تعلق عظمت سے ہے۔ جب اللہ کے نام کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جائے کہ اس کے سامنے آنکھ بھی بے کار، کان بھی بے کار، باتیں بھی بے کار، اللہ ہی اللہ سامنے ہے، وہ حقیقی معنی میں قلب کی تفویض کا اور اسلام کا مقام ہے۔ یہ مقام حضرات صحابہؓ کو جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور تزکیہ سے دیا گیا تھا علم کے ذریعے آپ نے مسائل بتلائے اور تزکیہ کے ذریعے سے قلوب کا راستہ سیدھا کیا۔

تو آپؐ نے فرمایا کہ میری بعثت کی غرض وغایت کیا ہے؟

انما بعثت معلما۔

"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ علم کے ذریعے سے امت کو صحیح راستہ دکھلا دوں"۔

اور ___

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

"میں بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کو مکمل کر کے پیش کروں"۔

ان کو اخلاق کریمانہ کا مکمل نمونہ بنا دوں ___ اخلاق عمل کی قوت ہیں ___ مطلب یہ ہے کہ علم سے تو میں راستہ دکھلاتا ہوں۔ اور اخلاق درست کر کے اس راستہ پر چلنے کی قوت پیدا کرتا ہوں۔ علم آدمی کو اس وقت تک نہیں چلا سکتا۔ جب تک اخلاق درست نہ ہوں۔ اخلاقی قوت سے ہی آدمی چلے گا۔ علم کا کام فقط

راستہ دکھلانا ہے۔

اگر ایک عالم بہت اعلیٰ علم حاصل کرے مگر عمل کی طرف متوجہ نہیں۔ تو راستہ اس نے دیکھ لیا۔ مگر محض علم اسے راستے پر نہیں چلا سکتا' جب تک اس کے اندر چلنے کی اخلاقی قوت نہ ہو۔

اخلاق میں صبر ہے' شکر ہے' شجاعت ہے' رضا ہے' تسلیم ہے یہ عملی چیزیں ہیں ___ علم راستہ بتلا دے گا کہ کرنے کا یہ طریقہ ہے۔ اور بچنے کا یہ طریقہ ہے ___ لیکن اس طریقہ پر آدمی چل پڑے' چلا دینا علم کا کام نہیں ہے۔ یہ کام اندرونی قوت کا ہے جو اخلاقی قوت ہے۔ اگر قلب میں محبت ہے آدمی شجاعت اختیار کرے گا۔ محبوب کے خاطر لڑے گا' اور محبوب کے دشمنوں کو فنا کر دینا چاہے گا۔ معلوم ہوا کہ محبت اخلاق کو چلاتی ہے، علم نہیں چلاتا ___ اگر انسان کے اندر صبر ہے تو ظاہر بات ہے کہ جو مرغوب خدا کی خاطر اختیار کرے گا' اس پر جم جائے گا۔ گویا طاعت پر جمے گا اور صبر کرے گا۔ اس کے خلاف سے ہٹ جائے گا' یہ صبر محبت ہی کرائے گی' اگر حق تعالیٰ شانہ سے محبت نہ ہو تو عبادت پر آدمی صبر کیسے کرے؟ ___ آپ نماز پر صبر کئے بیٹھے ہیں۔ سردی ہے' لحاف چھوڑ کر سردی کے زمانے میں نماز کے لئے آتے ہیں تو عبادت پر اتنا جمنا یہ محبت ہی سے تو ہے محض علم سے نہیں۔ علم نے تو راستہ دکھلایا تھا کہ بھئی! اگر تم نے نماز پڑھ لی تو ثواب ملے گا ___ لیکن پڑھنا اور پڑھنے کے لئے اٹھنا' اور اپنے عیش و آرام کو چھوڑنا' یہ محبت کراتی ہے' علم نہیں کراتا۔ تو محبت اخلاق کو حرکت میں لاتی ہے' اخلاق عمل کو حرکت میں لاتے ہیں۔ تب جا کے آدمی عمل کرتا ہے۔

غرض ہر چیز کا ایک وظیفہ ہے۔ علم کا کام راہ دکھلانا ہے۔ محبت کا کام حرکت میں لانا ہے۔ اخلاق کا کام عمل کرا دینا ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے دائرے میں عمل کرے گی۔ سارے کام آپ علم کے اوپر ڈال دیں کہ وہی راستہ دکھلائے' وہ چلائے۔ وہی گردن پکڑ کر آپ کو مسجد میں لے جائے تو ایک چیز سارے کام انجام نہیں دے سکتی۔ الگ الگ قوتیں ہیں ___ غرض تعلیم کے ذریعے سے علم پہنچتا ہے۔ تزکیئے کے ذریعے سے اخلاق درست ہوتے ہیں اور محبت پیدا کرائی جاتی ہے ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وظیفے نکلے۔ ایک تعلیم اور ایک تربیت۔ تعلیم سے آپ مسائل پہنچاتے تھے۔ یہ جائز یہ ناجائز' یہ حلال یہ حرام' اور تزکیئے کے ذریعے سے عمل کی قوتیں قلب میں فراہم کرتے تھے کہ اس حلال کے اوپر آدمی چل پڑے اور حرام سے بچنے لگے۔ جائز کے اوپر چل پڑے اور ناجائز سے بچنے لگے' یہ چیز تزکیہ اور احوالِ قلب سے متعلق تھی۔

قلب کی حالت اگر درست نہ ہو' فتنے میں پڑا ہوا ہو اور شکوک و شبہات میں پڑا ہوا ہو تو شکی آدمی کبھی عمل نہیں کر سکتا' تذبذب اور تردد ہو گا تو کبھی عمل ظہور پذیر نہیں ہو گا۔ قوت یقین پہلے آئے' پھر آدمی چلے گا' اور اخلاق ابھاریں گے تو آدمی عمل کرے گا۔ اس واسطے دو وظیفے فرمائے گئے۔ گویا بعثت کی دو غرض و غایت نکلیں۔

ایک فرمایا :

انما بعثت معلما

"میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

اور ایک فرمایا :

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

"میں بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کا مکمل نمونہ تمہارے سامنے رکھ دوں"۔

تاکہ تمہارے اخلاق صحیح ہو جائیں۔ اخلاق کے بغیر عمل نہیں ہو گا۔ اور تعلیم کے بغیر علم نہیں آئے گا جس

سے جائز و ناجائز کا پتہ چلے۔

تعلیم بلا تربیت کا نقصان

تو مجلس مبارک میں ایک طرف مسائل کی تعلیم ہوتی تھی جائز و ناجائز اور حلال و حرام بتلایا جاتا تھا۔ اور رات کو نگرانی فرماتے تھے کہ عمل کیسا ہے۔ مجاہدے کراتے تھے تاکہ نفوس کا تزکیہ ہو جائے۔ اس کا تعلق جائز و ناجائز سے نہیں قلب کے احوالِ باطن سے ہوتا ہے ___ احوالِ باطن وہی درست کر سکتا ہے جو باطن کے ان مقامات سے گذرا ہوا ہو۔ جو اس راہ میں چلا ہوا نہیں ہے۔ وہ کس طرح سے اعمالِ باطن کو درست کرے گا' اسے خود اپنے اندر کا پتہ نہیں دوسرے کے اندرون کا کیا پتہ چلے گا ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس واسطے جیسے ظاہری مسائل پوچھنے کی ضرورت ہے' باطنی احوال کے درست کرنے کے لئے بھی لوگ اہل باطن کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ وسوسوں کو دور کر کے قلب کی راہ کو درست کرلیں ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے مسائل کی تعلیم دی حلال و حرام' جائز و ناجائز کے دائرے کو بتلایا فرائض بتلائے' واجبات اور ان کی مقداریں بتلائیں۔ ان کے ادا کرنے میں جو خطرات اور وسوسوں کی رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں' ان کے رفع کرنے کی ذمہ داری بھی آپؐ ہی نے لی۔ اور قلب کو درست کرنے کا طریقہ بھی آپؐ نے اختیار فرمایا۔ اس کا نام تعلیم ہے اور اس کا نام تربیت ہے۔ تربیت سے آدمی صحیح بنتا ہے۔ اگر تعلیم ہی تعلیم ہو اور علم ہی علم' تو کورے علم سے راستہ تو نظر آئے گا' مگر چلنے کی طاقت پیدا نہیں ہوگی ___ جیسے غالب نے کہا تھا کہ ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

آج کے دور میں بد عملی جہالت کی وجہ سے نہیں ہے۔ علم کے باوجود بد عملی ہے۔ علم کے راستے اتنے پھیل چکے ہیں کہ قدم قدم پر آدمی کو علم ہوتا ہے اور ہے۔ کاغذ ہے' پیپر ہے' رسائل اور اخبارات ہیں۔ رات دن علم سامنے آرہا ہے۔ مگر رات دن بد عملی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ بد عملی جہالت کے سبب سے نہیں ہے' بلکہ عدم تزکیہ کے سبب سے ہے کہ جب نفوس مانجھے ہی نہیں گئے' اور قلب کے مقامات ہی درست نہیں ہوئے۔ دل کی کلیں ہی درست نہیں ہیں۔ تو جتنا بڑا علم ہوگا' اتنی ہی بڑی بد عملی بھی ہوگی' اس لئے جہاں ظاہری علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ وہاں باطنی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر آدمی چلتا نہیں ہے۔

اہمیتِ تزکیہ

اگر یہ چیز ضروری نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں تزکیہ نہ رکھا جاتا، اور تربیت نہ رکھی جاتی۔ تو سب سے زیادہ ضرورت تربیت کی پڑتی ہے۔ اور تربیت کے ساتھ تعلیم کی ضرورت پڑتی ہے ___ اور ان دونوں چیزوں کا تعلق کسی منجھی ہوئی شخصیت کے ساتھ ہوتا ہے۔

تزکیہ میں شخصیت کی احتیاج

آدمی یہ چاہے کہ میری تربیت کاغذ سے ہو جائے' تو کاغذ اور کتاب تربیت نہیں کر سکتے۔ کاغذ میں تو کالے کالے نقوش ہوتے ہیں۔ ان نقوش کی مرادات کیا ہیں ___ ؟ یہ تو معلم سمجھا سکتا ہے اور مزکیؒ بتلا سکتا ہے کاغذ نہیں بتلائے گا ___ چنانچہ قرآن میں جو کیفیات ہوتی ہیں تو کاغذ میں حروف کا نقش آتا ہے' کیفیت تو نہیں آتی۔ بہت سی کیفیتیں ہیں جو طرز ادا سے تعلق رکھتی ہیں۔ کلام کے بہت سے ایسے معانی ہوتے ہیں جو طرز ادا' ہیئت کذائی اور لب ولہجے سے سمجھ میں آتے ہیں۔ اگر وہ ہیئت اور انداز نہ ہو کلام کا مطلب متعین نہیں ہوگا ___ اور میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں کہ اردو کا ایک جملہ ہے اس کے کئی معنی آتے ہیں۔ اور سب کا تعلق لب ولہجے سے ہے۔ وہ جملہ "کیا بات ہے"۔ ہے اس کے معنی استفہام واستفسار' تفخیم شان' تحقیر شان اور تعجب کے آتے ہیں۔ سب کا تعلق لب ولہجے سے ہے اگر لب ولہجہ سامنے نہ ہو تو معنی متعین نہیں ہو سکتے۔ اب اگر یہ جملہ کاغذ پر لکھ کر کسی دوست کے پاس آپ بھجوادیں تو کاغذ میں تو کالے کالے نقوش لکھے ہوتے ہیں۔ لب ولہجہ لکھا ہوا نہیں ہے۔ وہ اس سے جو سمجھے گا' وہ متکلم کی مراد نہیں ہوگی بلکہ جو کیفیت اس پر غالب ہوگی وہ وہی معنی سمجھے گا' وہ متکلم کی مراد نہیں ہوگی وہ اس کی اپنی مراد ہوگی ___ وہ دنیا کو یہ کہہ کر دھوکہ دے گا کہ لکھنے والے کی یہ مراد تھی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کلام اس کا تھا ' مراد اس کی اپنی تھی ___ ٹھیک اسی طرح سے قرآن وحدیث میں بہت سے مضامین کا تعلق لب ولہجے سے ہے۔ اور بہت سے مضامین کا تعلق شانِ نزول سے ہے۔ ان سب سے کٹ کر اگر محض قرآن وحدیث کے لکھے ہوئے الفاظ سامنے آجائیں۔ اور اس کا آپ مطلب لیں تو وہ مطلب آپ کا ہوگا اگرچہ لفظ خدا کے ہوں گے۔ اب آپ دنیا کو یہ کہیں کہ خدا نے یہ فرمایا۔ یہ دھوکہ دہی ہوگی' وہ تو آپ فرمارہے ہیں۔ اور دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں ___ اس لئے کہ خدا کا مطلب تو جب کھلتا جب خدا کی طرف سے کوئی بیان کرنے والا آکر اپنے لب لہجے' اپنے طرز ادا' اپنے ماحول اور اپنی کیفیت سے بیان کرتا۔ آپ کے سامنے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں' حتی کہ شانِ نزول بھی آپ کے سامنے نہیں' کالے نقش' لکھے ہوئے آپ کے سامنے ہیں تو ماحول' کیفیت اور ہیئت کذائی آپ کی اپنی ہے۔ اور قرآن اور حدیث پر آپ نے تھوپ دی ہے ___ تو حقیقت میں وہ قرآن اور حدیث کا مطلب نہیں' وہ آپ کا مطلب ہے۔ لفظ آپ نے اللہ کے لئے اور مطلب اپنی طرف سے گھڑ لیا۔

اسی کو مٹانے کے لئے تعلیم وتزکیہ کو رکھا گیا ہے۔ کہ ایک شخصیت آکر تعلیم دے۔ اور سمجھائے کہ یہ مراد ربانی ہے۔ اس واسطے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ تاکہ وہ کلام بھی سنائیں اور کلام سنا کر اس کا مطلب بھی بیان کریں کہ یہ اس کا مطلب اور مصداق ہے۔

مقاصدِ بعثت

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ علم سے دنیا کو آراستہ کریں اور اس علم سے راہ حق نظر آئے۔ اور تزکیہ سے آراستہ کریں جس سے لوگوں میں اس راستے پر چلنے کی قوت پیدا ہو۔ اور عمل کا نمونہ سکھلائیں' تاکہ عمل من گھڑت نہ ہو۔ اس میں بھی لوگ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت کے متبع ہوں ___ یہی چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت ہیں اسی کے مجموعے کا نام تعلیم وتربیت ہے۔ ___ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ ایک حدیث میں ایک غرض ظاہر کی گئی فرمایا :

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔

"میں دنیا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

وہ علم سکھاؤں جس کے ذریعے سے لوگوں کو حق کا راستہ ملے۔ لوگ خدا تک پہنچیں۔ ان کے اخلاق اور کردار و کریکٹر درست ہوں۔

دوسری غرض یہ فرمائی :

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقِ کریمانہ کا اعلیٰ ترین نمونہ تمہارے سامنے رکھوں۔ اور عمل کر کے دکھلا دوں۔ اور اخلاقِ کریمانہ کی ہیئتِ کذائی تم کو دکھلا دوں۔ اس کا نام تربیت ہے۔ اس کا نام تعلیم ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں آنے کی غرض و غایت تعلیم و تربیت ہے تاکہ دنیا کی قومیں علم سے محروم نہ رہ جائیں۔ اور اخلاق سے محروم نہ رہ جائیں۔

اندازِ تعلیم و تربیت

اور یہ تعلیم و تربیت کس کی شان بعثت سے کی؟

تو بعثت کی شان یہ ہے کہ اس میں رحمت کا غلبہ ہے۔ شریعت کے ایک ایک حکم سے رحمت ٹپکتی ہے۔ ایک ایک حکم میں شان رحمت رچی ہوئی نظر آتی ہے۔ غضب اور قہر رچا ہوا نہیں ہے۔ محبت کی آمیزش ہے عداوت کی آمیزش نہیں ہے۔ شفقت رچی ہوئی ہے۔ بیگانگی اور بے تعلقی رچی ہوئی نہیں ہے، انس و موانست رچی ہوئی ہے وحشت رچی ہوئی نہیں ہے ___ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی، تربیت دی۔ اور ساتھ ساتھ وحشت سے بچایا، نفرتوں سے بچایا، انس و موانست کو پھیلایا۔ محبت و یگانگت پھیلائی۔

اندازِ حکومت

حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا ___ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس بنا کر بھیجا۔ آپ نے دونوں صحابیوں کو اونٹ پر سوار کیا اور خود پیدل ساتھ ہوئے ان حضرات کو رکاوٹ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلیں، اور ہم سواری پر بیٹھیں۔ مگر امر ارشاد تھا کہ نہیں۔ تم بیٹھو ___ تو یہ اونٹ پر سوار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل ساتھ ہیں، میل بھر تک ساتھ تشریف لائے۔ اور مختلف نصیحتیں فرمائیں۔

فرمایا! جب تم یمن میں پہنچو گے تو تمہیں عیسائیوں کی رعایا ملے گی۔ وہاں کے سب باشندے عیسائی ہیں وہاں جا کے کیا کام کرو گے ___ تو نصیحت فرمائی کہ :

بشرا ولا تنفرا۔ ویسرا ولا تعسرا وتطاوعا ولا تختلفا۔

عیسائیوں کی ریاست میں لوگوں کو بشارتیں سنانا، نفرتیں نہ دلانا۔ آسانیاں بہم پہنچانا، لوگوں کو تنگیوں میں نہ ڈالنا نہ کرنا۔ مطاوعت، وحدت اور اتحاد پیدا کرنا۔ اختلاف کی راہیں مت ڈالنا کہ لوگ بکھر جائیں۔ تم ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کرنا، متفرق بنانے کی کوششیں مت کرنا۔

تو برائے وصل کردن آمدی

تو برائے وصل کردن آمدی

تم کو دنیا کے جوڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے' دنیا کو توڑنے کے لئے تم کو نہیں بھیجا گیا۔ متفرقوں کو جمع کرنا یہ تمہارا کام ہے۔ جمع شدہ کو متفرق کر دینا یہ تمہارا کام نہیں ہے۔

اور جمع کرنے کا معیار تمہاری ذات نہیں ہوگی۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا بیان ہوگا ___ اسی پر لوگ جمع ہو سکیں گے۔ تمہاری عقل پر جمع نہیں ہوں گے۔ تمہارے مزاج پر جمع نہیں ہوں گے۔ ہر شخص عقل رکھتا ہے ضروری نہیں ہے کہ دوسرے کی عقل کا تبع ہو۔ تم کہو کے میرا مزاج یہ ہے۔ دوسرا کہے گا میرا مزاج یہ ہے ___ لیکن جب آپ یہ کہیں گے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ سب گردن جھکا دیں گے وہ معیار ہے غرض تم لوگوں کو بشارتیں سنانا' نفرتیں مت دلانا۔ انہیں بانٹنا متفرق کرنا اور گروہ سازی مت کرنا۔ سب کو ایک گروہ بنانے کی کوشش کرنا۔ کوئی از خود گروہ بنے یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ تمہاری طرف سے اذن اور اعلان وحدۃ و اتحاد کا ہونا چاہیے ___ تو یہ شان رحمت ہے کہ لوگوں کو ملاؤ اور بانٹو مت۔ متفرق مت کرو۔ ان کے سامنے ایسی چیزیں کہو کہ اگر ان کے قلوب بکھرے ہوئے بھی ہوں تو جڑ جائیں اور جمع ہو جائیں۔ ایسے کلمات ان کے سامنے مت کہو کے ان میں گروہ بندی پیدا ہو جائے وہ بٹ جائیں۔ اور متفرق ہو کر ان میں نفرتیں پیدا ہونے لگیں' کسی ایک مرکز پر انہیں لانے کی کوشش کرو۔ تو یہ وہی شان رحمت ہی ہے ___ غرض تعلیم دینا بھی شانِ رحمت ہے تربیت کرنا بھی شانِ رحمت ہے۔

رحمتِ مجسّم

لیکن اگر اس ضابطے کو فرض قرار دیا جائے تو اس تعلیم و تربیت کو جس شان سے ادا کیا گیا وہ شان تو رحمت ہی کی ہے۔ اور وہ شانِ انسی و موانست اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انما بعثت رحمۃ ولم ابعث لعانا۔

"میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں میں بعید اور لوگوں کو دور کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا"۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا ہے جب غزوہ احد کے اندر ستر صحابہؓ کی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پتھر لگا۔ اور خون کی چادر منہ پر آگری۔ دندان مبارک شہید ہو گئے ___ بعض صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے لئے بددعا کیجئے کہ ان نانجاروں نے اللہ کے رسول کو زخم پہنچایا۔ سر مبارک پر زخم لگا۔ محبوب صحابہؓ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں' شہید ہو گئے' بددعا فرمائیے ___!

اس پر فرماتے ہیں :

انما بعثت رحمۃ ولم ابعث لعانا۔

"میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھٹکار دینے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا"۔

اور فرماتے ہیں :

اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون۔

"اے اللہ! میری قوم کو ہدایت کر! یہ جاہل ہیں۔ جانتے نہیں ہیں"۔

اس موقع پر بھی رحمت ہی کا ظہور ہو رہا ہے۔ یہ وہ خلق عظیم تھا کہ دوسرے گالیاں دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعائیں کر رہے ہیں۔ دوسرے تلوار اٹھا کر زخم لگائیں۔ اور آپ اپنی زبان فیض ترجمان سے ان کے اوپر پھول برسائیں یہی ہے وہ شانِ رحمت کہ دوستوں کے ساتھ رحم کرنا تو ہے ہی ___ لیکن دشمنوں کے ساتھ جو رحم وکرم کرے اور دشمنوں کو جو نوازنے کی کوشش کرے' کہا جائے گا کہ وہی "رحمتِ مجسم" ہے۔ غرض ہر موقع پر آپؐ نے دشمنوں کے ساتھ وہ کیا جو آج دوستوں کے ساتھ بھی کیا جانا مشکل ہے۔

بہرحال بعثت کی شانِ رحمت کی ہے۔ اور بعثت کی غرض وغایت تعلیم اور تربیت کی ہے ___ یہی تین حدیثیں ابتداء میں پڑھی تھیں کہ ایک میں شانِ بعثت بتلائی گئی۔ دو احادیث میں بعثت کی غرض وغایت بتلائی گئی۔

انما بعثت رحمة میں شانِ بعثت ہے۔ کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور **بعثت معلما** اور **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں غرض وغایت یعنی تعلیم و تربیت ہے ___ یہ تین روایتیں میں نے پڑھی تھیں بقدرِ ضرورت ان کی تشریح کی۔ ان سب کا مقصد اور گویا لب لباب اور حاصل یہ نکلتا ہے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد اصلی تعلیم و تربیت ہے۔

نیابتِ نبوی

اور نبی کے بعد قوم نبی کے قائم مقام بنتی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد یہ پوری امت نبی کے قائم مقام اور نبی کی نائب ہے۔ اس کا بھی اصلی فریضہ یہ ہے کہ یہ تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے سر لے۔

ویسے دنیا میں بہت سے علوم ہیں۔ اور ہر علم مفید ہی ہے۔ لیکن حقیقی علم وہ ہے جو آدمی کو آدمی بنائے۔ جو انسان میں اخلاق کے جوہر پیدا کرے' بہت سی تعلیمات ہیں جو سامان بناتی ہیں۔ جیسے آپ سائنس پڑھیں گے تو بہترین قسم کے سامان بنائیں گے۔ فلسفہ پڑھیں گے تو دماغی ریاضت ہو جائے گی۔

ہندسہ اور انجینئرنگ پڑھیں گے تو بہترین قسم کے مکانات بنائیں گے۔ یہ سب چیزیں آپ کی ضروریات کی ہیں' اور اچھے اچھے سامان آپ کے لئے مہیا کریں گی۔ لیکن اچھے انسان بنانا ان علوم کا موضوع نہیں۔ اچھے سامان بنانا موضوع ہے۔ اگر آپ اچھا انسان بننا چاہتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے نیچے آنا پڑے گا۔ تو نبیوں کی دنیا میں آنے سے غرض اچھے سامان بنانا نہیں۔ چھری' کانٹے بنانا نہیں ہے۔ یہ تو ضرورت کی چیزیں ہیں۔ جس طرح آپ چاہیں یہ خود بنالیں۔ ان کے آنے کی غرض یہ ہے کہ آپ کو انسان بنا دیا جائے ___ انسان کے ہاتھ میں اگر چھری ہوگی تو دوست کے گلے پر نہیں چلے گی۔ دشمن کے گلے پر چلے گی۔ انسان کے ہاتھ میں اگر برتن ہوگا تو صحیح استعمال کرے گا۔ جانور کے آگے ہوگا تو اسے پھینک مارے گا۔ اس لئے آدمی اگر آدمی بن گیا تو سامان بھی کار آمد ہو گئے۔ اور اگر آدمیوں میں آدمیت نہ رہی تو یہ سامان وبال جان بن جائیں گے۔ اور دنیا میں کروڑوں روپے کا سامان بھرا ہوا ہے۔ اور آدمی جانوروں کی مانند ہوں۔ جن میں نہ خدا کی پہچان' اور نہ رسول کی پہچان نہ حق وباطل کی پہچان' نہ انس و موانست' ایسے میں سامان اور زیادہ وبال جان ہیں۔

اور اگر ایک بھی سامان نہ ہو چٹنی روٹی پر گذر ہو۔ مگر آدمیوں میں انسانیت کا جوہر ہو' انس ہو' محبت ہو'

ہمدردی خلائق ہو وہ دنیا جنت ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام دنیا کو جنت بنانے آئے ہیں، جہنم بنانے نہیں آئے۔
جہنم والوں کے اخلاق فرمائے گئے ہیں۔

کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّۃٌ لَّعَنَتْ اُخْتَھَا۔

جب کوئی پارٹی جہنم میں داخل ہوگی۔ دوسری پارٹی اس پر لعنت کرے گی، کہ تم پر لعنت ہو تمہاری وجہ سے ہم مبتلا ہوئے۔ وہ کہے گی تم پر لعنت ہو تمہارے بہکانے کی وجہ سے ہم مبتلا ہوئے۔ تو جہنم کا عذاب ایک طرف، یہ لعن طعن خود ایک مستقل عذاب ہے۔

اور جنت والوں کے اخلاق بیان کئے گئے ہیں۔

اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔

بڑی بڑی مسندوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اور دل ایسے ہوں گے۔ جیسے حقیقی بھائیوں کے ہوتے ہیں۔ ہر ایک کے دل میں محبت کھچی ہوئی اور رچی ہوئی ہے۔ تو انبیاء علیہم السلام محبتیں پیدا کرنے آئے ہیں۔ عداوتیں پیدا کرنے نہیں آئے۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اور یہ چیز بغیر رحمت اور شفقت کے نہیں ہوتی۔ تو امت کو بھی اسی طرح شفیق بننا چاہئے اپنوں میں بھی باہم اور اغیار کے حق میں بھی کہ انہیں ہدایت کریں، اور انہیں سیدھا راستہ دکھلائیں۔ ایسی راہیں پیدا کریں کہ لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ ایک طرح محبت واتحاد سے چلیں۔ اس میں قوم کی بھی قوت ہے۔ ملک کی بھی قوت ہے۔ جتنی پاکیزگی آپ کے نفوس میں بڑھے گی، جتنے پاکیزہ اعمال بڑھیں گے، آپ اپنی قوم کے لئے بھی مفید ثابت ہوں گے ملک کے بھی مفید ثابت ہوں گے۔ اگر بدعنوانیاں رہیں تو قوم کے لئے بھی اور حکومت کے لئے بھی وبال جان بن جائیں گے۔ تو آدمی وہ ہے جو صحیح طور پر معاشرہ کے لئے آدمی ثابت ہو۔ اور بہترین انسان ثابت ہو۔

احساسِ ذمہ داری

بلاشبہ بہت سی چیزوں میں حکومت روک تھام کرتی ہے۔ چوروں کو پکڑتی ہے، ڈکیتوں کو پکڑتی ہے، قانون بناتی ہے ___ لیکن ساری ذمہ داری حکومت پر نہیں کچھ آپ پر بھی عائد ہوتی ہے۔ آپ کو بھی تو اپنے اخلاق درست کرنے پڑیں گے۔ اگر آپ تنہائی میں ہوں اور اخلاق درست نہ ہوں۔ جہاں کوئی سپاہی اور سی آئی ڈی نہ ہو، وہاں پھر آپ خیانت کریں گے۔ ایسا آدمی ہو کہ جب تنہائی میں ہو جب بھی نیک نفس ہو، مجمع میں ہو جب بھی نیک نفس ہو۔ یہ جب ہو سکتا ہے کہ جب اس کا نفس درست ہو جائے۔ ورنہ اگر انسان بدنفس ہے تو ڈر کے مارے مجمع میں خیانت نہیں کرے گا مگر جب تنہائی میں جائے گا، خیانت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہوگی۔ وہ آدمی آدمی نہیں بلکہ آدمی کی صورت ہوگی۔ تو آدمی صورت انسان کا نام نہیں ہے حقیقتِ انسان کا نام ہے۔

گر بصورتِ آدمی انسان بُدے
احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

اگر صورت سے آدمی آدمی بنا کرتا تو صورتِ انسان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل دونوں کی ورت انسان کی تھی ___ مگر زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ وہ فرق حقیقت کے لحاظ سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت دیکھی جائے تو عرش کے اوپر پہنچی ہوئی ہے۔ اور ابوجہل کی حقیقت ھی جائے تو تحت الثریٰ میں پہنچی ہوئی ہے۔ صورتیں دونوں کی انسانوں کی ہیں یکساں ہیں ___ غرض ورت سے آدمی آدمی نہیں بنتا' حقیقت سے بنتا ہے اور یہ حقیقت انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے بنتی ہے۔ س کے بغیر جو ہر پیدا نہیں ہوتا ___ اس لئے جہاں آپ اور علوم کی طرف توجہ کریں بنیادی طور پر اس علم کی رف توجہ کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جس سے ہمارا جوہر درست ہو ___ اس واسطے یہ تین حدیثیں ں نے تلاوت کیں، کہ تعلیم و تربیت تو اصل غرض ہے، اور اس میں شفقت اور رحمت کی شان ملی ہوئی نی چاہئے۔ تب جا کے وہ تعلیم و تربیت صحیح معنی میں مفید ثابت ہوگی۔ حق تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں کہ ہم یم کے ذریعے سے علم حاصل کریں۔ تربیت کے ذریعے سے اپنے اخلاق درست کریں اور حق تعالیٰ شانہ' ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اور ہمیں اپنی مرضیات پر چلائیں۔ مین۔

اللّٰھم ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔

اللّٰھم اعذنا من الفتن ماظھر منھا وما بطن۔ اللّٰھم متعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعل ثارنا علی من ظلمنا۔ ولاتجعل مصیبتنا فی دیننا۔ ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولامبلغ علمنا ولاغایۃ رغبتنا۔

اللّٰھم لاتسلط علینا من لایرحمنا اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تھنا واعطنا ولا تحرمنا۔ واثرنا ولا تؤثر علینا وارضنا عنک وارض عنا۔

"للّٰھم وتوفنا مسلمین والحقنا بالصٰلحین غیر خزایا ولا مفتونین۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

(حررہ ۸ جمادی الاولیٰ ۹۰ھ)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مقصودِ بعثت

اس علم (دین) کا حاصل کیا جانا' یہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر آدمی کی نہ روحانیت ہی جاگ سکتی ہے نہ روحانی مراتب طے ہو سکتے ہیں نہ اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اخلاق کا سرچشمہ حق تعالٰی کی ذات ہے اور جب تک مذہب و دین نہ ہو' آدمی کے اخلاق کبھی تربیت نہیں پا سکتے۔ مادیات سے تربیت نہیں ہوتی۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ــــــ اَمَّا بَعْدُ ــــــ

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ، اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

احادیث کا مفہوم

بزرگانِ محترم!

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں ہیں' جو میں نے اس وقت پڑھی ہیں۔ ان دونوں احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری' بعثت اور اپنی رسالت و نبوت کی غرض و غایت بیان کی ہے کہ مجھے دنیا میں کیوں بھیجا گیا؟ ــــ اور میں کیوں مبعوث کیا گیا ــــ؟

تو آپ نے اپنی بعثت کی دو غرضیں ارشاد فرمائیں۔ ایک فرمایا' انما بعثت معلماً ۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا' بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ میں دنیا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تعلیم دوں اور دوسری حدیث میں فرمایا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ پاکیزہ اخلاق کو مکمل بنا کے پیش کروں۔ دنیا کے اخلاق کی تکمیل کروں اور دنیا کو خلیق بنادوں۔ پہلی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا کو عالم بنادوں اور دوسری

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ دنیا کو با اخلاق بنادوں۔

غرض آپ تعلیم اور تربیت کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ تعلیم کے ذریعے علم پھیلتا ہے اور تربیت کـ ذریعے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دو غرضیں ہوئیں۔ ایک عـ پہنچانا اور ایک اخلاق درست کرنا۔ اس کے بغیر دنیا کی کوئی قوم نہ باقی رہ سکتی ہے نہ ترقی کر سکتی ہے۔

اگر ایک شخص عالم ہے اور اس کا بہت بڑا علم ہے۔ لیکن بد اخلاق ہے' تو اس کا علم کبھی مؤثر نہیں ہو گـ وہ دوسروں کو فائدہ کبھی نہیں پہنچا سکتا اور اگر بہت با اخلاق ہے' نیک خلق ہے' لیکن جاہل ہے' تو محضـ اخلاق سے وہ دنیا کو تربیت نہیں دے سکتا۔

انسان کی ذات میں علم نہیں ہے

علم انسان کی ذات میں نہیں ہے' وہ باہر سے لایا جاتا ہے۔ اخلاق اندر موجود ہیں لیکن انہیں درستـ کیا جاتا ہے۔ تو ایک چیز انسان کے گھر کی ہے' اس کی اصلاح کی جاتی ہے اور ایک چیز سرے سے نہیں ہےـ اس کو انسان کے اندر ڈالا جاتا ہے۔ تو خلقی طور پر انسان جاہل پیدا ہوا ہے۔ اس میں کوئی علم نہیں تھا ___ حقـ تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا :

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ (نحل پ ۱۴ آیت ۷۸)

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا اور نکالا۔ کس حالت میں؟ ذرہ برابر تمہیں علم نہیں تھاـ جاہل مطلق پیدا ہوئے تھے۔ نہ سیاہ و سفید کی تمیز تھی نہ اچھے برے میں امتیاز تھا نہ حلال و حرام کا پتہ تھا۔ بالکلـ جاہل مطلق تھے۔ ماں کی پیٹ سے کوئی ہنر لے کر نہیں آئے۔ اللہ نے اپنا فضل کیا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّـ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ تم میں سننے کی طاقت رکھی' دیکھنے کی طاقت رکھی' سمجھنے اور بوجھنے کی طاقت رکھی کہ کچھـ معلومات تم سن کر حاصل کرتے تھے۔ کچھ دیکھ کر اور کچھ سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی چیزوں میں غور و فکر کرکے علـ نکالتے تھے۔ اللہ نے یہ طاقتیں تمہارے اندر رکھیں تاکہ تم علم پیدا کرو' علم کے اندر آؤ۔ علم بھی تمہارےـ اندر رکھے۔

اس آیت سے معلوم ہوا' انسان کی ذات میں علم نہیں ہے۔ خالی ہے ، مگر ہاں صلاحیت ہے کہ اگر علـ سیکھنا چاہے تو علم آسکتا ہے ___ اسی لئے انسان کو جاہل کہا گیا ہے۔ جاہل اسے کہتے ہیں جو علم نہ رکھتا ہو' مگـ علم لینے کی اس میں صلاحیت ہو۔ اس دیوار کو ہم جاہل نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ اس میں عالم بننے کیـ صلاحیت ہی نہیں۔ اس لاؤڈ اسپیکر کو ہم جاہل نہیں کہیں گے' اس لئے کہ یہ عالم بن ہی نہیں سکتا۔ یہ شامیانـ اور زمین و آسمان جاہل نہیں ہیں' کیونکہ ان میں عالم بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انسان ہی کو جاہل کہا جائے گـ کیونکہ اس میں عالم ہونے کی صلاحیت ہے' اسی میں استعداد موجود ہے۔

تعدیل اخلاق بلا علم ممکن نہیں

اسی طرح انسان کے اندر اخلاق تو ہیں' مگر جب تک اس میں علم نہیں ہے وہ معتدل اخلاق نہیں ہیں بلکـ انسان یا ایک کنارے پر رہتا ہے یا دوسرے کنارے پر۔ جب تک علم نہیں آتا وہ درمیان میں اعتدال پر نہیں

ہے۔ افراط اور تفریط کے لئے جہالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ علم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن عدل اخلاق کے لئے ان کو معتدل بنانے کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

مثلاً صبر ایک خلق ہے' تو صبر کا ایک کنارہ جزع فزع ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے تو آپے سے باہر ہو جائے' گریبان پھاڑ دے' بال نوچ ڈالے' رخسارے پیٹ ڈالے' منہ نوچ لے۔ یہ خلق صبر کا ایک کنارہ ہے یعنی انتہائی بے صبری اور دوسرا کنارہ یہ ہے کہ کتنی ہی مصیبتیں آئیں' کوئی اثر ہی نہ ہو۔ اس کے اندر سرد مہری ہو کہ کوئی فوت ہو جائے تو اس کی آنکھ سے آنسو ہی نہ نکلے' دل میں غم تک نہ آئے' جیسے اپنے کام میں لگ رہا تھا' لگا رہے۔ پتھر کی مانند ہو جائے' اس کی طبیعت میں کوئی اثر نہ ہو۔ تو ایک کنارہ جزع فزع ہے کہ اتنا بے صبر بن جائے کہ آپے سے باہر نکل جائے' ایک کنارہ سرد مہری کا ہے کہ اس کے اوپر کوئی اثر ہی نہ ہو۔ وہ بھی صبر نہیں' یہ بھی نہیں۔ صبر درمیان میں ہے کہ اثر تو لے' مگر حدود کے اندر رہے' آپے سے باہر نہ ہو' اسے صبر کہیں گے۔ تو نہ جزع فزع صبر ہے نہ سرد مہری صبر ہے۔ بیچ کا درجہ صبر ہے کہ حدود کے اندر رہے اور حدود جب تک معلوم نہ ہوں' صبر نہیں کر سکتا۔ اخلاق کے لئے علم کی ضرورت پڑی۔ اگر حدود کا علم نہ ہو آدمی صابر نہیں بن سکتا' لیکن افراط و تفریط یعنی رخسارے پیٹنا' منہ نوچ ڈالنا' آپے سے باہر ہونا' اس کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں' جہالت کی ضرورت ہے۔ جتنا ہی جاہل ہو گا' اتنا ہی بے صبرا پن بھی ہو گا' اتنا ہی ماتم نوحہ کرے گا' بین کر کے روئے گا۔ اس لئے کہ اسے حدود کا علم ہی نہیں اور بالکل اثر نہ لے' کتنی ہی موتیں ہو جائیں' کتنے ہی غم آ جائیں' اسے فکر ہی نہیں۔ یہ بے فکرا ہے' تو بے فکری کے لئے بھی علم کی ضرورت نہیں۔ اس کے لئے جہالت کافی ہے' لیکن صبر بھی کرے اور حد کے اندر رہے۔ اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں تاکہ اخلاق کے اندر درمیان کا راستہ بتلائیں۔

خُلقِ صبر کی حقیقت

مثلاً حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا :

وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون ۔ اے ابراہیم! تمہاری جدائی اور فراق سے ہم غمزدہ ہیں' ہمارا دل متاثر ہے' آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! آپ تو فرماتے تھے کہ صبر کرنا چاہئے' حالانکہ آپ رو رہے ہیں۔ فرمایا' رونا قلب کی رحمت کی علامت ہے۔ میں نے جو کہا تھا صبر کرو' اس کا مطلب یہ تھا کہ بین کر کے مت روؤ' نوحے مت کرو' ماتم مت کرو' رخسارے مت پیٹو' گریبان مت چاک کرو ___ اس لئے کہ یہ بے صبری ہے۔ یہ حق تعالیٰ پر بے اعتمادی کا اظہار ہے کہ معاذ اللہ آپ نے یہ فعل ٹھیک نہیں کیا کہ فلاں کو موت دے دی۔ میں آپے سے باہر ہوں۔ تو میں نے حق تعالیٰ پر بے اعتمادی کے اظہار سے روکا تھا۔ اس سے نہیں روکا تھا کہ تم آنسو مت نکالو۔ تمہارے دل میں بھی شفقت نہ آئے۔ یہ تو رحمت کی علامت ہے۔ جس مؤمن کے قلب میں رحمت نہ ہو اس میں ایمان ہی کہاں ہوا؟

حدیث میں فرمایا گیا کہ ایک شخص حاضر ہوا ___ اور زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ لوگ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ سینکڑوں بچیاں زندہ دفن کر دیں' اس عار میں کہ ہم کسی کے خسر نہ کہلوائیں' کوئی ہمارا داماد نہ کہلوائے ___ وہ شخص آیا' اسلام قبول کیا۔ کسی نے کسی کی موت کی خبر دی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس شخص نے کہا' یا رسول اللہ! آپ روتے ہیں۔ میں نے تو اپنی گیارہ لڑکیوں کو

زندہ دفن کردیا ہے اور وہ چلاتی رہیں۔ اے باپ' اے باپ' پکارتی رہیں' مجھے ذرا بھی رحم نہ آیا۔ آپؐ نے منہ پھیرلیا۔ فرمایا' تیرے اندر دل ہے یا پتھر ہے؟ یہ قساوت قلب کی بات تھی۔ مؤمن اور انسان وہ ہے جس کے اوپر غم کا اثر ہو' جو اثر قبول نہ کرے وہ دل نہیں' وہ پتھر ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ صابر بنو اور صابر بننا کسے کہتے ہیں کہ غم کا اظہار بھی کرو مگر حدود سے مت گزرو۔ یہ جبھی ہوگا جب حدود کا علم ہوگا کہ کہاں تک ہمیں رونا جائز ہے' کہاں تک جائز نہیں ہے۔ کہاں تک غم کرنا جائز ہے' کہاں تک جائز نہیں ہے۔ تو جائز و نا جائز کی حدود بتلانا یہ تعلیم ہے۔ غرض اخلاق درست نہیں ہوسکتے جب تک علم نہ آئے۔

حقیقتِ تواضع

اسی طرح تمام اخلاق ہیں۔ مثلاً تواضع ہے' اس کا ایک کنارہ تو تکبّر ہے کہ آدمی فرعون بن جائے' بڑے بول بولے' اکڑ کر اینٹھ کر چلے۔ دوسرا کنارہ یہ ہے کہ ذلتِ نفس پیدا ہوجائے۔ بس ہر کس و ناکس کے آگے جھکتا پھرے۔ یہ بھی تواضع نہیں' وہ بھی تواضع نہیں۔ وہ دونوں کنارے ہیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بیچ میں تواضع ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل بھی نہ بنائے اور متکبّر بھی نہ بنائے۔ ذلت بھی نہ ہو یعنی وقار ہو۔ تکبر بھی نہ ہو یعنی تواضع ہو۔ یعنی اللہ کی خاطر اور اللہ کے سامنے جھکے۔ کسی بڑے کی تعظیم کرے تو لوجہ اللہ کرے۔ خوشامد اور غرض مندی سے نہ کرے۔ خوشامد اور غرض مندی سے جو تعظیم کرے گا وہ تواضع نہیں ہوگی' وہ تملّق اور چاپلوسی ہوگی اور اگر کسی باکمال کے آگے اللہ کے لئے جھکے' وہ تواضع للہ ہوجائے گی۔ تو نہ تکبر جائز نہ ذلتِ نفس جائز۔ دونوں کے بیچ میں تواضع ہے' مگر تواضع کے لئے حد کی ضرورت تھی کہ اس حد تک جھکو' اس حد تک مت جھکو اور یہ حدوں کا معلوم ہونا بغیر تعلیم اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کے نہیں ہوتا۔

مثلاً سلام کرنا ہے یہ مسلمان کا حق رکھا گیا ہے کہ اسے سلام کرے' لیکن سلام کرنے میں اگر جھک جائے اور اتنا جھکے کہ رکوع کی کیفیت پیدا ہوجائے۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس لئے کہ رکوع یہ عبادت کا جز ہے اور غیر اللہ کی عبادت نہیں کی جاتی۔ غیر اللہ کے آگے اتنا جھکنا جائز نہیں ہے کہ عبادت کی صورت پیدا ہوجائے۔

سجدہ کرنا عبادت ہے۔ غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ عبادت خدا کے لئے مخصوص ہے۔ بندوں کے لئے عبادت نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو بیویوں کو حکم دیتا کہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کرو۔ مگر اللہ کے سوا کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں اس لئے میں نے روک دیا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابیؓ دربار نبویؐ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آکر سجدہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے قیصر اور کسریٰ کا دربار دیکھا۔ وہ بادشاہ اپنے آگے سجدہ کراتے ہیں' وزراء سجدہ کرتے ہیں' ان کی رعیّت کے لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! قیصر اور کسریٰ سجدہ کرائیں تو اللہ کے رسول بہت باعظمت ہیں' خلق اللہ میں سب سے زیادہ بلند ہیں۔ آپ زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔

آپ نے فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسا مت کرنا۔ سجدہ صرف اللہ کے لئے زیبا ہے۔ کسی کے لئے سجدہ جائز نہیں۔ اگر غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہوتا تو میں بیویوں کو حکم دیتا کہ وہ خاوندوں کو سجدہ کیا کریں ___ تو رکوع و سجود کرنا اور جو بھی عبادت کی چیزیں ہیں' وہ غیر اللہ کے لئے حرام اور ناجائز ہیں۔ اس لئے جو ہیئت عبادت کے

فریب بھی آجائے وہ بھی ممنوع قرار دی گئی۔ تو مخلوق کے آگے ذلیل النفس بننا جائز نہیں ہے اور ایک ہے تک
کہ مخلوق کے اوپر آدمی اپنی بڑائی جتلانے لگے یہ بھی ممنوع ہے۔ یعنی تکبر بھی ممنوع اور تذلّل بھی ممنوع۔
ذلیل بننا بھی جائز نہیں۔ متکبر بننا بھی جائز نہیں۔ ان دونوں کے درمیان میں تواضع ہے۔ تو آدمی جھکے مگر لوجہ
اللہ جھکے اور اتنا نہ جھکے جس سے عبادت کی شان پیدا ہو جائے ___ انہی حدود کے بتلانے کے لئے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

اتباعِ شریعت

اس سے معلوم ہوا نہ ہم تکبر میں آزاد ہیں نہ تواضع اور وقار میں آزاد ہیں۔ ہم شریعت کی تعلیم کے پابند
ہیں۔ وہ جتنا ہمیں جھکا دے گی، اتنا جھک جائیں گے۔ جتنا کہے گی گردن اونچی کرلو، ہم گردن اونچی کرلیں گے۔
جتنا کہے گی ذلت اختیار کرو، ہم ذلت اختیار کرلیں گے۔ جہاں کہے گی یہاں بڑائی کی صورت بنالو، ہم بڑائی کی
صورت بنالیں گے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ :

لَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اے بندو! خدا کی زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ مونڈھے ہلا کے، چھاتی ابھار کر
متکبّروں کی چال مت چلو۔ تم دنیا میں بندگی کرنے کے لئے آئے ہو، خدائی کرنے کے لئے نہیں آئے۔ خدائی
کے لئے ایک خدا کی ذات کافی ہے۔ جب ہم بندے ہیں تو بندگی کی چال چلیں۔

اور فرمایا گیا کہ :

اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ تم جو اکڑ کر چل رہے ہو تو زمین کو پھاڑ نہیں
ڈالو گے اور پہاڑوں کی بلندیوں کو نہیں پہنچو گے۔ اتنی جگہ میں رہو جتنی جگہ میں ہو۔ کیوں خواہ مخواہ مصیبت
رہے ہو؟ کیوں اپنے نفس کو تعب میں ڈال رہے ہو؟۔ اس لئے روک دیا گیا کہ اکڑ کر مت چلو۔ تو دین یہی ہے
کہ آدمی اس کے حکم کو مان کر چلے ___ لیکن اگر کہیں یوں کہیں کہ اکڑ کر چلو تو ہم سو دفعہ اکڑ کر چلیں گے۔ اس
لئے کہ ہم حکم بردار بندے ہیں۔ فرمایا گیا جس طواف کے بعد سعی ہو تو ابتداء کے چار پھیروں میں
اکڑ کر چلے، سینہ ابھار کر مونڈھے ہلاتا ہوا، پہلوانوں کی طرح چلے۔ تو یہاں اس طرح چلنا جائز ہی نہیں بلکہ
واجب ہے۔ اگر نہیں چلے گا تو گنہگار ہوگا اور عام اوقات میں اکڑ کر چلنے کی ممانعت ہے۔ اگر چلے گا تو گنہگار
ہوگا ___ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو حکم بردار رہنا چاہئے۔ جو شریعت حکم دے، اس کی اتباع کرے۔
اگر کہے کہ اکڑو تو اکڑ لے۔ اگر کہے کہ جھک جاؤ تو جھک جائے ___ اسلام کے یہی معنی ہیں۔ تو نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم حدود بتلانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ مادے انسان میں موجود ہیں، ان کی قدریں بتلانے
کے لئے آئے کہ یہ قدر اختیار کرو۔

اسلام نے اخلاقی جواہر کو باقی رکھا ہے

انسان میں تکبر کا مادہ بھی ہے اور تذلّل کا مادہ بھی ہے۔ ذلیل بننے کا بھی ہے، ابھرنے اور اکڑنے کا بھی
ہے۔ شریعت نے کسی مادے کو ضائع نہیں کیا، بلکہ کہا کہ باقی رکھو اور جہاں ہم بتلائیں وہاں استعمال کرو۔ تکبر
مادہ بھی کام آئے گا کہ جب کفار کے مقابلہ پر جاؤ تو خوب اکڑ کر پہلوانوں کی سی ہیئت بناؤ تاکہ ان کے اوپر
رعب پڑے اور جب ایمان والوں کے سامنے آؤ تو جھک کر چلو تاکہ تمہاری رحیمی اور کریم النفسی واضح ہو
تو دونوں مادوں کو باقی رکھا، ضائع نہیں کیا۔ ٹھکانہ اور مصرف بتلا دیا کہ اس طرح سے استعمال کرو ___ تو اسلا

اس لئے نہیں آیا ہے کہ کسی مادے کو ضائع کردے۔ جو اللہ نے پیدا کیا اور خلقی طور پر رکھا ہے' اسے کھودے' بلکہ ٹھکانے لگانے کے لئے آیا ہے۔

مثلاً غصہ ہے' حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا :

عظنی یارسول اللّٰہ واوجز ___ یارسول اللہ! کچھ وعظ فرمائیے مگر مختصر۔ فرمایا' **ایاک والغضب** ___ وعظ ختم ہوگیا ___ لوگو! غصے سے بچتے رہنا۔

اس لئے کہ غصے میں سے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جتنے جذبات بھڑکتے ہیں' اتنا ہی فتنہ پھیلتا ہے۔ جب جذبات میں کوئی آپے سے باہر ہوگا' لڑائی ہوجائے گی اور قرآن کریم نے فرمایا :

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (توبہ پ آیت ۷۳)

"اے پیغمبر! کفار اور منافقین کے مقابلہ میں جہاد کرو اور شدت اور غیظ و غضب ان کے مقابلے میں دکھلاؤ"۔

یہاں غیظ و غضب اختیار کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ تو شریعت اس لئے نہیں آئی کہ غصے کے مادے کو نکال دے۔ اس لئے آئی ہے کہ غصے کو باقی رکھو مگر ٹھکانے پر استعمال کرو۔ جہاں ہم بتلائیں وہاں استعمال کرو' جہاں ہم روکیں وہاں رک جاؤ۔ یہ ہمارے بخشے ہوئے جوہر ہیں۔ تمہیں حق نہیں ہے کہ تم انہیں کھودو یا نکال دو۔

اسی طرح شہوت کا مادہ رکھا۔ شریعت اس لئے نہیں آئی کہ اس کو کھودو۔ اگر کھودی گئی تو نسل کیسے چلے گی؟ ___ مگر یہ فرمایا کہ اس شہوت کو زنا میں مت استعمال کرو' نکاح میں استعمال کرو۔ تو مصرف اور ٹھکانہ بتلادیا کہ اس طرح استعمال کرو۔

اخلاقی جواہر میں انسان امین ہے

حاصل یہ نکلا کہ انسان میں اللہ نے جوہر اور مادے پیدا کئے۔ مگر یہ اس کی دی ہوئی امانتیں ہیں۔ انسان ان مادوں میں امین ہے۔ اسے یہ حق نہیں ہے کہ اپنے اختیار و ارادے اور اپنی تجویز سے استعمال کرے۔ جس کی دی ہوئی امانت ہے اسی کی تجویز معتبر ہوگی۔ اسی کے کہنے کے مطابق استعمال کرنا پڑے گا۔

اگر آپ کے پاس کوئی شخص روپیہ امانت رکھوادے' تو آپ کو استعمال جائز نہیں جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔ اور اجازت دینے والا جو مالک ہے' اگر وہ یوں کہے کہ تم استعمال کرسکتے ہو مگر فلاں چیز میں' مکان خرید سکتے ہو' دوسری جگہ میں اجازت نہیں دیتا۔ جہاں اجازت دے' وہیں استعمال کریں گے۔ اگر وہ استعمال سے روک دے تو آپ کو کوئی حق نہیں ___ مسئلہ یہی ہے کہ امانت جب رکھوائی جاتی ہے تو اس اصل امانت ہی کا واپس کرنا واجب ہے۔ یعنی مثلاً آپ کے پاس سو روپیہ رکھوایا' تو جو روپیہ رکھوایا ہے' وہ بعینہ واپس کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہے کہ آپ نے خرچ کرکے سو اس کی جگہ رکھ دیئے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ تو امانت میں عین کا واپس کرنا واجب ہے۔ اگر آپ خرچ کریں گے تو مالک سے اجازت لینی پڑے گی۔ وہ اجازت دے گا کہ تم خرچ کرسکتے ہو مگر جب میں مانگوں واپس کردینا۔ اس وقت عین کو بدلا جائے' اس کی جگہ آپ کوئی دوسری چیز دے دیں یہ آپ کے لئے ناجائز ہے۔

غرض یہ بدن' روح' قوتیں اور مادے ان سب کے مالک حق تعالیٰ شانہ ہیں۔ آپ نہیں ہیں ۔ اگر آپ ہوتے تو خود بنے بنائے موجود ہوتے۔ پھر اس کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ میاں آپ کو بنائیں۔ جب آپ وجود

میں ان کے محتاج ہیں تو مالک وہ ہیں۔ جب وہ مالک بدن ہیں اور بدن میں جتنے جوہر ہیں ان کے بھی، روح جتنے ملکات اور قوتیں رکھی ہیں، ان کے بھی، سب کے مالک وہ ہیں تو آپ کو ان کا استعمال کرنا جائز نہیں جب تک ان سے اجازت نہ لو اور جہاں کی اجازت دے دیں وہیں استعمال کرو۔ جب وہ مانگیں گے تو بعینہٖ ا طرح واپس کرنا پڑے گا۔ یہ جائز نہیں ہوگا کہ آپ یوں کہیں کہ صاحب! وہ بدن تو میں نے استعمال کرلیا۔ نے خود کشی کرلی تھی، اب آپ دوسرا بدن بنالیں۔ اسی بدن کو واپس کرنا پڑے گا۔

اس واسطے خود کشی کو حرام قرار دیا گیا، یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سرکاری مشین ہے۔ آپ کو کیا حق کہ آپ اس کو کھودیں؟ یا خراب کردیں؟ آپ امانت دار ہیں۔ بعینہٖ آپ کو واپس کرنا پڑے گا۔ جب ملک الموت آئیں تو سپرد کردینا پڑے گا کہ روح بھی حاضر ہے، نفس بھی حاضر ہے اور یہ بدن بھی حاضر ہے۔ ا لئے کہ کوئی چیز میری نہیں ہے۔ تو جب اصل روح، بدن اور نفس کے بھی آپ مالک نہیں ہیں، تو ان افعال کے آپ کیسے مالک ہوجائیں گے؟ اور جو ان کے اندر مادے اور جوہر رکھے ہوئے ہیں، ان کے مالک آپ کب ہوں گے؟ ان کے مالک بھی حق تعالیٰ ہیں۔

غرض آپ کے نفس میں شہوت کی قوت رکھ دی، غصہ اور غضب کی قوت رکھ دی، تواضع اور جھکنے قوت رکھ دی، اکڑنے اور اینٹھنے کی قوت رکھ دی، امانتداری کی قوت رکھ دی اور اس کی کہ دوسروں سے چھ جھپٹ کرو۔ یہ سارے مادے ہیں۔ آپ کو اجازت لینی پڑے گی کہ کہاں کہاں استعمال کروں۔ شہوت و غض کو کہاں؟ امانت داری اور چھین جھپٹ کے مادے کو کہاں استعمال کروں؟

انسانی جواہر میں تجویز شریعت کا اعتبار ہے

وہ اجازت دیں گے کہ شہوت کے مادے کو استعمال کرسکتے ہو، مگر نکاح کے ذریعے سے جائز مصرف میں پھر تجویز بھی شریعت ہی بتلائے گی کہ نکاح بھی اگر کرو، تو ماں سے جائز نہیں، بہن سے جائز نہیں، پھوپھی جائز نہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ۔ (النساء پ۴ آیت ۲۳)

"تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری حقیقی بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری حقیقی بھتیجیاں، تمہاری حقیقی **بھانجیاں**۔ یہ تم پر حرام کی گئیں الخ"۔

جس وقت شریعت نے اجازت دی کہ اس شہوت کو نکاح کے ذریعے استعمال کرو، تو ساتھ ہی مصرف بتلایا کہ فلاں فلاں جگہ نکاح مت کرنا، ورنہ نکاح نہیں ہوگا۔ جہاں شریعت بتلائے گی وہیں آپ نکا کرسکو گے۔

اسی طرح غصے اور غضب کی قوت ہے۔ آپ اس میں مختار نہیں ہیں کہ جس پہ آپ چاہیں اکڑ پھو دکھانے لگیں۔ جس پہ چاہیں غصہ کرنے لگیں۔ آپ کو شریعت سے مشورہ کرنا ہوگا کہ میں غصے کو کہا استعمال کروں؟ چنانچہ باپ کے مقابلے میں یہ جائز نہیں کہ آپ غصہ دکھلائیں۔ وہاں فرمادیا گیا ہے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ (بنی اسرائیل پ۱۵

ماں باپ جب آئیں تو نیاز مندی کے ساتھ گردن جھکا دو، عجز و نیاز کے ساتھ ان کے سامنے جھکو اور محض جھکنا ہی نہیں، بلکہ زبان سے کوئی کلمہ ایسا مت نکالو جس سے ان کا دل دکھے یا ان کا دل پکڑا جائے۔ ایسا کلمہ نکالنا جائز نہیں۔

اور پھر یہی نہیں یہ تو اسی وقت کیا جائے گا، جب ماں باپ سامنے ہوں گے کہ ادب سے جھکیں گے بھی اور کلمہ بھی ادب سے کہیں گے ___ غائبانہ بھی ہوں تو اس وقت بھی ان کا ادب و عظمت کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

اے اللہ! میرے ان ماں باپ پر رحم فرما، جیسے انہوں نے میرے بچپن میں مجھ پر رحم کیا۔ مجھے اتنے سے اتنا بنایا۔ اس وقت جب میں عاجز اور بے بس تھا، ان کے رحم و کرم پر پل کر آج میں اس قابل ہوا کہ چل پھر کر میں اپنا کام کاج کر سکوں۔ تو جنہوں نے مجھے اس قابل بنایا، بے کسی کی حالت میں مجھ پر رحم کھایا۔ اے اللہ! تو انکی بے کسی کی حالت میں ان پر رحم کھا ___ تو غائبانہ بھی دعا کرو۔ سامنے آؤ تو برا کلمہ مت کہو، عمل ایسا مت کرو جس سے ان کا دل دکھے۔

تو فرمایا کہ یہ تکبر و بڑائی اور غصے کا اظہار، اس کا مصرف ماں باپ نہیں ہیں۔ اسی طرح استاذ ہو، اس کے سامنے جائز نہیں کہ آپ اکڑیں یا اینٹھیں یا کبر و نخوت دکھائیں۔

عظمت استاذ

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

انا عبد من علّمنی حرفاً ان شاء باع وان شاء عتق۔

"میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف بھی تعلیم دی۔ چاہے وہ مجھے بیچ دے، چاہے مجھے آزاد کر دے"۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں، انہیں فقہی مسائل میں خنزیر کے بارے میں تحقیق کرنی تھی کہ اس کی نوعیت کیا ہے؟ ایک مسئلہ میں خنزیر کا ذکر کیا، تو اس کی تحقیق کرنی تھی ___ اس کی تحقیق بھنگی سے زیادہ کسی دوسرے سے نہیں ہو سکتی۔ وہی خنزیر پالتے ہیں، تو حضرتؒ کے گھر کا بھنگی آیا۔ اس سے پوچھا کہ فلاں بات خنزیر کے بارے کس طرح سے ہے؟ اس نے کہا صاحب! یہ ہے ___ اس وقت سے یہ کیفیت تھی کہ جب وہ کمانے آتا اگر بیٹھے ہوئے ہوتے تھے، تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کو ہدایا بھیجتے تھے۔ اس کی خدمت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ :

"فلاں مسئلے کی تحقیق مجھے اس بھنگی سے ہوئی"۔

وہ بمنزلہ استاذ کے بن گیا۔ عمر بھر اس کا ادب کیا۔

تو اسلام نے استاذ کی عظمت یہ بتلائی ہے کہ اگر ایک حرف سکھلا دے، تمہیں آنکھ اٹھانے کی اجازت نہیں۔

علمی احسان

اس واسطے کہ اگر کوئی کسی کو چار پیسے دیتا ہے تو آدمی اس کا احسان مانتا ہے۔ اولاد کو آدمی وصیت کر جاتا

ہے کہ فلاں آدمی نے میری خدمت کی تھی۔ تم اس کے نیاز مند رہنا۔ چار پیسے کا احسان مانتا ہے‘ تو علم کا ایک مسئلہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہے‘ علم اللہ کی صفت ہے۔ اس سے زیادہ باعظمت چیز کونسی ہو سکتی ہے؟ تو کوئی کسی کو علم سکھلائے اور اس کی عظمت ضروری نہ ہو؟ ایسا محسن کوئی نہیں جو آدمی کو ایک مسئلہ بھی بتلادے۔ اس نے دنیا ومافیہا اور آخرت کا راستہ درست کردیا۔ پیسے سے اگر کوئی کام نکلے گا تو دنیا کا نکلے گا۔ لیکن علم سے آخرت میں‘ قبرو برزخ میں‘ حشر میں اور دنیا میں بھی کام نکلے گا۔ ہر جگہ علم کا سکہ چلتا ہے۔ وہاں آپ کے یہ سونے چاندی کے سکے نہیں چلیں گے مگر مسائل کا سکہ چلے گا۔ حتی کہ جنت میں بھی جاکر مسائل کی ضرورت رہے گی‘ وہاں بھی آپ علم کے محتاج ہوں گے۔

تو جو شخص آپ کے ہاتھ میں علم کا سکہ دے۔ اس سے بڑھ کر کون محسن ہے؟ جب چار پیسے کا احسان کرنے والے کا آپ احسان مانتے ہیں۔ تو ایک مسئلہ بتلانے والے کا احسان کیوں نہیں مانیں گے؟ اس نے آپ کو زیادہ سے زیادہ بڑی دولت دی ہے۔ علم کی دولت چاندی اور سونے کے دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔

علم اور مال میں فرق

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اور مال میں فرق ہے‘ وہ یہ کہ مال جتنا خرچ کرو گھٹتا ہے‘ علم کو جتنا خرچ کرو بڑھتا ہے۔ اگر علم کہیں گھٹ جایا کرتا‘ تو جو حافظ قرآن شریف پڑھانے بیٹھتا‘ تو جتنی آیتیں بچوں کو سکھلایا کرتا‘ خود بھول جایا کرتا۔ اس کا علم دوسرے کے پاس منتقل ہوجایا کرتا۔ حالانکہ جتنا پڑھاتا ہے تو استاد پرانا ہوجاتا ہے۔ اس کا علم ترقی کرجاتا ہے۔ غرض علم کو جتنا خرچ کرو‘ بڑھتا ہے‘ دولت کو جتنا خرچ کرو‘ گھٹتی ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مال کی حفاظت مالک کو کرنی پڑتی ہے۔ چار پیسے ہوں گے تو آپ کو فکر ہے کہیں چور نہ لے جائے۔ تالا لگاؤں‘ تجوری میں رکھوں‘ گھر کی کوٹھڑی میں رکھوں اور سورہے ہیں تو فکر ہے کہ رات کو کوئی چور نہ آئے۔ تو آپ کو خود مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم عالم کی حفاظت کرتا ہے‘ عالم کو ضرورت نہیں۔ علم خود بتلائے گا کہ یہ خطرے کا راستہ ہے‘ یہ نجات کا۔ تو علم اپنے عالم کی خود حفاظت کرتا ہے مگر مال اپنے مالک کی حفاظت نہیں کرتا‘ مالک کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

اب ظاہر بات ہے کہ مال آئے گا تو سو مصیبتیں ساتھ لے کر آئے گا کہ حفاظت کرو چور سے اور اس سے وغیرہ وغیرہ اور علم آئے گا تو وہ احسان جتلاتا ہوا آئے گا کہ میں تیرا محافظ ہوں‘ میں تیری خدمت کروں گا‘ میں تجھے نجات کا راستہ بتلاؤں گا۔ تو علم جیسی چیز اگر کوئی سکھلائے تو وہ سب بڑا محسن ہے کہ اس نے دنیا اور آخرت کا راستہ کھول دیا۔

مال بلا علم

دولت سے راستے نہیں کھلتے۔ اس سے تو آدمی بھٹکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہاں بھی علم ہی کام آتا ہے۔ اگر یہ علم کے مطابق کمائے اور علم کے مطابق خرچ کرے تو دولت کام دے گی اور اگر جاہلانہ طریق سے کمائے‘ حلال وحرام کا امتیاز نہ کرے اور خرچ کرنے میں حلال وحرام کا امتیاز نہ ہو‘ تو دولت مصیبت بن جاتی ہے۔

اب تک تو ہم عقیدے سے سمجھتے تھے کہ بھئی دولت کو بے جا طریق سے کماؤ تو مصیبت بن جاتی ہے‘ مگر

آج تو دنیا میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یعنی جن کے پاس ناجائز طریق سے کمائی ہوئی دولت تھی' آج وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ کہتے ہیں خدا کے لئے دولت نکلے' جان تو ہماری بچ جائے۔ کوئی پہاڑوں میں چھپا رہا ہے' کوئی سمندر میں ڈال رہا ہے۔ مگر گورنمنٹ ہے کہ کھوج نکال کر ان چیزوں کو نکال رہی ہے۔ تو مالداروں پر ایک عجیب مصیبت گزر رہی ہے۔

یہ اللہ میاں کا فضل ہے کہ اس وقت ہم جیسے لوگ جو یہ کہا کرتے تھے کہ بھئی تھوڑے پیسے کافی ہیں۔ جو غریب یا زاہد تھے' آج انہیں امراء سے کہنے کا موقع ہے کہ بھئی آرام میں تو ہم ہیں۔ تمہاری دولت نے تمہیں فائدہ نہیں دیا۔ ہماری غربت نے ہمیں فائدہ دیا۔

کس نیاید بخانہ درویش
کہ خراج زمین و باغ بدہ

درویش کے گھر گورنمنٹ کا کوئی آدمی نہیں آئے گا کہ خراج اور ٹیکس ادا کرو ___ وہ کہے گا کہ میرے ہاتھ پلے ہی کچھ نہیں۔ میں کہاں سے ادا کروں۔ وہ آرام سے ہے اور جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے' وہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ؎

ما ہیچ نداریم و غم ہیچ نداریم
دستار نداریم و غم پیچ نداریم

ہم کچھ نہیں رکھتے' اس لئے غم بھی کچھ نہیں رکھتے۔ ہم دستار بھی نہیں رکھتے' پیچ کا غم کہاں سے رکھتے؟ جس پہ دستار ہوگی وہ پیچ و خم کی فکر کرے۔ یہاں تو دستار ہی ندارد ہے ؎

جامہ ندارم' دامن از کجا آرم

یہاں کپڑا ہی ندارد ہے تو کلی اور دامن کی فکر کیوں ہوگی؟

بہرحال جو لوگ آج کم یعنی بقدر ضرورت رکھتے ہیں' وہ آرام میں ہیں اور جو زیادہ رکھتے ہیں' وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔

مگر کیوں مبتلا ہیں؟ محض زیادہ رکھنے کی وجہ سے نہیں۔

اسلام نے یہ نہیں کہا کہ تم مفلس اور قلاش بنو۔ ناجائز طریق پر زیادہ رکھتے ہو' اس لئے پریشان ہو۔ جس کے پاس جائز طریق سے ہے' وہ آج بھی پریشان نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا جائز راستے پر چلنا ہمیشہ راحت کا باعث ہوتا ہے۔ ناجائز راستہ پر چلنا مصیبت کا موجب ہوتا ہے۔ خواہ وہ قانوناً ناجائز ہو یا شرعاً ناجائز ہو؟۔ جب کسی ناجائز چیز کا آدمی ارتکاب کرے گا' مصیبت میں مبتلا ہوگا اور جائز و ناجائز کیسے معلوم ہوگا؟ علم و تعلیم سے۔ قانون ہی یہ بتلائے گا کہ یہ چیز جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ اس طرح مت کماؤ' قانون اجازت نہیں دیتا۔ اس طرح کماؤ' قانون اجازت دیتا ہے۔ تو اس بات کو علماء بتلائیں گے کہ اس طرح کمانا حلال' اس طرح کمانا حرام۔ اس طرح دولت رکھنا جائز اور اس طرح دولت رکھنا ناجائز ہے۔ تو دونوں قوانین کے وکلاء علماء ہیں۔ وہ سمجھائیں گے' وہی بتلائیں گے اور جب آدمی سمجھ جائے گا اور اس قانون کے مطابق چلے گا' اسے کوئی فکر نہیں۔ اس پر نہ گورنمنٹ اعتراض کرے گی نہ اللہ میاں اعتراض کریں گے۔ معلوم ہوا جان بچانے کا ذریعہ علم ہی ہے' دولت نہیں ہے۔ دولت میں جب علم کا دخل آئے گا تو وہ بچانے کی ذمہ دار ہوگی اور اگر جاہلانہ طریق پر ناجائز کمائی ہو تو وہ مصیبت بن جائے

گی۔ تو اصل میں نجات دینے والی چیز علم ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انما بعثت معلّماً میں تمہیں علم دینے کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ علم ہی نجات دینے والا ہے۔ دنیا میں اگر تمہیں علم آگیا اور علم نے بتلایا کہ یہ راستہ ٹھیک ہے اور یہ غلط ہے اور تم اس کے اوپر چلے تو کبھی تمہارے اوپر آفت نہیں ہے۔ نہ دنیا میں آفت آئے گی نہ قبر و آخرت میں۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دینے کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے علم پہنچایا اور علم ہی وہ ہے جس سے دولت کی اصلاح ہوتی ہے، نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ آبرو بھی محفوظ رہتی ہے اور علم نہ ہو تو دولت اور نفس بھی کار آمد نہیں۔

جذباتِ نفسانی بلا علم

اگر آپ نفسانی جذبات کو بلا علم کے استعمال کریں گے، مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔ آپ بازار میں جا رہے ہیں اور حلوائی کی دکان پر نہایت عمدہ تازہ مٹھائیاں بنی رکھی ہیں۔ جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ میں ہاتھ مارلوں، منہ مارلوں۔ اگر علم ہے تو وہ بتلائے گا کہ غیر کے مال پر ہاتھ ڈالنا جائز نہیں، جب تک اس کی رضامندی نہ ہو۔ لیکن اگر علم نہیں جذبات ہی جذبات ہیں، تو یا آدمی چوری کرے گا یا جھپٹا مار کر وہاں سے بھاگے گا اور دوکاندار اس کے پیچھے گالیاں دیتا ہوا اور وہ آگے آگے۔ اس کے ہاتھ میں چار لڈو ہیں۔ دو منہ میں، دو جیب میں رکھ کر بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ دکاندار نے آکر گردن ناپی اور فوراً پولیس آگئی۔ معلوم ہوا کہ اس نے ڈکیتی کی اور یہ دکان کے اوپر سے سامان اٹھا کر بھاگا تھا۔ پولیس نے فوراً چالان کیا۔ مقدمہ قائم ہوا، جو مل رہا ہے وہ تھو تھو کر رہا ہے کہ بڑا نالائق بڑا نابکار آدمی تھا۔

تو یہ جتنی ذلتیں اٹھائیں کہ گورنمنٹ الگ ناراض، پولیس الگ ناخوش، پبلک الگ ناخوش، دکان والے الگ ناخوش اور گالیاں پڑ رہی ہیں۔ یہ ذلت و رسوائی کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ نفسانی جذبات پر عمل کیا تھا اور علم آپ کو تھا نہیں۔ جاہلانہ طریق پر ایک چیز کو لے گئے۔

لیکن اگر علم کے ساتھ اس سے بھاؤ طے کرتے کہ بھائی کتنے میں دیتے ہو؟ وہ قیمت کہتا۔ قانونی طور پر آپ اسے کہتے کہ بھائی! اتنی نہیں، اتنی قیمت لے لو۔ پھر آپ لیتے تو دکاندار برا کہتا نہ پولیس برا کہتی نہ گورنمنٹ ناخوش ہوتی۔ کوئی آپ کو مشکل نہ ہوتی، پریشانی نہ ہوتی۔ معلوم ہوا محض نفسانی جذبات آدمی کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں۔ لیکن اگر صحیح علم کے ساتھ صحیح مصرف میں استعمال کیا جائے، یہ جذبات کار آمد ہو جاتے ہیں۔ تو اصل میں علم نجات دینے والا ٹھہرا۔

اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ارشاد فرمایا :

ان اعدیٰ عدوک الذی بین جنبیہ۔

سب سے بڑا عیّار دشمن وہ ہے، جو تمہارے دو پہلوؤں کے بیچ میں بیٹھا ہوا ہے۔ جو تمہارا نفس ہے۔ اس کو اگر قابو کرنے میں تم کامیاب ہوگئے ہو تو پھر کوئی مصیبت نہیں۔ لیکن اگر وہ آزاد ہے، تو ہر جگہ وہ مصیبت میں مبتلا کرے گا۔

اس واسطے کہ انسان کا نفس بالطّبع جاہل ہے۔ پیدائشی طور پر جاہل ہے۔ اگر آدمی علم حاصل نہ کرے جاہل ہی پیدا ہوا ہو تو جاہل ہی رہے گا اور جاہل ہے تو جاہلانہ حرکات ہی کرے گا، وہ عالمانہ حرکات کہاں سے کرے گا؟ جب جاہلانہ حرکات کرے گا اور اپنے جذبات پر چلے گا، جبھی ذلّت و رسوائی آئے گی۔ تو جس کے

ریعے سے رسوائی پہنچے، وہ دوست ہوتا ہے یا دشمن ہوتا ہے؟ سب سے بڑا دشمن وہی ہے جس کے ذریعے سے آدمی ذلیل ہو، جس کے ذریعے سے مصائب میں مبتلا ہو ___ اس لئے اگر نفسِ انسانی کو عالم نہ بنایا جائے س کے جذبات کو خودرو چھوڑ دیا جائے، ہمیشہ گڑھے اور کھائی میں ڈالے گا۔ آدمی مصیبت میں مبتلا ہوگا۔

نفسِ انسانی کی مثال

اس واسطے نفس انسانی کی مثال محققین سرکش گھوڑے سے دیتے ہیں کہ جب سرکش گھوڑے پر سوار ہو لگام سنبھال کر بیٹھنا چاہئے۔ اگر لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑا اچھل پڑا ___ معلوم نہیں کس کنویں میں لے جاکے گرائے؟ پھر جان بچانی مشکل ہو جائے۔ تو انسان کا نفس بھی جب تک جاہل ہے، اس وقت تک سرکش ہے۔ اس کی لگام سہارنی چاہئے۔ مگر لگام وہی سہارے گا جس کو یہ پتہ ہو کہ لگام کس طرح پکڑنا چاہئے؟ کس طرح سہارنا چاہئے۔ پھر آخر میں علم ہی آجاتا ہے۔ تو بغیر علم کے نفس سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

اس واسطے تمام انسانوں کے نفس گویا سرکش گھوڑوں کی طرح سے ہیں۔ جب تک ان کے منہ میں لگام نہ ڈالی جائے آدمی آدمی نہیں بنتا۔ بس وہی لگام شریعت ہے، آدمی کو سہار کر چلاتی ہے۔ اگر وہ لگام نکال دی جائے اور آدمی اس نفس کے اوپر سوار ہو جائے، تو یہ کسی کنویں اور ذلت کے گڑھے میں لے جاکے گرائے گا۔ تو علم انسان کو عزت کی راہ چلاتا ہے اور جہالت ذلت کی راہ چلاتی ہے۔ علم وہ دولت ہے جو بڑھتی دولت ہے، اور جہل و نفسانی جذبات یہ وہ ہیں، جو انسان کو گھاؤ کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس لئے انبیاء علیہم السلام سے زیادہ محسن کوئی نہیں ہے کہ وہ دنیا کو علم سکھلانے کے لئے آتے ہیں اور جہالت مٹانے کے لئے آتے ہیں۔

علوم دنیوی کا نفع

علم دنیا میں بہت سے ہیں اور ہر علم کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔ جوتا گانٹھنے کا علم، اس کی بھی ضرورت ہے، کپڑے سینے اور پہننے کا علم ہے، اس کی بھی ضرورت ہے۔ جب تک انسان دنیا میں موجود ہے، اسے کپڑوں کی بھی حاجت ہے، اسے جوتے کی بھی ضرورت ہے۔ جب آدمی دنیا میں رہے گا، کاروبار کرے گا، اسے سواری کی بھی ضرورت ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ تجارت کا مال و اسباب لے جانے کی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے ریل بھی چاہئے۔ ہوائی جہاز بھی چاہئے۔ تو ایسی چیزوں کا علم یعنی سائنس کا علم وہ بھی کار آمد ہے، اس کے بغیر گاڑی نہیں چلتی۔

اسی طرح سے ایک انسان کو صنعت و حرفت کی بھی ضرورت ہے۔ اگر برتن نہ ہوں تو کھائیں کیسے؟ اگر کرسی نہ ہو تو بیٹھیں کیسے؟ اگر چارپائی نہ ہو تو لیٹیں کیسے؟ غرض ان تمام علوم کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ سارے علوم کہاں کار آمد ہیں؟ موت سے پہلے پہلے کار آمد ہیں اور جب انتقال ہوا، اب نہ ہوائی جہاز کار آمد ہے نہ چارپائی نہ کرسی، کوئی چیز بھی کام کی نہیں رہی ___ بیکار ہیں، اس لئے کہ ان تمام چیزوں کا نفع انسان کے بدن کو پہنچتا ہے۔ اگر ہوائی جہاز منتقل کرے گا۔ تو آپ کے بدن ہی کو منتقل کرے گا، وہ یہاں سے کراچی پہنچادے گا۔ روح کو ہوائی جہاز کی حاجت نہیں ہے۔ اگر آپ روح کو آزاد چھوڑ دیں وہ پل بھر میں عرش پر پہنچ جائے گی۔ یہ بدن کی مصیبت ہے جس کی وجہ سے یہ ساری چیزیں ایجاد کرنی پڑتی ہیں۔ جوتا ہے تو آپ کے بدن کی حفاظت کرے گا، کپڑا ہے تو آپ کے بدن کی حفاظت کرے گا۔ غرض یہ چیزیں اس وقت تک کار آمد ہوں

گی جب تک بدن موجود ہے اور جب روح نکل گئی' بدن لاشہ بن گیا۔ اب یہ ساری چیزیں آپ کے حق میں بے کار ہیں۔

آپ ہوائی جہاز سے اڑ کر لندن' کراچی جاسکتے ہیں۔ لیکن ہوائی جہاز میں بیٹھ کر آپ جنت میں پہنچ جائیں یا عرش عظیم کی سیر کرلیں' آسمانوں کی سیر کرلیں۔ یہ نہیں ہوسکے گا ___ اس سے اندازہ ہوا کہ یہ تمام چیزیں کار آمد اور نافع ہیں' مگر صرف بدن کی حد تک نافع ہیں۔ روح کو نفع پہنچانے والی نہیں ہیں۔ روح کے اندر پاکیزہ اخلاق پیدا کردیں' یہ ہوائی جہاز کا کام ہی نہیں۔ آپ عمدہ سے عمدہ کپڑا پہن لیں' وہ کپڑا آپ میں صبر' علم اور حیا پیدا کردے' یہ کپڑے کا کام نہیں ہے۔ آپ اعلیٰ طریق پر پگڑی باندھ لیں اور اس کو خوب نمایاں کریں کہ آپ بڑے باوقار ہیں۔ لیکن قلب میں وقار پیدا نہیں ہوگا۔ پگڑی کا یہ کام نہیں کہ آپ کے قلب میں وقار بھی پیدا کردے۔ یا پگڑی' جوتا بنانے والا آکر آپ کے اخلاق کی اصلاح کردے۔ یہ نہیں ہوسکتا' اس کا کام جوتا بنانے کا ہے۔ جوتا بنانے سے اخلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور آدمی اخلاق کا نام ہے تو آخر اخلاق کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟ ان تمام چیزوں سے بدن کی اصلاح ہوگئی' مگر روح کی اصلاح کیسے ہو؟

تو جو چیز روح کی اصلاح کرنے والی ہے' وہ انبیاء علیہم السلام کا علم ہے جو اللہ کی طرف سے آتا ہے' جو اخلاق کی حدود بتلاتا ہے' اخلاقی قدریں سکھلاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات کے بغیر آدمی' آدمی نہیں بن سکتا۔ آدمی حیوان بن جائے' بکری بن جائے' کوا بن جائے' یہ ممکن ہے۔ لیکن انسان بن جائے' یہ بغیر تعلیم انبیاءؑ کے ممکن نہیں۔

مثلاً آپ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اڑ گئے اور سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ گئے۔ تو کوے' چڑیا اور کرگسیں بھی تو اڑتی ہیں۔ آپ نے کونسا کام کیا؟ زیادہ سے زیادہ آپ نے کرگس کے ساتھ مشابہت پیدا کرلی۔ یہ کوئی انسانی ترقی نہ ہوئی' حیوانیت کی ترقی ہوئی۔ آپ نے اعلیٰ ترین غذائیں کھاکر بدن کو پال لیا۔ تو کتے بلی بھی بدن کو پال لیتے ہیں۔ شیر بھیڑیئے بھی پال لیتے ہیں۔ یہ کونسے کمال کی بات ہوئی؟۔ زیادہ سے زیادہ آپ نے ذرا عمدہ غذا کھالی اور کوا ویسی غذا نہیں کھاسکا' مگر عمدہ اور لذیذ تو آپ جب کہیں' جب کوا للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو کہ اوہو! انسان تو پلاؤ کھارہا ہے اور میں ہڈیاں کھارہا ہوں۔ اس کو آپ کی غذا سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی آپ کو اس کی غذا سے ہے۔ ہر ایک اپنے مناسبِ حال غذا کھارہا ہے۔ آپ اپنے مناسب کھارہے ہیں۔ تو کھانے میں دونوں برابر اور شریک ہیں۔ اچھی اور بری غذا' یہ خصوصیات کی بات ہے۔ لیکن غذا کھانا یہ حیوانیت ہے۔ اس لئے آپ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز بھی کھالیں گے' جب بھی آپ حیوان رہیں گے۔ عمدہ سے عمدہ سرائے میں آپ منتقل ہوجائیں۔ بدن منتقل ہوگا۔ وہ ایک مادی چیز ہوئی۔ لیکن اخلاق درست ہوجائیں' ان میں سے کوئی چیز درست نہیں کرے گی؟۔

علم شرائع

اخلاق کی درستگی کے لئے تو اللہ نے انبیاء علیہم السلام ہی بھیجے ہیں کہ وہ آدمیوں کو آدمی بنائیں۔ تو سائنس اور فلسفہ اچھے اچھے سامان پیدا کرسکتا ہے۔ مگر اچھے انسان نہیں پیدا کرسکتا۔ اچھے انسان پیدا کرنے والی چیز انبیاء علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ تو علم سب نافع ہیں۔ مگر ایک نافع مطلق ہے' جو ہر جگہ نفع دے۔ ایک نافع خاص ہے' جو یہاں تو نفع دے' وہاں نفع نہ دے۔ مادی علوم نافع ہیں' مضر نہیں۔ لیکن ایک خاص حد تک نافع ہیں کہ اس دنیا میں نفع دیں گے یا بدن کی حد تک نفع دیں گے' آگے نفع نہیں دیں گے۔ لیکن دین کا علم

یہاں بھی نفع دے گا، قبر اور آخرت میں بھی نفع دے گا۔ اس لئے کہ اس کا تعلق نفس انسانی سے ہے۔ نفس ہر جگہ قائم ہے۔ یہاں بھی نفس موجود، برزخ و آخرت میں بھی موجود، ہر جگہ نفس ہے، تو اسے ہر جگہ علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو علم سارے جہانوں میں کار آمد ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام کا علم ہے۔ وہ دین اور شرائع کا علم ہے۔ جو حلال و حرام بتلائے۔ اس علم کے سکھلانے کے لئے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں۔

باقی جو صنعت و حرفت کا علم ہے یا مادیات کا علم ہے۔ یہ انبیاءؑ کے آنے پر موقوف نہیں ہے۔ اگر ایک بھی پیغمبر نہ آتا تو آپ کھیتی کر سکتے تھے۔ مکان بنا سکتے تھے، جیسا بھی بناتے ___ آخر یہ جانور جو گھونسلہ بناتے ہیں کیا ان کو کسی نبی نے آکر تعلیم دی ہے؟ یہ جو شیر، بھیڑیئے اپنے بھٹ بناتے ہیں، تو کیا کسی اسکول میں پڑھ کر آتے ہیں کہ بھٹ یوں بنانا چاہئے؟ سانپ جو اپنی بِل بناتا ہے تو کیا اس کو کسی مدرسہ میں تعلیم دی تھی کہ یوں بنانی چاہئے؟ اس کی طبیعت میں بھی راہنمائی ہے کہ وہ اپنے مناسب حال مکان بنالے۔ اگر پیغمبر نہ آئیں وہ پھر بھی مکان بنا سکتا تھا۔ یہ طبعی علوم ہیں اور علوم طبعیہ کے اندر نبوت کی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انبیاء علیہم السلام شریعت کی تعلیم دینے کے لئے آئے ہیں۔ شریعت انسان کی طبیعت سے نہیں ابھر سکتی۔ اس لئے کہ شریعت کے معنی ہیں "اللہ کی رضا اور نارضا کا پتہ چلانا" کہ اللہ اس سے خوش ہیں، اس سے ناخوش ہیں اور کسی کی خوشی و ناخوشی اس کے بتلائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی۔

دو حقیقی بھائی ہوں، ایک ماں کے پیٹ میں دونوں نے پاؤں پھیلائے ہوں اور دونوں پاس بیٹھ جائیں بلکہ ایک دوسرے سے سینے سے سینہ ملا کر بیٹھ جائیں۔ ایک کے دل میں چھپی ہوئی چیز دوسرے کے دل میں نہیں جائے گی، جب تک دوسرا خود ظاہر نہ کرے یا بتلائے۔ تو جب دو حقیقی بھائی، ایک نوع کے دو فرد، ایک دوسرے کے باطن کا پتہ نہیں چلا سکتے، جب تک کہ دوسرا اظہار نہ کرے ___ تو اللہ اور بندے میں تو بون بعید ہے۔ وہ نور مطلق یہ ظلمت محض، یہ اللہ کے اندر چھپی ہوئی مرضی اور نامرضی کا کیسے پتہ چلا سکتا ہے؟ جب تک کہ حق تعالیٰ خود نہ ظاہر فرمادیں۔

قانونِ شریعت انسانوں تک کیسے پہنچے؟

اور خود ظاہر فرمانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ میاں خود گھر گھر اعلان کریں کہ دیکھو اس سے میں خوش ہوں یہ کرو، اس سے ناخوش ہوں یہ نہ کرو۔ ظاہر بات ہے کہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ ایک معمولی بادشاہ ایک حاکم، ایک معمولی ضلع کا کلکٹر جو ہم ہی جیسا انسان ہے۔ اس میں کوئی خصوصیت ہم سے زائد نہیں ہے، اس کو تو عار آتی ہے کہ گورنمنٹ کا کلکٹر خود گھر گھر کہتا پھرے کہ یہ میرا حکم، یہ میرا قانون ہے۔ وہ اپنے نائبین کو تحصیلداروں اور نائب تحصیلداروں کو حکم دیتا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے ہیں کہ منادی کرو۔ اس طرح سے قانون عام ہو جاتا ہے۔

اور جو احکم الحاکمین اور بادشاہوں کا بادشاہ ہو، اس کی شان کے ذرا مناسب نہیں کہ وہ گھر گھر کہتا پھرے کہ یہ میرا قانون ہے۔ وہ اپنے نائبین کو قانون بتلائے گا، جو اس کے اپنے مقربانِ بارگاہ ہوں، وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیں گے۔ پھر وہ اپنے ماتحتوں کو حکم دیں گے، قانون عام ہو جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام نائبین خداوندی ہیں، جو مقربانِ بارگاہ ہیں۔ اخلاق میں اللہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔ قرب کی اپنے اندر استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ بالطبع مقدس اور برگزیدہ پیدا کئے جاتے ہیں۔ ان کی فطرتوں میں پارسائی اور پاکیزگی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ تو پاک افراد ہیں۔ اس لئے اللہ جو پاک ذات ہے، اس

سے قرب کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان پر اپنا الہام فرماتے ہیں۔ ان پر اپنا علم نازل فرماتے ہیں' وہ اپنے نائبین تک پہنچاتے ہیں پھر وہ اپنے نائبین کو' وہ اپنے ماتحتوں کو۔ اس طرح سے علم پھیل جاتا ہے۔

تو دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے اس لئے آیا کہ انبیاء علیہم السلام ہی مقرب تھے۔ وہی بارگاہ حق سے مناسبت رکھتے تھے۔ ان پر علم اتارا گیا' ان کے ذریعے سے واسطہ بالواسطہ' بالواسطہ ہم تک علم پہنچا۔

ضرورتِ مذہب

بہرحال اس علم کا حاصل کیا جانا' یہ ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر آدمی کی نہ روحانیت ہی جاگ سکتی ہے نہ روحانی مراتب طے ہو سکتے ہیں نہ اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اخلاق کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات ہے اور جب تک مذہب و دین نہ ہو' آدمی کے اخلاق کبھی تربیت نہیں پا سکتے۔ مادیات سے تربیت نہیں ہوتی۔

اس واسطے میں نے یہ حدیث پڑھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انما بعثت معلما ___ میں معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ دنیا کو جہالت سے نجات دلاؤں اور لوگ علم میں آئیں۔ اس کے بغیر انسان کی زندگی نہیں سنور سکتی۔

آج دنیا میں جو دین اور مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلے ہوئے ہیں' یہ اصل میں سب جہالت کے کرشمے ہیں۔ جب آپ کے اندر علم نہ ہو' جہالت ہو' جس کا جی چاہے' آپ کو بہکادے' جو چاہے کہہ مارے۔ آپ مجبور ہیں' اس لئے کہ خود اپنے اندر کچھ نہیں رکھتے ___ تو ضرورت اس کی ہے کہ علم حاصل کر کے آپ آگے بڑھیں تاکہ جائز و ناجائز' عقیدے کا اچھا برا ہونا آپ کے اندر آجائے۔ اس واسطے میں نے یہ حدیث پڑھی تھی کہ سب سے ضروری چیز تعلیم ہے یہ اگر ہے تو سب چیزیں درست ہیں۔ تعلیم نہیں جہالت ہے تو سب چیزیں خراب ہوں گی۔

وقت چونکہ ختم ہو چکا ہے۔ اس واسطے میں ختم کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ ہم اور آپ سب کو توفیقِ علم و عمل عطا فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

عناصر سیرت

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب تھی اور بائیں ہاتھ میں قلب نبوت تھا جس میں اخلاق کی روشنی بھری ہوئی تھی۔ کتاب اللہ کے اندر الوہیت کا جلال بھرا ہوا تھا ___ اگر فقط کتاب اللہ سامنے آتی، پیغمبر نہ آتے تو الوہیت کا جلال مخلوق کو بھسم کر دیتا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی اس کو سمجھ سکے۔ اس روشنی کو قلب نبوت میں اتارا گیا تو نبوت کی عبدیت کے ساتھ جب الوہیت کا نور اس پر فائز ہوا تو ٹھنڈی روشنی پیدا ہوئی جس کو انسان سہہ سکیں"۔

از حضرت حکیم الاسلام مد ظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ___ اَمَّا بَعْدُ ___

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۔

تمہید

بزرگانِ محترم!

یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جو اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اس آیت کریمہ میں جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کی چند بنیادی صفات اور چند بنیادی مقاصد، افعال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اسی آیت کی مجھے مختصر طریق پر کچھ شرح آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرنی ہے ___ مگر آیت کی

تشریح سے قبل بطور تمہید و مقدمہ کے چند باتیں سمجھ لیجئے تاکہ اس کے بعد آیت کے مقاصد سمجھنے آسان ہو جائیں ___ اور وہ یہ کہ جب انسان کسی بھی متعین منزل کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے چار باتوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان چار کے بغیر منزل مقصود تک آدمی نہیں پہنچ سکتا۔

سب سے پہلی چیز روشنیِ راہ ہے۔ راستہ میں روشنی اور چاندنا ہو جس میں آدمی راستہ قطع کرے اور روشنی بھی ایسی کہ نہ اتنی تیز ہو کہ نگاہوں کو خیرہ اور چکاچوند کردے کہ راستہ چلنا ہی مشکل ہو جائے۔ نہ اتنی دھیمی ہو کہ راستہ کا نشیب و فراز ہی نظر نہ آئے بلکہ معتدل روشنی ہو جس میں آدمی بے تکلف چل سکے۔ غرض سب سے پہلی چیز راستہ کی روشنی ہے۔

اس کے بعد خود راستہ ہے کہ جو سیدھا ہو اس میں ٹیڑھ اور کجی نہ ہو۔ جس میں آدمی بے تکلف چل سکے۔ اگر راستہ میں اونچ نیچ ہے اور گڑھے ہوں تو روشنی بھی ہوگی تو گر جانے کا اندیشہ ہوگا۔ اس لئے روشنی ہونے کے باوجود ضرورت ہوتی ہے کہ راستہ سیدھا ہو اونچ نیچ اور نشیب و فراز سے بری ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک تیسری چیز کی اور ضرورت پڑتی ہے کہ راستہ بھی سیدھا ہو اور ساتھ میں راہنما بھی ہو اگر راہ دکھلانے والا کوئی نہ ہو تو محض روشنی اور راستہ کام نہیں دے سکتا۔ تو رہنما کی بھی ضرورت ہے کہ وہ ہاتھ پکڑ کر پہنچا دے۔

پھر چوتھی چیز "راہ رو" ہے کہ روشنی' راستہ اور راہنما بھی موجود ہے لیکن چلنے والا موجود نہیں تو منزل مقصود تک کون پہنچے؟

اس لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ خود راہ رو بھی ہو۔ غرض یہ چار باتیں ہیں کہ ان کے بغیر منزل مقصود تک پہنچنا ناممکن ہے ___ اگر روشنی نہیں ہوگی اندھیرے میں چلنا دشوار ہوگا۔ روشنی ہو مگر راستہ نہ ہو تو آدمی چلے کس چیز پر؟ راستہ بھی ہو مگر راہنما اور راہ دکھلانے والا کوئی نہ ہو تو پھر آدمی چلے کیسے؟ اور یہ تینوں چیزیں موجود ہوں مگر چلنے والا کوئی نہ ہو تو منزل تک کون پہنچے؟

حصولِ منزل کی شرائط

دنیا میں بھی آپ جب کبھی کسی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں تو انہیں چند باتوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حق تعالیٰ نے آپ کے لئے روشنی کا بندوبست کیا۔ چنانچہ فرمایا :

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا

برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں بروج بنائے اور سراجِ منیر یعنی سورج اور قمر منیر رکھا ___ دن میں آپ سورج کی روشنی میں راستہ طے کرتے ہیں اور رات کو چاند کی روشنی میں راہیں قطع کرتے ہیں۔ اللہ نے آسمان پر دو بڑے روشن سیارے رکھ دیئے ___ اور فرمایا وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور لاکھوں کروڑوں ستارے متعین کئے جس سے سمتیں متعین ہوتی ہیں اور آپ آسانی سے راہ قطع کر سکتے ہیں ___ لیکن محض سورج کام نہ دیتا اگر زمین پر سڑکیں بنی ہوئی نہ ہوتیں۔ راہ ہی نہ ہو سورج تو نکلتا ہے لیکن پہاڑ ہیں نہ اس میں راستہ ہے۔ بڑے بڑے غار ہیں' کھڈے ہیں تو آدمی چلے گا تو اس کی جان کا خطرہ ہے۔ منزل مقصود پر کیسے پہنچے گا؟

دوسری چیز یہ ہے کہ راہ ہو اور مستقیم ہو جیسا کہ ایک موقع پر فرمایا گیا ہے :

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِهَا

اللہ ' وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ذلیل کر دیا پست بنادیا کہ تم اس کے راستوں پر چلو۔ اس میں راہیں بنائیں کہ جس پر چل کر آدمی منزل مقصود پر پہنچے۔

راستہ ہو مگر راہنما نہ ہو راستہ قطع کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے راہنما کی بھی ضرورت ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا تھا، جس کی حق تعالیٰ حکایت فرماتے ہیں :

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ

موسیٰ علیہ السلام نے جب مدین کا ارادہ فرمایا تو کہا کہ قریب ہے۔ اللہ مجھے راستہ دکھلائے گا۔ راہنمائی خدا کی ہوگی مجھے راستہ نظر آئے گا تو راستہ کے لئے راہنما کی ضرورت ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے :

اطلبوا الرفیق قبل الطریق

راستہ چلنے سے پہلے رفیق سفر متعین کر لو جو تمہاری رہنمائی کرے۔

ظاہر بات ہے کہ راہ رو کی تو ضرورت ہی ہے۔ راستہ چلنے والا ہو گا تو ان تینوں چیزوں کا متلاشی ہو گا۔ اور اگر راہ رو ہی نہ ہو تو پھر کون چلے؟ غرض اصولاً کسی منزل تک پہنچنے کے لئے ان چار باتوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

سفرِ روحانیت کی شرائط

جب مادی راستوں میں ان چار چیزوں کی ضرورت ہے تو اللہ تک پہنچانے والا راستہ جو نہایت عظیم اور طویل ہے اس کے لئے ان چیزوں کی کیا ضرورت نہیں ہوگی ____ ؟ آپ معمولی سفر کریں تو یہ چار چیزیں ضروری ہوں اتنا طویل و عظیم سفر کہ بندہ اپنے خدا تک پہنچے۔ اتنا لمبا راستہ کہ اللہ کی ذات وراء الوریٰ اور بندہ ظلمت در ظلمت

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بندہ خدا تک جائے بلا راستہ' بلا روشنی اور بلا کسی راہنما کے پہنچ جائے اور بغیر اس جذبے کے پہنچ جائے جو اس کے دل میں راہ چلنے کے لئے ہونا چاہئے۔ لامحالہ ضرورت پڑے گی۔ بلکہ مادی راستوں سے زیادہ ضرورت پڑے گی۔

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے یہ دنیوی سڑکیں تو نہیں ہوں گی۔ حق تعالیٰ شانہ جو نور مطلق ہیں' مادیات سے بھی بالا' روحانیت سے بھی بالا' اس کی لطافت کے سامنے روحانیات بھی کثیف ہیں تو اس کی ذات بابرکات اور لطیف و خبیر ذات تک پہنچنے کے لئے راستے بھی معنوی ہونے چاہئیں اور نور بھی معنوی ہونا چاہئے۔ (اس راہ کو قطع کرنے کے لئے) سورج کی روشنی کام نہیں دے سکتی۔ سورج کی روشنی ہمیں ہندوستان سے پاکستان' ایران و عرب پہنچا دے گی مگر اس سے عرش عظیم تک نہیں پہنچ سکتے۔ جنتوں تک نہیں پہنچ سکتے عالم برزخ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تو جیسا عالم ویسی روشنی۔ اس لئے اللہ تک پہنچنے کے لئے مادی راستہ کافی نہیں بلکہ روحانی و معنوی راستہ کی ضرورت ہے۔ اور ویسی ہی معنوی روشنی کی ضرورت ہے کہ وہ لطافت لئے ہوئے ہو۔ اس میں کثافت کا نشان بھی نہ ہو اور مادیت سے بالا تر ہو تو ظاہر بات ہے کہ اللہ تک آ پہنچنے کے لئے ایسا راستہ درکار ہے اور ایسا ہی رہنما درکار ہے اور راہ رو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس کے لئے فقط یہ پیر کافی نہیں کہ آدمی خدا تک چلا جائے وہ تو کوئی معنوی قوت ہونی چاہئے۔ تو مادی منزل کے لئے مادی

راستے، مادی طریقے، مادی راہنما، اور عالم غیب تک پہنچنے اور اللہ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے روحانی راستے روحانی، راہنما اور روحانی رہ گزر کی ضرورت پیش آئے گی۔

نورِ معنوی کی ضرورت

تو حق تعالیٰ تک پہنچانے والی روشنی کون سی ہے؟ جس میں ہمیں صحیح طور پر نظر آجائے کہ راستہ کیسا ہے؟ نشیب و فراز کیسے ہیں؟ اس کے لئے حق تعالیٰ نے ایک روشنی کا مینار بلکہ روشنی کا آفتاب روشن کیا۔ لیکن وہ مادی آفتاب نہیں بلکہ آفتاب نبوّت ہے۔ جس کی روشنی میں آپ اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ "وہ ذات ہے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی"

آپ کس حالت میں تشریف لائے۔

جبکہ دنیا میں اتنی اندھیریاں چھا چکی تھیں کہ گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا۔

اس ظلمت میں حق و باطل میں امتیاز کرنا محال تھا۔ ساری علامتیں روشنیوں کی بجھ چکی تھیں۔ راستہ کے میل اور فرلانگ ختم ہو چکے تھے کہ جن سے راستہ کا پتہ چلے، ظلمت ہی ظلمت پھیل چکی تھی کیفیت یہ تھی کہ بندے خدا اور مخلوق کا فرق مٹا چکے تھے۔ مخلوق کی ضعیف و ناقص اور عیب دار صفات خدا میں تسلیم کر لی تھیں اور خدا کی پاک صفات بندوں میں مان لی تھیں۔ بندوں کو خدائی کے درجہ تک پہنچا دیا تھا اور خدا کو بندوں کے درجہ تک لے آئے تھے۔

یہود و نصاریٰ کے عقائد کی ظلمت

ایک جماعت کہتی تھی کہ اللہ میں وہ ساری صفات موجود ہیں۔ جو بندوں کی بشری صفات ہیں۔ آپ توراۃ کو پڑھیں گے جو آج چھپی ہوئی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اللہ میاں سے کشتی ہوگئی اور بہت سے داؤ پیچ کے بعد اسرائیل بالآخر غالب آگئے خدا کو پچھاڑ دیا۔ (نعوذ باللہ)

لکھا ہے کہ طوفان نوح جب آیا ہے تو فرشتوں نے جا کر اطلاع کی کہ وہ آپ کا کنبہ ڈوب رہا ہے۔ مخلوق ختم ہو رہی ہے جب اور کچھ نہ بن پڑا تو خدا نے رونا شروع کر دیا۔ اور اتنا روئے کہ آنکھیں دکھنے آگئیں۔ فرشتے عیادت کے لئے پہنچے کہ اب مزاج کیسا ہے؟ اور آنکھوں کی سرخی کچھ کم ہوئی یا نہیں؟ تو بندوں کی ساری ناقص اور عیب دار صفات خدا میں تسلیم کی ہوئی تھیں۔ جب کہ ایک قوم نے خدائی صفات بندوں میں مان لی تھیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔ (نعوذ باللہ)

نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے علم غیب تسلیم کرتے تھے۔ خدا کے لئے بیوی تجویز کی تو خصوصیاتِ الوہیت کو بندوں میں مان لی تھیں اور بندوں کی عیب دار صفات خدا کے اندر مان لی تھیں ایک قوم نے مخلوق کو خدا کا ظرف بنا دیا تھا کہ اس کے اندر حلول کرے اور طاریت کا عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ جسموں میں خدا سمائے ہوئے تو مخلوق ظرف بنی اور خالق اس کا مظروف بنا ___ اور ایک قوم نے خالق کو ظرف بنا کر مخلوق کو اس کے اندر سمایا ہوا کہا کہ مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسا کہ گولر کے پیٹ میں بھندے ہوتے ہیں تو خدا کے پیٹ میں مخلوق مظروف ہے تو ایک نے مخلوق کو ظرف مانا اور خدا کو سمایا ہوا مانا یہ وحدۃ الوجود کی گت بگڑی۔ بہرحال دونوں قسم کے عقیدے پائے جاتے تھے۔ اور خالق و مخلوق کا فرق مٹ چکا تھا۔

تردید عیسائیت

عیسائیوں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

یہود نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا کہ عزیر ہی صرف خدا کے بیٹے نہیں بلکہ ہم سب خدا کی اولاد ہیں۔

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ

ہم تو خدا کے بھائی بھتیجے ہیں۔ تو ایک نہیں لاکھوں بیٹے مانے۔

مجھے اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ دار العلوم دیوبند کا بالکل ابتدائی دور تھا۔ اور صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ایک عالم باعمل ہی نہیں بلکہ عارف باللہ صاحب کشف و کرامت بزرگ بھی تھے۔ ان کے زمانے کا ایک طالب علم اتفاق سے ڈیرہ دون پہنچا۔ یہ متوسط درجہ کا تھا یعنی دستار بندی نہیں ہوئی تھی۔ فاضل نہیں تھا۔ فارغ التحصیل نہ تھا۔ وہ کہیں ڈیرہ دون پہنچ گیا۔ وہاں ایک چوراہے پر کھڑا ہوا پادری تقریر کر رہا تھا اور یہ ثابت کر رہا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ طالب علم اس سے الجھ پڑا کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں اور بحث شروع کر دی مگر پادری بڑا ہوشیار تھا اور یہ بیچارہ مبتدی طالب علم۔ اس کے مقابلہ میں بحث میں چل نہ سکا کئی جگہ اس نے طالب علم کو عاجز کر دیا۔ جس کا لوگوں پر برا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کون جانے گا کہ یہ طالب علم ہے فاضل نہیں ہے۔ لوگ تو یوں کہیں گے ایک عالم آیا تھا اور پادری سے ہار کر چلا گیا۔

وہیں قریب ایک بھٹیارے کی دکان تھی۔ وہ فوراً دکان سے کود کر نیچے اترا اور اس نے طالب علم کو دھکا دے کر کہا کہ۔

"مولوی صاحب! آپ کا کام اس جاہل سے بحث کرنا نہیں جاہل سے جاہل نمٹ سکتا ہے۔ عالم کا کام نہیں ہے کہ جاہل سے نمٹے اس پادری سے بحث کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ پیچھے ہٹئے۔"

اسے بھی غنیمت معلوم ہوا کہ وہ عاجز آ گیا تھا ___ بھٹیارا آگے بڑھا اور کہا کہ پادری صاحب! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ "عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں" کہا اچھا آپ اس دعوی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہا کہ مجھے آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اللہ میاں کی عمر کتنی ہوگی؟ کہا۔ بیوقوف! بے ادبی کی بات کہتا ہے وہ تو ازلی ہیں۔ ابدی ہیں۔ انہیں عمر سے کیا تعلق؟ ___ تو اس نے کہا یہ مطلب ہے کہ بہت لمبی عمر ہے۔ جس کی کہیں حد نہیں۔ کہا ہاں یوں سمجھ لیجئے۔

بھٹیارہ نے کہا کہ اتنی عمر میں ان کی کتنی اولاد ہوئی؟ ___ پادری نے کہا کہ صرف ایک بیٹا۔

بھٹیارے نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ کہ میں بھٹیارہ باون برس کی عمر میں بارہ بچے جنوا چکا ہوں اور اللہ میاں کی اربوں کھربوں برس کی عمر اور کل ایک بیٹا۔ اس پر تالیاں جو پٹیں اور شور پڑ گیا کہ پادری ہار گئے' ہار گئے۔ لوگوں نے دھکے دے کر اس کو وہاں سے نکال دیا اور مسلمانوں کی فتح کا اعلان ہو گیا۔

یہ واقعہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا۔ فرمایا کہ بھٹیارے نے بڑا عالمانہ جواب دیا مگر وہ بے چارہ اصطلاحات سے واقف نہیں تھا اس لئے اس نے اپنی بات ایک عامیانہ زبان میں کہی مگر مقصد

اس کا یہ تھا کہ اگر باپ بننا اللہ میاں کے لئے صفت کمال ہے اور اولاد ہونا اس کے لئے کوئی کمال کی بات ہے تو اس کی ہر صفت لامحدود ہونی چاہئے۔ اولاد بھی لامحدود ہونی چاہئے تھی جس کے عدد کی کوئی انتہا نہ ہوتی اور اگر اولاد ہونا خدا کے لئے عیب کی صفت ہے تو ایک بیٹا ہونا بھی عیب ہے۔ وہ ایک سے بھی بری ہونا چاہئے۔

بھٹیارہ کا یہ مطلب تھا مگر وہ بے چارہ اصطلاحی الفاظ سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے اپنے عامیانہ الفاظ میں کہا کہ عمر کتنی ہوگی۔ اور ان کروڑوں برسوں میں لے دے کے کل ایک بیٹا۔ حالانکہ میرے تو اب تک بارہ بچے ہو چکے ہیں۔ بہرحال عیسائیوں نے ایک ہی بیٹے کا دعویٰ کیا تھا۔

ردِّ یہودیت

یہود نے آگے بڑھ کر کہا نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ہم سب اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں یہ گویا بھٹیارے کے مذہب پر چلے اس نے جو بحث میں کہا تھا کہ بہت سی اولاد ہونی چاہئے تھی تو یہود نے سمجھا کہ واقعی اللہ میاں کا کل ایک بیٹا۔ ہزار دو ہزار، کروڑ دو کروڑ، تو ہونے چاہئیں۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم سب خدا کے بیٹے ہیں۔ اور جو قومیں باقی رہ گئیں وہ بھی کچھ احباب میں ہیں کچھ بھتیجوں میں آجائیں گے غرض اللہ میاں سے رشتہ داری قائم کرلی تو قرب خداوندی کی یہ گت بنائی کہ قرب - معنی قرابت و رشتہ داری لے لیا اور کہا کہ اللہ میاں کے قریب ہم بھی ہیں۔ یعنی اس کی اولاد ہیں۔ ہمارا نسب اس سے ملتا ہے۔

مشرکین کی تردید

مشرکین مکہ نے بھی یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ میاں کی اولاد ہوتی ہے مگر انہوں نے کہا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں جس کا قرآن کریم نے جواب دیا کہ۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی

تم تو بیٹوں پر راضی۔ بیٹی ہو جائے تو ناک منہ چڑھاؤ، اور اللہ میاں کے لئے بیٹیاں؟ کیا تم نے بھونڈی تقسیم کی ہے؟ جس کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ وہ ظالموں نے خدا کے سر تھوپ دیا۔ اگر اولاد ماننی ہی تھی تو کم از کم یہود کی طرح بیٹے تو مانتے۔

بہرحال مخلوق اللہ کی قدر نہیں جانتی تھی۔ خالق اور مخلوق کا فرق بھلا چکی تھی۔ اپنی عیب دار صفات خالق میں مان لی تھیں کہ ہم باپ ہیں تو وہ بھی باپ ہے۔ ہمارے اولاد ہیں تو اس کے بھی اولاد ہیں۔ ہم کسی ظرف میں رہتے ہیں تو خدا بھی کسی ظرف میں رہتا ہے۔ ہم محدود ہیں تو معاذ اللہ وہ بھی محدود ہے گویا اس درجہ کو جہالت کی ظلمت پہنچ چکی تھی کہ علم کا نشان باقی نہیں رہا تھا۔

مسخ عقل

اسی طرح اللہ کی صفات کے بارے میں اور اس کی توحید کے بارے میں مخلوق علم کو گم کر چکی تھی۔ توحید جیسی عقلی چیز جسے انسان عقلاً سمجھ سکتا ہے اسے سمجھنے کا شعور باقی نہیں رہا تھا۔

جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کامل کا دعویٰ کیا تو مشرکین مکہ نے حیرت سے کہا کہ :

أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَاحِدًا

کیا کروڑوں دیوتاؤں اور خداؤں کو ایک ہی خدا پیغمبر نے بنادیا؟

کیا ایک خدا سارے آسمانوں اور زمینوں کا انتظام کرلے گا؟

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ

یہ تو عجیب بات ہے جو پیغمبر کہہ رہے ہیں ___ یعنی عجیب تو یہ تھا کہ شرک مانا جائے۔ مگر شرک رگ وپے میں اتنا سرایت کرچکا تھا کہ توحید عجیب معلوم ہونے لگی۔

توحیدِ اجمالی

توحید کا اجمال واقعی عقلی ہے۔ اگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بھی دنیا میں تشریف نہ لائیں۔ تو انسان کی فطرت اجمالاً مالک کے ایک ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے کلام لکھتے ہیں کہ اگر کسی قوم یا فرد کو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت نہ پہنچے پہاڑوں کی چوٹیوں میں گذر کررہا ہو۔ کوئی ڈرانے والا پیغام حق لے کر اس تک نہ پہنچا اور اسی پر اس کی موت آگئی تو قیامت کے دن توحید کا سوال اس سے بھی ہوگا۔ مگر اجمالی وہ اتنا کہہ دے کہ "میں اتنا جانتا تھا کہ ہاں ہے کوئی پیدا کرنے والا اور وہ ایک ہے تفاصیل تو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بتاتے ہیں۔ تفاصیل مخبر صادق کی خبر اور وحی کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتیں لیکن اتنا اجمال کہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور ہے اور وہ چند نہیں ہوسکتے۔ دس بیس نہیں ہوسکتے یہ ایک فطری امر ہے۔ اور توحید عقلی ہے لیکن معقولات بھی اس دور میں ختم ہوچکی تھیں اس درجہ جہالت کی ظلمت چھاچکی تھی کہ توحید پیش کی تو کہا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یہ پیغمبر نے کیا عجیب و غریب بات کہہ دی کہ ایک خدا سارے عالم کا انتظام کرلے گا۔

جہالت کی ظلمت

اسی طرح آپؐ نے معاد کو پیش کیا کہ دنیا ایک دن فنا ہوجائے گی۔ یوم آخرت آنے والا ہے۔ قیامت آنے والی ہے۔ تم سب کو وہاں جواب دہی کرنی پڑے گی۔ تو حیرت سے کہا کہ

مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ

جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر بوسیدہ ہوجائیں گی۔ پھر کون ہے جو انہیں زندہ کرے اور اٹھائے؟ ان کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ کوئی قادر مطلق موجود ہے تو جہالت کی ظلمت اس قدر قلوب پر چھاچکی تھی کہ توحید جیسی معقول چیز کو وہ عجیب بات سمجھے۔

بشریّتِ انبیاء علیہم السلام

پیغمبر کی شان اور پیغمبر کی ذات کو بھی عجیب سمجھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہوں نے کہا تھا :

قَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ

یہ کیسا رسول آیا ہے کہ کھانا یہ کھاتا ہے۔ پانی یہ پیتا ہے بازاروں میں یہ جاتا ہے۔ گویا رسول کا تصور ان

کے نزدیک یہ تھا کہ بشریّت سے بالا تر ہو۔ تو رسول کی ذات کے لئے بشریّت کا انکار لازم سمجھتے تھے کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ بشری عوارض اس پر طاری نہیں ہو سکتے۔

حالانکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر تمام بشری عوارض طاری کئے جاتے ہیں تاکہ لوگ ان پر خدائی کا شبہ نہ کر سکیں اس لئے کہ ایک طرف انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ اشارہ فرمائیں تو چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اشارہ فرمائیں تو بت آکر وضو کے لئے پانی پیش کریں۔ درختوں کو اشارہ فرمائیں تو دوڑ کر آئیں اور سر مبارک کے اوپر سایہ کرلیں۔ پانی میں ہاتھ ڈال دیں تو انگلیوں سے چشمے بہہ پڑیں، جس سے پندرہ سو آدمی سیراب ہو جائیں۔ تو ایک طرف تو یہ افعال اور عجائبات قدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر نمایاں ہوں۔ ایک طرف یہ کیفیت کہ بخار چڑھتا ہے تو شدید' اور فرمایا کہ جتنا تمہیں عام طور سے بخار آتا ہے۔ مجھے اس سے دوگنا آتا ہے۔ غزوہ احد میں سر مبارک پر پتھر لگ پڑا تو خون بہہ پڑا۔ ستر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ لاشیں تڑپ رہی ہیں اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ طائف پہنچے تو طائف کے شہدوں نے آپ کے پیچھے کتے لگا دیئے۔ پتھر مارے۔ پائے مبارک زخمی ہو گئے۔ سجدہ میں تھے کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کے اندر اونٹ کا اوجھ آپؐ کے سر پر ڈال دیا۔ جس سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔ کانٹے آپؐ کے راستوں میں بچھائے گئے۔ سحر آپ پر کرایا گیا اور سحر کا اثر آپ پر ہو گیا۔ تو ایک طرف قدرت کے یہ کارنامے کہ اشارہ کریں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ ایک طرف یہ کیفیت کہ اوجھ گر جائے تو آپ اٹھ نہیں سکتے۔ ایک طرف یہ کیفیت کہ انگلیوں سے چشمے جاری ہو جائیں اور ایک طرف یہ کیفیت کہ بیت نبوّت میں دو دو مہینے دھواں بھی نہیں اٹھتا تھا کہ کھانے پینے کو کچھ مل جائے۔ یہ متضاد چیزیں کیوں رکھی گئیں اگر فقط معجزات دیئے جاتے تو آپ کی ذات پر خدائی کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے تمام بشری عوارض طاری کئے تاکہ انبیاء علیہم السلام کی بشریت کی کوئی نفی نہ کرے۔

عظمتِ انبیاء علیہم السلام

اور پھر فرما دیا گیا کہ اپنی زبان سے اعلان کر دو

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ

کہہ دو اے پیغمبر کہ میں بشر ہوں اور بشر بھی فقط نہیں کہا بلکہ مِثْلُكُمْ فرمایا کہ تم جیسا بشر ہوں۔ یعنی جو تمہارا طریق پیدائش ہے۔ وہی میرا طریق پیدائش ہے۔ جو تمہارا طریق وفات ہے وہی میرا طریق وفات ہو گا جیسے تم پر عوارض بشریت آتے ہیں میرے اوپر بھی آتے ہیں۔ تو میں بشر ہوں اور تم جیسا بشر ہوں۔ ہاں اللہ نے یہ بزرگی دے دی کہ مجھ پر وحی فرمائی۔ مجھ پر اپنا کلام نازل فرمایا یہ میری خصوصیت ہے جو تم میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ تو یہ بزرگی خدا کی دی ہوئی ہے۔ لیکن دی کس کو؟ بشر ہی کو دی ہے۔ لیکن اس بزرگی کے آنے کے بعد بشریت کا چولہ نہیں اتر گیا۔ میں بھی اپنی وحی کا اسی طرح متبع ہوں جیسا کہ تمہیں اتباع کی دعوت دے رہا ہوں۔

چنانچہ فرمایا :

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ

میں کوئی انوکھا رسول نہیں آیا۔ میں وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ جس طرح وحی خداوندی کے تم پابند ہو میں بھی پابند ہوں۔ جس طرح تم قانون حق کے پابند ہو۔ میں بھی پابند ہوں ___ یہ تمام چیزیں آپؐ سے اس لئے

پیش کرائی گئیں تاکہ واضح ہو جائے کہ آپ بشر ہیں۔

نفیِ بشریّت کا نقصان

اور حقیقت یہ ہے کہ بشریت کی نفی کرنا یہ بدقسمتی کی بات ہے۔ ہماری نوع میں اللہ نے وہ ذات بابرکات پیدا کی کہ تمام مخلوقات میں بڑھ چڑھ کر ہے یہ تو ہماری نوع کو خدا کا شرف ہے۔ کہ ایسا شرف بخشا اور ہم اپنی نوع کی توہین کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے نکال دیں کہ آپ بالاتر ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی اور محرومی کی بات ہوگی۔ ہم تو دلائل کی رو سے کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تاکہ آپ کی ذات بابرکات سے بشریّت کی عظمت واضح ہو۔ بہرحال جہاں معجزات دیئے گئے وہاں عوارض بشریّت بھی دیئے گئے تاکہ کسی کو آپ پر خدائی کا شبہ نہ ہو سکے۔

اظہارِ عبدیّت کا امر

اسی لئے ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا اور فرمایا مامور ہو کر

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا

”آپؐ اعلان کر دیجئے کہ اگر اللہ میری پکڑ کرے تو کوئی مجھے چھڑانے والا نہیں اسی کا فضل و کرم مجھے چھڑا سکتا ہے“۔

اور اس کے ساتھ آپؐ نے دوسری چیز یہ ارشاد فرمائی کہ۔

لن ینجی احدکم عملہ تم میں سے کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دلا سکتا بجز اللہ کے فضل کے۔ تو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا **ولا انت یا رسول اللہ** کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلا سکتا۔ فرمایا **لا الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ** کہ مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا۔ جب تک اللہ ہی کا فضل میری دستگیری نہ فرمائے ___ تو انبیاء علیہم السلام کی زبان سے یہ عبدیّت کے کلمات اس لئے ادا کرائے جاتے ہیں تاکہ کسی کو ان کی الوہیت کا شبہ نہ ہو جائے۔ ان کی خدائی کا شبہ کسی کو نہ گذر جائے ___ اس لئے یہ تمام چیزیں پیش آتی ہیں۔

دورِ بعثت کا اجمالی حال

غرض مشرکین میں نبوّت کا تصور یہ تھا کہ وہ بشریّت سے بالاتر کوئی چیز ہے کہ نبی نہ کھائے نہ پئے تو کہتے تھے۔

مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ

بہرحال خدا کے بارے میں بھی اور رسول کے بارے میں بھی اس قدر ظلمت عالم میں پھیل چکی تھی۔ مکہ کے اندر بھی مکہ کے اردگرد بھی اور چہار طرف قلوب میں ظلمت اور اندھیری چھا گئی تھی۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے :

ان اللہ نظر الی قلوب بنی ادم فمقت عربھم وعجمھم

اللہ نے انسانوں کے دلوں کی طرف نگاہ کی تو غضبناک نگاہ سے دیکھا۔ کوئی شمہ خیر کا باقی نہیں رہ گیا تھا۔

الا غبر اهل الکتب

اہل کتاب میں سے چند گنے چنے افراد جو حق کے اوپر قائم تھے۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر اپنے دین کو بچا رہے تھے۔ مخلوق سے الگ تھے۔ حق کے لئے عام مجامع کے اندر' عام اجتماعات اور عام بستیوں میں گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی تو حق پر جمنے کے لئے لوگ پہاڑوں کی کھوہ میں جاتے تھے تاکہ دین کو سلامت رکھ سکیں ___ تو عقائد' اعمال' اخلاق اور رسوم کی ظلمت پھیل چکی تھی۔ ہر طرف اندھیریاں چھائی تھیں۔ ان اندھیریوں میں ایک تیز روشنی کی ضرورت تھی۔ کہ ان تمام ظلمات کے پردے چاک ہوں۔ اور روشنی سامنے آئے جس سے عقائد' اعمال اور احوال درست ہوں۔ تو اس شدید ترین اندھیری کو دفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

شانِ تشریف آوری

آپؐ اس شان سے دنیا میں تشریف لائے کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں سورج تھا اور آپ کے بائیں ہاتھ میں چاند تھا۔ اکٹھی دو روشنیاں لے کر آپ تشریف لائے ___ غالباً آپ کو یہ شبہ ہو گا کہ ہم نے یہ کسی تاریخ میں نہیں پڑھا، کسی حدیث میں نہیں پڑھا کہ آپ کے ہاتھ پر چاند اور سورج ہوں۔ یہ ایک نئی سی بات ہے ___ تو میں عرض کرتا ہوں کہ آپ صبر و سکون سے کام لیں۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند تھا۔

سورج سے کیا مطلب ہے؟ یعنی دائیں ہاتھ میں اللہ کی چمکتی ہوئی کتاب تھی۔ اور بائیں ہاتھ میں قلب نبوت تھا۔ جس میں اخلاق کی روشنی بھری ہوئی تھی۔ کتاب اللہ کے اندر الوہیت کا جلال بھرا ہوا تھا۔ اگر فقط کتاب اللہ سامنے آئی اور پیغمبر نہ آتے تو الوہیت کا جلال مخلوق کو بھسم کر دیتا۔ مجال نہ تھی کہ کوئی اس کو سمجھ لے اس کی روشنی کو قلب نبوّت میں اتارا گیا تو نبوّت کی عبدیّت کے ساتھ جب الوہیت کا نور اس پر فائز ہوا تو مبارک پیدا ہوئی جس کو انسان سہہ سکیں۔ تو سورج اللہ کی کتاب تھی اور چاند جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تھا جو کمالات اخلاق کا مرکز تھا۔ اس طرح سے آپ دنیا میں تشریف لائے یعنی جلال بھی تھا اور جمال بھی۔ خدا کی کتاب کے اندر جلال تھا اور قلب مبارک کے اندر شان جمالی تھی۔

جامعیتِ شریعت

اس لئے شریعت مقدسہ میں دونوں شانیں موجود ہیں۔ رحمۃ للعالمین کی شریعت ہے جس میں عفو و درگزر اور معافیاں بھی ہیں اور ساتھ ساتھ حدود' قصاص اور جہاد بھی ہے چور چوری کرے تو ہاتھ کاٹ دو' زانی زنا کرے تو سنگسار کردو تو جہاں شریعت کے اندر رحمۃ للعالمین ہے۔ وہاں جلالی شانیں اور تعزیرات و عقوبات بھی موجود ہیں۔

اسی لئے حدیث میں آپؐ نے فرمایا۔

بعثت مرحمۃ وملحمۃ

میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں اور جنگ مجسّم بنا کر بھی بھیجا گیا ہوں۔ مطیعوں کے لئے رحمت ہوں اور باغیوں کے لئے غضب مجسّم ہوں۔ اسی طرح فرماتے ہیں۔

انا الضحوک القتال

میں بہت زیادہ ہنس مکھ بھی ہوں۔ اور بہت زیادہ قتال کرنے والا بھی ہوں۔ یعنی رحمت کی شان بھی ہے۔ اللہ کی رحمت میرے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور غضب کی شان بھی ہے کہ خدا کے غضب سے اس کے منکروں کے مقابلہ میں غضب مجسّم بنتا ہوں۔ غرض دونوں شانیں آپؐ نے ظاہر فرمائیں۔

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں روشنیاں لے کر آئے آپؐ کی ذات بابرکات فی الحقیقت ایک نور ہے۔ کیسا نور تھی؟

حق و باطل میں امتیاز کا نور

جیسی ظلمت آپ کے سامنے ابھی آئی ویسا ہی نور تھا۔ جہالت' اخلاق و عقائد کی ظلمت بنی آدم میں تھی جبلّت کی شہوتیں' جبلّت کی ظلمتیں۔ یہ ایسی ظلمات ہیں۔ جن سے حق و باطل میں امتیاز نہیں ہوتا تو ان ظلمتوں کے لئے ویسے ہی نور کی ضرورت تھی کہ یہ ظلمتیں رفع ہوں۔ چاند میں حق و باطل نظر آئے۔ حق و باطل اس سورج کی روشنی میں نظر نہیں آتا۔ وہ پیغمبر کی روشنی میں نظر آتا ہے۔ جو علم اور کمالاتِ اخلاق کی روشنی ہے۔ حقیقت میں نبوّت نورانی ہے۔

غرض جس طرح کی ظلمتیں میں نے عرض کیں یہ ظلمتیں وہ نہیں ہیں جو سورج کے ڈوبنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حسّی اور مادی ظلمت ہے اور جہالت و بد اخلاقی کی ظلمت یہ معنوی ظلمت ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے جیسے حدیث میں فرمایا گیا کہ۔

الظلم ظلمت ظلم یہ ظلمت و تاریکی ہے۔ عدل روشنی ہے تو عدل کی روشنی سورج کی طرح سے نہیں ہے۔ علم کی روشنی سورج کی روشنی کی طرح نہیں ہے۔ مگر سورج کی روشنی اس روشنی کے سامنے ماند ہے۔

سورج فقط مکان کو روشن کرتا ہے اور علم کی روشنی قلوب اور ارواح کو روشن کرتی ہے سورج سے فقط زمین اور مکان روشن ہوتا ہے اور علم سے زمان' مکان اور اعیان سب روشن ہوجاتے ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور خداوندی ہیں۔ مگر مادی نور نہیں ہیں معنوی نور ہیں۔ یعنی علم الٰہی کا پرتو جو آپ کے اوپر پڑا ہے وہ عالم میں کسی کے اوپر نہیں ڈالا گیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ :

اول ماخلق اللہ نوری

اس روایت کو بعض نے ضعیف اور بعض نے موضوع کہا ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے دعویٰ کیا کہ :

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور پہنچا۔ اور نور سے مراد ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تو

اول ماخلق اللہ نوری کو دیکھا جائے تو اگرچہ حدیث موضوع بھی ہو مگر مضمون کے لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ مؤید ہے ____ بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ مگر معنویّت کا نور ہیں۔ روحانیّت کا نور ہیں۔ اخلاق کا نور ہیں۔ کمالات خداوندی آپ کے اندر ظہور کرتے تھے۔ جلوہ کرتے تھے اس کی روشنی آپ کے اندر تھی۔ یعنی آپ مظہر اتم تھے اللہ کے کمالات کے جس طرح سے یہ بجلی کی روشنی آپ کے سامنے ہے۔ فیوز جو ہے اس کے اندر ایک بہت معمولی سا تار ہے۔ لیکن جب اس کا کنکشن پاور ہاؤس سے ہوجاتا ہے تو وہ اتنا روشن ہوجاتا ہے کہ میدانوں کو چمکا دیتا ہے۔ تو اصل میں روشنی پاور ہاؤس

سے آتی ہے۔ خود اس کے تار کے اندر روشنی نہیں ہے لیکن منور ہو کر تار کی ہستی نظر نہیں آتی۔ روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے۔ ایسے میں اگر تار کہہ دے **انا النور** میں تو خود نور ہوں۔ تو وہ کہہ سکتا ہے لیکن حقیقت میں نور اور ہے اس کی ذات اور ہے اس کی ذات پر نور نے جلوہ کیا ہے۔ وہ نور کا مظہر بن گیا۔ اس واسطے نور بھی کہہ سکتا ہے۔ اور جب ذات کی طرف نگاہ جائے گی تو کہا جائے گا کہ میں تو تار ہوں۔ روشنی دوسرے کی ہے جو میرے اندر آرہی ہے ___ انبیاء علیہم السلام وہ صلاحیتیں لے کر آتے ہیں کہ علوم خداوندی ان کے اندر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اخلاق ربّانی ان کے اندر جلوہ گر ہوتے ہیں ___ تو یہ نور معنوی نور ہے جیسا کہ وہ ظلمت معنوی ظلمت تھی۔ معنوی ظلمت کے رفع کرنے کے لئے معنوی نور کی ضرورت تھی۔ آفتاب کا نور اسے زائل نہیں کر سکتا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نور بن کر آئی آپؐ کی ذات کو دیکھ کر مخلوق نے یہ سمجھ لیا کہ حق یہ ہے باطل یہ ہے نیکی اسے کہتے ہیں بدی اسے کہتے ہیں۔ آپ کے اعمال، اخلاق اور پاکیزہ کردار کو دیکھ کر دنیا کے سامنے معیار آگیا اور سمجھا کہ نیکی کس چیز کا نام ہے۔ خلق حسن کس چیز کا نام ہے۔ کمال کس چیز کا نام ہے۔ عیب کس چیز کا نام ہے۔

گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ تک پہنچنے کے راستہ کے لئے روشنی تھے۔ اس کے بغیر راستہ نظر نہیں آسکتا تھا۔ تو آپؐ مشعل نور بن کر تشریف لائے اور راہ خداوندی لوگوں کے سامنے کھل گئی۔

راہنمائے حق

راہنما کیا چیز ہے؟ ___ حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو مشعل نور ہے۔ جس سے راہ کھلی۔ لیکن راہ کے لئے راہنما کی بھی ضرورت ہے تو راہنما آپؐ کی سنتیں، آپ کے افعال اور کردار ہیں۔ اسوۂ حسنہ جس کو سیرت کہا جاتا ہے۔ وہ اسوہ حسنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کا مجموعہ ہے۔ فی الحقیقت وہ راہنما ہے تو یہ ایک نور راہ آیا جس سے راستہ روشن ہوا اور ایک راہنما آیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے جو راہنمائی کرتی ہے کہ اس طرح سے چلو۔

اسوۂ عمل

آپ نے آکر جو اعمال کا نمونہ پیش کیا فقط آپ نے قانون نہیں پیش کر دیا۔ قانون کے ساتھ اپنا اسوہ بھی پیش کیا۔ آپ نے فقط یہ نہیں فرمایا کہ **صلوا** نماز پڑھو بلکہ یہ فرمایا کہ :

صلوا کما رایتمونی اصلی

نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی نمونے کی نماز پڑھو۔ تو آپؐ نمونہ عمل بن کر دنیا کے اندر آئے۔ آپ کی سیرت عمل کے لئے راہنما تھی جس کے سامنے آپؐ کی نماز ہوگی وہ نماز صحیح پڑھے گا۔ آپؐ کی نماز سامنے نہیں ہوگی۔ نماز صحیح نہیں پڑھ سکتا۔ تو یہ نہیں فرمایا کہ **صلوا** بلکہ فرمایا :

صلوا کما رایتمونی اصلی

اسی طرح آپؐ نے وضو فرمایا۔ فقط آرڈر نہیں دیا بلکہ وضو کر کے دکھلایا ایک دفعہ آپؐ نے وضو کیا۔ تو تمام اعضا کو ایک ایک دفعہ دھویا۔ اور فرمایا :

ھذا وضوء لایقبل اللّٰہ صلوۃ الا بہ

یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں کرتے۔ اگر ایک دفعہ بھی اعضاء کو نہ دھویا جائے تو وضو

ہی نہ ہوگا ___ اس کے بعد آپؐ نے دوبارہ وضو فرمایا اور اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا اور فرمایا کہ یہ وضو ہے جو نور علی نور ہے۔

اور اس کے بعد تیسری مرتبہ وضو کیا۔ تو تین تین دفعہ اعضاء وضو کو دھویا' اور فرمایا کہ :

ھذا وضوئی ووضوء الانبیاء من قبلی

یہ میرا وضوءہے اور میرے سے پہلے جتنے انبیاء تھے وہ یہی وضو کرتے تھے۔

ضرورتِ مربّی

تو آپؐ نے فقط یہ نہیں فرمایا کہ **توضؤا** لوگو وضوء کرو بلکہ کرکے دکھلایا کہ اس طرح سے کرو کیونکہ عمل کی بہت سی خصوصیات ہوتی ہے جو بلا عامل کی ہیئت کے سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ الفاظ سے آدمی عمل کی ہیئت نہیں بنا سکتا۔ جب تک کہ عمل کی ہیئت سامنے نہ ہو۔

دین ہی میں نہیں بلکہ ہر صنعت میں ہر حرفت میں یہی طریقہ ہے کہ محض اصول اور کتاب کافی نہیں ہوتے جب تک کرکے دکھلانے والا کوئی مربّی اور استاد سامنے نہ ہو ___ خیاطی کا فن ہے۔ آپ پانچ سو صفحے کی کتاب پڑھ جائیں۔ جس میں یہ اصول ہوں کہ کپڑے سینے کے یہ یہ طریقے ہیں۔ لیکن جب تک درزی کو سوئی چلاتے ہوئے نہیں دیکھیں گے آپ کو سوئی چلانی آئے گی نہیں کیونکہ عمل کی ایسی باریکیاں ہوتی ہیں جو کاغذ پر نہیں آسکتیں کرکے دکھلانے والا جب تک اس ہیئت سے کرکے نہ دکھلائے۔

اسی واسطے حضرات محدثین نے جہاں جہاں احادیث کی روایت کی ہے وہاں خود بھی عمل کرکے دکھلایا ہے اور اپنے عمل کو روایت کے مطابق کیا ہے۔

میں نے مشکوۃ شریف اپنے والد بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ سے پڑھی مشکوۃ شریف میں جب یہ باب آیا کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہئے تو رکوع کی بحث آئی تو رکوع کی روایت کو پڑھ کر اور اسے سمجھا کر خود والد مرحوم نے جماعت کے اندر رکوع کرکے دکھلایا کہ یوں کرنا چاہئے جب سجدے کی روایت آئی تو اسے پڑھا کر سجدہ کرکے دکھلایا کہ یوں کرنا چاہئے۔ تو ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم تو رات دن رکوع و سجدہ کرتے ہیں۔ اس میں درس کے دوران جماعت میں کرکے دکھلانے کی کیا ضرورت تھی؟

فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے دکھلایا کہ جب میں نے مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تھی تو انہوں نے بھی مجھے یونہی کرکے دکھلایا تھا اور فرمایا کہ جب میں نے شاہ عبدالغنی محدث دہلوی سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی اس موقع پر یونہی کرکے دکھلایا تھا اور شاہ عبدالغنی نے فرمایا کہ جب میں نے شاہ اسحاق صاحب سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی مجھے یوں ہی کرکے دکھلایا تھا اور شاہ اسحاق صاحب نے فرمایا کہ جب میں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھی تو انہوں نے حدیث سمجھا کر یوں ہی رکوع اور سجدہ کرکے دکھلایا تھا او کہا کہ مجھے شاہ ولی اللہ نے یونہی کرکے دکھایا تھا اور شاہ ولی اللہ نے کہا کہ مجھے شیخ ابو طاہر مدنی نے یونہی کرکے دکھلایا تھا اور آخر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند پہنچادی۔

تسلسل ہیئت عمل

تو محدثین جہاں الفاظ کی روایت کرتے ہیں وہاں ہیئت عمل کو بھی کرکے دکھاتے ہیں یعنی الفاظ فقط اصول کا نام نہیں بلکہ تاریخ بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ کوئی قانون قانون نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ اس

کی تاریخ نہ ہو۔ تو روایات حدیث کے ساتھ امّت کا تعامل بھی موجود ہے۔ اس میں اس عمل کے بارے میں راہنمائی ہوتی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمل کیا صحابہؓ نے اس عمل کی نقل کی تابعین نے اس عمل کی نقل کی روایت بھی پیش کی۔

اسی واسطے بعض روایات جو مسلسل بالاوّلیات کے نام سے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی روایت کو ظاہر فرمایا اور ایک حکم دیا اور اسی مجلس میں اس کو کر کے دکھلایا تو محدثین روایت کے ساتھ ساتھ سند اور اس کو کر کے دکھاتے چلے آتے ہیں۔

مثلاً حدیث مسلسل بالماء والتمویہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی فضیلت بیان کی اور بیان کر کے خود کھائی اور اپنا اُلش (کھجور کا بقیہ) عبداللہ بن عمرؓ کو دیا اور کٹورے میں پانی پیا اور بچا ہوا پانی عبداللہ ابن عمرؓ کو پلایا۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنے شاگرد کو کھجور کی فضیلت کی یہ حدیث سنائی تو فضیلت بیان کر کے اسی طرح کھجور کھائی اور بقیہ نصف اپنے شاگرد کو کھلائی اسی طرح پانی پیا او بچا ہوا اپنے شاگرد کو پلایا۔ اسی طرح تابعین نے تبع تابعین کو تبع تابعین نے اتباع تبع تابعین کو کھایا یہاں تک کہ سند ہم تک پہنچ گئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث سہارنپوری اکابر علماء میں سے گزرے ہیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور جو مشہور ہے۔ اس کے حضرت صدر مدرس تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ کے خلفاء میں سے تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ حضرت مولانا کے ساتھ سفر میں ساتھ ہوا۔ حضرت میرٹھ جارہے تھے راستے میں مجھ سے فرمایا کہ اس وقت میری حدیث کی سند پوری جماعت میں سب سے زیادہ عالی اور بلند ہے میں ایک واسطے سے حضرت شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہوں۔ تو میرا جی چاہتا ہے کہ تجھے سند کی اجازت دوں اس کے لئے تو خود سہارن پور آکر اجازت لے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں ضرور حاضر ہوں گا ___ لڑکپن کی بات تھی اور ابالی پن کی وجہ سے بھول بھال گیا۔ ایک برس گزر گیا پھر اتفاق سے سفر میں ساتھ ہوا۔ پھر یہی ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ اب میں حاضر ہوں گا پھر برس چھ مہینے کے قریب گزر گئے۔ چھ مہینے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لئے جارہے ہیں۔ اب میں نے سوچا کہ اگر یہ سند نہ لی تو میں محروم ہو جاؤں گا۔ اس لئے میں نے سہارنپور کا سفر کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ مولانا محمد زکریا صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) جو آج مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث ہیں سے فرمایا کہ حدیث کی جتنی کتابیں مظاہر العلوم کے کتب خانے میں ہیں وہ سب لے آؤ۔ تو ساری صحاح ستہ معاجم، مسانید اور سنن سب کتابیں آگئیں اور اجازت دی تو حضرت نے بہت سی کتابوں کا اول مجھے پڑھوایا اور بعض کتابوں کو خود پڑھا اس کے بعد فرمایا کہ مسلسل بالاوّلیات بھی لے کر آؤ تو الیانع الجنی لائی گئی جس میں وہ روایتیں جمع ہیں۔ جو اوّلیات کے ساتھ مسلسل ہیں جن میں عمل کے ساتھ ہیئت عمل کی ضرورت ہے تو کھجور بھی منگوایا اور عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت بیان کی کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی فضیلت بیان کر کے خود کھائی اور انہیں کھلائی پانی پیا اور بچا ہوا پانی پلایا۔ تو خود کھجور کھا کے مجھے پلایا۔ اس عمل کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ملادی غرض محدثین جہاں حدیث کی روایت کرتے ہیں وہاں اس کے تعامل کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔ اس کی صفات اور کیفیات کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ حدیث کے درس میں جب رحمۃ النّیاحہ کی حدیث آئی یہ زمانۂ جاہلیت میں رسم تھی کہ جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا تو وہ وصیت کر کے مرتا تھا کہ مجھ پر چھ مہینے تک رونا۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ کوئی بڑا

آدمی مرا ہے۔ کوئی ایک برس کی کوئی دو برس تک رونے کی وصیت کرتا تھا۔

اب ظاہر بات ہے کہ برس دن رونے کے لئے کس کی آنکھ میں اتنے آنسو رکھے ہوتے ہیں، کہ ایک برس تک رویا جائے۔ اس لئے رونے والیاں کرایہ پر رکھی جاتی تھیں جو چھ مہینے برس دن تک روتی تھیں اور طریقہ ان کا یہ ہوتا تھا کہ جہاں کوئی تعزیت کرنے والا آیا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ کوئی آرہا ہے تو دوڑ کر آئیں اور حلقہ بنا کر بیٹھ گئیں۔ اور جب وہ قریب پہنچا تو انہوں نے راں راں کرنا شروع کر دیا۔ **واکلنا واجبلا** ہائے تو ایسا تھا۔ تو ویسا تھا۔ جب تعزیت کرنے والا چلا گیا تو انہوں نے بھی رونا موقوف کر دیا پھر کوئی آیا پھر شروع کر دیا تو شہرت ہوتی تھی کہ بڑا آدمی مرا ہے کہ رونا ہی نہیں تھمتا۔ تو کرایہ پر رونے والیاں رکھی جا تھیں اور وہ بیان کر کے روتی تھیں۔ ماتم کرتی تھیں۔

تو جب یہ حدیث آئی تو میرے والد صاحب نے اس راں راں کی نقل اتاری ہم لوگوں کو حیرت ہوئی کہ اس کی کیا ضرورت تھی تو والد محترم نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے بھی یوں ہی نقل اتاری تھی اور انہوں نے فرمایا تھا کہ شاہ عبدالغنی نے بھی یوں ہی نقل اتاری تھی۔ آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سند پہنچادی۔

بہرحال عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تو مشعل نور تھی کہ آپ کو سامنے رکھ کر عرش تک پہنچنے کا راستہ نظر آجاتا تھا کہ یہ حق ہے اور فلاں راستہ باطل ہے نور اور ظلمت میں امتیاز ہو جاتا تھا اور راہنما آپ کی سنتیں تھیں۔ آپ کا طریق عمل تھا جس سے آدمی حق کا راستہ پاتا تھا حج اس طرح کرتے ہیں، روزہ اس طرح، نماز اس طرح، جہاد اس طرح کرتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ، معاشرت، معیشت، صلح و امن کا یہ طریقہ ہے سب چیزیں آپ نے عملی طور پر کر کے دکھلائیں۔

عملی قرآن

تو کتاب اللہ میں جو چیزیں علمی شکل میں موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں وہ چیزیں عملی شکل میں موجود تھیں۔ اس لئے اللہ کا علمی قرآن وہ ہے جو اوراق اور کاغذوں میں موجود ہے اور عملی قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ جو قرآن میں لکھا ہوا تھا وہ آپ میں کیا ہوا موجود تھا۔ اسی واسطے صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور سیرت کیا تھی تو فرمایا

کان خلقہ القران

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دیکھنی ہے تو اول سے آخر تک قرآن پڑھتے جاؤ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تھی یعنی جو اس میں لکھا ہوا ہے وہی آپ کے اندر عملی شان سے موجود ہے۔ جو چیزیں اس میں اقوال کی شکل میں موجود ہیں۔ وہ آپ کی ذات میں احوال کی شکل میں موجود ہیں تو آپ کی سنتیں راہنما ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہ آتی تو راہنمائی ناممکن تھی۔

طریقۂ تعلیمِ خُداوندی

اس سے اندازہ ہوا کہ عمل کے لئے اور دین کی راہ قطع کرنے کے لئے محض کتاب اللہ کافی نہیں جب تک کہ شخصیت ساتھ نہ ہو۔ محض لٹریچر کافی نہیں ہے جب تک کہ کوئی شخصیت راہنمائی نہ کرے۔

یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ خیر و برکت تک تعلیم کا یہی

طریقہ اللہ نے رکھا کہ کتاب بھی بھیجی اور کتاب کے ساتھ معلم کتاب بھی بھیجے۔ آدم علیہ السلام کو صحیفے دیئے گئے تو خود ان کو بھی ساتھ بھیجا گیا۔ ادریس علیہ السلام کو پچاس صحیفے دیئے گئے تو حضرت ادریس بھی ساتھ بھیجے گئے۔ اگر صحف ابراہیم بھیجے گئے تو ابراہیم علیہ السلام بھی ساتھ بھیجے گئے۔ اگر تورات آئی تو موسیٰ علیہ السلام بھی ساتھ آئے اگر انجیل آئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ساتھ آئے۔ زبور آئی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ بھیجے گئے اور قرآن آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات آئی۔

اس لئے اگر پیغمبر نہ آئیں تو محض کتاب کے الفاظ سے آدمی مراد ربانی کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر سمجھ جاتا تو پیغمبروں کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کتاب اللہ کو بیت اللہ کی چھت پر رکھ دیا جاتا اور اعلان کر دیتے کہ اے لوگو! تم مریضان نفوس ہو اور یہ شفاء لمافی الصدور ہے۔ جاؤ اسے لے جاؤ اور اپنا اپنا علاج خود کرلو اگر اٹھا کر لوگ لے جاتے تو مرادات ربانی ان کی سمجھ میں نہ آتیں۔ جب تک پیغمبر تعلیم نہ دیتے۔

انبیاء علیہم السلام کی احتیاج

اس واسطے کہ کلام کی مراد سمجھنے کے لئے کبھی لب ولہجے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ کاغذ پر جو کلام لکھا جاتا ہے۔ تو اس میں کلام کی کیفیات کاغذ پر نہیں آتیں۔ وہ لب ولہجے اور ہیئت سے سمجھ میں آتی ہیں۔ ماحول سے سمجھ میں آتی ہیں محض کاغذ اور کاغذ کے کالے حروف سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ہماری اردو زبان کا ایک جملہ ہے "کیا بات ہے" عام طور سے بولا جاتا ہے۔ اس کے کئی معنی آتے ہیں۔ اور سارے معنوں کا تعلق لب ولہجہ سے ہے۔ اگر میں یوں کہوں کہ بھئی! کیا بات ہے؟ آپ یوں سمجھیں گے کہ میں سوال کر رہا ہوں پوچھ رہا ہوں کہ کیا بات ہے کیا واقعہ گزرا ہے؟ اور اگر میں یوں کہوں کیا بات ہے۔ اب آپ کیا سمجھے؟ اب آپ یہ سمجھے کہ میں نے بڑائی بیان کی کہ فلاں چیز کی کیا بات ہے وہ تو بہت بڑی چیز ہے اور اگر میں یوں کہوں کہ "کیا بات ہے" اب آپ کیا سمجھے؟ اب آپ یہ سمجھے کہ میں نے ایک چیز کی تحقیر کی ہے کہ نہایت ذلیل ہے کیا بات ہے اور اگر میں یوں کہوں کہ کیا بات ہے۔ اب آپ سمجھیں گے کہ میں نے تعجب کا اظہار کیا تو ایک ہی جملہ ہے اس کے معنی سوال 'تعجب' تفخیم شان اور تحقیر شان کے آئے ہیں۔ لیکن ہر معنی کا تعلق لب ولہجے سے ہے۔ کاغذ اور کالے نقوش سے نہیں۔ اب اگر آپ کسی کے سامنے کاغذ پر لکھ کر بھیج دیں کہ "کیا بات ہے" وہ مطلب سمجھے گا جو اس کے ذہن میں کیفیت ہے۔ وہ متکلم کی مراد نہیں ہوگی اس کی اپنی طبعی گھڑی ہوئی مراد ہوگی اور متکلم کے سر تھوپ دے گا حالانکہ مراد اپنی ہوگی۔

تو ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم کا ایک لب ولہجہ ہے اگر قرآن کے ساتھ بیان کرنے والے مربی نہ آتے۔ لب ولہجہ 'ماحول اور ہیئت کذائی سے نہ سمجھاتے تو قرآن کریم سے اللہ کی مرادیں سمجھنا آپ کے لئے ممکن نہ ہوتیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لب ولہجے' طریق عمل اور ہیئت کذائی سے سمجھایا۔

حدیث میں حضرت عدی بن حاتمؓ کا واقعہ فرمایا گیا، جب قرآن کریم کی یہ آیت اتری کہ :

كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

رمضان کی راتوں میں کھاؤ اور پیو۔ جب تک فجر کا سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے ممتاز نہ ہو جائے۔ تو سفید ڈورے سے مراد صبح صادق ہے جو پُو پھٹتی ہے اور ایک لمبی لکیر آسمان پر کھنچ جاتی ہے اور سیاہ ڈورے سے رات کی تاریکی مراد ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ نے ایک ڈورا تو کالا لیا اور ایک سفید اور دونوں تکئے کے نیچے رکھ لئے کھاتے پیتے رہے تکیہ اٹھایا دیکھا کہ اتنا اندھیرا ہے کہ سیاہ ڈورا سفید ڈورے سے ممتاز نہیں ہوتا۔ پھر کھاتے پیتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح صادق بھی ہوگئی پندرہ بیس منٹ اوپر گزر گئے۔ کیونکہ صبح صادق کے بعد کچھ دیر اندھیرا رہتا ہے۔ مگر چونکہ کالا ڈورا سفید ڈورے سے الگ اور نمایاں نظر نہیں آتا اس لئے کھاتے پیتے رہے۔ جب اتنا چاندنا ہو جاتا کہ دونوں ڈورے الگ الگ نظر آنے لگتے تب روزے کی نیت کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی اطلاع دی گئی۔ تو آپؐ نے عدی ابن حاتمؓ کو بلایا۔ فرمایا تم کیا عمل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت! قرآن شریف میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

تو میں نے کالا اور سفید ڈورا اپنے تکئے کے نیچے رکھ لیا ہے تاکہ دیکھتا رہوں۔

آپؐ نے فرمایا۔

ان وسادتک لعریض

تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے کہ کالا سفید دونوں ڈورے اس کے نیچے آگئے۔ بندۂ خدا کالے ڈورے سے مراد رات کی تاریکی اور سفید ڈورے سے مراد صبح صادق کی سفیدی ہے۔ تو نے روئی کے دھاگے سمجھ لئے۔ تو لغت کے لحاظ سے صحیح سمجھے۔ مگر اللہ کی مراد نہیں تھی۔ مراد سمجھانے والے پیغمبر تھے۔ اگر مراد پیغمبر نہ سمجھائیں تو کالا ڈورا اور سفید ڈورے سے وہ روزہ رکھنا شروع کرتے روزہ رکھتے رہتے کوئی ملامت اس پر نہ ہوتی۔ مگر وہ مرادِ خداوندی نہ ہو سکتی۔ غرض بعض دفعہ لغت ہوتا ہے مگر مرادِ خداوندی دوسری ہوتی ہے۔ عرفی معنی مراد ہوتے ہیں۔

تعیینِ مراد میں عُرف کا دخل

ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ "سونے پر سہاگہ" تو لغۃً تو اس کے یہ معنی ہیں کہ سونا رکھ کر سہاگہ اس کے اوپر چھڑک دو۔ لیکن مراد یہ نہیں مراد عرف عام میں یہ ہے کہ جب کسی چیز میں خیر کا مبالغہ بیان کیا کرتے ہیں۔ اس وقت کہتے ہیں کہ سونے پر سہاگہ ہو گیا۔ یعنی سونا تو اپنی ذات سے عمدہ ہی تھا اور سہاگہ لگنے کے بعد کندن بن گیا۔ یعنی اس کی خوبی بڑھ گئی ___ عرف عام اور اہل زبان میں رہ کر یہ محاورے سمجھ میں آتے ہیں پھر ان کی لطافت محسوس ہوتی ہے۔ محض ڈکشنریاں دیکھے اور اہل عرف سے قطع نظر کر دے تو وہ یہ سمجھے گا کہ سونا رکھ کر سہاگہ پیس کر اس پر چھڑک دے تو اہل عرف اس کی بات پر ہنسیں گے کہ یہ عرف کو جانتا ہی نہیں۔

ہمارے ہاں ہمارے اساتذہ میں آپ کے ضلع ہزارہ کے حضرت مولانا غلام رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اردو پوری طرح نہیں بول سکتے تھے۔ جیسے سرحد کے لوگ بول سکتے ہیں۔ ویسی ہی بولتے تھے اور مولوی مولانا کو یہ تھا کہ میں سب سے زیادہ اردو جانتا ہوں۔ تو ایک موقع پر دارالعلوم کے تمام اساتذہ جمع تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ ان کے بھائی مولانا محمد حسن صاحب وغیرہ تو مولانا محمد حسن صاحب نے کہا کہ میاں مولوی غلام رسول! چالیس برس سے تم دارالعلوم دیوبند میں مدرسی کر رہے ہو اور تمہیں اردو بولنی نہیں آئی ___ مولانا کو غصہ آگیا کہنے لگے۔ "میں اردو نہیں جانتا؟" ___ میں ہندوستانیوں سے زیادہ اردو جانتا ہوں مگر اس زبان کو لغو سمجھتا ہوں اس لئے بولتا نہیں ہوں۔

حکیم صاحب نے کہا کہ آپ ہندوستانیوں سے زیادہ سمجھتے ہیں؟

کہا کہ ہاں......

انہوں نے کہا کہ بتاؤ اس کے کیا معنی ہیں۔ ''کریلا اور نیم چڑھا؟''

اب مولانا چپ بیٹھے کہ اس کا کیا مطلب کہ کریلا اور نیم چڑھا۔

کہنے لگے کہ اس عطف (لفظ اور) نے کام خراب کر رکھا ہے ورنہ معنی ظاہر تھے حکیم صاحب نے کہا کہ چلو تم عطف نکال دو۔ ''کریلا نیم چڑھا'' اس کا مطلب بتلادو کہنے لگے اب معنی ظاہر ہیں کہ کریلا آدھا کچا آدھا پکا۔ سارا مجمع ہنس پڑا۔

اب ظاہر بات ہے کہ مولانا نے لغت کی مدد سے یہ معنی بیان کئے اہل عرف میں کبھی رہے نہیں تھے کہ اس محاورے کی حقیقت کو سمجھتے۔ کریلا لیا اردو کا نیم فارسی کا لیا چڑھا لیا ہندی کا اور تینوں چیزوں کو ملا کر ایک معنی بنادیئے تو اس معنی پر اہل عرف کو ہنسنا ہی تھا یہ معنی مراد تھوڑا ہی ہیں۔

ایسے ہی ہمارے ہاں ضلع سہارن پور میں ایک کلکٹر تھا یہ آج سے چالیس برس کی بات ہے۔ انہیں بھی یہی دعوی تھا کہ میں ہندوستانیوں سے زیادہ اچھی اردو جانتا ہوں ان کے ہاں پیش کار ہمارے دیوبند کے منشی حبیب حسن تھے بڑے عمدہ شاعر تھے۔ بڑی شستہ ان کی زبان تھی تو بعض اوقات وہ کلکٹر دعویٰ کیا کرتا کہ

ویل! پیش کار۔ ہم تم سے زیادہ بہتر اردو جانتا ہے۔

یہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے کہ یہ کمبخت اردو کیا جانے۔ اس کی مادری زبان نہیں۔ اہل عرف میں یہ نہیں رہا۔ اسے خوامخواہ یہ دعوی ہوگیا۔ اب یہ ملازمت کے ڈر کے مارے بول نہیں سکتے تھے کہ کہیں برخاست نہ کردے کہیں روٹی نہ جائے۔

ایک دن کوئی بات آپڑی تو اس کلکٹر نے میز پر جوش کے ساتھ مُکا مار کر کہا کہ ویل پیش کار! تم جاہل ہو اردو سے۔ ہم اردو جانتے ہیں۔ پیش کار کو بھی غصہ آگیا۔ انہوں نے کہا کہ میری نوکری رہے یا نہ رہے مگر مجھے اس کے دماغ سے یہ خناس نکالنا ہے۔ اس نے میز پر ایک مُکا مارا تھا انہوں نے دو مکے مارے اور کہا۔

ویل صاحب بہادر! تم جاہل مطلق ہو تم نہیں جانتا اردو کسے کہتے ہیں ہم جانتے ہیں۔

صاحب کے غصے کا پارہ چڑھ گیا آسمان پر۔ کہنے لگا تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ کہنے لگے تمہیں کیا خبر اردو کی؟

انہوں نے کہا ویل صاحب بہادر ____ !اچھا میں تمہارا امتحان لیتا ہوں۔ بتلاؤ اس کے کیا معنی ہیں؟ کہ ''صاحب بہادر سے جب میں نے یہ پوچھا تو بغلیں جھانکتے رہ گئے'' صاحب نے کہا ادھر کو جھانک لیا ادھر کو جھانک لیا۔ یہ بغلیں جھانکنا ہوگیا۔

وہ ہنس پڑے کہ یہ معنی ہیں؟ تو کہنے لگا اور کیا معنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ تو ہندوستانیوں سے زیادہ اردو جانتے ہیں۔ آپ بتایئے میں کیوں بتاؤں؟

اب وہ صاحب بہادر بیٹھ کر سوچ رہے ہیں کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ بغل ادھر کو جھانک لی بغل ادھر کو جھانک لی۔ بغلیں جھانکنے کا لفظ صادق آگیا۔

جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو کہنے لگا کہ ویل پیش کار! آپ ہمیں تین دن کا مہلت دیں ہم آپ کو ڈکشنری دیکھ کر بتائے گا۔ انہوں نے کہا کہ حضور تین دن کے بجائے آپ کو ایک ہفتہ کی مہلت ہے۔ اور ساری ڈکشنریاں دیکھ کر بتلایئے۔ تو صاحب بہادر نے ڈکشنریاں کھنگالنا شروع کیں۔ لغت کی ہر چھوٹی بڑی

کتاب دیکھ ماری۔ ان میں کہیں بھی یہ کیفیت اور ہیئت موجود نہ تھی۔ یہ محاورہ تھا۔

جب صاحب بہادر عاجز ہو گیا تین چار دن کے بعد کہا کہ وکیل پیش کار صاحب ہمیں کسی ڈکشنری میں یہ چیز نہیں ملی بغلیں جھانکنا تو لکھا ہے مگر اور کچھ نہیں نکلتا۔

انہوں نے کہا حضور قیامت تک اور کچھ نکلے گا بھی نہیں۔ پھر اس نے کہا اچھا آپ بتلائیں۔ انہوں نے کہا میں نہیں بتلاتا آپ ہندوستانیوں سے زیادہ اردو جانتے ہیں۔ کہا آپ بتلادیں۔

انہوں نے کہا توبہ کریں آئندہ میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں ہندوستانیوں سے زیادہ اچھی اردو جانتا ہوں۔ یہ صاحب بہادر پر بڑا شاق گذرا۔ مگر جہالت کا اقرار کر چکے تھے تو مجبوراً انہیں کہنا پڑا کہ اچھا اب ہم نہیں کہیں گے۔ تب انہوں نے بتلایا کہ بغلیں جھانکنا لغۃً اس کے معنی یہی ہیں کے بغل میں ادھر کو جھانک لیا ادھر کو جھانک لیا مگر عرف میں اس کے معنی یہ ہیں کہ بغلیں جھانکنا یہ تحیر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جب آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ بغلیں جھانکتا رہ گیا۔ اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ کوئی جواب نہ بن پڑا تو یہ حیرت سے کنایہ ہے۔

ہر زبان میں یہ چیز ہوتی ہے کہ ایک لغوی معنی ہوتے ہیں۔ ایک اصطلاحی اور ایک عرفی معنی ہوتے ہیں۔ فارسی کا محاورہ ہے کہ "فلاں شخص آب در...... کرو۔ فلاں شخص ٹوکری میں پانی ڈال رہا ہے۔

تو ٹوکری میں پانی ڈالنے کا لغوی مطلب تو یہ ہے کہ آدمی ٹوکری نیچے رکھ کر اوپر سے گھڑا اونڈادے۔ مگر مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص بے نتیجہ اور فعل عبث کرتا ہے تو کہا کرتے ہیں فلاں شخص ٹوکری میں پانی ڈال رہا ہے نتیجہ کچھ نہیں۔ ہزاروں گھڑے ڈال دے گا۔ پانی بہہ جائے گا۔

غرض جب کوئی آدمی عبث کام کر رہا ہو جو بے نتیجہ ہو تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں ٹوکرے میں پانی ڈال رہا ہے۔

تو جو لوگ فارسی دانوں کے عرف میں نہ رہے ہوں۔ اہل عرف کی صحبت نہ اٹھائے ہوئے ہوں۔ وہ لغت کی مدد سے ایسے ہی معنی بیان کریں گے کہ اہل عرف ان کے معنی اور حماقت و جہالت پر ہنس پڑیں گے یہی شان قرآن و حدیث کی بھی ہے کہ ان کا بھی ایک عرف ہے قرآن فقط لغت پر نہیں اترا۔ اس کی کچھ اصطلاحیں ہیں۔ کچھ محاورات ہیں۔ ادا کا کچھ لب ولہجہ ہے وہ اس لب و لہجہ اس ماحول اور طرز ادا ہی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ تبھی اس کی مرادیں متعین ہو سکتی ہیں۔

اس لئے اگر کوئی شخص قرآن دانوں کے عرف کو ہی نہیں جانتا ہو قرآن والوں کے عرف میں نہ رہا ہو وہ کبھی بھی مراد ربانی کو نہیں سمجھ سکتا وہ لغت کی مدد سے مراد خداوندی کو حل کرنے کی کوشش کرے گا۔ تو قرآن کریم کا لغت کی مدد سے حل کرنا کافی نہیں ہے۔ یہ کافی نہیں کہ آپ نے (عربی ادب کی کتاب) مقامات حریری یا اردو ادب کی کتابیں پڑھ لیں۔

مرادِ قرآنی کی تعیین میں سنّت کا مقام

نیز یہ تو قابلیت کی بات ہے۔ اور یہ تو تعجب بالائے تعجب ہے کہ اردو کے ترجمے دیکھ کر آپ مفسّر بن گئے۔ اس سے قرآن حل نہیں ہوتا جب تک مرادات ربّانی پوری طرح سمجھ میں نہ آئیں۔ اور وہ جب سمجھ میں آئیں گی جب پیغمبر کے اقوال و افعال اس کے ساتھ ملائے جائیں جن سے قرآن کریم کی تفسیر اور تطبیق ہوتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خوارج کے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا کہ

ان سے بحث و مناظرہ کرو اور ان کو حق سمجھاؤ ___ ابن عباس رضی اللہ عنہ تیار ہوئے ___ تو ابن عباسؓ سے فرمایا دیکھو خوارج کے سامنے مجمع میں قرآن سے کوئی دلیل نہ پیش کرنا بلکہ سنّت سے دلیل پیش کرنا۔

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! قرآن حکیم کا علم تو میرا موضوع ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے مجھے قرآن فہمی کی دعا دی ہے تو میں عالم قرآن ہوں۔ تو جو میرا مضمون اور موضوع ہے اسی سے آپ روک رہے ہیں کہ میں اس سے استدلال نہ کروں اس کی کیا مصلحت ہے۔

فرمایا کہ قرآن کریم کی آیتیں ذی وجوہ ہیں۔ اصولی جملے ہیں۔ کئی کئی معنی پر ڈھل سکتے ہیں۔ تم اگر عوام کے سامنے ایک آیت پڑھ کر اس کا مطلب بیان کرو گے۔ مخالف اس آیت کے عموم سے فائدہ اٹھا کر اسی کے دوسرے معنی بیان کردے گا۔ عوام یوں کہیں گے کہ یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں۔ یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں۔ حق و باطل واضح نہیں ہوگا ___ لیکن جب سنّت رسول سے دلیل پکڑو گے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور عمل مشخص ہے اس میں دوسری چیز کی گنجائش نہیں ہوگی۔ تو قرآن کریم کے معنی متعین ہو جائیں گے۔ دو رنگی نہیں رہے گی دو معنی لینے کی گنجائش نہیں رہے گی اور حق واضح ہو جائے گا عوام سمجھیں گے کہ یہ حق ہے۔

اس لئے جب تک قرآن کے ساتھ سنّت کو نہ ملایا جائے قرآن کی مراد مشخص نہیں ہو سکتی معنی متعین نہیں ہو سکتے ___ اس کے بغیر اگر مراد متعین کریں گے تو وہ آپ کی اپنی مراد ہوگی جو آپ قرآن کے سر تھوپ دیں گے۔

تو یہ تلبیس ہوگی یا نفاق ہوگا کہ لفظ قرآن کے لئے معنی اپنا ڈال دیئے ___ حالانکہ دنیا میں کسی کے کلام کا بھی مطلب بیان کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے۔ جب تک وہ صاحب کلام خود نہ کہے کہ یہ میرا مطلب ہے ___ تو ظاہر بات ہے کہ مراد ربّانی کی تعیین اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک حق تعالیٰ شانہٗ اپنی طرف سے کسی کو نہ بھیجیں کہ جا کر میری مراد بتلادو۔

اسی واسطے قرآن کریم کی دو شانیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جب آپ پر قرآنی آیات کی وحی ہوتی تھی تو ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ اس کو رٹنا شروع کردیتے تھے کہ کہیں بھول نہ جاؤں۔ میرے ذہن میں آیت جم جائے ___ حق تعالیٰ شانہ نے حکم فرمایا :

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ

"اے پیغمبر! اپنی زبان کو حرکت مت دیں۔ جلدی مت کریں"۔

اس خیال سے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں۔ یہ لفظ میرے سینے میں جمع ہو جائیں۔ اس لئے فرمایا۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ

"ہمارے ذمہ ہے اس کا تمہارے سینہ میں جمع کردینا اور تمہاری زبان سے اس کا پڑھوا دینا تو حق تعالیٰ نے ذمہ لیا"۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ

"جب ہم (بواسطہ فرشتہ) کلام کرنے لگیں۔ تو اس کا اتباع کرو۔ سنتے رہو"۔

یہ پہلا حکم تھا جو قرآن کے بارے میں آپؐ کے لئے فرمایا گیا۔

ظاہر بات ہے کہ جمع کردینے اور پڑھوا دینے کا تعلق الفاظ سے ہوتا ہے۔ معنی نہ جمع کئے جاتے ہیں نہ پڑھوائے جاتے ہیں۔

اب آگے معنی کی بات رہ جاتی ہے تو معنی کی صورت یہ نہیں تھی ___ یہ آپ نے کسی روایت میں کسی جگہ نہیں دیکھا ہوگا کہ قرآن کریم کی جب آیت اترتی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر سوچتے ہوں کہ اس کے ایک معنی یہ ہوسکتے ہیں، ایک یہ ایک یہ، یہ معنی ذرا زمانے کے زیادہ مناسب ہیں۔ لاؤ یہ اختیار کرلو۔ اس لئے کہ اگر خدانخواستہ یہ ہوتا تو یہ اپنی اختراع ہوتی متکلم کی مراد نہ ہوتی تو حق تعالیٰ شانہ نے جیسے لفظوں میں پابند کیا' آگے معانی میں بھی پابند کیا۔ فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

"پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کردینا کہ مطلب کیا ہے مراد کیا ہے"۔

تو بیان کا تعلق لفظوں سے نہیں ہوتا۔ معانی سے ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے الفاظ کے بارے میں بھی امین تھے۔ اپنی طرف سے الفاظ کا اختراع نہیں فرماتے تھے۔ اور معانی کے بارے میں بھی امین تھے۔ جو آپ کے قلب مبارک میں اللہ نے ڈالا وہی معنی آپ نے سمجھے اپنی عقل سے یا سوچ بچار سے معنی متعین نہیں کئے۔ تو نبی کو وحی میں آزاد نہیں کیا گیا کہ جو چاہو تم معنی متعین کرو۔ اس معنی کے پابند ہیں جو نازل کئے جائیں۔ جیسے تم لفظوں میں پابند ہو۔

جب اللہ کا رسول امین ہے اور آزاد نہیں ہے۔ کہ الفاظ و معانی میں ایک شوشہ گھٹا بڑھا سکے تو میں اور آپ کیسے آزاد ہوجائیں گے؟ کہ جو ہمارا جی چاہے ہم سمجھ لیں ہم اِنہیں معنی کے پابند ہیں جو اللہ کے رسول نے سمجھے اور آپ کو سمجھائے گئے ___ قرآن خود دعویٰ کرتا ہے کہ تم اِنہیں معنی کے اندر مقیّد ہو۔ اب وہ معنی اور بیان رسول کہاں ہے؟ اسی بیان رسولؐ کو حدیث کہتے ہیں۔ اور اسی کو سنّت کہتے ہیں۔ کسی چیز کا بیان قول سے کیا کسی چیز کا عمل سے کیا اور کسی چیز کا تقریر سے کیا کہ عمل دوسرے کا تھا۔ آپؐ نے سکوت فرمایا۔ یہ بیان تقریری کہلاتا ہے۔ ایک بیان قولی ہے اور ایک بیان فعلی ہے۔ ان تینوں بیانوں کے مجموعے کا نام سنت ہے۔

تفکّر فی القرآن

اسی واسطے ایک جگہ فرمایا گیا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

"اے پیغمبر! ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف نازل کیا تاکہ تم کھول کھول کر اس کو بیان کردو۔ اور شاید کہ لوگ اس میں تفکر کریں"۔

تو تفکر کا درجہ بیان کے بعد رکھا کہ بیان دے دو تاکہ مراد واضح ہو۔ اس مراد کے اندر رہ کر لوگ غور و فکر کریں تاکہ حقائق و معارف اور علوم لوگوں پر کھل جائیں۔

اس واسطے کہ علوم و معارف اللہ کی مراد میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہماری اختراع میں علوم اور معارف نہیں ہیں تو پہلے بیان اور مراد سامنے آئے تو اس میں غور کریں گے تو حقائق علمی کھلیں گے ___ اور اگر اللہ کی مراد ہی سامنے نہ ہو تو پھر ہم کس چیز میں غور کریں گے؟ پھر جو غور ہوگا وہ محض ہمارا ذاتی تخیّل ہوگا۔ اس تخیّل کو ہم قرآن کریم کے سر تھوپ دیں گے۔ حالانکہ قرآن اس سے بری ہوگا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مُبیّن بن کر تشریف لائے کیونکہ قرآن کریم کی مرادات بغیر مُبیّن کے سمجھ میں نہیں آتیں۔

جمع حدیث کی تکوینی تدبیر

اسی واسطے حضرات محدثین نے حدیث کی جمع و تنقیح اور تشریح کی طرف پوری پوری توجہات منعطف کیں اور حق تعالیٰ شانہ نے انہیں محیّر العقول حافظے دیئے۔ ان کے حافظوں میں کئی کئی لاکھ حدیثیں جمع ہوتی تھیں۔ عظیم الشان مجالس میں بیٹھ کر حدیث کا املا کیا جاتا تھا اور ایک ایک محدّث اٹھتا تھا۔ اس کے سینے میں دو دو تین تین لاکھ احادیث مع متن اور سند کے جمع ہیں۔ حق تعالیٰ کو یہ چیزیں حافظوں میں محفوظ کرانی تھیں تو محیّر العقول حافظے دیدیئے۔

امام ترمذیؒ کے شیخ حجاز کا سفر کر رہے تھے۔ جہاز میں بیٹھے تھے اس زمانے میں بادبانی جہاز ہوتے تھے۔ ہوا موافق ہوئی چل پڑے۔ مخالف ہوئی لنگر ڈال دیا تو چھ چھ مہینے میں جا کر جدہ کے ساحل پر اترتے تھے برس اور دو برس حج کرنے میں لگتے تھے تو امام ترمذی کے شیخ جہاز پر سوار ہوئے۔ ترمذی اور بہت سے تلامذہ بھی ساتھ سوار ہوگئے۔ جہاز میں مدت کافی لگتی تھی۔ اس لئے یہ ارادہ کیا کہ شیخ سے عرض کریں کہ آپ احادیث کا املا کرائیں ہمارا یہ وقت احادیث کے سننے اور لکھنے میں کٹے۔

امام ترمذی کے استاد نے اس کو مان لیا اور کہا کہ کل سے ایک وقت مقرر کرلو تاکہ میں حدیثیں املا کراؤں۔

اما ترمذی کے پاس نہ کاغذ تھا نہ قلم دوات۔ اب انہوں نے سوچا کہ اگر میں مجلس میں بلا کاغذ اور قلم دوات کے گیا تو مجھے اٹھا دیا جائے گا۔ یہ بابِ حدیث اور بابِ املا کے خلاف ہے۔ اس لئے سب سے پیچھے بیٹھ گئے اور اپنا ایک گھٹنہ کھڑا کر کے اپنا ہاتھ سامنے رکھتے اور دوسرے ہاتھ کو حرکت دیتے رہتے تاکہ شیخ یوں سمجھیں کہ لکھ رہے ہیں۔ اور مجلس سے نہ اٹھائے جائیں۔ تیس چالیس روز اسی طرح گزر گئے اور ہر دن میں دس دس ' بیس بیس حدیثیں روایت ہوتی تھیں۔ ایک روز شیخ نے گردن اٹھائی۔ دیکھا کہ نہ کاغذ نہ قلم ___ فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ کاغذ ہے؟ عرض کیا نہیں ہے۔ فرمایا قلم ہے؟ عرض کیا نہیں۔ پھر یہ کیا حرکت ہے؟ عرض کیا میں اس لئے ایسا کرتا تھا کہ آپ یہ سمجھیں گے کہ اس کے پاس کاغذ قلم نہیں ہے۔ اس لئے مجلس سے اٹھادیں گے تو میں اپنے کو بصورتِ کاتب نمایاں کرتا تھا کہ میں بھی لکھ رہا ہوں۔

شیخ کو غصہ آیا فرمایا تم نے میری محنت اکارت کردی۔ تم درس میں مت بیٹھو۔ انہوں نے عرض کیا حضرت! محنت اکارت نہیں ہوئی۔ مجھے بحمد اللہ وہ ساری روایتیں حفظ یاد ہیں۔ اب ان کو ترتیب وار پڑھنا شروع کیا کہ پہلی تاریخ میں آپ نے یہ حدیثیں مع اس سند کے بیان کیں۔ دوسری تاریخ میں یہ بیان کیں۔ اور یہ ان کی سند ہے۔ تیسرے دن آپ نے یہ حدیثیں بیان کیں اور ان کی سند یہ ہے اتنے روز میں جتنی روایتیں املا کرائی تھیں وہ ساری امام ترمذی نے سنادیں۔ تو شیخ نے ان کے حافظے پر اعتماد فرمایا اور اجازت دے دی کہ تم میرے درس میں بیٹھ سکتے ہو ___ تو یہ محیّر العقول حافظہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟

امام ابوداؤدؒ کے بیٹے نے جو خود بھی محدّث تھے بغداد کا سفر کیا۔ تو بغداد کی جامع مسجد میں جب معلوم ہوا کہ امام ابوداؤد کے بیٹے آئے ہیں اور وہ خود بھی محدّث ہیں۔ سارے عوام جھک پڑے۔ لاکھوں آدمی جمع ہوگئے کہ کچھ حدیثیں تبرکاً سنی جائیں۔

بعض علماء نے عرض کیا کہ آپ بحمد اللہ یہاں تشریف لائے ہیں۔ اللہ نے آپ کو محدّث بنایا ہے۔ کچھ حدیثیں آپ سنادیں اور املا کرادیں۔ فرمایا کہ :

''میں بیاض ساتھ نہیں لایا جس میں حدیثیں لکھی ہوئی ہیں''۔

اس کو بہت حقارت کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ ایک محدّث یوں کہے کہ میں اپنی یادداشت ساتھ نہیں لایا۔ وہ محدّث کیا ہوا جس کا حافظہ اتنا کمزور ہو۔

تو بعض نے کچھ طعن کا لفظ کہا جو ابن ابی داؤد کے کان میں پڑ گیا۔ اس میں غیرت جو آئی تو فوراً منبر پر بیٹھ گئے اور ابوداؤد کی حدیثیں سنانا شروع کیں تو ایک دو تین دن میں پوری ابوداؤد مع سند اور متن کے اپنی یادداشت سے سنادی ایک دو مقام کے سوا کہیں فروگزاشت نہیں ہوئی ___ پھر لوگوں نے مان لیا کہ واقعی یہ محدّث ہیں۔

بہرحال حق تعالیٰ کو اپنے پیغمبرؐ کا کلام جمع کرانا تھا تو محیّر العقول حافظے پیدا کر دیئے۔

دورِ جدید میں روایتِ حدیث کا طریق

جب ساری حدیثیں سینوں سے نکل کر سفینوں میں جمع ہوگئیں۔ اسی نسبت سے حافظے کم ہونا شروع ہوگئے اس لئے کہ حاجت باقی نہیں رہی آج ہم اس درجے پر پہنچ گئے ہیں کہ اگر نوٹ بک جیب میں نہ رکھیں تو صبح کی بات شام کو نہیں یاد رہ سکتی۔ کاغذ دیکھ دیکھ کر اپنے افعال کو انجام دیتے ہیں۔

میرا جو یہاں آکر حشر ہوا۔ وہ یہ کہ جلسوں کی کچھ تاریخیں متعین ہوئیں۔ یہاں دعوت چائے کی۔ یہاں کھانے کی۔ یہاں تقریر یہاں مذاکرہ۔ وہ پندرہ دن کا پروگرام لکھا گیا۔ اب وہ نامۂ اعمال میری جیب میں پڑا ہوا ہے اور بحمد اللہ ہے دائیں جانب۔ بائیں جانب نہیں ہے۔ روز صبح کی نماز پڑھ کر میں دیکھتا ہوں کہ آج کہاں تقریر ہے۔ آج کہاں جانا ہے۔ تو حافظوں کی یہ حالت ہے کہ پندرہ دن تو پندرہ دن صبح کی بات شام کو یاد نہیں رہتی۔ آج اگر کوئی یوں کہنے لگے کہ میں امام بخاری ہوں، امام مسلم ہوں یا امام ابوداؤد ہوں۔ تو یہ مضحکہ خیز بات ہوگی۔ جن لوگوں کے حافظوں میں اللہ کو حدیث کو جمع کرانا تھا انہیں ایسے حافظے دے دیئے۔ جب کتابوں میں روایت آگئی اب محدّث کے معنی فقط یہ ہیں کہ روایت کا حوالہ دے دے کہ یہ روایت بخاری میں ہے۔ یہ مسلم میں ہے۔ یہ ترمذی میں ہے۔ اول سے لے کر اخیر تک پوری سند پڑھنا اور رجال کی تنقیح کی حاجت باقی نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ کام سب محدّثین کر چکے ہیں۔ پکی پکائی ہمارے سامنے آگئی ہے۔ یہ نہایت ناقدری ہوگی کہ ہم دعویٰ کریں کہ ہم بھی بخاری ہوگئے۔ صبح کی بات تو شام کو یاد نہیں رہتی اور بخاری بننے کا دعویٰ ہے۔

یہ قدرتی چیز ہے کہ جب کسی قوت سے کام لینے کی ضرورت باقی نہ رہے اسی نسبت سے وہ قوت گھٹنی شروع ہو جاتی ہے تو حافظہ گھٹتے گھٹتے اس نوبت پہ آگیا۔

اجتہادی قوّت کا فقدان

اور میں کہتا ہوں کہ یہی صورت درایت اور تفقہ کے اندر بھی ہے۔ اجتہاد جس کو کہتے ہیں ___ جب قرآن اور حدیث کتابوں کے اندر جمع ہوگیا اور حافظوں سے نکل کر سفینوں میں آگیا۔ تو مسائل نکالنے کی طاقت جس کو اجتہادی قوت کہتے ہیں۔ اللہ نے ائمہ کے اندر اعجازی طور پر پیدا کی کہ ایک رات میں ایک آیت سے ایک ایک سو مسئلے نکالے ہیں اور فقہ کو مرتب کر دیا۔

وہ استنباطی و اجتہادی مسائل جب سینوں سے نکل کر سفینوں میں جمع ہو گئے۔ اور کتابوں میں آ گئے۔ تو اسی نسبت سے اجتہاد گھٹنا شروع ہوا۔ گھٹتے گھٹتے اس حد تک پہنچ گیا کہ ایک شخص عالم بنتا ہے مگر بعض دفعہ الٹی سمجھ جاتا ہے۔ کہتے کچھ ہیں۔ سمجھتا کچھ ہے تو فہم بھی ہمارے خراب اور ختم ہو گئے۔ الٹی بات سمجھتے ہیں ___ ایک روایت یہاں سے نقل ہوئی ہے چلتے چلتے چند زبانوں کے بعد وہاں پہنچ کر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے اور پروپیگنڈہ بن جاتا ہے۔ اصلیت کا پتہ نہیں ہوتا۔ تو اسی نسبت سے اجتہادی قوت بھی ختم ہو گئی۔ اس لئے آج اگر کوئی ابو حنیفہؒ یا شافعیؒ ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ مضحکہ خیز دعویٰ ہوگا۔ اس لئے کہ اس قوت کے باقی رہنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ کام اپنا پورا کر گئی۔ تو حافظے بھی ختم ہو گئے۔ اجتہادی قوتیں بھی اسی نسبت سے ختم ہو گئیں۔ اس لئے جس طرح روایت میں ہمارا بڑا درجہ یہ ہے کہ ہم کتاب کا حوالہ دے دیں۔ استنباطی مسائل میں بڑا فقیہ وہ ہے جو کتاب کا حوالہ دے دے کہ یہ فلاں کتاب میں ہے۔

بہرحال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے مبیّن بنا کر بھیجا۔ تاکہ آپ اللہ کی آیتوں کو بیان کر دیں کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے اس کی مراد یہ ہے جیسا کہ عدی ابن حاتمؓ کو آپ نے سمجھا دیا۔ ورنہ عدی ابن حاتمؓ تو روئی کے ڈورے لے کر بیٹھ گئے تھے۔ آپؐ نے آیت کی مراد کا بیان کیا کہ روئی کا تاگہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ صبح کی سفیدی اور رات کی تاریکی مراد ہے۔ تو اس طرح آپؐ نے بیان کر کے آیت کی مراد کو کھول دیا۔ اگر پیغمبر کی ذات نہ آتی۔ فقط قرآن کریم سامنے آتا تو یہ مرادات نہ کھل سکتیں۔ ہم اپنے ذہن سے سمجھتے جو بھی ہمارے ذہن میں آتا۔

تزکیۂ قلب

پھر اگر ذہن تربیت یافتہ نہ ہو۔ مزکّٰی نہ ہو۔ صاف نہ ہو۔ اخلاقی قوتیں اس میں نہ ہوں۔ ایسے میں اگر وہ غور کرے تو اوندھا ہی سمجھے گا اور اپنے مذاق کے مطابق سمجھے گا۔ اس لئے جہاں اس کی ضرورت تھی کہ شخصیت آکر مرادیں سمجھائے وہاں اس کی بھی ضرورت تھی کہ مخلوق کا ذہن بھی بنائیں۔ ذہنیت بھی درست کرے ___ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں مراد کا بیان کیا۔ وہاں لوگوں کے نفوس کا تزکیہ بھی کیا۔ ان کا ذہن بھی بنایا۔

اگر کوئی شخص مشرکانہ ذہنیت لے کر قرآن کو دیکھے تو یوں معلوم ہوگا کہ ہر آیت سے شرک ہی نکل رہا ہے۔ اگر نصرانی ذہنیت سے سوچے تو یوں معلوم ہوگا کہ ہر آیت میں عیسائیت بھری پڑی ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم تو ایک مرد سخی کی مانند ہے۔ دوست اس سے کما لے دشمن کما لے۔ وہ تو ذی وجوہ اصولی اور کلی جملے ہیں۔ ہیر پھیر کر آدمی اپنا مطلب نکال سکتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی یہودیانہ ذہنیت سے دیکھے تو یوں معلوم ہوگا کہ قرآن میں یہودیت بھری پڑی ہے۔ لیکن اگر کوئی موحدانہ ذہنیت لے کر جائے گا تو آیت آیت سے توحید نکلے گی اس لئے جہاں مراد سمجھانے کی ضرورت تھی وہاں ذہن کو بنانے کی بھی ضرورت تھی۔ تو آپؐ نے نفوس کا تزکیہ بھی کیا۔ ریاضت اور مجاہدات بھی اپنے صحابہؓ کو کرائے۔ توجہ الی اللہ کی مشق بھی کرائی انابت الی اللہ، رجوع الی اللہ اور تعلق مع اللہ کے مجاہدے بھی کرائے۔ تاکہ اللہ سے ربط صحیح ہو۔ ذہن میں استقامت پیدا ہو جائے۔ ذہن سے زیغ اور کجی نکل جائے۔ جب ذہن میں استقامت آ گئی تو جو آیت پڑھی جائے گی۔ یا معنی بیان کئے جائیں گے وہ آدمی صحیح سمجھے گا۔ غلط سمجھنے کی صورت باقی نہیں رہے گی تو ذہن میں استقامت پیدا کرنا یہ ایک مستقل موضوع اور

مقصد نبی کے آنے کا ہے۔

اسی واسطے قرآن کریم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فریضے بیان کئے گئے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اللہ کی ذات وہ ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا۔ کیسا رسول؟ خود بھی امیؐ ہے لکھنے پڑھنے کی خبر نہیں مگر علوم وہ بیان کئے جن سے لوگوں کو عاجز کردیا۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانہ چند ملت بشست

بہرحال رسول بھیجا اس کا کیا کام ہے۔ اس کے کیا فرائض ہیں؟

لوگوں کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ یعنی اللہ نے جو الفاظ اتارے ہیں۔ وہ امانت اور دیانت کے ساتھ پورے الفاظ پہنچادیتے ہیں۔ نیز تعلیم بھی دیتا ہے۔ تعلیم بیان مطالب کو کہتے ہیں یعنی ان کے معانی بھی سمجھاتے ہیں یہ نہیں کہ فقط الفاظ لوگوں کے سامنے رکھ دے اور یوں کہہ دیں کہ جو تمہارا جی چاہے اس کے معنی سمجھ لیں۔ اس لئے کہ تعلیم کہتے ہی اسے ہیں کہ الفاظ کے اندرونی حقائق اور معانی کو سامنے رکھا جائے۔ تو کتاب کی تعلیم معانی و مطالب کے ساتھ دیتے ہیں۔

اور آگے فرمایا۔ حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ حکمت نظری اور حکمت عملی۔ حکمت نظری تو علمی چیزیں ہوتی ہیں۔ وہ تعلیم میں آگئی۔ اس لئے متعین ہوگیا کہ حکمت سے مراد حکمت عملی ہے۔ یعنی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔ معانی بھی سمجھاتے ہیں۔ پھر کر کے دکھلاتے بھی ہیں تاکہ نمونہ عمل بھی سامنے آجائے۔ جس کے معنی اسوۂ حسنہ کے ہیں تو عمل کی ہیئت بھی سامنے پیش کردیئے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے آیت کے معنی متعین ہو جائیں۔

آدمی میں یہ سب چیزیں ہوں مگر اس کے ساتھ ایک چوتھی چیز کی ضرورت تھی وہ یزکیھم ہے ان کے دلوں کو مانجھتے تھے ان میں سے زیغ اور کجی بھی نکالتے تھے کسی کی یہودیانہ ذہنیت تھی تو یہود سے مسلم بنا، کسی کی نصرانی ذہنیت تھی تو نصرانیت سے مسلم بنا، کسی کی مشرکانہ ذہنیت تھی تو شرک سے اسلام کی طرف آیا۔ غرض وہ پچھلے اثرات زائل کر کے قلب کو پاک کردیا۔ اس کے لئے ریاضت اور مجاہدے کی ضرورت پڑتی ہے تو آپ جہاں حلال و حرام کا بیان کرتے تھے وہاں پاک صاف قلوب کی دیکھ بھال بھی فرماتے تھے۔

عمل کی نگرانی

راتوں کو اٹھ کر اپنے صحابہؓ کی نگرانی فرماتے تھے کہ عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر رہے ہیں تو کیسا عمل کر رہے ہیں۔

ایک دفعہ آپؐ تشریف لے گئے تو صدیق اکبرؓ کے مکان سے گزرے تو دیکھا کہ صدیق اکبرؓ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ مگر اتنی آہستہ کہ کان لگا کر سنو تو آواز آتی ہے۔ ورنہ آواز نہیں آتی۔ آگے حضرت عمرؓ کے مکان کی طرف بڑھے تو اس زور سے قرآن پڑھ رہے تھے کہ محلہ گونج رہا تھا ___ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دونوں حضرات جمع ہوئے ___ آپؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ! تم اتنے آہستہ کیوں پڑھ

رہے تھے کہ کان لگا کے سنا جائے۔ تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس کو سنا رہا تھا جو نہ بہرہ ہے نہ مجھ سے غائب ہے۔ یعنی اللہ کو سنا رہا تھا۔ تو مجھے زیادہ چلانے کی ضرورت کیا تھی ___ پھر فاروق اعظمؓ سے پوچھا کہ تم اتنے زور زور سے کیوں پڑھ رہے تھے؟ تو عرض کیا کہ :

اوقظ الوسنان واطرد الشیطٰن

سوتوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ اس لئے زور زور سے پڑھ رہا تھا۔ ان کی شان ہی **اشدھم فی امر اللہ عمر** ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو بکر! تم ذرا آواز کو اونچا کر دو۔ اور اے فاروق! تم ذرا آواز کو نیچا کر دو تاکہ اعتدال پیدا ہو جائے۔

یہ کوئی حلال و حرام یا جائز و ناجائز کا مسئلہ نہیں تھا۔ یہ عمل کی نگرانی تھی۔ طرزِ عمل سکھلانا تھا۔ تاکہ استقامت اور اعتدال پیدا ہو جائے۔

قلوب کا علاج

حدیث میں ہے کہ بعض لوگوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں وسوسے بہت آتے ہیں۔ فرمایا کیا وسوسے آتے ہیں؟ عرض کیا سوالات کا ایک سلسلہ ہمارے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین کس نے بنائی؟ دل سے جواب نکلتا ہے اللہ نے بنائی۔ آسمان کس نے بنایا؟ دل سے جواب نکلتا ہے کہ اللہ نے۔ چاند سورج کو کس نے بنایا؟ جواب ملتا ہے کہ اللہ نے ان سوالوں کے بعد ذہن میں ایک کلیہ جمع ہوتا ہے کہ ہر بنی ہوئی چیز کے لئے کسی بنانے والے کی ضرورت ہے۔ ہر موجود کے لئے کسی موجد کی ضرورت ہے تو سوال ہمارے دل میں آتا ہے کہ اللہ میاں بھی تو موجود ہیں تو ان کے بنانے والا اور پیدا کرنے والا کون ہے؟

جب یہ سوال آگیا تو ہمارا ایمان کہاں باقی رہا؟ جب اللہ کی نسبت یہ خیال آئے کہ اس کا بنانے والا کون ہے؟ تو ایمان کہاں باقی رہا؟ اور جب ایمان نہ رہا تو عمل میں تو ایمان سے طاقت آتی ہے تو ترقی عمل رک گئی۔ عمل معطل ہو گیا۔ وسوسہ کا اثر یہی پڑتا ہے کہ آدمی عمل سے معطل ہو جاتا ہے گویا عملی زندگی اور عملی ترقی رک گئی۔

سبحان اللہ! آپؐ نے اس وسوسہ کو دفع فرمایا۔ اور کس حکیمانہ طریق سے اس وسوسہ اور شبہ کو زائل فرمایا۔

فرمایا۔ یہ جو تمہیں شبہات ہوتے ہیں سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں تم انہیں برا سمجھتے ہو یا اچھا؟

عرض کیا یا رسول اللہ اتنا برا جانتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا ہے لیکن یہ وسوسہ گوارا نہیں ہے۔

فرمایا :

ذٰلک صریح الایمان

فرمایا یہی تو ایمان کی علامت ہے ___ یہ ایمان ہی تو ہے جو اس وسوسے کو برا سمجھوا رہا ہے۔ اگر اندر ایمان نہ ہوتو آدمی وسوسے کو برا نہ سمجھے ڈرے کیوں؟ یہ ایمان ہی ڈر پیدا کر رہا ہے۔

جیسے آنکھ کھل جاتی ہے۔ بیدار ہو گئے سمجھ یوں رہے تھے کہ ایمان باقی نہیں رہا واضح ہوا کہ ایمان تو موجود ہے وہ جو عمل کی ترقی رک گئی تھی۔ وہ پھر جاری ہو گئی۔

اب یہ کوئی جائز و ناجائز کا مسئلہ نہیں نہ حلال و حرام کا مسئلہ تھا۔ یہ قلب کی تربیّت کا مسئلہ تھا دل کی کلیں

درست کرنی تھیں۔ دل کا رخ صحیح کرنا تھا کہ ادھر کو چلو ادھر کو نہ چلو۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جا رہے تھے۔ صدیق اکبرؓ سے ملاقات ہوئی۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا اے حنظلہ کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ نافق حنظلہ حنظلہ تو منافق ہو چکا ہے۔ اس میں ایمان باقی نہیں ہے۔ فرمایا وما ذاک؟ یہ کیا بات کہی؟ فرمایا بات یہ ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہتے ہیں تو جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے رہتی ہے اور جب گھر آتے ہیں اور بال بچوں میں لگتے ہیں تو وہ چیز باقی نہیں رہتی۔ معلوم ہوا کہ ہم میں منہ دیکھے کا ایمان ہے، حقیقی ایمان نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جاتے ہیں ایمان آجاتا ہے گھر آتے ہیں ایمان نکل جاتا ہے۔ یہی معنی نفاق کے ہیں ___ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ بات تو میرے اندر بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہوتا ہوں تو عرش و کرسی کا گویا مشاہدہ کرتا ہوں اور گھر میں یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ یہ تو میرا بھی حال ہے اور جب یہ حال تیرا بھی اور میرا بھی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی دل کا روگ ہے۔ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس کا علاج کرائیں تو دونوں کے دونوں حاضر ہوئے اور صدیق اکبرؓ نے سارا واقعہ سنایا کہ حنظلہ ملے۔ میں نے ان سے حال پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھ میں تو نفاق آگیا۔ پھر میں نے کہا کہ یہ حال تو میرا بھی ہے ___ یا رسول اللہ ہم میں تو نفاق ہے ایمان کہاں ہے ہمارے اندر؟ یہ تو منہ دیکھے کا ایمان

___ فرمایا:

یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ

فرمایا اے حنظلہ! گھبرانے کی بات نہیں ساعۃ و ساعۃ یہی ہوتا ہے کہ کبھی حضور کی کیفیت کبھی غیبوبت کی کیفیت کبھی غیبوبت کبھی حضور۔

اور اس کو آپؐ نے ایک مثال سے سمجھایا۔

فرمایا دیکھو سمندر ہے سمندر میں بعض دفعہ تو جزر و مد ہوتا ہے۔ طوفانوں کا زمانہ ہوتا ہے موجیں اٹھتی ہیں۔ جیسے مئی، جون اور جولائی کے مہینے ہیں۔ پھر اکتوبر، نومبر، دسمبر میں آکر سمندر ساکن بن جاتا ہے۔ جب موجیں اٹھتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ سمندر دوگنا تگنا ہو گیا۔ بلکہ چوگنا ہو گیا گویا اس کا پانی بہت بڑھ گیا۔ اور جب ساکن ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پانی گھٹ گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موجوں میں پانی بڑھتا ہے نہ سکون میں گھٹتا ہے۔ جب پانی میں جوش ہوتا ہے تو تموج کی وجہ سے نظروں میں ہے کہ پانی چوگنا بن گیا۔ سکون کے وقت وہ بات نہیں رہتی ___ فرمایا۔

> ”اسی طرح سے جب تم میری مجلس میں آتے ہو تو ایمان کے سمندر میں جوش پیدا ہوتا ہے وہ چوگنا نظر آتا ہے۔ جب گھروں میں جاتے ہو تو سکون پیدا ہوتا ہے ایمان کے اندر کمی نہیں آتی۔ رہتا اتنے کا اتنا ہی ہے۔ جیسے سمندر میں سکون کے وقت کمی نہیں۔ جوش کے وقت زیادتی نہیں“۔

جو وسوسہ گذر رہا تھا وہ قلب سے نکل گیا اور جو عمل کی ترقی رک گئی تھی وہ پھر جاری ہو گئی ___ قلوب کا علاج کرنا ہے۔ یہ حلال و حرام کا بیان نہیں۔ یہ تربیت و تزکیہ نفوس ہے۔ دلوں کا رخ درست ہے۔ تو تعلیم مدرّس کا کام ہے۔ تربیت شیخِ وقت کا کام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سب سے بڑے استاذ بھی ہیں اور سب سے بڑے شیخ بھی ہیں۔ ایک طرف آپؐ اعمال کی تصحیح فرماتے ہیں اور ایک طرف دلوں کو مانجھتے ہیں اور دلوں میں نورانیت پیدا فر

ہیں۔

قلبی نورانیت کے آثار

اس نورانیّت اور قلب کے رخ صحیح ہونے کا اثر یہ ہے کہ جب دل کی راہ صحیح پڑ گئی۔ جو آیت سامنے آئے گی اللہ کی صحیح مراد سمجھے گا۔ کجی باقی نہیں رہے گی جو حدیث سامنے آئے گی صحیح مطلب سمجھے گا کجی باقی نہیں رہے گی اور جس کے قلب کی تربیّت صحیح نہ ہو اسے آیتوں میں شبہ ہوگا۔ روایتوں میں شبہ ہوگا۔ اس لئے کہ دل میں کجی ہے۔ وہ کجی حدیث یا قرآن کی نہیں وہ اس کے قلب کی ہے اسے وہ حدیث و قرآن میں نظر آتی ہے۔ حالانکہ حدیث و قرآن اس سے بری ہے اس نے اپنے قلب کو کسی سے صحیح کرایا نہیں۔

بلا تربیّتِ قلب قرآن فہمی

ایک ناتربیّت یافتہ نفس جس میں حرص وہوا، کبر وحسد اور انانیّت ہے ان اخلاق کے ساتھ جب قرآن میں غور کرے گا تو اوندھے سیدھے مطلب لے گا۔ اس لئے کہ قلب اور راستہ صحیح نہیں وہ نفس کی طرف متوجہ ہے خدا کی طرف متوجہ ہی نہیں۔

اسی واسطے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے جس میں فتنۂ انکارِ حدیث کی خبر دی گئی ہے۔

یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول

عنقریب ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا ہوا آدمی تکیہ لگائے ہوئے مسند پر بیٹھا ہوا ہوگا اور کہے گا۔

حسبنا کتب اللہ

کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم حدیث کو نہیں مانتے۔ جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھیں گے جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھیں گے ___ تو جہاں فتنہ انکار حدیث کی خبر دی ہے وہاں یہ خبر بھی دی کہ اس فتنہ کا منشاء کیا ہوگا؟ تو فرمایا۔

رجل شبعان علی اریکتہ ___ پیٹ بھرا ہوا آدمی ___ پیٹ بھر کر کھانے والا وہی ہوتا ہے جس کے نفس کے اندر حرص و آرزو زیادہ ہوتی ہے۔ صاحب تقویٰ اور متقی کا کام یہ ہے کہ بقدر ضرورت کھائے۔ لیکن اناپ شناپ کھائے اور ناک تک پیٹ بھر جائے یہ حریص ہونے اور ہوسناکی کی علامت ہوتی ہے۔ اور حریص وہ ہوتا ہے جو بندہ نفس ہوتا ہے تو بندہ خدا جب بنتا ہے تو کجی باقی نہیں رہتی اور بندہ نفس ہے تو نفس کی طرف رخ رہے گا۔ تو منہ نفس کی طرف کئے ہوئے ہے۔ اور خدا کی آیتوں میں غور کر رہا ہے تو برعکس مطلب سمجھے گا۔ صحیح مطلب اس کو نہیں سمجھ میں آئے گا۔ اس لئے دو لفظ فرمائے **شبعان** اور **علی اریکتہ** شبعان سے حریص ہونے کی طرف اشارہ ہے اور **علی اریکتہ** اس سے کبر اور نخوت کی طرف اشارہ ہے۔ تو وہ لوگ جن کو اپنے علم پر گھمنڈ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور باقی سب جاہل ہیں تو پہلا لازمہ تو یہ ہے کہ ان میں کبر و نخوت ہے اور حریصانہ شان ہے۔ اس شان کو لے کر قرآن کو سمجھیں گے تو اپنی شان کے مطابق ہی وہ مطلب بھی سمجھیں گے اور خیال یہ کرلیں گے کہ یہ اللہ کا مطلب اور مراد ہے۔ اس لئے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا کہ لفظوں کی بھی تلاوت کرے۔ معنی بھی سمجھائیں عمل بھی کر کے دکھلائیں نفوس کو مانجھیں اور تزکیہ بھی کریں۔

اللہ کے رسول کے دنیا سے اٹھنے کے بعد یہ چاروں چیزیں موجود رہنی چاہئیں تب تو دین کامل موجود ہے

اور اگر ان میں سے ایک بھی گھٹ جائے تو کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناقص دین چھوڑ گئے ہیں کمال اسلام باقی نہیں ہے۔

خدمتِ کلامُ اللہ

الحمد للہ آج تلاوت آیات بھی موجود ہے۔ لاکھوں حفّاظ امّت کے اندر موجود ہیں۔ جن کو قرآن کے الفاظ ازبریاد ہیں۔ دنیا میں کسی قوم نے اپنی مذہبی کتاب کی وہ خدمت نہیں کی جو مسلمانوں نے کی ہے ایک چھ برس کا بچہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور الحمد سے لے کر والناس تک فرفر پڑھتا ہوا چلا جاتا ہے ____ رمضان شریف میں آپ دیکھیں مساجد میں ایک رونق ہوتی ہے جگہ جگہ تراویح ہوتی ہیں۔ امام پڑھ رہا ہے اگر اس نے کہیں غلطی کی تو مقتدی پیچھے لگ جاتے ہیں جب تک اس کو لقمہ دے کر صحیح نہ کرادیں اس کو آگے نہیں چلنے دیتے تو سننے والے بھی حفّاظ ہوتے ہیں۔ پڑھنے والے بھی۔ تواتر طبقہ کے ساتھ قرآن کی روایت موجود ہے۔ تو الفاظ کے محافظ درحقیقت حفّاظ ہیں۔

قرآن کے معانی کی حفاظت کرنے والے علماء ربّانی ہیں۔ عمل کرکے دکھلانے والے حضرات صوفیائے محققین ہیں جو کمال تقویٰ و دیانت سے عمل کی ہیئتیں بتلاتے ہیں اور عمل کرکے دکھلاتے ہیں اور دلوں کو مانجھنے والے وہ حضرات ہیں جو خانقاہوں میں بیٹھ کر قلوب کی تربیت کرتے ہیں تو تلاوت، تعلیم، تزکیہ اور اسوہ کے تمام افعال جاری ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی چیز باقی نہ رہے تو کہا جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کے چار ستونوں میں سے ایک گر گیا۔ تو اسلام کی عمارت کیسے باقی رہتی؟

آج بحمد اللہ چاروں طبقے موجود ہیں اور یہ چاروں حق تعالیٰ شانہ کے خلفاء ہیں۔ اللہ کے ایک علمی خلیفہ ہیں جو اس کے الفاظ کو محفوظ کئے ہوئے ہیں ایک علمی خلیفہ وہ ہیں جو اس کے معانی کو محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ ایک عملی خلفاء ہیں کہ آیتوں میں جو کیفیات چھپی ہوئی ہیں اور قلب پر پڑتی ہیں۔ ان کیفیات کو ریاضات اور مجاہدات سے محفوظ کئے ہوئے ہیں۔ یہ مٹنے والی چیز نہیں۔ انکار کرنے والے انکار کریں۔ پہلے بھی منکر پیدا ہوئے ہیں۔

خدمتِ حدیث

فرق اتنا ہے کہ پہلے منکر اقرار کی صورت سے انکار کرتے تھے یعنی وضاعین حدیث کا زمانہ۔ یعنی حدیثیں گھڑ گھڑ کر صحیح احادیث سے ملاتے تھے تاکہ صحیح احادیث کا اعتماد اٹھ جائے۔ لوگ احادیث کو ناقابل اعتبار سمجھیں تو انہیں اتنی جرأت نہیں تھی کہ حدیث کا انکار کریں۔ اقرار کرکے پھر سازش کرکے حدیثیں گھڑ کر رلا ملا دیتے تھے۔ لیکن اللہ جزائے خیر دے حضرات محدثین کو کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کردیا۔ مستقل کتابیں لکھ دیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں۔ یہ حدیثیں موضوع ہیں۔ احادیث کی اقسام بیان کیں۔ حجیّت کے مراتب بیان کئے۔

ہر حدیث ایک ہی درجے کی نہیں ہوتی۔ اگر حدیث متواتر ہے اس کی سند کا ثبوت ایسا ہے۔ جیسے قرآن کا اس حدیث سے جو چیز ثابت ہوگی وہ قطعی ہوگی۔ اور موجب یقین ہوگی ____ اگر حدیث اس سے کم درجہ کی ہو تو اسے خبر واحد کہتے ہیں۔ وہ موجب ظن ہوگی۔ موجب یقین نہیں ہوگی۔ اگر حدیث ظنی ہے اور اس میں کچھ کمزوری اور سدا ہوگئی وہ معضل ہوگی [illegible]

بنائی جاسکے گی۔ غرض حدیث کی اقسام بیان کیں کہ متن کے لحاظ سے اتنی اقسام ہیں۔ اگر اول سے یعنی صحابی کی طرف سے کوئی راوی حذف ہوجائے تو اسے مرسل کہیں گے۔ شروع میں اگر راوی نہ رہے تو اسے معضل کہیں گے۔ بیچ میں راوی نہ رہے تو اسے مشکل کہیں گے۔ معضل و مرسل اور مشکل کے احکام بیان کئے جو حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ سارے راوی اس کے ثقہ ہوں۔ وہ مرفوع متصل کہلائے گی۔ جس میں انقطاع پیدا ہوجائے اس کا یہ حکم ہے تو اس کو مستقل فن بنایا۔ دنیا میں روایت کا فن موجود نہیں تھا۔ مسلمانوں نے یہ فن بنایا اور حدیث کے فن کے لحاظ سے اس کو بنایا۔ حدیث کی تاریخ اور رجال حدیث کی تاریخ مرتب کردی۔

روایت کرنے والے آدمی چار لاکھ کے قریب ہیں۔ تو چار لاکھ آدمیوں کی سوانح عمریاں جمع کردیں۔ تاکہ واضح ہوجائے کہ کس کیریکٹر کے آدمی تھے۔ کس کردار کے آدمی تھے۔

روایتِ حدیث میں احتیاط

پھر روایت میں یہ احتیاط کہ اگر عمر بھر میں ایک دفعہ جھوٹ ثابت ہوجائے تو اس کی عمر بھر کی روایتیں کالعدم کردیتے تھے۔ کہ یہ روایتیں قابل اعتبار نہیں ہیں اور جھوٹ بولنا تو بجائے خود رہا۔ اگر صورت کذب اور واہمہ کذب بھی پیدا ہوجائے تب بھی اس کی روایت چھوڑ دیتے تھے۔

ایک محدّث ہیں ان کا واقعہ تراجم میں موجود ہے کہ انہیں معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند عالی شام میں میں موجود ایک محدث کے پاس ہے تو ایک حدیث کی سند لینے کے لئے مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) سے تین سو میل کا سفر شام کے لئے کیا۔ اس زمانے کے سفر پیدل چلنا اونٹوں پر چلنا وغیرہ مہینوں میں جاکر پہنچتے تھے۔ صرف ایک حدیث سننے کے لئے تین سو میل سفر کی صعوبت اختیار کی جاکر ان کا پتہ پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ محدث فلاں محلّے میں رہتے ہیں۔ ان کے مکان پر گئے آواز دی وہ باہر آئے۔ سلام و مصافحہ کیا۔ انہوں نے نہایت اخلاق سے ٹھہرایا۔ ان کی مجلس ہوئی تو ان کا ایک بچہ اس مجلس میں آگیا۔ بچے میں ضد ہوتی ہے وہ کسی چیز پر ضد کرنے لگا۔ اس کو ہزار بہلایا پھسلایا مگر وہ ضدی بچہ تھا مانتا نہیں تھا۔ تو ان محدّث نے ہاتھ بند کرکے کہا کہ آؤ تمہیں چیز دیں۔ وہ بچہ آیا تو ہاتھ میں تو کچھ تھا نہیں۔ اسے بہلانا مقصود تھا۔ اسے لے کر باہر کردیا۔ یہ جو حدیث سننے گئے تھے یہ لاحول پڑھ کر اٹھ کر چلے آئے۔ اور کہا کہ جو معصوم بچے کے سامنے جھوٹ بول سکتا ہے کہ ہاتھ میں کچھ نہیں تھا اور کہا کہ آؤ تمہیں چیز دیں۔ اسے اللہ پر جھوٹ بولتے ہوئے کیا دیر لگتی ہے۔ وہ رسول پر جھوٹ بول دے تو کیا اس کی زبان تھام لی جائے گی تو یہ بالکل مباح تھا۔ لیکن سارا اپنا سفر اکارت کرکے واپس آگئے کہ یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے حدیث سنی جائے۔ بچے کو بہلانے کے لئے جھوٹ بول دے۔ ہاتھ میں چیز نہ ہو اور کہہ دے کہ آؤ چیز دیں۔ حالانکہ واقعہ کے لحاظ سے یہ جھوٹ نہیں تھا بہلانے کے لئے توریہ کی سی صورت ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کو کاذب نہیں کہا جاسکتا مگر حدیث کی سند میں صورتِ کذب اور وہم کذب کو بھی کذب سمجھا ہے۔ اس احتیاط سے روایتیں لی ہیں جب آج دین منقح صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اگر خدانخواستہ شیئوں منکر پیدا ہوجاتے تو قرآن سمجھانے والا آج کوئی باقی نہ رہتا۔ بس پھر یہی ہوتا کہ اردو کے ترجمے دیکھ دیکھ کر لوگ الگ الگ ہانکتے اور کہتے کہ یہ خدا کی مراد ہے اور وہ علم نہ ہوتا اور اسے اللہ کی طرف منسوب کردیتے۔

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چار فریضے دے کر بھیجا گیا تھا۔ وہ چاروں فریضے آج بھی موجود ہیں۔

اور چاروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء موجود ہیں۔ الفاظ کی روایت کرنے والے۔ معانی اور احکام کی روایت کرنے والے، تزکیہ قلوب کے سلسلہ میں نیابت کا فرض انجام دینے والے بھی اور عمل کا نمونہ دکھلانے والے بھی۔

آدابِ تعلیم

مگر ہاں ان کی تلاش کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے کہ ایسے لوگ لوگوں کے گھروں پر نہیں جایا کرتے کہ ہم سے سیکھ لو۔ لوگوں کو ان کے گھروں پر جانا پڑتا ہے۔

العلم یوتی ولایوتی

علم خود نہیں آتا۔ اسے حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس جایا جاتا ہے۔

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے ہارون الرشید نے کہا کہ میرے دو بیٹے ہیں۔ آپ انہیں "موطا" پڑھادیں۔ (یہ حدیث کی کتاب ہے) آپ نے وعدہ فرمایا کہ پڑھادوں گا ___ ہارون الرشید نے کہا کہ کس وقت تشریف لایا کریں گے؟ فرمایا تشریف لانے کا کیا مطلب؟

العلم یوتی ولایوتی

علم خود لوگوں کے دروازوں کے اوپر آیا کرتا ہے؟ ان کو خود آنا پڑے گا۔ تو ہارون الرشید پر ذرا بھاری گزرا۔ مگر اس نے کہا کہ بہتر حاضر ہوں گے۔ مگر ایک شرط ہے کہ عام طالب علموں میں نہ بٹھائیں۔ ان کو ذرا امتیازی جگہ بٹھلائیں۔

فرمایا طالب علمی کی لائن میں سب برابر ہیں۔ اگر آپ کو جاہل رکھنا ہے تو میں امتیازی برتاؤ کروں؟ عالم بنانا ہے تو یہ برتاؤ نہیں ہوگا۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے تم بنی عباس ہو۔ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب ہو۔ اگر تم ہی اس کو ذلیل کروگے تو اسے عزت دینے کے لئے کون آئے گا؟

پھر شاہزادے اسی طرح جاتے تھے۔ اسی طرح مؤدب بیٹھتے تھے اور استاد کی جھڑکیاں بھی سنتے تھے۔ اس طرح حدیث حاصل کی ___ پھر ہارون الرشید کا بھی یہ عالم ہوا کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مامون سے کہا کہ پانی ڈالو میں پیر دھوتا ہوں۔ تو مامون الرشید شاہزادہ پانی ڈال رہا تھا۔ امام مالک اپنے پیر کو اپنے ہاتھ سے صاف کر رہے تھے۔ اچانک ہارون الرشید پہنچ گئے تو دیکھ کر امام مالک سے شکایت کی۔ یہ شکایت نہیں کہ کیوں پیر دھلوائے؟ کیوں پانی ڈلوایا۔ فرمایا مجھے اس کی شکایت ہے کہ آپ اپنے پیر کو اپنے ہاتھ سے مل رہے ہیں۔ مامون کے ایک ہاتھ میں لوٹا ہوتا۔ ایک ہاتھ سے آپ کے پیر مل کے دھوتا۔ مامون کا یہ فرض تھا۔ نہ یہ کہ وہ فقط پانی ڈالے پھر اس درجے پر ہارون الرشید آگیا۔

کمالِ طلب

تو حقیقت یہ ہے کہ :

العلم عز لاذل فیہ یحصل بذل لاعزفیہ

یہ امام ابو یوسف کا مقولہ ہے کہ علم ایک ایسی عزت ہے جس میں ذلت کا نشان نہیں۔ مگر ایسی [illegible] سے حاصل ہوتا ہے جس میں عزت کا نشان نہیں [illegible]

کڑی جھیلنی پڑتی ہے۔ تب جا کر چار حرف آتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ یہ اتنا بڑا علم آپ کو کیسے حاصل ہوا تو فرمایا۔

بلسان سئول وقلب عقول۔

سوال کرنے والی زبان اور عقل مند قلب کے ذریعہ حاصل ہوا۔ میں نے سوال کرنے میں کبھی عار نہیں کیا۔ اگر مسئلہ معلوم نہیں ہوا اپنے چھوٹوں سے سوال کرلیا۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ ذہن میں اٹکا۔ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' جو کاتب وحی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استاذ ہیں۔ ضرورت پڑی کہ ان سے تحقیق کی جائے۔ تو بارہ بجے دوپہر کو یہ سوال ذہن میں آیا تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ جہاں جلتا ہوا پتھر ہے۔ دھوپ پڑ رہی ہے یہ خیال کیا کہ جب ظہر کی نماز کے لئے نکلیں گے تو سوال کروں گا اگر مسجد میں پہنچ گئے تو درس شروع ہوجائے گا، سوال کا موقع نہیں رہے گا۔ تو ساری دوپہر دھوپ میں دہلیز پر بیٹھ کر گزارا ___ جب اچانک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نکلے فرمایا۔

اے ابن عم رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ عرض کیا ___ حضرت ایک مسئلہ اٹک رہا تھا۔ اس کی تحقیق کرنی ہے ___ فرمایا ___ پھر آجاتے۔

عرض کیا۔ سوال تو دل میں اب ہی کھٹکا تھا۔ پھر آنے کا کون سا وقت ہے؟ جب سوال ذہن میں آیا تو جبھی حاضر ہوگیا۔

اس سے شدّت طلب معلوم ہوئی۔ اور شدّت طلب کے ساتھ ساتھ کسرِ نفس بھی واضح ہوا کہ علم کے حاصل کرنے میں نہ کسی وقار کا سوال نہ کسی خودداری کا سوال غلاموں اور خادموں کی طرح جا کر دہلیز کے اوپر بیٹھ گئے ___ اس طرح سے علم حاصل ہوتا ہے۔

عظمتِ استاذ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند' (جن کا نام نامی ابھی آپ نے سنا) کو خنزیر کے بارے میں تحقیق کرنی تھی فقہی مسئلہ میں کسی موقع پر خنزیر کا ذکر آیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تو بھنگیوں سے معلوم ہوسکتا ہے۔ وہی خنزیر پالتے ہیں۔ انہی کو زیادہ معلوم ہوگا۔

تو حضرتؒ کے گھر میں جو بھنگی آتا تھا۔ ایک دن اس سے پوچھا کہ بھئی! خنزیر کے بارے میں اس بات میں تمہاری کیا تحقیق ہے؟ کیا علم ہے؟ اس نے اصلیت بتلائی کہ یہ صورت ہوتی ہے۔ اس دن کے بعد سے جب وہ بھنگی آتا تو اس کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے اور فرماتے۔

"اس کے ذریعے مجھے ایک علم حاصل ہوا ہے"۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

انا عبد من علمنی حرفا ان شاء باع وان شاء عتق

میں اس کا زر خرید غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف سکھادیا۔ چاہے مجھے بیچ دے، چاہے آزاد کر دے۔ تو علم تو اس کے ساتھ آتا ہے کہ اتنا نفس پست کرلیا جائے اتنی ذلت وتواضع اختیار کی جائے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ گھر بیٹھے سارا علم سمٹ کر خود بخود ہمارے سینے میں آجائے یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

اہلِ علم کا استغناء

جو ایسے لوگ ہیں جو علم میں گہری نظر رکھتے ہیں۔ علمی تحقیقات پر ان کی عمریں بسر ہوئی ہیں۔ وہ لوگوں کے گھروں کے دروازوں کو جھانکتے نہیں پھرتے۔ لوگوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان کے پاس آئیں۔ جو آتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں جو نہیں آتے بے علم رہ جاتے ہیں۔ مگر امت خالی نہیں ہے۔ اگر امت خالی ہو جائے تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا :

یحمل ھذاالعلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین

فرمایا کہ ہر سلف کے بعد خلف پیدا ہوتے رہیں گے اس علم کو اٹھاتے رہیں گے اور اس علم کے ذریعہ سے غلو کرنے والوں کی تحریفوں کا پردہ چاک کرتے رہیں گے۔ مبطلوں کی دروغ بافیوں کے پردے چاک کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی رکیک تاویلات کا پردہ چاک کرتے رہیں گے اور علم نکھر کر سامنے آتا رہے گا۔ حق و باطل میں امتیاز ہوتا رہے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں لاوارث چھوڑ کر نہیں گئے آپ ہمارے ہاتھ میں علم و عمل، ذوق اور استقامت ذہن کی پوری قوت دے کر گئے ہیں۔ سارے راستے ہمارے لئے کھول کر گئے ہیں۔

گمراہی سے حفاظت کی ضمانت

آپ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ :

ترکتم الثقلین لن تضلوا بعدی ابداً ان تمسکتم بھما

دو وزنی چیزیں تم میں چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم نے ان کو مضبوط پکڑ لیا اور ان کو لپٹ گئے تو کبھی قیامت تک گمراہ نہیں ہوگے۔

کتاب اللّٰہ وسنّتی

اللہ کی کتاب اور میری سنت ــــ میرا طریقہ اور میرا عمل ــــ ان کو وزنی کہا ہے؟

اس لئے کہ جب طوفان اٹھتے ہیں۔ تنکا کا سہارا پکڑ لینے سے جان نہیں بچتی۔ کوئی لکڑی تیر رہی ہے۔ بڑی سے بڑی ہے وہ خود بہہ رہی ہے۔ آپ نے اسے پکڑ لیا۔ بہنے ہی کی طرف جائیں گے۔ جان بچنی ضروری نہیں۔ لیکن اگر کوئی چٹان پڑی ہو۔ جو ہلائے نہ ہلے اگر اسے پکڑلیں گے تو طوفان آپ کا کچھ نہیں کرسکتا۔ تو کتاب و سنت ایک مضبوط چٹان کی طرح ہیں۔ دنیا میں کتنے ہی جہالتوں اور دروغ بافیوں کے طوفان آئیں لیکن اس چٹان سے جو تمسک کر رہا ہے۔ وہ کبھی نہیں بہک سکتا۔ کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کتاب اللہ اپنی جگہ اٹل ہے اس کے معانی بھی اٹل ہیں۔ حدیث رسولؐ اور اس کے معانی اپنی جگہ اٹل ہیں جو اس سے تمسک کرے گا وہ ہر دروغ بافی کا پردہ چاک کر سکتا ہے ہر مبطل کے انتحال اور ہر جاہل کی رکیک تاویلوں کو رد کر سکتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے گئے ہیں کہ قیامت تک امت میں خلف صالح پیدا ہوتے رہیں گے۔

تجدید دین

جہاں یہ خبر دی کہ فرقے پیدا ہوں گے۔ گمراہ پیدا ہوں گے وہاں یہ بھی خبر دی کہ حقانی لوگ بھی برابر

جاری رہیں گے۔ اس امت سے حق کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

لاتزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لا یضرھم من خاذلھم ولامن خالفھم حتی یاتی امراللہ۔

فرمایا! میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی جو منصور من اللہ ہوگی۔ اللہ کی طرف سے اس کی تائید ہوگی۔ خلاف کرنے والے اسے ضرر نہیں پہنچا سکتے رسوا کرنے والے اسے رسوا نہیں کر سکیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا:

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔

اس امت میں ہر سو برس کے بعد مجدّدین آتے رہیں گے جو دین کو نکھارتے رہیں گے۔ دودھ اور پانی الگ کر کے نکھار کر علم اور مسائل نکالتے رہیں گے۔

صدی کے اخیر میں جو لوگ قلت علم اور کثرت جہل سے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں گے۔ من گھڑت رسوم اور عمل پیدا کر دیں گے تو اللہ نے وعدہ کر دیا کہ ہر صدی کے آخر میں مجددین آکر دین کو نکھار دیں گے۔ پھر صدی کے اخیر میں علمی اور عملی فتنے پیدا ہوں گے پھر مجدد آجائیں گے۔ خواہ جماعتوں کی صورت میں آئیں یا افراد کی صورت میں آئیں۔ غرض امت گمراہ ہونے والی نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ

میری امت پوری کی پوری کبھی گمراہی پر قیامت تک جمع نہیں ہوگی۔ اہل حق ہمیشہ باقی رہیں گے۔

حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

کیف تھلک امۃ انا اولھا والمسیح اٰخرھا والمھدی وسطھا

وہ امت کیسے گمراہ ہو سکتی ہے جس کے ابتدائی سرے پر میں ہوں۔ انتہائی سرے پر مسیح ابن مریم ہوں اور بیچ میں حضرت مہدی ہوں۔ تو امت کے اول و آخر کے لحاظ سے بھی بتلایا کہ وہ حق پر قائم رہے گی امت کے درمیانی قرون کا بھی بتلایا کہ ہر قرن میں مجدد آئیں گے۔ امت کے ہر قرن کے ہر ہر سال کے بارے میں بتلایا کہ:

یحمل ھٰذا العلم من کل خلف عدولہ

تدریس و تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگا اور خلف صالح پیدا ہوتے رہیں گے۔ یہ امّت کوئی لاوارثی امّت نہیں ہے جس کا جی چاہے اس کا حلیہ بگاڑ دے۔ اگر بگاڑنے والے پیدا ہوں گے تو اس بگاڑ کو دکھلانے والے بھی پیدا ہو جائیں گے۔ تاویل کرنے والے ہوں گے تو اس رکیک تاویل کو باطل کرنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ بہرحال یہ دین ہر دہر اور قرن میں نکھرا ہوا رہے گا۔

فرقۂ ناجیہ

فرق اتنا ہے کہ کبھی اہل حق کی قلّت ہوگی۔ کبھی کثرت ہوگی۔ لفظ طائفۃ من امتی کا بولا ہے یعنی ایک چھوٹی جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی۔ چاہے عددی قلت ہو مگر بہرحال موجود رہے گی۔

اسی طرح جہاں یہ خبر دی کہ امّت میں تہتر فرقے پیدا ہوں گے اور بہتّر ناری ہوں گے وہاں یہ بھی خبر دی کہ ایک فرقہ ناجی ہوگا۔

اس پر صحابہؓ نے عرض کیا : وَمَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وہ فرقہ ناجیہ کون ہے؟ فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَاَصْحَابِيْ۔
جس پر میں اور میرے صحابہؓ آج کے دن ہیں اس پر چلنے والا فرقہ حق ہوگا۔

صحابہؓ معیار حق ہیں

اس حدیث میں آپ نے بتلایا کہ ما انا علیہ الیوم واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ صحابہؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا۔

اس سے واضح ہوا کہ جو میرا دین ہے وہی بعینہ میرے صحابہؓ کا دین ہے۔ جو میرا عقیدہ ہے وہی بعینہ میرے صحابہؓ کا عقیدہ ہے جو میرا عمل ہے وہی بعینہ میرے صحابہؓ کا عمل ہے ___ فرق اتنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ان اعمال کے ساتھ وہ اعمال بھی ہیں کہ امت ان کی نقل نہیں اتار سکتی جو خصوصیات نبوت میں داخل ہیں۔ صحابہؓ کے اندر عملوں کے مختلف نمونے ہیں۔ تاجر ہے تو تجارتی عمل دیانت کے ساتھ اس کے اندر موجود ہے۔ بعض صحابہؓ زارع اور کاشت کار ہیں تو زراعت کے مسائل دیانت کے ساتھ ان کے اندر موجود ہیں۔ فوجی ہیں تو فوج کے مسائل دیانت کے ساتھ موجود ہیں۔ سول میں ملازم ہیں تو اس کے مسائل دیانت کے ساتھ ان میں موجود ہیں۔ تو صحابہؓ مختلف رنگوں کے ہیں۔ مگر ہر رنگ میں دیانت بھری ہوئی ہے۔ سرخ اور سبز رنگ ہے۔ مگر اندر ان کے دین کی روح کام کر رہی ہے۔

امت میں چونکہ طبقات مختلف ہیں۔ طبائع مختلف ہیں۔ مزاج مختلف ہیں تو صحابہؓ میں اللہ نے اتنے ہی مزاج کے لوگ پیدا کر دیئے تاکہ جس مزاج کا آدمی ہو جیسا مزاج چاہئے ویسے ہی مزاج کا آدمی صحابہؓ میں مل جائے اس لئے فرمایا کہ "میں اور میرے صحابہؓ" تو سارے صحابہؓ کا ایک دین ہے۔ اس لئے جو صحابہؓ کا تبع بن گیا وہ میرا تبع ہے۔ تو آپ نے اپنی ذات کو اپنے صحابہؓ کو معیار بتلایا کہ ان کے عمل اور ایمان پر اپنے عمل اور ایمان کو پرکھ لو ___ یعنی تم صحابہؓ کے افعال پر نقد و تبصرہ نہیں کر سکتے۔ صحابہؓ تمہارے افعال پر نقد و تبصرہ کریں گے کیونکہ وہ تمہارے کھرے اور کھوٹے پہچاننے کے لئے کسوٹی ہیں۔ تو کسوٹی بتلاتی ہے کہ سونا کھرا ہے یا کھوٹا۔ سونے کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ بتلائے کہ یہ کسوٹی کھری ہے یا کھوٹی۔ تو کسوٹی ناقد ہے منقود نہیں ہے۔

صحابہؓ ناقد ہیں ہم منقود ہیں۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ منقود ہمیشہ مغلوب ہوتا ہے۔ ناقد غالب ہوتا ہے۔ اگر ہم صحابہؓ پر نقد و تبصرہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان پر غالب اور افضل ہیں۔ ان کے اعمال کا کھرا اور کھوٹا بتا سکتے ہیں۔ حالانکہ صحابہؓ ہمارے حق میں کسوٹی ہیں۔ وہ بتلائیں گے کہ تمہارا اتنا عمل کھوٹا ہے کیونکہ وہ ہمارے مطابق نہیں ہے اور اتنا کھرا ہے جو ہمارے مطابق ہے۔ گویا صحابہؓ کو معیار بتلایا گیا۔

اہلِ حق کی پہچان

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر صحابہؓ کی عظمت و محبت اور اطاعت دل میں موجود ہے۔ تو سمجھ لو کہ وہ فرقہ حق پر ہے اور اگر عظمت و محبت اور اطاعت موجود نہیں ہے تو وہ باطل پر ہے یہ ایک کھلا معیار ہے۔ اس لئے جو فرقے صحابہؓ کی شان میں گالم گلوچ کرتے ہیں وہ کبھی حقانی نہیں کہے جا سکتے۔ انہوں نے پہلی بنیاد ہی ختم کر دی جو ان کے حق میں اس کے قائل ہیں کہ ان کی فلاں بات کھری ہے اور فلاں کھوٹی ہے وہ کبھی بھی دین کو پوری طرح نہیں پا سکتے۔ دین کو وہی پائیں گے جو صحابہؓ کی پوری عظمت کے قائل ہیں ___ چنانچہ اہل سنت و

الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ :

الصحابۃ کلھم عدول۔

سارے صحابہؓ عدول، متقن اور پارسا ہیں۔
جیسے انبیاء علیہم السلام اپنے اقوال و افعال میں معصوم ہیں۔ صحابہؓ اپنی نیات اور باطن میں محفوظ ہیں۔ عملی لغزش اگر ان سے ہو جائے تو ہو جائے۔ مگر ان کے قلوب کا رخ اتنا پاک اور صحیح ہے کہ اللہ نے ان کے قلوب کو پہلے ہی جانچ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ

صحابہؓ کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ اللہ نے ان کے قلوب کا پہلے ہی امتحان کر لیا ہے۔ انہیں اپنے رسول کی صحبت کے لئے منتخب کیا ہے۔ تو امتحان کر لیا اور یہ امتحان میں پاس ہو گئے۔ اس لئے ان کے لئے مغفرت بھی ہے اور اجر عظیم بھی ہے تو جس پر حق تعالیٰ اطمینان نہ فرمائیں اسے کیسے اجر دیں؟

اسی طرح اور مقام پر ارشاد ہے :

رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ

اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی ___ جن کے دلوں میں کھوٹ ہو۔ اللہ ان سے کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔

رضا بھی ایسی کہ اس کا اعلان کر دیا گیا اور اعلان قرآن حکیم میں کیا گیا تاکہ قیامت تک یہ اعلان جاری رہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں آسکتا کہ ان کا کھوٹ ثابت ہو۔ قیامت تک ان کی رضا کا پتہ دے دیا ___ غرض و قلوب اور باطن کا پتہ یہ کہہ کر دیا کہ ہم نے ان کے قلوب کو جانچ لیا ہے۔

اور اعمال کا پتہ دوسری جگہ دیا۔ فرمایا :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔

تم انہیں دیکھو گے کہ رکوع اور سجدے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ کے فضل اور رضا کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہر حال میں اللہ کی طرف انابت اور رجوع ہے ان کے سجدوں کا اثر ان کی پیشانیوں پر آگیا ہے تو ایک طرف عمل کو سراہا اور ایک طرف دل کو سراہا۔ ایک طرف ان کا مقام بتلایا تو من حیث الطبقہ جس طبقے کی قرآن میں تعریف کی گئی ہے۔ وہ صرف صحابہؓ کا طبقہ ہے۔ بعد میں افراد آتے رہیں گے۔ لیکن من حیث الطبقہ پورے طبقے کو سراہا گیا، اس کی تقدیس کر دی گئی ہو، سوائے صحابہؓ کے دوسرا طبقہ نہیں ہے۔ اس لئے فرما دیا گیا :

اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے سارے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی روشنی میں چل پڑو گے۔ ہدایت پا جاؤ گے۔ راستہ تمہیں مل ہی جائے گا۔ کسی کا استثناء نہیں کیا ___ تو صحابہؓ امین ہوئے۔

وراثت نبوی کا استحقاق

اور گویا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی روحانی اولاد ہیں پھر ان کی روح

اولاد تابعین ہیں جنہیں وہ وراثت ملی پھر ان کی روحانی اولاد تبع تابعین ہیں۔ جنہیں وہ وراثت ملی ثم و ثم چلے
چلتے وہ فرقہ حقہ وہ اہل حق آج بھی ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے وارث بنے تو ہمارے
علمی وراثت جبھی قائم رہ سکتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے
اگر بیچ میں ایک کڑی بھی کٹ گئی وراثت سے محروم ہوجائیں گے اس لئے کہ وراثت اسے ملتی ہے جس
نسب محفوظ ہو اور نسب ہی محفوظ نہ ہو تو وراثت کا حق دار کہاں ہے؟ جس نے طبقہ صحابہؓ یا تابعین یا تبع تابعین
سے تعلق نہ رکھا تو سوال یہ ہے کہ وہ دین اس تک پہنچا کیسے؟ وہ جو سلسلہ زنجیر کا آرہا تھا۔ اس کی کڑی ٹو
گئی تو دین کیسے پہنچا؟ ___ وحی آنے سے رہی کیونکہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا۔ عقلی اختراعات کا نام دین نہیں
ہے۔ نقل کا نام دین ہے۔ اور منقول ہونے کے لئے سلسلہ کی ضرورت ہے۔ اور سلسلہ میں سے ایک کڑ
نکل گئی پھر دین کیسے پہنچا؟ تو لامحالہ الفاظ معانی، ذوق اور استقامت قلب نیز تزکیہ نفس میں سلسلہ ماننا پڑے گا
ساری چیزیں ہم تک منقول ہو کر پہنچیں گی تب تک دین کا کمال ہم میں پیدا ہوگا۔ سلسلہ کٹ گیا یا سلسلہ
ذریعہ جو چار چیزیں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک کڑی کٹ گئی۔ دین ناقص رہ جائے گا۔ تو وعدہ
کیا گیا ہے کہ دین کامل ہو کر باقی رہے گا اور سلسلہ ختم ہونے کے بعد سرے سے دین نہیں رہتا اور دین
اجزاء میں سے کوئی چیز کٹ جائے تو کامل دین نہیں رہتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آئے گی
اور آپؐ کا کلام اس سے بری ہے کہ کوئی اس کی تکذیب کرے۔

آفتاب راہ اور راہ نما

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب نبوت بن کر تشریف لائے۔ دنیا میں عقائد و اعمال اور رسوم
جو ظلمات پھیل گئی تھیں۔ آفتاب نبوت نے آکر ان سب کے پردے چاک کردیئے۔ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام ستاروں کی مانند ہیں۔ ستارے سارے کے سارے نمودار ہوجائیں مگر رات زائل نہیں ہوتی اگر
روشنی پھیل جائے۔ آفتاب کی آمد کا جب قصہ شروع ہوا پو پھٹی تو ابھی آفتاب نکلا نہیں مگر رات غائب
شروع ہوجاتی ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام آئے انہوں نے دلوں میں دماغوں میں روشنی پھیلائی۔ لیکن را
ہی رات رہی مگر آفتاب نبوت طلوع ہوتے ہی رات ختم ہوگئی اور دن نکل آیا اور ہر چیز جتنی دن میں واضح
آتی ہے۔ رات میں نظر نہیں آتی تو توحید کے دقائق رسالت کے دقائق بلاشبہ سارے انبیاء علیہم السلام
سمجھائے۔ لیکن رات کے وقت روشنی میں آدمی اجمالی طور پر سمجھتا ہے۔ دن کی روشنی میں ایک ایک مخفی
نمایاں ہوجاتی ہے تو توحید و رسالت کے جتنے دقائق اس دین میں کھولے گئے۔ پچھلے ادیان میں وہ حقائق نہ
ملتے جتنے علوم و معارف توحید و رسالت کے اس دین نے واضح کئے دنیا کے کسی دین میں نہیں کھلتے۔ پچ
انبیاء علیہم السلام نے نکتے کھولے مگر جتنی روشنی تھی اتنا اجمال سامنے آگیا۔ جب تیز روشنی پڑی تو چ
چیزیں بھی کھل گئیں اور نمایاں ہوگئیں۔

غرض آپؐ کی ذات بابرکات آفتاب نبوت اور مشعل نور ہے کہ آپؐ کو سامنے رکھنا اس کی یہ دلیل
کہ حق واضح ہوگیا جو آپ سے اوجھل ہے۔ وہ ناحق ہے اور جو آپ میں روشن ہے وہ حق ہے۔ تو راستہ
کرنے کے لئے روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے روشنی بھیج دی۔ راہنما کی ضرورت تھی تو
کی سنتیں ہماری راہنما ہیں کہ نماز و جہاد ایسے کرو۔ گھریلو زندگی ایسے بسر کرو تو ایک ایک سنت ہمارے عمل
لئے راہنمائی کرتی ہے تو جہاں راستہ کے لئے نور کی ضرورت تھی وہاں رہنما کی بھی ضرورت تھی۔

صراط مستقیم

اور صراط مستقیم اللہ کی روشن کتاب ہے۔ جس نے ایک لائن بچھادی ہے۔ جس پر آدمی دوڑتا ہوا اللہ تک پہنچ جائے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے :

القران حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض

یہ قرآن اللہ کی رسّی ہے جو اس نے آسمان سے زمین تک لٹکادی ہے۔ تمہارا کام کیا ہے؟

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

اللہ کی رسّی کو تم مضبوط پکڑلو۔

جب یہ رسّی کھینچی جائے گی تو اس کے ساتھ لپٹنے والے کھنچ کر اوپر پہنچ جائیں گے۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن آسمان سے لے کر ساتویں زمین تک یہ سارا علاقہ جہنم کا ہوگا۔ جس میں آگ بھی تپے گی اور سارے سانپ بچھو وغیرہ ہوں گے۔

اور آسمان اول کے اوپر جنتیں ہوں گی۔ ویسے جنت ساتویں آسمان کے اوپر ہے لیکن قیامت کے دن اسے آسمان اول پر لاکر رکھیں گے۔ اور آسمان بیچ میں ہوگا۔ پانچ سو برس کی مسافت اس کا پل ہوگا جو کہ اعراف ہوگا۔ جس میں کچھ آثار جنت کے ہوں گے اور کچھ آثار جہنم کے ہوں گے تو یہ سارا جہنم کا علاقہ ہے۔ جس میں ہم اور آپ پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ نے رسی لٹکائی کہ جسے جہنم سے نکل بھاگنا ہو۔ اس رسی کو پکڑلے۔ میں اسے کھینچنے والا ہوں جو اسے پکڑلے وہ بھی آجائے گا۔ تو حقیقت یہ ہے کہ کفار نے جو اللہ کی رسی کو نہیں پکڑا تو انہیں جہنم میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں وہ ہیں ہی جہنم میں ــــ تو اللہ کی رسی ٹوٹ نہیں سکتی البتہ چھوٹ سکتی ہے تو غور کرتے رہنا چاہئے بیدار رہنا چاہئے کہ کہیں یہ رسی چھوٹ نہ جائے۔

یہ اللہ کے باطن سے نکل کر اس کا کلام (رسّی) آیا ہے۔ جو اسے تھامے گا۔ باطن حق سے اس کا تعلق قائم ہوگا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے :

تبرک بالقرآن فانہ کلام اللہ وخرج منہ

قرآن پاک سے برکت حاصل کرو۔ کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے اندر سے نکل کر آیا ہے۔

حق تعالٰی کا تبرّک براہ راست دنیا میں جو موجود ہے وہ صرف اس امّت کے ہاتھ میں موجود ہے کہ اس نے کلام کیا اور وہ کلام بعینہ ہمارے ہاتھ میں موجود ہے۔

ویسے تو زمین، آسمان، سورج وغیرہ سب کچھ اس کا تبرّک ہے جن سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ مخلوق ہیں اور قرآن کو پیدا نہیں کیا یہ تو کلام ہے اس کے اندر سے نکل کر آیا ہے، جو اس کی صفت ہے۔ صفت کو موصوف پیدا نہیں کیا کرتا۔ صفت موصوف سے صادر ہوتی ہے۔ میں یوں نہیں کہوں گا کہ میں اپنے کلام کو پیدا کررہا ہوں۔ یوں کہوں گا کہ بول رہا ہوں۔ یعنی کلام مجھ سے صادر ہورہا ہے۔ سرزد ہورہا ہے۔ جو چیز میرے اندر بھری ہوئی ہے وہ باہر نکل رہی ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ میں کلام کو پیدا کررہا ہوں۔ تو جو چیز اللہ سے صادر ہورہی ہو۔ وہ اللہ سے منقطع نہیں ہوسکتی۔ اس کا سرا اوپر اللہ میاں سے لگا ہوا ہے نیچے کا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تھاموگے تو اللہ کی ذات تک رسائی ہوگی۔ اسی واسطے کثرت تلاوت سے جو ترقی ہوتی ہے۔ اس سے ذات باری تعالٰی سے وابستگی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری عبادات سے آدمی صفات خداوندی

تک پہنچتا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ بہت طویل ہے اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم اللہ کی ایک رسّی ہے جسے اس جہنم سے نکل بھاگنا ہے۔ وہ اس رسّی کو مضبوطی سے تھام لے۔ ___ غرض کتاب اللہ صراطِ مستقیم ہے۔ جس پر چل کر آدمی اللہ تک پہنچتا ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مشعلِ نور' اور آپؐ کی سنتیں راہنما اور سیدھا راستہ کتابِ مبین۔ اور چلنے والے ہم اور آپ ہیں۔ اگر چلنے کا جذبہ ہے۔ تو راستہ روشنی 'مینارے' میل اور فرلانگ کے نشانات موجود ہیں۔ اور منزل بھی سامنے ہے اور اگر چلنے کا ارادہ نہ ہو تو اس کے حق میں روشنی اور راستہ سب کچھ بیکار ہے۔ سنتیں اور واجبات بھی بے کار۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

قرآن و حدیث کی طرف سے کوئی کمی اور کوتاہی نہیں ہے کمی اور کوتاہی چلنے والوں کی طرف سے ہے۔ چلنا نہیں چاہتے ورنہ ادھر سے فیضانِ خداوندی موجود ہے۔

حصولِ مقصد کی شرائط

بہر حال میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ ہر مقصد تک پہنچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک روشنی' راہ' ایک راستہ' ایک راہنما ہو جو مبصر اور دانا ہو۔ راستے کے نشیب و فراز سے واقف ہو تو روشنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اور صراطِ مستقیم کتاب اللہ ہے جس میں کہیں ٹیڑھ کا نشان نہیں ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی کھٹکا' زیغ اور ٹیڑھ پن نہیں ہے۔ سیدھا سیدھا راستہ ہے۔

یہ فرمایا لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ نہیں فرمایا لا ریب فیھم کہ لوگوں کے اندر ریب (اور شک) نہیں جو کھٹک ہے وہ ہمارے ہی سینوں میں ہے۔ کتاب میں کوئی کھٹک نہیں مگر یہ کھٹک بھی کتاب ہی کی طرف رجوع کرنے سے زائل ہوگی۔ خود بخود زائل نہیں ہوگی ___ آپ اس انتظار میں رہیں کہ پہلے کھٹک زائل ہو جائے پھر کتاب اللہ کو پکڑوں؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کے بدن پر ناپاکی لگی ہوئی ہو اور دریا سامنے ہے اور کہے کہ پہلے پاک ہو جاؤں۔ دریا کہے گا۔ بے وقوف! میرے اندر آ کے دیکھ' پاک بھی میں ہی کروں گا۔ اس لئے اگر کسی کے دل میں زیغ اور کجی موجود ہے اور وہ اس کا علاج چاہتا ہے تو اس میل کو دھونے کے لئے کتاب و سنت ہی ذریعہ ہے۔

لٹریچر کی کثرت کا نقصان

زیغ تربیت اور تزکیہ نفس سے ہٹے گا۔ اس کے لئے شخصیت کی ضرورت پڑے گی۔ شخصیتوں کی طرف رجوع کئے بغیر محض کاغذ لٹریچر اور کالے نقوش سے کام نہیں چلے گا۔ آج ہم لٹریچر کتنا ہی اکٹھا کر لیں ہزاروں کتابیں شائع کر دیں لیکن جب تک نفس کی تربیت نہ ہو تو جو کتاب جس کے آگے جائے گی جب ذہن بنا نہیں تو الٹے ذہن سے الٹی بات سمجھے گا۔ سیدھے ذہن سے دیکھے گا۔ سیدھی بات سمجھ میں آئے گی اور ذہن عموماً ناتربیت یافتہ ہیں۔ اس لئے میں تو سمجھتا ہوں کہ لٹریچر کی کثرت عموماً مسلمانوں کو مضر پڑ رہی ہے۔ وہ کاغذ کے بندے ہو کر رہ گئے ہیں۔ اہلِ حق کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ بس کتابچہ دیکھ لیں گے۔ تو کتابچہ

سے دین تھوڑا ہی آتا ہے۔ دین تو صحبتِ اہل اللہ اور صحبتِ صلحاء سے آتا ہے۔

مرکزِ علم شخصیت ہے اور کتاب علامت

اسی واسطے جب کسی عالم کے علم کو جانچتے ہیں۔ اس سے یہ پوچھا کرتے ہیں؟ کہ تمہارا استاذ کون ہے؟ اور اس کا استاذ کون ہے؟ اور اس کا استاذ کون ہے؟ سلسلہ کیا ہے؟ یعنی سند پوچھی جاتی ہے ___ اگر دیکھتے ہیں کہ سند بڑے بڑے علماء کی ہے تو سمجھتے ہیں کہ مستند عالم ہے۔ یوں کوئی نہیں پوچھتا کہ آپ نے کون سی کتاب پر پڑھا تھا۔ اگر تو مطبع مجتبائی کی چھپی ہوئی تھی۔ تب تو آپ بڑے عالم ہیں۔ اگر کسی اور مطبع کی تھی تو آپ گھٹیا درجہ کے عالم ہیں۔ کیونکہ وہ کتابیں غلط چھاپتا تھا اس کا کاغذ اچھا نہیں ہوتا تھا تو عالم کا علم کاغذ اور کتاب سے نہیں پہچانا جاتا۔ روشنائی کی عمدگی سے نہیں پہچانا جاتا۔ اس سے پہچانا جائے گا کہ اس کا معلم کیسا تھا۔ اس میں دین تھا یا نہیں۔

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ :

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذوا دینکم

یہ علم تمہارا دین ہے۔ تو جس سے دین سیکھو، پہلے اسے بھی دیکھ لو کہ اس میں بھی دین ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ دین سینوں سے آتا ہے۔ سفینوں سے نہیں آتا۔

کتاب تو درحقیقت نقوش اور علامات ہیں۔ ان نقوش اور علامات کے حقائق سینوں کے اندر موجود ہیں۔ اسی کو قرآن کریم نے فرمایا :

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

یہ آیات بینات اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

انہوں نے اس کو ریاضت و مجاہدہ اور امانت و دیانت سے سینوں سے لیا ہے۔ کتابوں کی سند نہیں ہوتی کہ اس سے پہلے کون سی کتاب چھپی تھی اور اس سے پہلے کون سی۔ یہ دیکھیں گے کہ اسے کس نے پڑھایا اور اسے کس نے پڑھایا۔ تو محدثین سندوں میں شخصیتوں کو پیش کرتے ہیں۔ کتابوں کو پیش نہیں کرتے۔ اس لئے کہ مرکز علم شخصیت ہوتی ہے۔ کتاب نہیں۔ کتاب علامت ہوتی ہے جس سے وہ علم موجود رہے اور غلطی کے وقت کتاب کی طرف رجوع کریں۔

آدابِ طریق

اس لئے محض کتابوں اور پمفلٹوں سے اگر ہم دین حاصل کریں۔ کبھی دین حاصل نہیں ہوگا۔ دس رائیں پیدا ہوں گی۔ یہی وجہ ہے جو کتاب دیکھتا ہے اس کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے۔

یہ جو ہو رہا ہے کہ ہر آدمی کہتا ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے اب اسے کون سمجھائے کہ آیت کا مطلب سمجھنے کے لئے کچھ اصول موضوعہ بھی ہیں اور کچھ مقدمات بھی ہیں۔ وہ تو نے حاصل نہیں کئے۔ چاہتا ہے کہ سارے مطالب میں سمجھ لوں۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے اقلیدس کی شکل حل کرنے کے لئے ایک دیہات کا گنوار یہ کہے کہ مجھے اقلیدس کی چالیسویں شکل سمجھا دو۔ آپ اسے پوچھیں گے کہ اصول موضوعہ تجھے یاد ہیں وہ کہے گا کہ وہ تو میں نے نہیں پڑھے۔ علوم متعلقہ تجھے یاد ہیں؟ کہ یہ بھی نہیں پڑھے۔ تو استاذ کہے گا میں سمجھاؤں کس طرح؟ جب مبادی

تیرے ذہن میں نہیں تو مقاصد کس طرح تیرے ذہن میں ڈالوں۔ غرض علم کے لئے بہت سے مبادی اور مقدمات کی ضرورت ہے اور وہ کتاب و سنت میں ہیں۔ وہ مقدمات ذہن میں ندارد اور نتیجہ سمجھنے کے لئے آجائے اور بحث کرنے کے لئے تیار۔ اب کس طرح سے ان کو سمجھایا جائے تو لٹریچر کی زیادتی سے یہ نقصان پہنچ رہا ہے کہ دس ہزار آدمی ہیں تو مسئلہ کے اندر دس ہزار رائیں ہیں۔ پھر ہر ایک اپنی رائے پر جمود کئے ہوئے ہے کہ اسے ہی مانو یہی امر حق ہے۔ یا پھر مجھے سمجھادیں۔ اور جو چیز سمجھ میں نہ آئے۔ چاہے اسی کے نقصان فہم کی وجہ سے سمجھ میں نہ آئے وہ سمجھتا ہے کہ مسئلہ ہی غلط ہے جو میں سمجھتا ہوں وہ صحیح ہے۔

اس لئے علامات قیامت میں فرمایا گیا ہے کہ :

اعجاب کل ذی رای برایه

ہر شخص کو اپنی رائے پر اتنا اصرار اور جمود ہوگا کہ وہ اسے وحی خداوندی سمجھے گا کہ اس کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اپنی رائے کے اوپر ایک گھمنڈ اور اترا ہٹ ہوگی ___ لیکن جب اللہ کے رسولؐ کی سنتیں سامنے آئیں گی اور کتاب مبین کے اغراض و مقاصد اور مرادات واضح ہوں گی۔ پھر خود بخود اپنا کھوٹ اپنے اوپر کھل جائے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں انسان سب سے پہلے اپنا کھوٹ دیکھتا ہے۔ اس کھوٹ کو زائل کر کے محبت اور اتباع کتاب سے اپنے اندر نورانیت پیدا کرتا ہے اور اطاعت کے لئے نبی کی سنتیں درکار ہیں۔ تو سنن نبوی ہمارے عمل کے لئے راہنمائی کرتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات روشنی پہنچاتی ہے۔ اور سیدھا راستہ کتاب مبین ہے۔ اب ضرورت ہے چلنے کی۔ تو چلنے والے ہم اور آپ ہیں۔ اگر ہم ہی نہ چلیں تو کتاب و سنّت کا کوئی قصور نہیں۔ گھر بیٹھے ہی ایک رائے قائم کرلیں تو کتاب و سنت پر وہ رائے عائد نہیں ہو سکتی اسی واسطے دین کے اندر مطیع و متادب بنکر چلنے کی ضرورت ہے۔

وسائلِ علم کا اَدب

دین کی بنیاد اَدب کے اوپر ہے۔

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

جب ادب نہیں تو دین کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ دین کی بنیاد تادّب پر ہے اللہ کا ادب اللہ کے رسول کا ادب 'کتاب اللہ کا ادب' بیت اللہ کا ادب' اہل علم کا ادب' اور وسائل علم کا ادب جب تک نہ ہو دین نہیں آسکتا۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو واقعی آیت من آیات اللہ تھے اور اس زمانے میں قدیم محدثین کا ایک نمونہ اللہ نے علم ورایت و تفقہ اور عمل کے لحاظ سے پیدا کردیا تھا نے خود ایک دفعہ فرمایا۔ بات تو بڑی چھوٹی سی ہے مگر جب آدمی کرے تو اس پر استقامت بڑی مشکل ہے۔ فرمایا۔

"پانچ برس کی عمر سے جب سے میں نے ہوش سنبھالا اور آج میری عمر ساٹھ برس کی ہے کسی دینی کتاب کو میں نے بے وضو ہاتھ نہیں لگایا"۔

یعنی قرآن کے بارے میں نہیں۔ حدیث کی کتاب ہو' فقہ کی ہو' اصول فقہ کی ہو' جس پر دینی فن کا اطلاق آجائے فرمایا اسے میں نے بے وضو ہاتھ نہیں لگاتا۔ اتنا ادب تھا تو حضرت شاہ صاحب بن گئے۔ بے ادب کا مقام تھوڑا ہی ہے کہ وہ شاہ صاحب بن جاتے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا :

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ

''اے ایمان والو! نبی کی مجلس میں نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند مت کرو۔ کیونکہ یہ بے ادبی ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز کو غالب بنانا چاہتے ہیں تو یہ گستاخی ہے ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں۔

معلوم ہوا کہ اعمال کی بقا ادب کے ساتھ ہے اگر بے ادبی ہوگی تو عمل حبط و ضبط ہو جائیں گے کوئی اجر نہیں ملے گا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، خلقی طور پر جہری الصوت (بہت بلند آواز) تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسجد نبوی میں اتنا آہستہ بولنے لگے تھے کہ لوگ ان کی باتوں کو کان لگا کر سنتے تھے۔ کہتے تھے کہ میری آواز بلند نہ ہو کہ میرے اعمال اللہ کے ہاں حبط کر لئے جائیں ___ غرض یہ کہ ادب سکھلایا گیا ___ اسی طرح فرمایا گیا :

لَاتَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

رسول کو اس طرح مت پکارو۔ جس طرح آپس میں بے تکلف ایک دوسرے کو پکار دیتے ہو۔ بلکہ ادب و عظمت اور احترام کے ساتھ پکارو۔

بعض صحابہؓ نے یا محمد کہہ کر پکارا ___ تو تنبیہ فرمائی گئی یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ نام لے کر مت پکارو۔

رعایتِ مقام

خود حق تعالیٰ شانہ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو نام لے لے کر پکارا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے القاب سے پکارا۔

يٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ

يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ

يٰمُوْسٰى اِنِّيْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ

غرض ہر نبی کا نام لے کر پکارا ___ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطاب فرمایا تو کہیں یا محمد نہیں فرمایا :

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ۔

منصب کے لقب لئے جاتے ہیں۔ تاکہ حرمت و احترام واضح کردیا جائے۔ اور نمونہ بتلایا جائے کہ نبی کا نام لے کر کوئی نہ پکارو۔ خطاب خداوندی سے پکارو۔ رسول و نبی آپ کا خطاب ہے۔

حبیب اللہ آپ کا خطاب ہے ___ تو جب حق تعالیٰ شانہ جن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کئے ہوئے ہیں وہ احترام فرمائیں گویا اپنی بنائی ہوئی چیز ان کے نزدیک اتنی اعلیٰ ہے کہ خود بھی احترام فرما رہے ہیں تو ہماری اور آپ کی کیا مجال ہے کہ ہم بے حرمتی سے پیش آئیں۔ اگر بے حرمتی سے پیش آئیں گے تو عقائد و عمل اور دین بھی حبط ___ غرض اللہ کے رسول کا ادب بتلایا گیا۔

کتاب اللہ کا ادب بتلایا گیا

لَایَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ

کتاب اللہ کو چھوئیں۔ صرف وہ لوگ جو طہارت حاصل کرچکے ہوں۔ وضو اور غسل جنابت کئے ہوئے ہوں۔ جو پاک ہوں وہ ہاتھ لگائیں۔ تو کتاب اللہ ' رسول اللہ ' بیت اللہ اور مساجد کا ادب بتلایا۔

لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مساجد میں جمع ہوگئے ادھر ادھر کی بات چیت شروع کردی۔ تو اس کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا اِلَّا خَآئِفِیْنَ

اس سے زیادہ بد قسمت و بد بخت کون ہے جو مساجد میں ذکر اللہ کرنے والوں کو روکے اور مساجد کو ڈھائے۔

ایک مسجد کی صورت ہے جو اینٹ پتھر ہے۔ ان کے ڈھانے کا یہ مطلب ہے کہ عمارت گرادے اور ایک مسجد کی حقیقت ہے جو ذکر اللہ ہے اگر کوئی ذکر اللہ پر پابندی عائد کردے اور مخل بن جائے تو اس نے مسجد کی حقیقت کو ڈھادیا۔ دنیا کی باتوں سے ایسے مخل بن جائے کہ دوسرا نفلیں نہ پڑھ سکے زور زور سے دنیا بھر کی خرافات کررہے ہیں۔ دوسرے کی تلاوت میں خلل پڑ رہا ہے۔ یہ حقیقت مسجد کو ڈھادینا اور گرادینا ہے ان لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا بلکہ ان لوگوں پر واجب تھا کہ مسجد میں خوف و دہشت زدہ اور ڈرتے ہوئے داخل ہوتے کہ یہ دربار خداوندی ہے نہ یہ کہ بے ادبی گستاخی لاپرواہی اور لاابالی پن سے داخل ہوتے۔

اسی طرح اولیاء اللہ کا ادب بتلایا گیا کہ اللہ کے جتنے اولیاء ہیں۔ ان کی عظمت و حرمت کو ملحوظ رکھا جائے۔

حدیث میں فرمایا گیا :

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی

جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی تو ربانیوں کی توقیر اور ادب بتلایا گیا۔

بہرحال علم کا ادب وسائل و اشخاص علم کا ادب بتلایا گیا۔ ادب کے بغیر دین حاصل نہیں ہوتا ___ جس قوم کے اندر جسارت اور بے ادبی ہوگی۔ وہ دین سے ہی محروم رہے گی۔

فساد کبیر

صاحب ھدایہ نے ایک قطعہ لکھا ہے۔

فساد کبیر عالم متھتک
واکبر منہ جاہل متنسک

ھما فتنۃ فی العالمین کبیرۃ
لمن بھمافی دینہ یتمسک

وہ عالم فساد کبیر ہے جو بے ادب اور گستاخ ہو وہ دنیا کو بے ادبی کے راستہ پر ڈال دے گا تو عالم میں مفسدہ پھیلا رہا ہے اور اس سے بڑا مفسد جہالت کے ساتھ من گھڑت طریقوں پر عبادت کرے۔ اور جس راستہ پر چاہا بے سند چل پڑا۔ بے سند رسوم اختیار کیں۔ بدعات میں مبتلا ہو گیا۔ یہ جاہل بھی بے ادب عالم سے زیادہ فساد کبیر ہے جو جہالت سے عبادت کرے۔ مسئلہ اور فتویٰ نہ پوچھے۔ ایسا عالم اور جاہل یہ دونوں عالم کے اندر فتنے یں اور اس شخص کے لئے بھی فتنہ ہیں جو ان سے اپنے دین کا تمسک کرے اور انہیں اپنا راہنما بنائے۔ وہ بھی تنہ میں گرفتار ہو جائے گا۔

عالِم کا جوہر

عالِم کا جوہر یہ ہے کہ اس میں ادب ہو۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا

خوف خدا اور خشیۃ اللہ عالم ہی کے اندر ہوتا ہے۔ جتنا جس میں علم ہے۔ اتنا ہی اس میں خشیت ہے۔ جتنا لم سے کورا ہے۔ اتنا ہی اس میں بے خوفی ہے اور نڈر ہے تو بنیادی چیز ادب ہے۔ دین اس وقت تک حاصل یں ہوتا جب تک ادب نہ کیا جائے۔ اس لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہم بارگاہ رسالت کے اندر ادب ختیار کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیں تو درود شریف پڑھیں۔ نام مبارک آئے تو کہیں صلی اللہ یہ وسلم۔

ایک تو رسمی درود ہے کہ ہم نے ایک طریقہ باندھ لیا کہ بیٹھ کر پڑھو' درود شریف۔ یہ تو ایک رواجی چیز ہے ر ایک یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول ؐ کا نام آئے تو درود پڑھے بغیر نہ رہے صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کہیں حدیث میں آپ ؐ فرماتے ہیں کہ :

اس سے زیادہ بخیل کوئی نہیں کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ درود بھی نہ پڑھے۔

اس لئے سب سے بڑی چیز ادب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں درود شریف ادب کا ظہر ہے۔ اور اس سے بڑھ کر چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع ہے۔ اطاعت نام کو نہ کرے اور ب کا مدعی بنے تو وہ "عشقِ سعدی تابزانو" ہے عشقِ حقیقی نہیں۔ اس لئے کہ جب ادب اور عظمت ہوتی ے تو اطاعت اس کے لئے لازم ہوتی ہے۔

بہرحال ان وسائل کا ادب اور تادّب لازمی ہے ورنہ اس کے بغیر عمل نہیں ہو سکے گا۔ یعنی راستہ آپ یں چل سکیں گے۔ یعنی راہ روکی جو قید تھی تو اس کے لئے یہ تین چیزیں ہیں کہ روشنی راہ' راہ اور ساتھ میں

راہنما۔ تو راہ رو بھی ہونا چاہئے۔ تو اس میں شرط یہ ہے کہ متادب بن کر چلے اللہ کے راستہ میں سینہ ابھار کر نہ چلے۔ گردن جھکا کر چلے گردن جھکا کر چلے گا تو سربلند کیا جائے گا اور سینہ ابھار کر چلے گا تو پٹخ دیا جائے گا۔

من تواضع لِلّٰه رفعه اللّٰه

جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا۔ اللہ اسے سربلند رکھیں گے۔

عبادت کا مفہوم

اور اگر اکڑ کر چلے گا تو اس کے لئے دوسری چیز فرمائی گئی ہے :

الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیھما قصمتہ

کبریائی اور تکبر میرا چادر ہے۔ عظمت اور بزرگی میری لنگی ہے۔ جو اس میں کھینچا تانی کرے گا۔ اس کی گردن توڑ دوں گا۔ میں اس کو نیچا دکھادوں گا۔ تواضع کرے گا تو اونچا ہو گا۔ اینٹھے گا تو نیچا ہو گا۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

پستی سے سربلند ہو اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

ابھر کے چلتا ہے تو گرا دیتے ہیں۔ گر کر چلتا ہے تو اٹھا دیتے ہیں تو اس راہ کے اندر گردن جھکا کے چلنا پڑتا ہے۔ وہ اور راہ ہوگی جس میں آپ اکڑ کر چلیں۔

ہاں اگر وہ خود ہی ہمیں کہیں کہ اکڑ کر چلو پھر ہم سو دفعہ اکڑ کر چلیں گے۔ انہوں نے حکم دیا کہ :

لَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا

خدا کی زمین پر اکڑ کے مت چلو۔ اور فرماتے ہیں :

اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً

اے اکڑ کر چلنے والے! تو جو اینٹھ اینٹھ کر چل رہا ہے تو جو سینہ ابھار کر گردن الار کر چل رہا ہے تو تو زمین کو پھاڑ نہیں ڈالے گا۔ آسمان کو نہیں پہنچ سکے گا۔ اتنی ہی جگہ میں رہے گا جتنی میں ہے پھر کیوں اس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اکڑ کر کہیں اوپر پہنچ جاتا تو ٹھیک تھا۔ اکبر (لسان العصر) نے خوب کہا ہے۔ ؎

تعجب' نخوتِ اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ کیوں اس پر اکڑتے ہیں کہ جس میں مر کر گڑنا ہے

جس چیز کے پیٹ میں سرنگوں ہو کر اور سر کے بل جانا ہے اس پر سر کو ابھارنا دانائی اور دانشمندی کے خلاف ہے اس لئے حکم دیا کہ اکڑ کر نہ چلو۔

لیکن اگر ہمیں حکم دیں کہ اکڑ کر چلو جیسا کہ جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے تو اس کے ابتدائی تین پھیروں میں حکم ہوتا ہے کہ اکڑ کر چلو۔ ہم سو دفعہ اکڑ کر چلیں گے۔ ؎

گر طمع خواہد زمن سلطان دین
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

اگر بادشاہ یوں کہے کہ لالچی بنو تو ہم لالچی بن کر دکھائیں گے پھر ہمیں قناعت کی ضرورت نہیں اگر اللہ میاں یوں کہیں کہ تم لالچی بنو تو سو دفعہ لالچی بنیں گے پھر قناعت کے سر پر خاک ڈالیں گے۔

وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ

جنت کے بارے میں حریص بننا چاہئے کہ ایک دوسرے پر حریص بن کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ خوب لالچ کا مظاہرہ کریں۔ قناعت اگر کرنی ہے تو دنیا کے مال میں کرو۔ ہوسناکی چھوڑ دو۔ لیکن آخرت کی نعمتوں کے بارے میں ہوسناک بنو۔ کسی حد پر نہ ٹھہرو۔

جنت کی نعمتوں میں علم اور معرفت بھی ہے اس لئے فرمایا کہ:

منهومان لايشبعان طالب العلم وطالب الدنيا

”دو بھوکوں کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا۔ طالب علم کا اور طالب دنیا کا“۔

اما طالب العلم فيزداد رضى الرحمن واما طالب الدنيا فيتمادى فى الطغيان

طالب علم جتنا پڑھے گا رضا خداوندی بڑھتی رہے گی اور دنیا کی طلب میں جتنا بڑھے گا۔ سرکشی اور تمرّد بڑھتا رہے گا تو جہاں قناعت کرنی ہے وہاں قناعت کرے۔ جہاں لالچی بننا ہے وہاں لالچی بنے۔ اور دونوں حکم خداوندی کے تابع ہیں۔

حاصل یہ نکلا کہ بندہ وہ ہے جو فرمان خداوندی کے تابع ہو۔ بندگی اور عبدیّت کے یہی معنی ہیں کہ جس وقت جو حکم دیں اسے انجام دے۔ اگر وہ یوں حکم دیں کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا عبادت بن جائے گا اور اگر یوں کہیں کہ ہرگز مت پڑھو۔ تو نماز کا چھوڑ دینا عبادت بن جائے گا۔ پانچ وقتوں میں حکم دیا کہ نماز پڑھو۔ تو نماز پڑھنا عبادت اور تین وقتوں میں حکم دیا کہ ہرگز مت پڑھو۔ طلوع، غروب اور استواء آفتاب کے وقت۔ اس وقت نماز پڑھے گا تو گناہ گار ہوگا۔ کوئی ثواب نہیں ملے گا ___ اس سے معلوم ہوا کہ نہ نماز پڑھنا عبادت ہے نہ نماز چھوڑنا عبادت ہے۔ کہا ماننا عبادت ہے جو کہہ دیں وہ کرو۔

حکم دیا کہ روزے رکھو۔ بہت اچھا۔ بس یہ عبادت ہے۔ عید کے دن حکم دیا کہ خبردار اگر روزہ رکھا۔ اگر رکھا تو گناہ گار ہوگا۔ افطار واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ نہ روزہ رکھنا عبادت نہ اس کا چھوڑنا عبادت۔ کہنے کا ماننا عبادت ہے۔

خودکشی حرام کردی۔ خون مت بہاؤ اسی طرح دوسرے کا بھی خون مت بہاؤ۔ فرمایا:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ

جس نے مسلمان کو عمداً قتل کیا۔ اس کی جزاء جہنم ہے۔

گویا قتل کرنا عظیم الشان معصیت ہے اور جہاں وہ فرمائیں کہ خوب قتل کرو۔ وہاں وہ عبادت ہے۔ چنانچہ جہاد میں جائے تو سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ آدمی خون بہادے تو معلوم ہوا کہ نہ خون کا بہانا معصیت نہ چھوڑنا معصیت کہنا نہ ماننا معصیت ہے اور ماننا اطاعت ہے۔ ہر چیز میں یہی اصول کارفرما ہے۔

فطرت اور شریعت

اسلام معتدل مذہب ہے جسے اسپرنگ پالیسی کہتے ہیں وہ ہے اسلام میں کہ دونوں پہلوؤں کی رعایت ہے کہیں ادھر کا حکم دیتے کہیں ادھر کا حکم دیتے ہیں۔ علی الاطلاق کسی چیز کو معصیت نہیں قرار دیا۔

ایسے ہی ”جھوٹ بولنا“ بلاشبہ معصیت ہے۔ گناہ کبیرہ ہے بلا توبہ کے معاف نہیں ہوتا لیکن انسان میں مبالغہ آمیزی کا ایک طبعی جذبہ ہے کہ جھوٹ بات بھی کہہ جاتا ہے۔ زور کلام میں بعض دفعہ غلط چیزیں بھی کہہ

جاتا ہے ___ اس جذبے کو بھی شریعت نے پامال نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ محفوظ رکھو اگر کہیں نوبت آئے اور ہم اجازت دیں تو ضرور جھوٹ بول لینا۔

چنانچہ فرمایا اگر دو بھائیوں میں لڑائی ہو رہی ہو۔ تلواریں کھنچ چکی ہوں۔ ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو۔ تم جھوٹ بول کر صلح کرا سکتے ہو تو کرا دو۔ تمہیں جھوٹ بولنے میں وہ اجر ملے گا جو نماز پڑھنے میں ملتا ہے ___ آپ نے ایک بھائی سے جا کر یہ کہا۔

"کہ بھائی تم کس سے لڑ رہے ہو وہ تو رات تمہاری بڑی تعریفیں کر رہے تھے اور رو رہے تھے کہ میرا بھائی مجھ سے جدا ہو گیا"۔

اس نے کہا اچھا! میرے بھائی کے دل میں اتنی گنجائش ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ بڑا دشمن ہے ___ کہا آپ نے بالکل غلط سمجھا۔

دوسرے سے بھی جا کر یہ کہہ دیا کہ تم کس سے دشمنی کر رہے ہو وہ تو رات بھر تمہارا ذکر کرتے رہے اور جدائی کا افسوس کرتے رہے۔

اس کی دشمنی بھی ڈھیلی ہو گئی۔ اس کی بھی ہو گئی دونوں نے صبح کو مصافحہ کیا۔ حالانکہ آپ نے جھوٹ بولا تھا۔ اس جھوٹ پر آپ کو وہ اجر ملے گا جو آپ کو اطاعت و عبادت پر ملتا ___ اگر سچ بول دیں اور اس سے فتنہ پھیلے تو وہ سچ حرام ہے۔ اسی لئے غیبت حرام ہے۔ غیبت سچ بولنے ہی کو کہتے ہیں۔ اس لئے کہ غیبت کی تعریف یہی ہے کہ کسی کی واقعی برائی کو اس کی پشت پیچھے بیان کرے۔ اگر جھوٹی بات کہی تو وہ افتراء ہے تو یہ سچ بولنا حرام ہے۔ کیونکہ فتنے کا ذریعہ ہے اور وہ جھوٹ بولنا ضروری ہو جاتا ہے اس لئے کہ رفع فتنہ کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح دھوکہ دینا، مکر و فریب بہت بڑی چیز ہے۔

لیس منا من غشنا

وہ ہم میں سے ہے ہی نہیں جو دھوکہ بازی کرے۔

لیکن فرماتے ہیں **الحرب خدعة** جہاد میں دھوکہ دینا بھی جائز ہے۔ وہاں جا کے یہ عبادت بن گئی تو دھوکہ دہی کے جذبے کو شریعت نے پامال نہیں کیا۔ مگر اپنے کنٹرول میں رکھا ہے۔ جہاں ہم کہیں استعمال کرو۔ جہاں رو کیں رک جاؤ۔ اس لئے کہ تم ہمارے بندے ہو۔ اپنے نفس کے بندے نہیں ہو کہ جو تمہارا نفس چاہے وہ کرو۔ نہیں جو ہم چاہیں وہ کرو نفس کو پیچھے پھینکو۔

تو جھوٹ، مکر و فریب یہ یقیناً معصیت ہیں اور انسان کے ضمیر کے اندر یہ معصیتیں رکھی گئی ہیں۔ جھوٹ بولنے کا انسان کے قلب میں ایک کونہ ہے اور مکر و فریب کا بھی ایک کونہ ہے۔ غیض و غضب اور حسد کا بھی ایک کونہ انسان کے دل میں ہے تو شریعت اس لئے نہیں آئی کہ پیدائشی مادوں کو زائل کر دے یا ختم کر دے بلکہ اس لئے آئی ہے کہ مصرف بتا دے اور ٹھکانے لگا دے۔

غصہ کا جذبہ ہے۔ اس کو شریعت نے پامال نہیں کیا اگر غصہ نہ ہو تو آپ جہاد کیسے کریں گے؟ اگر جوش اور جذبہ نہ ہو تو باطل کے مقابلہ میں آپ کیسے آئیں گے؟ اگر سارے ہی ٹھنڈے بن جائیں تو ملک کی حفاظت کون کرے گا۔ فوجی طاقت بھی تو ہونی چاہئے اور کبھی کبھی اس کا مظاہرہ بھی تو چاہئے تاکہ فتنوں کا استیصال ہو۔ اس لئے غصہ بھی اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے۔ اس کو پامال نہیں کیا۔ یہ کہا کہ جہاں ہم کہیں وہاں استعمال کرو۔ جہاں ہم نہ کہیں وہاں ٹھنڈے بن جاؤ۔ جہاں بے مصرف استعمال کرو گے، گناہ گار بنو گے۔ جہاں مصرف صحیح میں استعمال کرو گے نیکوکار بن جاؤ گے۔ غرض کوئی جذبہ جسے ہم برے سے برا سمجھیں اسے شریعت نے

ختم نہیں کیا۔ ہاں ٹھکانے لگایا ہے۔ یہی معنی ہیں دین فطرت کے کہ کسی قوت کو زائل نہیں کیا بلکہ ہر قوت کے مصارف بتلادیئے۔ تو اپنی قوت کا استعمال کرنا یہ فطرت ہے۔ مصارف کا بیان کرنا شریعت کا کام ہے۔ اس لئے فطرت کو پامال نہیں کیا۔

دینِ فطرت کی عجیب تعبیر

اگر انسان ان قوتوں کو کھودے تو انسان ہی باقی نہیں رہے گا۔ پھر شریعت پر عمل کون کرے گا۔ ان چیزوں کے مجموعے ہی کا نام انسان ہے۔

ہاتھ اور پیر کے مجموعے کا نام انسان ہے۔ اگر ہاتھ کو کاٹ کر پھینک دیں تو شرعی اعمال کون انجام دے گا؟ اگر پیر کو کاٹ کر پھینک دیں تو بیت اللہ اور مسجد میں کون جائے گا۔ ان اعضاء کو صحیح رکھ کر ہی دین پر صحیح عمل ہو سکتا ہے۔

بعض مذاہب میں یہ ہے کہ قوتوں اور اعضاء کو زائل کردو یہ دین ہے کسی جوگی نے ہاتھ اٹھایا اور برس دن اٹھائے رکھا۔ حتی کہ وہ خشک ہوگیا۔ تو اس قوت کو زائل کر کے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دین دار بن گئے۔ تو تعذیب جسمانی کا نام دین نہیں ہے' تہذیب روحانی کا نام دین ہے یہ جب ہوگی جب جسم کو استعمال میں لگاؤ۔ عمل کرو۔

تو ہاتھ کاٹ دینا یا مٹادینا یہ دین نہیں ہے۔ ہاتھ کو شریعت کے مطابق صحیح مصرف میں استعمال کرنا یہ دین ہے۔ فرمایا گیا :

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

تو یہ دین ہے کہ ہاتھ کو مار پٹائی کے لئے استعمال کرو۔ مگر مومن کے مقابلہ میں استعمال نہ کرو۔ سچے کے مقابلہ میں استعمال نہ کرو۔ جھوٹے کے مقابلے میں مجرم کے مقابلہ میں استعمال کرو۔ تو اگر ہاتھ کی قوت زائل کردی تو مجرم کے اوپر ہاتھ اٹھانے والا کون ہوگا؟ دین دار بن کر سارے لنجے بن جائیں گے۔ غرض شریعت اسلام دین فطرت ہے اور دین فطرت کے معنی یہ ہیں کہ کسی بھی قوت کو پامال نہ کیا جائے۔ ہر قوت کا صحیح مصرف بتلایا جائے۔ تو غصہ' جھوٹ' دھوکہ اور جذبہ اطاعت اور تواضع کا بھی مصرف بتلایا۔ سب چیزوں کے مصارف کو متعین کرنا یہ شریعت کا کام ہے اور ان ساری قوتوں کے حقوق ادا کرنے کا نام اسلام ہے کسی ایک قوت کو آپ کھودیں اس کا حق ادا نہ کریں۔ اسی حد تک آپ کا اسلام ناقص ہوگیا۔ دین ناقص ہوگیا۔

ان ساری چیزوں کے مجموعے کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے دکھلادیا۔ ہاتھ یوں اٹھاتے ہیں۔ چلتے یوں ہیں۔ غصہ یوں کرتے ہیں۔ مہربانی یوں کرتے ہیں۔ محبت کا یہ طریقہ' عداوت کا یہ طریقہ ہے۔ ان ساری سنتوں کو راہنما بنا کے اپنی اندرونی قوتوں کو استعمال کیجئے۔ نمونہ نبی کا سامنے ہو۔ جذبہ آپ کے اندر ہو تو آپ کا دین کامل و مکمل ہوجائے گا بہرحال راہ رو کے اندر رہروی کی طاقت ہونی چاہئے۔ اگر اس میں طاقت موجود ہے تو راستہ بھی موجود ہے۔ راستے کی علامتیں بھی موجود ہیں۔ روشنی بھی موجود ہے۔ راہنما بھی موجود ہے۔ فرق اتنا ہے کہ خلل جتنا ہے وہ راہ رو کے اندر ہے۔

راہ دکھلائیں کسے راہ رو منزل ہی نہیں

جود وعطا

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ روزانہ آسمانِ دنیا پر حق تعالیٰ کی تجلّیات اترتی ہیں اور ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ جیسا ہاتھ ان کی شان کے مناسب ہے، اور فرماتے ہیں کہ

انا الملک من ذالذی یدعونی
انا الغافر من ذالذی یستغفرنی
انا الرازق من ذالذی یسترزقنی

میں بادشاہ ہوں کوئی ہے مانگنے والا؟
میں مغفرت کرنے والا ہوں کوئی ہے بخشش طلب کرنے والا؟
میں رزق دینے والا ہوں کوئی ہے رزق طلب کرنے والا؟

یعنی بندے کو تکلیف نہیں دی کہ تو اُڑ کر آسمان پر آ۔ اپنی تجلّیات سے عرش سے آسمانِ دنیا پر نزول فرمایا۔ جو آپ کا آسمان ہے تو بجائے آپ کو تکلیف دینے کہ اوپر چڑھو۔ خود بادشاہوں کا بادشاہ نیچے آتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے۔

اور ہاتھ پھیلانا سائل کا کام ہے۔ مگر یہاں دینے والا ہاتھ پھیلا رہا ہے کہ مانگو کون مانگتا ہے۔ صبح صادق تک یوں ہی آوازیں لگتی رہتی ہیں جن کو اللہ نے توفیق دی ہے اٹھتے ہیں تہجّد پڑھتے ہیں گڑگڑاتے ہیں۔ مانگتے ہیں۔ ان کو منہ مانگی مرادیں ملتی ہیں جو محروم القسمت ہیں وہ پڑے رہتے ہیں۔

رعایت وسہولت

پھر آسانی کتنی کردی۔ تہجّد کو ہی دیکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ رکعات بھی ثابت ہیں آٹھ بھی اور چار رکعات بھی ثابت ہیں۔ حتیٰ کہ دو بھی ثابت ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو بھی پڑھ لیں تو بھی آپ تہجّد گزار ہیں۔ بلکہ ایک حدیث میں تو یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر اخیر شب میں اٹھنا ذرا بھاری ہو تو عشاء کی سنتوں کے بعد وتروں سے پہلے دو یا چار رکعات تہجّد کی نیت سے پڑھ لیں وہ بھی تہجّد ہی شمار ہوگا۔ یہ بھی ایسا ہی ہے جیسے اخیر شب میں تہجّد پڑھی۔

بلکہ حدیث میں تو یہ بھی فرمایا گیا کہ قیامت کے دن ایک شخص حاضر ہوگا۔ حق تعالیٰ ملائکہ سے فرمائیں گے کہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو کہ عمر بھر تہجّد پڑھا۔

ملائکہ عرض کریں گے۔ یا اللہ اس نے تو ایک دن بھی نہیں پڑھا۔ کیسے لکھ دیں؟

حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب یہ سونے کے لئے لیٹتا تھا تو نیت کرتا تھا کہ آج ضرور اٹھوں گا۔ مگر آنکھ نہیں کھلتی تھی۔ تو آنکھ نہ کھلنا یہ اس کے قبضے کی چیز نہیں تھی۔ وہ ہماری طرف سے تھا یہ تو نیت کرلیتا تھا۔ اور

نیۃ المرء خیر من عملہ

آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ جب عمر بھر روزانہ نیت کرتا تھا تو لکھ دو کہ روزانہ تہجّد پڑھتا تھا۔ پوری عمر کا اجر وثواب (باوجود سوئے رہنے کے اس کو) مل جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی نہ پڑھے تو کم از کم سوتے ہوئے نیت ہی کرلیا کرے کہ اللہ میاں آج ضرور اٹھوں گا۔ یہ دوسری چیز ہے کہ اگر آنکھ کھل جائے تو تہجّد پڑھ لو۔ اگر آنکھ نہ کھلے گی تو نیت کے لحاظ سے تہجد گزار بن جاؤ گے تو اس سے زیادہ آسانی اور کیا چاہتے ہو۔ نیّت کرنے میں ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ نہ پیسہ لگے نہ دھیلہ۔ مفت کا ایک ثواب۔ اتنی بھی کوئی

کوشش نہ کرے۔ تو اس محروم القسمتی کا کسی کے پاس کیا علاج ہے۔ بلکہ آدمی ہر خیر کی نیت کرے۔

انوار السنن

اچھا خیر کی نیت بھی نہ کرو یہ جو روزانہ فرائض کے علاوہ اعمال انجام دیتے ہو۔ مثلاً بازار جا رہے ہو۔ سودا خرید رہے ہو۔ کپڑا لا رہے ہو۔ دنیا بھر کے کام کرتے ہو اگر ان کاموں میں یہ نیت کرلو کہ حق تعالیٰ کے انعامات ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ انعام کا استعمال کرو تو میں تعمیل حکم الٰہی کے واسطہ یہ چیزیں خرید رہا ہوں۔ تو وہی اجر ملنا شروع ہو جائے گا جو عبادت کے اوپر ملتا تو ذرا سی نیت کے پھیر سے آدمی چاہے تو عادت کو عبادت بنالے اور ذرا سی غفلت اور بے فکری سے عبادت کو چاہے تو عادت بنالے کہ بے اجر ہو کر رہ جائے۔ تو جب اللہ نے عادتوں پر بھی اجر رکھا ہے اور اس میں نیت کافی ہو جاتی ہے تو وہ آدمی بڑا محروم ہے کہ نیت ہی نہ کر پائے۔ جس پر کچھ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ کوئی محنت نہیں بس ذرا سا فکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اب آدمی ایسا بھی کیا ہو کہ شتر بے مہار بن جائے کہ ما سے نیت کرتے بھی تعجب ہو کہ میں خود بھی آزاد اور میرا فکر آزاد۔ تو پھر آزادی کے ساتھ جنگل میں چلے جانا چاہئے۔ شہر میں کیوں رہے۔ کسی بھی چیز کا پابند کیوں رہے۔

تو سنن انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اتنی آسان ہیں کہ ان میں اگر آدمی ذرا فکر کرے تو محنت بھی نہیں کرنی پڑتی۔ اور اجر و ثواب کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ لیکن

اگر تو ہی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

خود اگر ارادہ نہ کرو تو اس کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں۔ لقمان حکیم کے پاس بھی اس کی دوا نہیں یہ ایسا لاعلاج مرض ہے۔

تو میرے بزرگو!

سب سے پہلے ادب اور عظمت پیدا کرو۔ دین کی اہل دین کی اور وسائل دین کی۔ اس کے بعد اپنی نیت صحیح کرو۔ اور نیت کی صحت کے ساتھ جذبہ رکھو کہ اپنے پیغمبرؐ کی سنتوں کا اتباع کریں گے جو نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں ہے وہ نور اور برکت تمہارے بنائے ہوئے نمونوں میں نہیں ہو سکتی۔ ___ ہاں میں کہتا ہوں کہ مشائخ طریقت ہی بنائیں وہ ان کے حال کی بات ہوگی۔ لیکن نقالی جب کریں تو رسم پیغمبری کی کریں گے۔ اس لئے کہ رسم پیغمبر سے بہتر کوئی رسم نہیں ہو سکتی۔ جو طرز کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس میں جو نور ہے وہ کسی کے طرز کلام میں نہیں ہو سکتا۔ تو انوار و برکات اہل اللہ کے کلام میں بھی ہوتے ہیں۔ اس کے عمل میں بھی لیکن

ع از تودہ کلاں بردار

جب اٹھانا ہی ہے تو بڑے ڈھیر میں سے اٹھاؤ۔ جس سے اونچے پہنچو تو اصل چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع ہے۔

آثارِ محبت

تو محبت کا جذبہ رکھو اور محبت کے ساتھ اطاعت کا جذبہ رکھو۔

من احبنی فقد اطاعنی ومن اطاعنی کان معی فی الجنۃ

"جس نے میرے ساتھ محبت کی وہ میری اطاعت ضرور کرے گا اور جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا"۔

معلوم ہوا کہ محبت کا ثمرہ لازمی اطاعت ہے اگر اطاعت اور تابع سنت نہیں ہے تو دعویٰ محبت باطل ہے۔ نیز عاشق دعویٰ نہیں کیا کرتا۔ عاشق تو عمل کرتا ہے جو کہتا پھرے کہ میں فلاں کا عاشق ہوں لوگ کہیں گے جھوٹا ہے مکار ہے عاشق کہیں دعویٰ کرتے پھرتے ہیں۔ عشق کی اولین منزل ترک دعویٰ ہے کہ دعویٰ نہ رہے فنائیت محضہ ہو جائے اور جو مدعی بنا ہوا ہے تو مدعی اپنی بقا کا قائل ہے اس میں فنائیت کہاں؟

غرض عاشق کے لئے دعویٰ کہاں؟ سب سے پہلی چیز عاشق کے لئے ترک دعویٰ ہے۔ اس لئے اگر کوئی عاشق رسول ہے تو اس کی علامت یہ ہے۔

کہ دعویٰ نہ ہو کہ میں عاشق رسول ہوں۔ بلکہ نادم ہو کہ جتنا عشق کرنا چاہئے تھا نہیں کر سکا۔ اور اس عشق کو اطاعت سے پہچانا جائے گا۔ اس لئے کہ آپ ؐ نے خود فرمایا کہ :

من احبنی فقد اطاعنی

"جو میرے ساتھ محبت کرے گا وہ میری اطاعت بھی کرے گا"۔

تو محبت کی علامت اور اس کے ظہور کا طریقہ فی الحقیقت اطاعت ہے جیسا کہ ایمان کی علامت عمل صالح ہے تو ایمان نام محبت ہی کا تو ہے۔

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین

"کوئی شخص تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میرے ساتھ اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی محبت نہ اپنے نفس سے ہو نہ اپنے اہل و عیال اور ماں باپ سے ہو"۔

اور اس کا پتہ چلتا ہے جب مقابلہ پڑتا ہے کہ ایک طرف اللہ ہے اور ایک طرف اولاد ہے کس کو اختیار کروں؟

جو محب اور مومن ہو گا۔ وہ یقیناً اللہ کو ترجیح دے گا۔ اولاد کو ترک کر دے گا۔

حدیث میں واقعہ آتا ہے کہ جب غزوہ بدر ہوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے ایمان نہیں لائے تھے وہ کفار کی صف میں تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ادھر تھے ___ جب غزوہ بدر ختم ہو گیا اور وہ صاحبزادے ایمان لے آئے تو ایک دن انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ

اے باپ! اس جنگ (بدر) میں کئی مرتبہ اس کی نوبت آئی کہ آپ ٹھیک میری زد کے اوپر آ گئے اور میں چاہتا تیر پھینکتا یا تلوار لگاتا تو یقیناً آپ کو ختم کر دیتا۔ مگر دل میں خیال آیا کہ میرا باپ ہے میں بیٹا ہو کر باپ پر حملہ کروں ___؟ یہ اس نے کہا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اس غزوہ میں تو میری زد میں نہیں آیا۔ اگر آجاتا تو خدا کی قسم سب سے پہلے تیرے گلے پر تلوار چلاتا۔ اس لئے کہ تو میرا بیٹا نہیں تھا۔ جب تو دشمن رسول ؐ بن گیا تو میں دشمنان رسول ؐ سے مقابلہ کر رہا تھا۔ آل

اور اولاد کا وہاں کیا کام؟

تو محبت خداوندی کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب اللہ اور رسولؐ کا مقابلہ دوسری چیزوں سے پڑجائے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان اور محبت رسولؐ کے مقابلہ میں بیٹے کو ختم کردینا چاہتے تھے تو محبت دو باتوں سے پہچانی جاتی ہے ایک یہ کہ دعویٰ ترک کردے۔ دوسرے محبوب کا اتباع کرے۔ اتباع بھی نہ ہو اور مدعی بھی ہو۔ وہ جھوٹا دعوٰی ہے۔ حقیقی دعوٰی نہیں ہے۔ اس لئے دعوٰی بھی ترک کیجئے نیت بھی اپنی صحیح کیجئے۔ عشق رسولؐ ہے تو سنت رسولؐ کی پیروی کیجئے۔

اُسوۂ حسنہ

اگر جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور نمونہ جامع ہے جیسا کہ آپ خود دعوٰی کرتے ہیں کہ اللہ نے جامع رسول ہمارے پاس بھیجا۔ زندگی کا کوئی گوشہ خالی نہیں جس کا نمونہ عمل نہ دکھلایا ہو تو آپ کو ہر گوشہ زندگی میں دیکھنا چاہئے کہ میرے رسولؐ نے یہ فعل کس طرح انجام دیا۔ اگر غمی ہو جائے تو آپ دیکھیں کہ میرے رسولؐ نے یہ غمی کس طرح انجام دی۔ آج تیجے دسویں اور چالیسویں کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح اگر شادی ہو تو میرے رسولؐ نے کس طرح شادی کی۔ آیا اسی طرح سے برادریوں کے اندر نوید پھیری تھی۔ اسی طرح بڑھ چڑھ کر مفاخرت کی دعوتیں کی گئیں تھیں تو خوشی ہو یا غمی ہر چیز کے اندر مومن اور مسلم کی پہلی نگاہ اس پر جانی چاہئے کہ میرے رسول پاکؐ نے کس طرح کرکے دکھلایا تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز میں، تو آپ رسول کی اطاعت کریں شادی بیاہ میں نہ کریں۔ موت اور غمی میں نہ کریں۔ یہ چیزیں آپ کے اختیار میں تھوڑا ہی دی گئیں۔ یہ چیزیں تو اہم چیزیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ معمولی معمولی چیزیں بھی آپ کے اختیار میں نہیں دی گئیں۔ لباس پہننا بھی آپ کے اختیار میں نہیں دیا گیا۔ آپ پابند ہیں کہ اسی نمونے کے مطابق پہنیں جو اللہ کے رسول کا نمونہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ کرتہ پہنو تو دایاں ہاتھ پہلے دائیں آستین میں ڈالو۔ بایاں ہاتھ بعد میں ڈالو۔ تو سنت طریقہ یہ تھا کہ دایاں ہاتھ پہلے ڈالو اور بایاں بعد میں ڈالو۔ آج موجودہ تہذیب کے مطابق بایاں پہلے ڈالتے ہیں اور محب رسول اور عاشق رسول ہیں عاشق تو وہ ہوتا ہے جو لباس پہنے تو دیکھے کہ میں سنت کی مطابقت کررہا ہوں یا سنت کے خلاف کررہا ہوں۔ محبوب کے طرز عمل پر چل رہا ہوں۔ یا اپنے نفس کو محبوب بنا رکھا ہے۔ اس کے نمونے پر چل رہا ہوں۔ تو اس میں بھی آپ آزاد نہیں ہیں۔

فرمایا گیا جب رات کو سوتے وقت لباس اتارو تو اسے زمین پر یا فرش پر ویسے نہ ڈالو دو یا تین تہہ کرکے رکھو یا اوپر ٹانگو۔ فرماتے ہیں:

اطووا ثيابكم ترد اليها ارواحا

کپڑوں کو لپیٹ کر رکھو۔ کپڑوں میں ارواح ہوتی ہیں۔ کپڑے کی ایک روح ہے۔ اگر وہ نکل گئی تو کپڑے کی برکت جاتی رہے گی۔ پہننے کا حظ اور لذت ختم ہو جائے گی تو معلوم ہوا کہ لباس اتار کر رکھنے میں بھی آزاد نہیں۔ ایک طریقہ ہمیں بتلادیا گیا ہے۔

نیند کا مسنون طریقہ

اسی طرح ہم سونے میں بھی آزاد نہیں سونے کے چار ہی طریقے ہیں یا آدمی اُلٹا لیٹ کر سوئے۔ یا چت

لیٹ کر سوئے۔ یا دائیں کروٹ پر یا بائیں سوئے۔ الٹا لٹک کر یا کھڑے کھڑے نہیں سو سکتا۔ اس لئے یہی چار طریقے متعین ہیں۔

تو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوندھا لیٹ کر سونا مکروہ ہے۔ شریعت نے اسے پسند نہیں کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں الٹے لیٹے ہوئے تھے آپؐ نے پیر سے ٹھوکر ماردی اور فرمایا :

یا جنلب یا جنلب ان هذه ضجعة اهل النار

"یہ اوندھا لیٹنا جہنمیوں سے مشابہت ہے"۔

اہل جہنم اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ مومن کا کام یہ نہیں ہے کہ جہنمیوں سے مشابہت پیدا کرے۔ اس لئے اوندھا لیٹنا ناپسند کیا اور مکروہ قرار دیا۔

کوئی شخص چت لیٹے تو جائز تو ہے مگر پسندیدہ نہیں۔ اس واسطے کہ ضعیفوں کی سی ہیئت ہے۔ بیمار آدمی ہو تو چت پڑا رہتا ہے۔ ایسے ہی جو بے قابو گرتا ہے تو چت گرتا ہے۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں پہلوان نے پچھاڑ دیا اور وہ چاروں شانوں چت گرا ئیوں نہیں کہتے کہ چاروں شانوں پٹ گرا۔ تو چت گرنا بے قابو ہونے کی علامت ہے ضعیفوں کی سی ہیئت بنانے کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا گیا :

المومن القوی خیر من المومن الضعیف

"قوی مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے بہادر مسلمان بزدل مسلمان سے بہتر ہے"۔

بزدلی اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہوتی بہادری جمع ہوتی ہے تو ضعیفوں اور بے قابو لوگوں کی سی ہیئت بنانا پسندیدہ نہیں۔

اب رہا بائیں کروٹ پر لیٹنا یہ بھی جائز ہے مگر شریعت نے کچھ نامناسب سمجھا ہے کہ اس واسطے کہ بائیں جانب قلب ہے۔ جب آپ بائیں رخ پر لیٹیں گے تو قلب کو سکون ملے گا اور جتنا زیادہ سکون ملے گا نیند گہری آئے گی اور جتنی گہری نیند آئے گی۔ آپ گھوڑے بیچ کر سوئیں گے۔ پھر نہ نماز کی فکر رہے گی' نہ تہجد کی۔ نہ قیام لیل کی تو اس سے عبادت کے نظام میں خلل پڑے گا۔ عبودیت کے اندر فرق پڑے گا تو نومِ غریق (گہری نیند) کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ چوکنا سونا شریعت نے پسند کیا ہے۔ اس واسطے یہ بھی ناپسند ہے۔

اب ایک یہی طریقہ رہ جاتا ہے' یعنی دائیں کروٹ پر لیٹنا۔ یہی سنّت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

اور دائیں کروٹ پر جب آدمی لیٹے گا تو قلب بائیں جانب ہے وہ معلق رہے گا۔ جب معلق رہے گا تو گہری نیند کبھی نہیں آئے گی۔ چوکنا نیند آئے گی۔ اس وقت ارادہ کر کے سوئے گا جبھی آنکھ کھلے گی تو میں کہتا ہوں کہ ہم سونے میں بھی آزاد نہیں آپ سمجھتے تھے کہ یہ ایک عادت کی چیز ہے۔ طبعی چیز ہے طبعیات پر بھی شریعت نے آداب عائد کر دیئے ہیں ہم تو سونے میں بھی پابند ہیں چہ جائیکہ شادی اور غمی میں آزاد ہو جائیں۔ چہ جائیکہ رسوم میں آزاد ہو جائیں تو لباس اور سونے کے اندر بھی قانون شریعت لاگو ہے۔

رُسوم و خیالات اور قانونِ شریعت

حتیٰ کہ ہمارے خیالات کے اوپر بھی یہ قانون لاگو ہے کہ خیالات بد بھی دل کے اندر نہ لاؤ۔ فکر بھی صحیح ہو عقیدہ بھی صحیح ہو۔ قلب پاک چیز ہے پاک ظرف ہے اس کے اندر پاک چیزیں بھرو۔ ناپاک چیزیں مت بھرو۔

تو ہمارے قلب پر بھی قانون شریعت عائد ہے۔

سلاطین دنیا کا قانون بدنوں پر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ بدن تک ہی ان کی رسائی ہے ہمارے قلب اور قلبی خیالات کو وہ نہیں جان سکتے لیکن جو عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہو دلوں کی کھٹک سے واقف ہو اس کا قانون تو دل پر بھی عائد ہوگا۔ وہ دل کی حرکت کو بھی دیکھ رہا ہے؟ تو دیانۃً ہم پر ضروری ہوا کہ تنہائی میں بیٹھ کر بد فکری بھی نہ کریں۔ خیالات فاسدہ بھی نہ لائیں۔ وساوس بھی سوچ سوچ کر نہ لائیں۔ غیر اختیاری طور سے آجائیں تو بلا سے آجائیں ___ تو جب قلوب کے خیالات' لباس' سونا اور جاگنا میں پابند ہیں۔ تو ہم دنیا اور معاشرہ کے اہم امور سے کیسے آزاد ہو جائیں گے۔ ان میں بھی ہم پابند رہیں گے۔ شادی ہوگی اس میں دیکھنا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی شادیاں کس طرح سے ہوئیں۔ غمی ہوگی تو ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ نے غمی کے وقت میں کیا کیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم بیان کر کے روؤ۔ بلکہ فرمایا :

ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ

"تم بیان کر کر کے روتے ہو اس سے میّت کو عذاب دیا جاتا ہے"۔

اور وہ عذاب یہ نہیں ہوتا کہ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ بیان کرتے ہوئے جب یوں کہا جاتا ہے کہ واجبلاہ واکناہ ہائے تو تو پہاڑ جیسا تھا۔ ہائے تو تو سونے جیسا تھا۔ تو ملائکہ چوکے لگاتے ہیں کہ کیا واقعی آپ پہاڑ ہی تھے۔ آپ واقعی ایسے عظیم تھے۔ یہ جو طعن کا طرز ہوتا ہے۔ یہ برچھے سے زیادہ آدمی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو یہاں ہم بیان کر کے مناقب بیان کرتے ہیں۔ وہاں عذاب دیا جارہا ہے۔ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اگر بڑے سے بڑا غم پیش آجائے تو صبر کرو۔ تحمل سے کام لو۔ عمل کے نظام میں خلل نہ پڑے۔ رونا اور رونے کو لے کر بیٹھنا اور ماتم کرنا یہ بزدل عورتوں کا کام ہوتا ہے۔ مردوں کا کام نہیں ہے کہ رو رو کر گزاریں۔ بڑے سے بڑا صدمہ آئے تو مضبوط قلب ہو کر رہے۔ ماتم کے کیا معنیٰ؟ تو رونے کا جب وقت آئے تو آپ اس وقت بھی شریعت کو دیکھیں گے کہ میرے نبی نے کیا کیا۔ آنکھوں سے رونا جائز ہے۔ بیان کر کر کے اور نوحہ کر کے رونا' یہ ناجائز ہے۔

ترکِ سنّت کا وبال

غرض شادی ہو' غمی ہو' چلنا ہو پھرنا ہو' اٹھنا ہو بیٹھنا ہو' سونا ہو جاگنا ہو' راہنما اس میں سنّت بنے گی اگر سنّت کو ترک کر دیا جائے اور حدیث کو قطع کر دیا جائے تو زندگی بنتی نہیں۔ قرآن تو دستور اساسی ہے۔ دستور اساسی سے معاشرہ تھوڑا ہی بنا کرتی ہے جب تک اس کا بیان کر کے اس کی جزئیات سامنے نہ آئیں۔ اور بیان شدہ چیزوں میں سے استنباط کر کے سارے پہلو نہ کھول دیئے جائیں۔ تو عمل کی ہیئت نہیں بن سکتی اصول اور کلیات سے عمل تھوڑا ہی ہو سکتا ہے۔ عمل جزئیات سے ہوتا ہے اور جزئیات جب نکلتی ہیں جب کلیات میں سے نکالی جائیں او کلی کا بیان کیا جائے تو بیان رسول کو اگر قطع کر دیا۔ تو کلیات ہی کلیات رہ جائیں گی عمل ممکن نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقط قرآن پر اکتفا کرنے والے فی الحقیقت کام چوروں کی جماعت ہے۔ اس لئے کہ نہ انہیں عمل مقصود اور نہ عمل کی محنت اٹھا سکتے ہیں۔ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمیں لوگ پکا مؤمن سمجھیں۔ تو انہوں نے کہا کہ حدیث کا رشتہ (قرآن حکیم سے) قطع کر دو۔ نہ ہوگا نہ عمل کی ضرورت پیش آئے گی۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ایک روشن مینار ہے جس سے اللہ تک پہنچنے کا راستہ نظر آتا ہے۔ ا
آپ کی سنتیں اس راستہ پر چلنے کی راہنمائی کرتی ہیں اور وہ راستہ کتاب اللہ ہے جو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ ا
چلنے والے آپ ہیں۔ اگر آپ میں طاقت ہے تو آپ چلیں گے اور طاقت نہیں ہے یا آپ پیدا بھی نہیں ک
چاہتے تو چلنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس کا الزام کتاب و سنت پر نہیں آئے گا۔ چلنے والوں کی کوتاہی پر آ
گا۔

نور اور کتاب

یہی چند چیزیں ہیں جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَكِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهِ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

حق تعالیٰ نے بشارت سنائی کہ تمہارے پاس نور آگیا۔ اللہ کی جانب سے آیا ہے۔ معاذ اللہ کوئی بنا
نہیں ہے کسی نے اختراع کر کے کہہ دیا ہو کہ میں نور ہوں۔ بلکہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا نور تمہارے پا
پہنچ گیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے جو روشنی راہ ہے ا
آگے فرماتے ہیں کہ فقط روشنی نہیں آئی کتب مبین بھی آئی ہے جو سیدھا راستہ ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ

"یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو ___ یہ ایک ہی راستہ ہے ___ سبل متفرقہ پر مت چلو"۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتدع اور متبع سنت کی کچھ علامتیں ہیں بدعت پسند کی علامت ہمیشہ مجا
اور بدکلامی ہے۔ اور متبع سنت کی علامت ہمیشہ سلامتی اور سادگی کے ساتھ مسئلہ بیان کرنا ہے۔ حدیث م
آپؐ فرماتے ہیں۔ جس قوم میں بدعت کا نزغہ پیدا ہو گیا۔ جدال و مجادلہ، بدگوئی و بدکلامی اور جھگڑا اس کے ا
ضرور آجائے گا۔ اشتعال انگیزی اور فساد پھیلانا اس کا وطیرہ ہو گا اور جو سنت پر قائم ہو گا، وہ نبی کا طریقہ پیش
کردے گا۔ نہ اس میں جذبات کی ضرورت ہے نہ برا کہنے کی ضرورت ہے۔ بہرحال روشنی اور سیدھا را
نور اور کتاب مبین سے مراد ہیں۔ آگے فرماتے ہیں :

يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ

اللہ اسے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ سلامتی کے راستے اس کے سامنے کھلتے ہیں۔ جو اس کی ر
کی پیروی کرے اور چاہتا ہو کہ اللہ راضی ہو جائے۔

اسلام قانون نہیں دین ہے

ایک تو یہ ہے کہ محض رسمی طور پر اسلام کو ایک لاء اور قانون کی طرح سمجھ کر اس پر چلیں تو یاد رک

ر دین وہ ہے جس میں محبت اور عشق بھی شامل ہو تو اسلام قانون نہیں ہے بلکہ دین ہے تو دین کے اندر ریق ثواب بھی ہوگا۔ طریقِ عشق بھی ہوگی۔ محبت بھی ہوگا اور قلب کے جذبات بھی ہوں گے۔ اس لئے رمایا کہ جو رضا کا طالب ہو۔ قانون پر تو اس لئے بھی چلتے ہیں کہ نہیں چلیں گے تو پٹائی ہوگی نہیں چلیں گے تو یل پہنچ جائیں گے۔ کچھ جان کا خوف اور کچھ اپنے منافع پیشِ نظر ہوتے ہیں۔ لیکن دین پر محض اس لئے تا ہے کہ میرا اللہ راضی ہو۔ محبوب کی رضا کے لئے اطاعت اور پیروی کرتا ہے اور جو رضا نہیں چاہتے تو رمائیں گے کہ ہم اس سے راضی ہونا نہیں چاہتے۔ ہم تو غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْن ہیں محتاج تو تم ہو جب تم راضی نہیں ہونا چاہتے تو ہم کیوں راضی ہوں؟

نورِ علم واخلاق

اور مقصد اور نصب العین کیا ہے؟

یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

تاکہ اللہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور میں لے آئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نور سے مراد حسی نور نہیں ہے۔ یہ تو پہلے سے بھی موجود تھا۔ سورج بھی روشن تھا۔ اند بھی روشن تھا۔ اس میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟ ___ وہ معنوی نور ہے اور معنوی ہی ظلمت مراد ہوگی۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ معنوی نور ہیں حسی نور نہیں ہیں۔ اور معنوی ر جس سے اچھائی اور برائی میں تمیز ہو۔ وہ علم کامل اور عدل واخلاق ہے جس سے آدمی کو سیاہ وسفید میں تمیز وتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس نور کا مجموعہ ہیں وہ نور علم اور نور اخلاق ہیں جس پر وت کی بنیاد ہے۔

نبی علم وحی سے لے کر آتے ہیں اور اخلاق کاملہ اپنی فطرت اور اللہ کے دین سے پیش کرتے ہیں تو اخلاق نور علم کا نور یہ دونوں چیزیں پیش کرتے ہیں۔ علم کے نور میں حدت اور شدت ہوتی ہے اور اخلاق کے نور ں رقت اور رأفت ہوتی ہے ___ اس لئے کہ علم اللہ کا ہے علم میں ترفع کا خاصہ ہے۔ عالم کبھی گردن جھکا کر یں رکھتے علم ہمیشہ اسے اونچا لے جائے گا۔ رفعت کی طرف لے جائے گا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ بعض دفعہ تکبر دا ہو جاتا ہے بعض دفعہ نخوت پیدا ہو جاتی ہے، بعض دفعہ غرور اور گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے تو علم کے گھمنڈ کے لئے بدرقہ عبدیت ہے اور عبدیت نہیں آتی جب تک کسی شخصیت کے آگے آدمی پامال نہ ہو۔

پیش مرد کاملے پامال شو

تو علم رفعت دکھلاتا تھا اور شخصیتوں کے آگے جھکنا تواضع سکھلاتا تھا ان دونوں کو جب ملایا تو وقار بھی جمع و گیا، تواضع بھی پیدا ہوگی علم سے وقار آتا ہے۔ اور شخصیتوں کے آگے جھکنے سے قلب میں تواضع پیدا ہوتی ہے اگر علم نہ ہو اور شخصیتوں کے آگے جھکے تو ذلت نفس پیدا ہوگی جس سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے اور اگر ض علم ہو اور شخصیتیں سامنے نہ ہوں تو کبر اور نخوت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے جو اہل علم شخصیتوں ے وابستہ نہیں وہ عموماً متکبر ہوتے ہیں اور جو علم سے وابستہ نہیں مگر شخصیتوں سے وابستہ ہیں۔ ان میں ت نفس پیدا ہوگی۔

علم بلا شخصیت

اور دونوں کی مثالیں دو قوموں میں موجود ہیں یہود کی امّت ایک علمی امت ہے تورات ان کو دی گئی جس کے بارے میں ارشاد ہے :

تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

"ہر چیز کی تفاصیل بیان کی گئیں"۔

لیکن اہل تورات نے شخصیتوں سے اجتناب کیا انبیاء علیہم السلام سے وابستگی کو کم کیا۔ ان کی توہین کی ان کو قتل کیا۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔

انبیاء علیہم السلام کی بے حرمتی کی اور کہا کہ وہ بھی آدمی ہم بھی آدمی، کتاب اللہ (تورات) ہمارے لئے کافی ہے۔ جب تورات موجود ہے۔ ہم اس کو سمجھیں گے اور چلیں گے۔ نبی کی ضرورت کیا ہے۔ تو شخصیتوں کا دامن چھوڑ دیا تو محض کتاب کا علم ان کے لئے نخوت و ترفع اور استکبار کا ذریعہ بن گیا۔ یہ متکبر قوم ہے جو نخوت شعار ہے۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا :

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا

ہم اپنی آیتیں پھیر دیں گے۔ اس قوم سے جو زمین کے اندر متکبّر بنی ہوئی ہے۔ جس کا کام نخوت شعاری کبر اور ترفع ہے کہ اس ترفع اور تکبر نے ان کے قلب کا ستیاناس کر دیا۔ قلب کے رخ کو غلط کر دیا ہے اور اس درجہ کی کجی اور زیغ پیدا کر دیا ہے کہ جب ہماری کوئی آیت سامنے آتی ہے تو ایمان نہیں لاتے جب سیدھی راہ سامنے آتی ہے تو کبھی اس راستہ پر نہیں چلتے اور جب کبھی کوئی غی طغیانی یا کجی کا راستہ آتا ہے تو فوراً چل پڑتے ہیں سنت پیش کرو نہیں چلتے۔ بدعت پیش کرو فوراً چل پڑتے ہیں۔ بہر حال یہود کو متکبر کہا گیا اس لئے کہ فقط کتاب کو اختیار کیا اور شخصیتوں کو ترک کر دیا۔

شخصیّت بلا علم

نصاری کی امّت یہ عملی امّت ہے اس کو علم زیادہ نہیں دیا گیا۔ انجیل میں احکام زیادہ نہیں ہیں۔ یہ فی الحقیقت تصوّف کی کتاب ہے۔ اس میں تزکیۂ نفوس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے انہوں نے شخصیتوں کو اتنا پکڑا کہ کتاب کو چھوڑ کر شخصیتوں کو خدا کا قائم مقام بنا دیا۔

مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہا بعضوں نے اللہ کہا :

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ

انہوں نے اپنے علماء اور صوفیاء کو رب بنا دیا خدا بنا دیا تو اس درجہ شخصیتوں کا دامن پکڑا پھر جھکتے جھکتے ذلت نفس پیدا ہو گئی اور شرک میں گرفتار ہو گئے تو ان سے علم چھوٹ گیا اور شرک آگیا۔ یہود میں شرک

ں تھا تو تکبر پیدا ہو گیا تو فقط کتاب ہوگی تو تکبر پیدا ہو گا۔ فقط شخصیت کی پیروی ہوگی تو ذلت نفس پیدا ہو گی ر کتاب و شخصیت کو ملا دو تو وقار کے ساتھ تواضع للہ پیدا ہو جائے گی نہ کبر رہے گا نہ ذلت نفس باقی رہے گی۔ امت مسلمہ نے یہ دونوں چیزیں سنبھال لیں ایک طرف اہل اللہ کا دامن پکڑتی ہے اور ایک طرف کتاب و ت کا دامن پکڑتی ہے۔ دونوں چیزوں کو ملا کر چلتی ہے تو وقار بھی ہے خودداری بھی ہے اور تواضع للہ بھی ہے۔

حدیث میں آپؐ نے فرمایا :

لقد تتبعون سنن من قبلکم شبرا بشبر باعا بباع ذراعا بذراع حتی لو دخل احدا الخ

اے مسلمانو! تم لوگ پچھلی امتوں کی خوب پیروی کرو گے۔ بالشت بالشت بھر' ہاتھ ہاتھ بھر' دو دو ہاتھ بھر ی حقیر سے حقیر چیزوں میں اور بڑی سے بڑی چیزوں میں۔ حتی کہ اگر پچھلی امتوں میں سے کوئی گوہ کے سوراخ ں گھسا ہو گا جو فعل لغو اور عبث ہے تم میں بھی ایسے پیدا ہوں گے جو یہ فعل لغو اور عبث کریں گے۔

عرض کیا یا رسول اللہ! وہ پچھلی امت کون سی ہے؟

فرمایا وہی یہود و نصاریٰ

غرض فرمایا گیا کہ تم یہود و نصاریٰ کی پیروی کرو گے۔ عبادات میں' اعتقادات میں' معاشرت میں' عیشت میں' گھریلو زندگی میں' اجتماعی زندگی میں ہو بہو پیروی کرو گے۔ حتی کہ صورتوں شکلوں اور معنویت میں ھی ان کے پیرو بنے ہوئے ہوں گے ___ تو یہود و نصاریٰ کے دو نرغے بیان کئے۔ ایک متکبر امت ہے' جس نے کتاب کو لے کر شخصیتوں کو چھوڑ دیا۔ ایک عیسائیوں کی ضال اور گمراہ امت ہے۔ جنہوں نے شخصیتوں کو لے کر کتاب کو چھوڑ دیا تو امت میں بھی دونوں نمونے موجود ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو کتاب اللہ کو ہاتھ میں لے کر چلتا ہے۔ سلف و ائمہ اور علماء سب کو ترک کرتے ہیں۔ **نحن رجال وهم رجال** ہم بھی آدمی وہ ھی آدمی' ضرورت کیا ہے کسی کے سامنے جھکنے کی کتاب موجود ہے تو بلاشبہ اتنا دعوی تو صحیح کیا مگر فقط کتاب کا اثر یہ ہے کہ استکبار اور عجود نیز رفعت و ترفع کی شان ان میں پیدا ہو گئی۔

ایک طبقہ وہ ہے جو کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے کتاب اللہ کیا ہے' ہم نہیں جانتے کہ بخاری اور مسلم کیا ہے۔ یہ جو اہل اللہ اور اہل کمال شخصیتیں ہیں یہی ہمارے لئے کتاب ہیں۔ یہی ہمارے لئے طریقہ ہیں۔ جو یہ کہیں گے ہم وہ کریں گے۔

شریعت و طریقت کا مابہ الامتیاز

ظاہر بات ہے کہ نبی کے بعد اہل اللہ میں سے معصوم کوئی نہیں ___ اور معصوم نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ گناہ کرتے ہیں۔ یعنی دینی اعمال میں بہت سی چیزیں غلبۂ حال میں ایسی سرزد ہوتی ہیں کہ حقیقتاً صحیح ہوتی ہیں۔ مگر بظاہر شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ مغلوب الحال جو ہوئے ___ اگر فقط شخصیتوں کی پیروی رہ جائے اور کتاب و سنت کے اصول سامنے نہ ہوں تو ان کے احوال سے جو ان کی حرکتیں سرزد ہوئی ہیں ان میں بھی پیروی کریں گے تو گمراہ ہوں گے۔ منصور نے اگر وجد میں آ کر "**انا الحق**" کہہ دیا اور منصور کی ہر چیز شریعت بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا انا الحق کہے کہ میں بھی خدا ہوں۔ حالانکہ وہ غلبہ حال میں ایک کلمہ سرزد ہوا تھا۔ نہ یہ کہ وہ اصول ہے تو شریعت قانون کلی کا نام ہے اور طریقت شخصی احوال کا نام

ہے۔ قانون کلی تو ہر کس و ناکس کے لئے پیغام ہوتا ہے اور شخصی احوال دوسرے کے لئے حجت نہیں ہوتے ہر ایک کی شخصی حالت الگ الگ ہے۔ اگر منصور نے انا الحق کہا تو میرے لئے فرض نہیں ہے کہ میں بھی انا الحق کہوں۔ ہاں اگر وہ حال میرے اندر پیدا ہو جائے پھر غیر اختیاری طور پر میں کہہ دوں تو پھر کسی کو روکنے کا کوئی حق نہیں ہے مگر حال نہ ہو اور ان کی وجدی حرکات کی نقالی کروں تو یہ محض رسوم کی پیروی ہے ___ بہر حال ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا ہے کہ اس نے کہا کہ اصل کتاب ناطق تو یہ اہل اللہ ہیں، ہم نہیں جانتے کہ کتاب میں کیا لکھا ہے اصل یہ ہیں۔ ان کے سامنے جھکے تو اس درجہ جھکے کہ شرک اور بدعت میں مبتلا ہو گئے۔

اور دوسرا طبقہ کتاب پر اس درجہ جھکا کہ شخصیتوں کو چھوڑ کر کبر اور نخوت میں مبتلا ہوا۔

سفیان ثوری نے لکھا ہے :

من فسد من علماءنا ففیه شبه من الیهود ومن فسد من عبادنا ففیه شبه من النصاریٰ

ہمارے علماء میں سے جو بگڑتا ہے وہ یہود کے نقش قدم پر ہوتا ہے اور عبّاد اور زہّاد میں سے جو بگڑتا ہے وہ نصاریٰ کے نقش قدم پر ہوتا ہے۔ محقق کون ہے؟ جو نہ تکبر میں مبتلا ہو نہ ذلت نفس میں وقار کے ساتھ تواضع للہ انجام دیتا رہے ___ اور یہ جب ہوگا کہ جب کتاب اور شخصیت دونوں کو ملا کر ان کا دامن پکڑ کر آدمی چلے تو حقانی علم و عمل اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا۔ جب تک دونوں کو جمع نہ کیا جائے ادب اور تادّب مع اللہ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک دونوں کو جمع نہ کیا جائے۔

مدرسہ وخانقاہ

واقعہ یہ ہے کہ اگر غور کیا جائے تو علم مدارس میں سکھلایا جاتا ہے اور تربیتِ اخلاق خانقاہ میں ہوتی ہے۔ مدرسی ہونے کے ساتھ جب تک آدمی خانقاہی نہ بنے تکمیل نہیں ہوتی۔ محض خانقاہ میں جائے گا تو آدمی وجدی بن جائے گا۔ اسے خانقاہ میں خوب وجد آئے گا اور کورا مدرس بنے گا تو نجدی بن جائے گا۔ تو اس راہ میں نہ وجدی ہونا کافی نہ نجدی ہونا کافی۔ نجد اور وجد دونوں جو آدمی جمع کرے۔ تبھی کامل بنے گا۔ ایک طرف آدمی علم لے جس کے لئے مدرسہ جانا پڑے گا اور ایک طرف تربیت بھی لے اس کے لئے خانقاہ جانا پڑے گا ___ بہر حال دونوں چیزوں کو جمع کرنا یہ محقق ہونے کی علامت ہے۔

یہ جو مولویوں اور صوفیوں کی لڑائی ہے میں کہا کرتا ہوں کہ ایک طرف کورے مولوی جن میں عشق کی کمی ہے اور ایک طرف کورے عاشق جن میں علم کی کمی ہے محقق اور کامل کبھی نہیں لڑا کرتا۔ اس کے ظرف کے اندر وسعت ہوگی تو کامل بننے کی کوشش کیجئے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہرہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

ایک ہاتھ میں جام شریعت ہونا چاہئے اور ایک ہاتھ میں جام عشق ہونا چاہئے۔ آگ بھی ہو اور پانی بھی ہو، جلال بھی ہو اور جمال بھی۔ جب جا کے آدمی میں کمال پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ کمال کی کوئی صورت نہیں۔ اور اعتدال بھی تبھی ہوگا جب جلال و جمال جمع ہو جائیں گے۔

روح کا علاج

تو فرمایا گیا :

يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ

اللہ تعالیٰ اس آدمی کی رہنمائی فرمادیتے ہیں ۔جو ہماری رضا کی پیروی کرے ۔اور رضا کا مقام ہے۔ رضا اسی کو حاصل ہوگی جو قلب کو متوجہ کرے گا۔ باطن سے گویا ابتداء ہوئی۔ اہلِ باطن سے آدمی اپنا علاج کرائے گا ، جبھی تو رضا پیدا ہوگی۔

جیسے بدن پر بیماریاں آتی رہتی ہیں۔ دل اور نفس پر بھی آتی ہیں۔ بدن کی بیماریوں کے لئے طبیب کے پاس جاتے ہیں۔ جو کہتا ہے وہی کرتے ہیں۔ روح کی بیماری ہوگی تو روحانی طبیب کے پاس جانا پڑے گا۔ جو وہ کہے گا کرنا پڑے گا۔ وہ بھی دوا' غذا اور پرہیز بتلائے گا۔ یہ بھی دوا' غذا اور پرہیز بتلائے گا۔ یہ کہے گا معصیت سے پرہیز کرو۔ روزانہ کے اعمال شریعت غذا ہیں۔ ان میں کوتاہی نہ کرنا اور دوا ذکر اللہ ہے۔ اس کی اتنی تسبیح پڑھنا۔ اتنا اللہ کا نام لینا۔ تو دوا' غذا اور پرہیز سب ہی کچھ ہے۔

بہرحال جیسے بدن پر بیماریاں آتی ہیں۔ ایسے ہی نفس پر بھی بیماریاں آتی ہیں۔ جیسے بدن کے معالج ہیں۔ ایسے ہی نفس قلب کے بھی معالج اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ تو جو اُن سے معالجہ کرائے گا۔ اس کے قلب میں مقام رضا پیدا ہوگا۔ اسی طرح عشق و محبت اور تفویض کا مقام پیدا ہوگا۔ اگر یہ نہیں ہے تو کچھ پیدا نہیں ہوگا ____ اس لئے باطن کی بھی ضرورت ہے۔ ظاہر کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق اشارہ فرمایا کہ مشعل راہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو جاتا ہے اور آپ کی سنتیں راہنما ہیں اور کتاب اللہ صراط مستقیم ہے۔ مگر چلے گا وہ جس کا دل درست ہوگا۔ اور رضاء خداوندی کا اثر ہو۔

سیرتِ نبوی کے عناصرِ اربعہ

اور مقصد کیا ہے؟ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ مقصد نور میں لانا ہے۔ جیسی ظلمت تھی اس کا مدمقابل ویسا ہی نور ہوگا۔ جہالت مظالم اور معصیت کی ظلمت تھی۔ اس کے مقابل جو نور آئے گا۔ وہ علم اطاعت کمال اور اخلاق ربّانی کا ہوگا۔ جس کا مرکز بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے۔ تو آپ کی سیرت کے یہ عناصر اربعہ ہیں۔ تعلیم کتاب' تلاوت الفاظ' تعلیم حکمت اور تزکیۂ نفس اور اس کے ساتھ یہ بھی صحیح کہ آپ مشعل نور آپ کی سنتیں راہنما۔ آپ کا بتایا ہوا راستہ قرآن اور اس پر چلنے والے مسلمان۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اس راستہ پر چلیں۔ ان عناصر سے اپنے عنصر کو بنائیں۔ اپنے بدن اور روح کا علاج کریں۔ اپنے نفس کی تکمیل کریں۔ حق تعالیٰ شانہ ہمیں توفیق دے کہ ہم مرضیاتِ حق پر چلیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کریں اور من گھڑت راستوں کو ترک کریں۔ حق تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم علم صحیح استعمال کریں تاکہ کتاب و سنت کا مقام ہمارے قلوب کے اندر آجائے ____ آمین

اللّٰهم ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب

اللّٰهم انا نعوذبك من الفتن ماظهر منها وما بطن ربنا لاتجعلنا فتنة للقوم الظلمين

اللّٰهم توفنا مسلمين غير خزايا ولا مفتونين

وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد واله واصحابه اجمعين

برحمتك يا ارحم الراحمين

نبوّت وملوکیت

نبوّت اور ملوکیت میں یہی فرق ہے کہ ملوکیت تعدّی اور زیادتی کی طرف چلتی ہے اور نبوّت رحمدلی ومہربانی کی طرف چلتی ہے۔ بادشاہت میں اگر کوئی برسراقتدار سامنے آئے' اس کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کمزور ہو' اسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ابھرنے نہ پائے اور انبیاء علیہم السلام کمزوروں کو ابھارتے ہیں جو زور آور ہو' اسے اعتدال پہ رکھتے ہیں۔ اسی واسطے جو زیادہ ضعیف ہو گا اس پر انبیاء علیہم السلام کا لطف وکرم زیادہ مبذول ہو گا۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَافَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ـــــــ اَمَّا بَعْدُ ـــــــ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ، وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (قصص پ ۲۰) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ [1]

مادی وروحانی اقتدار کی انتہا

بزرگان محترم!

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نعمتوں کی دو سلسلے قائم فرمائے ہیں' ایک سلسلہ مادی نعمتوں کا اور ایک روحانی نعمتوں کا ہے۔ مادی نعمتوں کے سلسلے میں جیسے بہترین غذائیں' بہترین لباس اور بہترین مکان اور بہترین شکلیں' صورتیں اور مکان اور ان سے نفع اٹھانا وغیرہ ایک یہ سلسلہ ہے جس کی کوئی حدونہایت معلوم نہیں ہوتی۔ دنیا میں یہ نعمتیں روز بروز ترقی پر ہیں۔ ہر چیز کے نئے سے نئے ڈیزائن اور نمونے' کچھ آنکھوں کو فرحت دینے والے' کچھ کانوں کو' کچھ دماغ کو اور کچھ ناک کو۔ غرض حواس خمسہ کے لئے اللہ نے نئی سے نئی نعمت پیدا کی اور وہ بڑھتی رہتی ہے۔

---

[1] (۳۱ جولائی ۱۹۶۳ء - از یقہ)

اس کے ساتھ ساتھ مادی نعمتوں میں سب سے بڑھ کر اقتدار ہے کہ کسی قوم کو عزت دی جائے' اس کے ہاتھ میں قدرت و تمکنت ہو اور وہ اپنی قسمت کی مالک آپ بن جائے۔ اسی کا نام اقتدار ہے پھر ان مادی نعمتوں میں ایک حصہ لذّات کا ہے اور ایک اقتدار کا ہے۔

اس کی بالمقابل دوسری نعمتیں روحانی ہیں' جیسے علم' اخلاق' ہدایت پانا' قلب کی تسکین اور عقلی کام ہیں۔ یہ سب روحانی نعمتیں کہلاتی ہیں جن کے ذریعے انسان کی روح کو فرحت اور تسکین ملتی ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ مادی نعمتیں اس کے سامنے گرد ہیں جس کو روحانی لذّت میسّر آجائے' پھر مادی نعمتیں ہیچ اور گرد بن جاتی ہیں۔

اہل اللہ نے مادی لذتوں پر لات ماری ہے تو کوئی نعمت ان کو ہاتھ لگی ہے۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ان نعمتوں کو حقیر اور کم رتبہ سمجھا ہے۔ غرض یہ بات الگ ہے کہ ایک نعمت اعلیٰ ہے ___ اور ایک ادنیٰ ہے۔ مگر ہیں دونوں نعمتیں۔ ایک مادی اور جسمانی' دوسرے روحانی اور معنوی لذتیں۔ مادی لذتوں کی انتہا ملوکیت پر ہوجاتی ہے کہ کسی قوم کو اللہ بادشاہت اور تمکنت دیدے اور ساری نعمتیں اس کے قبضہ میں آجائیں۔

اور روحانی نعمتوں کی انتہا نبوّت پر ہوجاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نبوّت کے راستے سے جو نعمتیں لاتے ہیں وہ روح کی تسلّی کی ہیں۔ ان میں علم واخلاق ہے' اللہ کے جلال و جمال کا مشاہدہ ہے' ہدایت پانا' اللہ کی کتابوں کی تلاوت کرنا' اس کے ذریعے سے روح کو اقتدار ملتا ہے۔ یہ سلسلہ نبوّت پر جاکر ختم ہوجاتا ہے۔

مادی و روحانی اقتدار کی تاثیر

تو بادشاہوں کا اقتدار مادی ہے جو بدنوں کے اوپر ہوتا ہے اور انبیاءؑ کا اقتدار روحانی ہوتا ہے جو دلوں کے اوپر ہوتا ہے۔ یہ بدنوں کے بادشاہ ہوتے ہیں ___ وہ دلوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کی حکومت جبری اور ان کی حکومت محبت کی ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ سامنے ہے تو آدمی ڈرتا ہے۔ اس کی سی۔ آئی۔ ڈی ہے تو خائف ہوتا ہے کہ کوئی کلمہ زبان سے ایسا نہ نکال دوں جس کی وجہ سے قانون کی زد میں آجاؤں اور مقدمہ چل جائے۔ چاہے دل میں لعنت ہی بھیجے۔ تو دل پر کوئی حکومت نہیں بلکہ دل میں بعض اوقات نفرت ہوتی ہے۔ لیکن زبان سے نہیں کہہ سکتا۔ تو شاہی اور ملوکیت کا اقتدار بدنوں پر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حکومت اور اقتدار قلوب کے اوپر ہوتا ہے۔ وہ سامنے بھی نہ ہوں تب بھی آدمی ان کی عظمت میں دبا ہوا ہوتا ہے بلکہ دنیا میں بھی نہ ہوں' جب بھی وہی عظمت واقتدار قلوب کے اوپر ہوتا ہے جو ان کی موجودگی میں ہوتا ہے۔ آج انبیاء علیہم السلام کا نام آجائے سب درود شریف پڑھیں گے صلّی اللہ علیہ وسلم پڑھیں گے انبیاء علیہم السلام کی ذات تو بہت بلند وبالا ہے ان کے خدّام صحابہؓ کا ذکر آجائے تو رضی اللہ عنہم اجمعین کہیں گے۔ صحابہؓ کرام کا مقام بھی بہت بلند ہے ان کے خدّام اور غلام اولیاء کرام ہیں' ان کا ذکر آجائے تو سب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کہیں گے۔ صالحین کا ذکر آجائے محبت سے یاد کریں گے۔ تو آج انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہیں لیکن قلوب ان کی محبت وعظمت سے لبریز ہیں۔ اگر آج خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آجائے تو عقیدت سے دل جھک جاتا ہے۔ آج اگر شیخ علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام آجائے تو فرط عقیدت سے دل جھک جائے گا۔ آج اگر امام ابوحنیفہؒ' امام شافعیؒ' امام مالکؒ' امام احمد ابن حنبلؒ اور امام بخاریؒ کا نام لے تو دل عقیدت سے جھک جائیں گے۔ اگر کوئی شخص ان کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہے آدمی جان دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ ان کے خلاف کوئی کلمہ برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ محبت

وعقیدت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔؟ یہ حضرات آج دنیا کے اندر موجود نہیں ہیں۔ لیکن قلوب پر حکومت آج بھی کر رہے ہیں۔

مسٹر آرنلڈ جو سرسید مرحوم کے زمانے میں علی گڑھ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا۔ اس نے ایک کتاب "پریچنگ آف اسلام" لکھی ہے۔ اس نے اسلامی تبلیغ کے دور اور طریقے تاریخی طور پر ذکر کئے ہیں کہ کس کس طرح سے اسلام پھیلا اور دنیا میں رائج ہوا۔ اس نے اسمیں بڑی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ہندوستان کا بھی ذکر کیا ہے اسمیں وہ لکھتا ہے کہ ہندوستان میں میں نے ایک بڑی عجیب بات دیکھی جو مجھے اور کہیں نظر نہیں آئی ___ اس کے لحاظ سے تو ٹھیک ہے اسے کہیں اور نظر نہیں آئی۔ لیکن دوسروں کو وہ ہر جگہ نظر آئی۔ مگر اس کے لئے وہ انوکھی بات ہے۔

"وہ یہ کہ میں نے ہندوستان میں دیکھا کہ ایک شخص اجمیر میں قبر میں لیٹا ہوا، پورے ہندوستان پر حکومت کر رہا ہے اور سلطان بنا ہوا ہے۔ نام بھی اس کا سلطان الہند ہے ___ یعنی حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ"۔

تو اس نے کہا میں نے یہ عجیب بات دیکھی کہ ایک شخص قبر میں لیٹا ہوا ہے اس دنیا میں نہیں ہے مگر پورے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر اس کی حکومت قائم ہے اس کا نام بھی آتا ہے تو لوگ عظمت سے اس کا نام لیتے ہیں۔

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے مادی اقتدار بدنوں کے اوپر ہوتا ہے، روحانی اقتدار قلوب کے اوپر ہوتا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام، ان کے خدام اور تربیت یافتہ دلوں کے اوپر حکومت کرتے ہیں۔ سلاطین اور ان کے تربیت یافتہ بدنوں کے اوپر حکومت کرتے ہیں۔ سلاطینِ دنیا سامنے موجود ہوں تو آدمی عظمت کا کلمہ کہتا ہے ورنہ بعض اوقات لعنت کرتا ہے، انبیاء اور اولیاء دنیا میں موجود ہوں یا نہ ہوں، قلوب پر یکساں ان کی عقیدت وعظمت قائم ہے، محبت سے دل لبریز ہے تو اقتدار کے دو سلسلے نکلے، مادی اقتدار کی انتہا حکومت کے اوپر ہے اور روحانی اقتدار کی انتہا نبوّت کے اوپر ہے۔

مزاجِ نبوّت وملوکیت میں فرق

لیکن ان دونوں کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ نبوّت کا بھی ایک مزاج ہے اور بادشاہت وملوکیت کا بھی۔ دنیا میں جب بادشاہت غالب آتی ہے تو اس کا مزاج کچھ اور ہے۔ ان دونوں مزاجوں کا قرآن حکیم نے تذکرہ کیا۔ فرمایا کہ بادشاہ جب کسی ملک پر غالب آتے اور اقتدار پاتے ہیں اور فاتحانہ داخل ہوتے ہیں تو وہ کیا کرتے ہیں؟

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۔ (نمل پ ۱۹ آیت ۳۴)

جب کوئی بادشاہ کسی ملک میں فاتحانہ داخل ہوتا ہے تو وہ اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے اس شہر کو اس طرح سے فاسد کرتا ہے کہ عزت والوں کو پست کرتا ہے، ذلت والوں کو اونچا کرتا ہے۔ انقلاب عظیم برپا کرتا ہے۔

اس لئے کہ جو اب تک عزت والے تھے ان سے عزت چھیننی ہے کیونکہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ پھر

بر سر اقتدار نہ آجائیں۔ اس لئے انہیں کچلنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کے اقتدار کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔ وہ نشانات مٹائے جاتے ہیں جو کسی قوم کے اقتدار کے ہوتے ہیں۔ کاغذوں سے وہ نام محو کئے جاتے ہیں تاکہ خیال بھی ادھر نہ جائے اس لئے کہ اگر ان کا اقتدار کسی درجہ میں بھی رہا تو ہمارا اقتدار قائم نہیں ہوگا۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ یہ سلاطین کا طریقہ ہے بادشاہت اور ملوکیت کی تاریخ دیکھی جائے تو الٹی ہی نظر آئے گی۔

اقتدار پانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

اور ایک انبیاء علیہم السلام کا مزاج ہے۔ جب نبوت کا اقتدار غالب ہوتا ہے تو وہ امن کا اعلان کرتے ہیں۔ عزت والوں کو عزت کی داشت کرتے ہیں۔ اور جو پست ہیں ان کو ابھارتے ہیں تاکہ سب عزت میں شریک ہوجائیں اور کسی کی تذلیل اور رسوائی نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس برس کی زندگی کے بعد جب مدینہ طیبّہ سے تشریف لائے اور فاتحانہ مکہ کے اندر داخل ہوئے تو دس ہزار صحابہؓ کا لشکر ساتھ تھا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہیں ___ بادشاہ ایسے موقع پر اقتدار جتلاتا ہوا اور اینٹھتا ہوا داخل ہوتا ہے ___ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ حدیث میں ہے کہ تواضع اور خاکساری کی وجہ سے گردن مبارک اونٹنی کی گردن پر جھکی ہوئی تھی۔ چونکہ عزت کے ساتھ داخلہ ہوا ہے تو اللہ کی عزت پیش نظر تھی۔ اس لئے غایتِ تواضع اور انکساری کی وجہ سے سر مبارک اتنا جھک گیا تھا کہ اونٹنی کے سر کو آملا تھا۔ تو انبیاء کا داخلہ تو اس شان سے ہوا ___ سلاطین داخل ہوتے ہیں تو اکڑتے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔ پھر سلاطین عزت والوں کو ذلیل بناتے ہیں، پستوں کو اور پست کرتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا مزاج یہ ہے کہ آپؐ دس ہزار کے لشکر کے ساتھ داخل ہوئے تو جگہ جگہ امن کا اعلان فرمایا ___ فرمایا ___ مَنْ دَخَلَ دَارَاَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَاٰمِنٌ ابو سفیان کے گھر میں جو چلا جائے گا اسے بھی امن ہے۔ ومن دخل المسجد الحرام فھواٰمن جو مسجد حرام میں چلا جائے گا اسے بھی امن ہے۔ من اغلق بابہ فھواٰمن جو اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کرے گا اس کے لئے بھی امن ہے۔ غرض امن کا اعلان عام ہوتا جارہا ہے۔

اور کس قوم کے مقابلے میں؟ جس نے تیرہ برس اللہ کے رسولؐ کو چین نہیں لینے دیا۔ انتہائی ایذا رسانی کی، بلکہ حد کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، گالیاں دی گئیں، کذّاب، مجنون، ساحر اور کاہن کہا گیا ___ جادو آپؐ کے اوپر کرایا گیا، طائف میں تشریف لے گئے تو اتنے پتھر مارے گئے کہ پیر مبارک اتنے زخمی ہوگئے کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے، کتے پیچھے لگائے گئے، اس قوم کے مقابلے پر امن کا اعلان کیا جارہا ہے۔ جو مسجد حرام میں یا ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے گا یا اپنے گھر کا دروازہ بند کرے، اسے بھی امن۔ گویا کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا کہ بدامنی یا قتل وغارت ہو اور اس قوم کے ساتھ یہ شفقت برتی گئی جس نے آپؐ کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا، وطن سے بے وطن کیا۔ یہ نبوّت کا مزاج ہے کہ جتنا اقتدار ملتا جاتا ہے اتنا ہی اور جھکتے جاتے ہیں۔

نہد شاخ پر زمیوہ سر برزمین

درخت کا پھل جب بڑھ جاتا ہے تو شاخیں زمین کی طرف جھک جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ درخت جب

پھل دار ہو تو اوپر کو اٹھنے لگے۔ انبیاء علیہم السلام' اللہ کی طرف سے ساری دولتیں لے کر آتے ہیں ان میں تواضع بڑھتی رہتی ہے ___ لیکن مادی دولت جوں جوں بڑھتی رہتی ہے اس سے نخوت بڑھتی رہتی ہے۔

حدیث میں واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب آپؐ ہجرت فرمارہے تھے تو جاتے ہوئے مسجد حرام میں تشریف لائے تو بیت اللہ کا کلید بردار عثمان شیبی کا خاندان تھا۔ شیبی اسے کہتے تھے' جو بیت اللہ کے دروازے پر بیٹھتا تھا۔ بیت اللہ کی کنجی اس کے پاس رہتی تھی۔ آپؐ چونکہ مکہ چھوڑ کر ہجرت فرمارہے ہیں۔ آپؐ کو صدمہ ہے تو شیبی سے کہا :

"اے شیبی! ایک دومنٹ کے لئے بیت اللہ کا دروازہ کھول دے' تاکہ میں اندر دو نفل پڑھ لوں"۔

اس نے جھڑک کر اور ڈانٹ کر کہا تم ہرگز داخل نہیں کئے جاسکتے۔ تم نے ہمارے آبائی دین کو چھوڑا' ہمارے بتوں کو برا کہا۔ یہ نہیں ہوسکتا جاؤ۔

آپؐ نے پھر لجاجت سے کہا "میں عبادت کرنا چاہتا ہوں' دو رکعت پڑھنا چاہتا ہوں" ___ اس نے کہا نہیں' آپؐ کو اجازت نہیں دی جائے گی' آپ جائیے آپؐ نے فرمایا :

"اے شیبی! ایک وقت آنے والا ہے کہ جس جگہ تو بیٹھا ہوا ہے وہاں تو میں ہوں گا اور جہاں میں کھڑا ہوا التجا کررہا ہوں یہاں تو کھڑا ہوگا۔ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا؟"

اس نے کہا "جاؤ ایسی باتیں بہت دیکھی ہیں ___ "اقتدار کے غرور میں مست تھا ___ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ بے کس و بے بس ہوکر گھر سے باہر نکل رہے تھے مکے والوں کی اکثریت تھی' اقتدار تھا' دولت اور فوج بھی ان کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو اسے غرور کا نشہ تھا' وہ جانتا تھا کہ آپؐ کچھ نہیں کرسکتے' نبوّت کی عظمت اس کے دل میں نہیں تھی' وہ نہیں جانتا تھا کہ نبوّت کو اللہ نے کیا کیا طاقتیں بخشی ہیں۔ وہ تو صرف مادی طاقت کو جانتا تھا اس بنا پر اس نے کہا ایسی تخیّلات کی باتیں بہت سنی ہیں۔ حالت تو یہ ہے کہ گھر سے باہر نکلنا مشکل ہے اور خواب یہ دیکھ رہے ہیں کہ میں کعبہ کے دروازے پر بطورِ متولی کے بیٹھوں گا اور جو آج متولّی ہے وہ نیچے کھڑا ہوگا۔ یہ شیخ چلی کی باتیں ہیں' محض تخیّلات ہیں ___ یہ اس نے کہا۔

آپؐ واپس ہوگئے' ہجرت فرمائی۔ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور امن کا اعلان کیا' ایک نفس کی خونریزی نہیں ہوئی' ایک جان نہیں گئی۔ آپؐ مسجد حرام میں تشریف لائے اور فرمایا کہ شیبی کو بلاؤ۔

وہ آیا' کعبے کی کنجی اس کے ہاتھ میں' کعبے کے دروازے کا تالا کھولا۔ آپؐ وہیں تشریف لے گئے جہاں شیبی کھڑا ہوا تھا اور شیبی وہیں کھڑا ہوا تھا جہاں آپؐ کھڑے ہوئے التجا کررہے تھے۔

فرمایا۔ شیبی! وہ وقت تجھے یاد ہے کہ میں نے لجاجت سے التجا کی تھی کہ مجھے ایک دو رکعت پڑھنے کی اجازت دیدے' تو نے ڈانٹ دیا تھا۔

کہا۔ جی ہاں یاد ہے۔

فرمایا' یہ بھی یاد ہے کہ میں نے کیا کہا تھا ___ ؟ میں نے کہا تھا کہ جس جگہ تو بیٹھا ہوا ہے اس جگہ میں ہوں گا اور جس جگہ میں کھڑا ہوا ہوں اس جگہ تو کھڑا ہوا ہوگا۔ یہ تو نے دیکھ لیا؟

اس نے کہا' جی ہاں دیکھ لیا۔ بے شک میں اسی جگہ کھڑا ہوا ہوں جہاں آپؐ کھڑے ہوئے تھے ___ اور آپؐ اس جگہ ہیں جس جگہ میں تھا۔

فرمایا 'اب تیرا کیا حشر ہونا چاہئے؟
اس نے ایک ہی جملہ کہا کہ :

اخ کریم وابن اخ کریم -

میں ایک کریم پیغمبر اور کریم بھائی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں ــــ بہرحال یہ خاندان قریش میں سے تھا' تو اس نے یہ جملہ کہا اخ کریم وابن اخ کریم -

اب یہ خیال فرمائیے شیبی نے کس طرح سے ڈانٹا تھا۔ اللہ کے رسول کی انتہائی عظمت کے باوجود اس نے کیا کہا کہ لیکن آپؐ نے کیا معاملہ فرمایا ــــ فرمایا :

> "اے شیبی! یہ کعبے کی کنجی تیرے حوالے کرتا ہوں' قیامت تک تیرے ہی خاندان میں رہے گی' کوئی دوسرا اسے نہیں حاصل کر سکے گا۔ آج سے تو اور تیرا خاندان قیامت تک کے لئے متولی ہے"۔

عرب میں بیسیوں نئے انقلابات ہوئے حکومتیں بدلیں لیکن شیبی کا خاندان بدستور قائم ہے اور کعبے کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں' مکہ کے آدھے بازاروں پر آج شیبی کا قبضہ ہے اس کی دولت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے کہ بیت اللہ میں داخل ہونا ہر شخص چاہتا ہے اور وہ فیس لگادیتا ہے کہ اتنی فیس ادا کردو گے تو داخل ہونے دوں گا ورنہ نہیں۔ حالانکہ ایسا داخلہ لگانا ممنوع ہے کیونکہ اس پر فیس لگانا جائز نہیں۔ مگر ایک تو بیت اللہ کی محبت اور اوپر سے کچھ عظمت بھی اور کچھ محبت بھی' اس لئے لوگ فیس ادا کرتے ہیں اور داخل ہوتے ہیں لیکن محض محبت ہی تو مطلوب نہیں شریعت کا ادب بھی تو ملحوظ ہے وہ صحیح محبت سے کام نہیں کرتا جب تک اتباعِ شریعت ہو وہ محبت کا آمدنہیں ہے جب تک محبت کے ساتھ متابعت سنت اور شریعت کی عظمت نہ ہو۔ اس لئے رشوت دے کر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

کئی بار حاضری ہوئی ہمارا بہت جی چاہتا تھا تو ہمارے لئے یہ مشکل تھی' تو ہم نے افسوس کے ساتھ مکے میں اپنے دوست سے ذکر کیا کہ ہم تو محروم ہی رہ گئے اور بیت اللہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ ان کے شیبی کیساتھ تعلقات تھے۔ اس نے کہا' تھا آپ کے لئے بیت اللہ کھولا جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ اندر جاکے زیارت کریں گے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا انتظام کیا جب ہجوم ختم ہو گیا اور شیبی کعبے کا دروازہ بند کر کے جانے لگا۔ انہوں نے اپنے تعلقات کی وجہ سے اس سے بات کی اور بیت اللہ کا دروازہ کھولا اور میرے پاس آدمی بھیج کر مجھے بلایا کہ آپ کے لئے بیت اللہ کھلا ہوا ہے ــــ تو میں تو کیا چیز تھا ــــ لیکن میں سمجھتا ہوں میں نے شریعت کا اتباع کیا تھا اور دل میں داخل ہونے کا جذبہ تھا لیکن رشوت دینا جائز نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرمادیا۔

بہرحال لوگ یہ نہیں سمجھتے وہ چاہتے ہیں بس داخل ہوجائیں خواہ کسی ممنوع کا ارتکاب کرنا پڑے۔

غرض شیبی آج بھی برسراقتدار ہے۔ چودہ صدیاں گذر گئیں مگر اس کے خاندان کے ہاتھ میں بیت اللہ کی کنجیاں ہیں حالانکہ شیبی نے اللہ کے رسول کے ساتھ انتہائی بے عظمتی کا برتاؤ کیا تھا اور آپؐ نے نبی ہونے کی حیثیت سے اسے کیا دیا کہ بیت اللہ کا متولی قیامت تک کے لئے قرار دیدیا' بجائے اس کے کہ شیبی سے انتقام لیا جاتا۔ یہ چیز ملوکیت اور بادشاہت میں نہیں ہے۔ بادشاہت میں اگر کوئی ذرا بھی اقتدار کے خلاف کرے تو بغاوت کا الزام قائم ہوتا ہے اور اسے پھانسی دیدی جاتی ہے۔ تو یہ نبوّت کا خاصہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جاتا ہے جو ایک دوست دوست کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ تو نبوّت کا مزاج اور ہے' ملوکیت کا اور ہے۔ آج بھی شیبی برسراقتدار ہے اور کعبے کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور قیامت تک رہے گا۔ کیونکہ

اللہ کے رسول نے فرمادیا ہے کہ کنجیاں قیامت تک کے لئے تیرے خاندان کو دیتا ہوں۔

اہلُ اللہ کے مزاج میں نیکی کی حرص

اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ اللہ والے بھی عجیب چیز ہیں۔ یہ ہربات سے اپنی آخرت کا فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ جب ایک شخص دنیا کا طالب ہو وہ ہیر پھیر کر کے اپنے پیسے کما لیتا ہے۔ یہ اللہ والے ہیر پھیر کر کے دین اور آخرت کما لیتے ہیں۔ جب ہم دنیا اور دنیا کے بارے میں حریص ہیں کہ اگر سو روپیہ مل جائے تو تمنا ہوتی ہے کہ ہزار روپیہ مل جائے' ہزار مل جائے تو تمنا ہوتی ہے کہ کروڑوں ہو جائیں۔ غرض طلب کسی حد پر رکتی نہیں ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بنی آدم کو ایک جنگل بھی سونے کا مل جائے تو کہے گا یا اللہ! پیٹ نہیں بھرا' ایک جنگل اور سونے کا مل جائے۔ دوسرا مل جائے تو تیسرا مانگے گا کسی حد پر نہیں رکتا۔ بعینہ یہی کیفیت اللہ والوں کی ہے کہ ساری جنت پر ان کا قبضہ ہو جائے' تب بھی ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ غرض اہل دنیا دنیا کے بارے میں حریص ہوتے ہیں' اہلُ اللہ آخرت کے بارے حریص ہوتے ہیں۔

ہمارے دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ' جو نقشبندیہ خاندان کے اکابر میں سے تھے' ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ آئے' وہیں ان کی وفات بھی ہوئی اور قبر بھی ہے۔ انہیں یہ حدیث معلوم تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبی کو بیت اللہ کی کنجیاں سپرد کی ہیں۔ مکہ میں چاہے سارے خاندان اجڑ جائیں مگر شیبی کا خاندان قیامت تک کے لئے باقی رہے گا۔ یہ ان کا ایمان تھا اور اللہ کے رسول کا قول تھا تو مولانا رفیع الدین صاحب کو عجیب ترکیب سوجھی۔ واقعی ان بزرگوں کو داد دینی چاہئے کہاں ذہن پہنچا۔

انہوں نے کہا جب یہ خاندان قیامت تک کے لئے باقی رہے گا تو اس زمانے میں بھی موجود ہوگا' جب مہدی علیہ الرضوان کا ظہور ہوگا۔ اس واسطے کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ مہدی کا جب قرب قیامت میں ظہور ہوگا تو مکہ ہی میں ہوگا اور وہ بیت اللہ شریف کی دیوار سے کمر لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے لوگ ان کے ہاتھ پر آ کر بیعت کریں گے۔

اور اس وقت کی جو علامات بتلائی گئی ہیں وہ یہ کہ پوری دنیا پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگا۔ واسطہ بلاواسطہ پوری دنیا پر نصاریٰ کا اقتدار چھایا ہوا ہوگا ___ دوسری علامت یہ فرمائی گئی ملئت الدنیا ظلمًا وجورًا ۔ پوری دنیا ظلم و ستم سے لبریز ہوگی۔ دین و دیانت کا نشان باقی نہیں رہے گا' شرارتِ نفس' تعیش و عیاشی' ظلم اور بددینی عام ہو جائے گی' محدود لوگ ہوں گے جو پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا کر اپنے دین کو سنبھالیں گے' دنیا ان کو حقیر و ذلیل سمجھے گی۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک عالم اتنا ذلیل ہو جائے گا جیسے مردے گدھے کی لاش ہوتی ہے کہ اسے کوئی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ ایک عالم کی ذلت کی یہ کیفیت ہوگی۔ تو اس درجہ ظلم و ستم بددینی اور بددیانتی دنیا میں پھیل جائے گی۔ یہ وقت ہوگا کہ دنیا پر نصاریٰ کا قبضہ ہوگا' مسلمان انتہائی ظلم و ستم میں گرفتار ہوں گے۔ دین دار پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جا کر چھپ چھپ کر اپنے دین کی حفاظت کر رہے ہوں گے' شہروں اور قصبوں میں ان کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی۔ نماز' روزہ کا تو ذکر کیا رہے گا' بس ظلم و ستم غالب ہوگا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں مہدی علیہ الرضوان کا ظہور ہوگا۔

اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ ان کے بارے میں اللہ کی طرف سے اعلان کیا جائے گا' ایک غیبی آواز پیدا ہوگی

کہ هذا خليفة الله المهدى فاسمعوله واطيعوا یہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہیں ان کی بات سنو اور اطاعت کرو ___ فرمایا گیا اس وقت ابدال شام' نجباء عراق اور اقطاب ہند اور تمام اہل اللہ جہاں جہاں ہوں گے سمٹ کر شام میں پہنچیں گے اور شام کو حضرت مہدی علیہ الرضوان مرکز بنائیں گے اور یہ وہیں جا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور مسلمانوں کی قوت وہاں جمع ہوگی ان کے ہاتھ پر مغرب اور نصاریٰ کی طاقتیں ٹوٹیں گی اس کے بعد وہ وقت آئے گا کہ پورے عالم میں دینِ اسلام پھیل جائے گا اور دوسرا کوئی دین اور قومیت باقی نہیں رہے گی۔ اس کی تفصیلات ہیں۔

ان میں بھے نہیں جانا ___ جو مجھے واقعہ سنانا ہے اس کے متعلق جتنی چیز بیان کرنی تھی وہ میں نے عرض کی۔ گویا مہدی علیہ الرضوان کا ظہور مکے میں ہوگا۔ شام کو وہ اپنا مرکز بنائیں گے۔ مسلمانوں کی ساری قوت شام میں سمٹ آئے گی۔ دجال اور مغربی طاقتوں کا مقابلہ ہوگا ملحمۂ کبریٰ واقع ہوگا یعنی سب سے بڑا جہاد اس زمانے میں ہوگا اور تین معرکے ہوں گے لاکھوں آدمی اس میں قتل ہوں گے۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ محاذ جنگ ہی اتنا لانبا ہوگا کہ کوا اڑے گا' کوے کا اڑان مشہور ہے کہ صبح سے شام تک اڑتا رہتا ہے' تھکتا نہیں ہے ___ تو صبح سے شام تک کوا اڑے گا' جہاں جہاں وہ جائے گا لاشیں ہی لاشیں نیچے پڑی ہوئی ہوں گی۔ اس کو یہ نظر آئے گا۔ اتنا لانبا محاذ ہوگا اور مقتولین کی کوئی حد نہیں ہوگی۔ یہ عظیم جہاد ہوگا اس جہاد کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے مجاہدین کو وہ اجر ملے گا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین صحابہؓ کو اجر دیا گیا ہے۔

یہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اب میں واقعہ عرض کرتا ہوں جو مولانا رفیع الدین صاحب یہ حدیث سن کر ہجرت کر کے مکہ مکرمہ پہنچے۔

یہ ان کا ایمان تھا کہ شیبی کا خاندان قیامت تک ضرور رہے گا اور جب مہدی علیہ الرضوان کا ظہور ہوگا جب بھی یہ مکہ ہی میں ہوگا۔ جب مہدی علیہ الرضوان کا ظہور مکے میں ہوگا تو وہ بیت اللہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے اور مسلمانوں سے بیعت کریں گے۔ تو بیت اللہ کے دروازے کے کنجیاں شیبی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اس لئے یہ بھی وہاں موجود ہوگا۔ یہ چند کڑیاں ملا کر مولانا رفیع الدینؒ صاحب نے ایک حمائل شریف اور ایک تلوار' یہ دونوں لیں۔ اور مہدی علیہ الرضوان کے نام ایک خط لکھا کہ :

> "فقیر رفیع الدین دیوبندی مکہ معظمہ میں حاضر ہے اور آپ جہاد کی ترتیب کر رہے ہیں۔ مجاہدین آپ کے ساتھ ہیں۔ جن کو وہ اجر ملے گا جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا تو رفیع الدین کی طرف سے یہ حمائل تو آپ کی ذات کے لئے ہدیہ ہے اور یہ تلوار کسی مجاہد کو دیدیجئے کہ وہ میری طرف سے جنگ میں شریک ہو جائے' اور مجھے وہ اجر مل جائے جو غزوۂ بدر کے مجاہدین کو ملا"۔

یہ خط لکھ کر کے تلوار اور حمائل شیبی کے سپرد کی جوان کے زمانہ میں شیبی تھا اور کہا کہ تمہارا خاندان قیامت تک رہے گا اور مہدی علیہ الرضوان کے ظہور تک یہ امانت ہے۔ تم جب انتقال کرو تو جو تمہارا قائم مقام ہو اسے وصیت کر دینا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ جب اس کا انتقال ہو وہ اپنی اولاد کو وصیت کرے کہ رفیع الدین کی یہ تلوار، حمائل شریف خاندان میں چلتی رہے یہاں تک کہ مہدی علیہ الرضوان کا ظہور ہو جائے۔ تو جو اس زمانے میں شیبی ہو وہ میری طرف سے حضرت مہدی علیہ الرضوان کو یہ دونوں ہدیئے پیش کر دے۔ حمائل ان کی ذات کے لئے تحفہ ہے اور تلوار امانت ہے کہ وہ کسی مجاہد کو میری طرف سے دیدیں تاکہ جب وہ

جہاد میں شریک ہو تو میری شرکت بھی ہو جائے اور اس اجر میں میں بھی حصہ پالوں ....

کہاں کی بات انہوں نے سوچی۔ اس حدیث سے انہوں نے کس طرح کام لیا کہ اعلیٰ ترین جہاد کے اندر اپنی شرکت کرلی۔

تو واقعہ یہ ہے کہ اللہ والے نیکیوں پہ اتنے حریص ہوتے ہیں کہ چاہے ان کا گھر بھر جائے نیکی سے، لیکن انہیں خیال ہو کہ نیکی یہاں سے بھی مل جائے گی، جھٹ وہاں پہنچ جائیں گے کہ اسے بھی کیوں نہ سمیٹ لیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ ساری جنتیں ہمارے قبضہ میں آجائیں۔ یہ اللہ والوں کا مزاج ہے۔

امام ابو داؤدؒ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے بڑے محدث گزرے ہیں جن کی کتاب ابوداؤد مدارس میں پڑھائی جاتی ہے، داخل درس ہے۔ ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ یہ سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے تھے اور سمندر میں جہاز اترا ہوا تھا، کھڑا تھا۔ ایسی گودیاں اس زمانے میں نہیں تھیں، جیسی آج بنتی ہیں۔ تو جہاز ایک آدھ فرلانگ کے فاصلے پر کھڑا ہوتا تھا۔ چونکہ کنارے پر پانی کم ہوتا تھا وہ جہاز کے لئے کافی نہیں ہوتا تھا اور لوگ کشتیوں میں بیٹھ کے جہاز میں جاتے اور سوار ہوتے۔

ایک جہاز فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور امام ابوداؤدؒ سمندر کے کنارے کھڑے ہوئے تھے جہاز میں کسی شخص کو چھینک آئی۔ اس نے چھینک لے کر زور سے الحمد للہ کہا۔ تو مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے اسے الحمد للہ کہنا چاہئے اور جس کے کان میں الحمد للہ پڑے، وہ جواب میں یرحمک اللہ کہے ___ اس شخص نے الحمد للہ اس زور سے کہا کہ امام ابوداؤدؒ کے کان میں آواز آئی۔ اب ان کا جی چاہا کہ میں شریعت کی اس چیز پر عمل کروں اور یرحمک اللہ کہوں تاکہ مجھے ثواب ملے حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ چھینک لینے والے کو الحمد للہ زور سے کہنے پر سننے والے کو یرحمک اللہ کہنا واجب ہے جبکہ اس مجلس میں وہ موجود ہو اور اس کے کان میں پڑ جائے کہ اس نے الحمد للہ کہا ہے۔ وہ یرحمک اللہ کہہ کر جواب دے۔ یہ نہیں ہے کہ مسجد میں ایک شخص کو چھینک آئے اور دوسرا شخص بازار میں جارہا ہے اور وہ جواب دینے کے لئے مسجد میں آجائے۔ ایک مجلس کا مسئلہ ہے مجلس سے خارج کا نہیں ہے تو امام ابوداؤد پر واجب نہیں تھا کہ وہ جواب دیں۔ اس لئے کہ چھینک لینے والا ایک فرلانگ پہ ہے اور یہ یہاں، وہ جہاز پر ہے۔ یہ کنارے پر ہیں۔ مجلس بھی ایک نہیں جگہ بھی ایک نہیں بیچ میں سمندر حائل، مگر وہی بات ہے کہ نیکی کی حرص ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح کمالیں اس نیکی کو بھی کیوں چھوڑیں۔

امام ابو داؤدؒ کی آواز اتنی اونچی تو تھی نہیں کہ یہاں کنارے سے یرحمک اللہ کہیں تو اس کے کان میں پہنچے۔ چھینک لینے والے کی آواز اتنی بلند تھی کہ اس نے الحمد للہ کہا اس کی آواز یہاں پہنچ گئی تو تین درہم میں کرائے کی کشتی لی اور اس کشتی میں بیٹھ کر ڈیڑھ فرلانگ کا سفر کر کے جہاز میں پہنچے اور جہاز میں اوپر چڑھ کے کہا، یرحمک اللہ۔ یہ گویا نیکی کمائی۔ مؤرخین لکھتے ہیں جس وقت انہوں نے جا کر یرحمک اللہ کہا، غیب سے ایک آواز آئی پیدا ہوئی، کہنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ آواز یہ آئی کہ :

”اے ابوداؤد آج آپ نے تین درہم میں جنت خریدلی“۔

یہ آواز کان میں پڑی۔ معلوم نہیں کس خلوص سے یرحمک اللہ کہا۔ حالانکہ امام ابوداؤدؒ محدث ہیں۔ جانے کتنی انہوں نے حدیثیں لکھیں اور کتنا اجر کمایا، کتنے نوافل اور تہجد پڑھے ہوں گے، کتنے صدقات دیئے ہوں گے۔ لیکن جنت کی خریداری کے وقت اس حقیر سے عمل کا ذکر کیا کہ تین درہم میں کشتی کرائے پر کرا کر یرحمک اللہ کہہ دیا۔

اس سے اندازہ ہوا کہ عمل کی مقبولیت اس کی صورت سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی حقیقت سے ہوتی ہے۔ اخلاص جتنا غالب ہو' چاہے عمل چھوٹا ہو مگر اخلاص سے وزن پیدا ہو جاتا ہے' وہ مقبول ہو تا ہے۔ لمبا بڑا عمل ہو' اخلاص ندارد ہو۔ قبولیت کی شان نہیں پیدا ہوتی۔ امام ابو داؤدؒ نے معلوم نہیں کس خلوص سے یر حمک اللہ کہا ہو گا۔ اتباع سنت کے کس جذبے سے گئے ہوں گے کہ یہ ایک عمل اتنا غالب آگیا کہ نہ سجدوں کا ذکر آیا نہ صدقات کا ذکر آیا' اس عمل کا ذکر آیا کہ تین درہم میں آپ نے جنت خرید لی۔ غرض یہ کہ دین کے اندر بے حد حرص رکھتے ہیں یکمانا اتنا جانتے ہیں کہ گویا ہر وقت کماتے ہی رہتے ہیں۔ ہم دکان پہ بیٹھ کے کماتے ہیں۔ یہ چلتے ہوئے الگ' بیٹھے ہوئے الگ' سوتے الگ اور گھر میں الگ کمائیں۔ غرض ہر جگہ ثواب کمانے کی فکر رہتی ہے۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ جو شیخ الطائفہ ہیں گویا تمام اہل دیوبند کے مرشد ہیں۔ حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے مرشد ہیں۔

ان کا عمل کیا تھا___؟ حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی جب گھر سے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چلتا ہے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے' ایک بدی مٹائی جاتی ہے اور یہ بھی دوسری حدیث میں فرمایا گیا کہ آپؐ نے سوال فرمایا کہ لوگو! جانتے ہو کہ درجات کن کن چیزوں سے بلند ہوتے ہیں اور کفّارات کن کن چیزوں سے ہوتے ہیں کہ گناہ مٹا دیئے جائیں؟

عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

منجملہ اور چیزوں کے فرمایا کثرۃ الخطا الی المسجد مسجد کی طرف جتنے زیادہ قدم پڑیں گے اتنا ہی گناہوں کا کفارہ ہو گا' اتنے ہی درجات بلند ہوں گے۔

تو ایک طرف یہ حدیث ہے کہ جتنے قدم زیادہ ہوں گے نیکیاں بڑھیں گی' بدیاں گھٹیں گی اور دوسری طرف وہ حدیث ہے کہ ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک بدی مٹائی جاتی ہے۔

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ کا یہ عمل تھا کہ اگر مسجد کو دو راستے جاتے ہوں۔ ایک ذرا لانبا اور ایک چھوٹا ہو تو لانبا راستہ اختیار کرتے تھے تاکہ قدم زیادہ پڑیں' نیکیاں زیادہ لکھی جائیں اور بدیاں زیادہ مٹائی جائیں۔

اور اس میں بھی یہ کرتے تھے کہ لانبا راستہ اختیار کر کے چھوٹے چھوٹے قدم ڈالتے تھے۔ لانبی ڈگیں نہیں ڈالتے تھے' اس لئے کہ حدیث میں کثرۃ الخطا فرمایا گیا ہے کہ قدموں کی کثرت مطلوب ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ چھوٹے قدم ہوں یا بڑے قدم ہوں اس کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ تو انہوں نے کہا کہ اگر میں چھوٹے قدم ڈالوں' شریعت نے مجھے نہیں روکا' یعنی اگر بیس قدم سے راستہ طے ہوتا' چالیس قدم سے طے کرتے تھے تاکہ چالیس نیکیاں ملیں۔

یہ جب ہوتا ہے کہ دل میں ایک لگن لگی ہوئی ہو کہ مجھے نیکی کمانی ہے بالکل ہمیں اپنے اوپر قیاس کر لینا چاہئے کہ ہمارے دل میں لگن ہوتی ہے کہ کسی طرح ہم پیسہ کمائیں' تجارت' زراعت' ملازمت کے ذریعے کسی طرح کمائیں۔ چوبیس گھنٹے آدمی دماغ لڑاتا رہتا ہے کہ مال کس طرح سے فراہم کروں' اگر مال میں کمی ہو جائے تو کس طرح سے بڑھاؤں' ڈیزائن ختم ہو جائے تو کس طرح سے پورا کروں کہ کمی نہ ہونے پائے۔ گاہک آئے میں یوں نہ کہوں کہ اس وقت مال نہیں ہے۔ تو تاجر ہر میل رکھتا ہے تاکہ گاہک کو جواب نہ دینا پڑے۔

گاہکوں کی اگر کثرت ہے مثلاً پچاس ہوں تو سو گاہک کا مال رکھے گا کہ اگر ایک دم سو گاہک آجائیں تو مجھے انکار نہ کرنا پڑے۔ حالانکہ اگر وہ انکار کرتا اور سو کی بجائے پچاس کو دے' روٹی تب بھی چلے گی' مگر وہ تو جذبہ ہوتا ہے کہ مال بڑھے' پیسہ بڑھے ایک لگن لگی ہوتی ہے ___ بس ٹھیک اسی طرح سے ان لوگوں کے دل میں لگن ہوتی ہے کہ نیکی بڑھے' حالانکہ نجات کے لئے اتنی نیکیاں بھی کافی ہیں جتنی اب تک تھیں' مگر یہ چاہتے ہیں کہ اور اضافہ ہو' درجات ملتے رہیں۔ کسی مرتبے اور درجے پر آکر رکتے ہی نہیں۔ ان کے دل میں ہوس ہوتی ہے۔

اس سے اندازہ کرلینا چاہئے کہ حرص و ہوس کوئی بری چیز نہیں' مصرف اس کا صحیح' غلط ہوتا ہے۔ حرص بہت بڑی چیز ہے' اس کو ہم برا نہیں کہتے۔ حرص سے انسان کا حوصلہ کھلتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں :

"اگر ہم ایک جنگل بھر کر بنی آدم کو سونے کا دیدیں تو یہ ہم سے دو سرا مانگے گا"۔

معلوم ہوا اتنا بڑا حوصلہ ہے کہ پوری دنیا کو سونے سے بھردیں جب بھی اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ گویا اس کا پیٹ یعنی حوصلہ بہت بڑا ہے تو حرص بہت بڑی چیز ہے۔ اس واسطے یہ بری چیز نہیں ہے کہ اس کو برا کہا جائے گا۔

البتہ برا کس چیز کو سمجھا گیا؟ اس کو کہ حوصلہ تو اتنا بڑا اور اسے چند ٹھیکروں میں گنوادے' اس چیز سے وہ چیز کماؤ کہ جیسے تمہاری حرص کی حد نہیں' اس نعمت کی بھی کوئی حد نہ ہو۔ دنیاداری میں اگر ہم نے حرص لگائی تو حرص تو اتنی بڑی کہ دنیا کے ساتھ آخرت بھی سما جائے اور اسے دنیا کی چیزوں کے اوپر لگادیا۔ دنیا کی چند دن کی عمر ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ حرص تو آگے جارہی ہے اور دنیا یہیں ختم ہو گئی۔ تو اس جذبے کی ہم نے ناقدری کی کہ اللہ نے جذبہ بڑا دیا تھا اس کو حقیر چیز کے اندر ہم نے کھودیا۔ لیکن اگر اس حرص سے ہم جنت چاہیں تو جیسے ہماری حرص کی حد نہیں' جنت کی نعمتوں کی بھی حد نہیں۔ مانگو کہاں تک مانگتے ہو۔

وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۔ یہی موقع ہے جس میں آدمی حریص بنے۔ تو حرص کا جذبہ برا نہیں ہے۔ اس کا مصرف ہم نے غلط تجویز کر رکھا ہے۔ حرص ہمیں وہاں کرنی چاہئے جہاں نعمت کی کہیں انتہا نہ ہو۔ وہ اللہ کے علوم و کمالات ہیں کہ ان کی کہیں انتہا نہیں ___ یعنی ایک عالم دوسرے عالم کو دیکھ کر حرص کرے کہ اسے سو مسئلے معلوم ہیں میں ڈیڑھ سو کیوں نہ معلوم کروں؟ اور یہ دو سو جانتا ہے میں اڑھائی سو کیوں نہ معلوم کروں' اس میں حرص کرے۔

اس لئے دونوں اگر حرص کریں گے کہ اسے ڈیڑھ سو معلوم ہوئے اسے عار آئی کہ یہ مجھ سے بڑھ گیا میں تین سو معلوم کروں گا پھر اسے عار پیدا ہوئی تو یہ کہے گا میں چار سو معلوم کرتا ہوں۔ ساری عمر یہ بڑھتے رہیں وہاں کمی نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ علم کی کوئی انتہا نہیں اگر ساری دنیا مل کر حرص کرنے لگے کہ ہمیں علم حاصل ہو۔ جب بھی علم میں کمی نہیں آئی گی۔ تو حرص ایسے موقع پر کرے جہاں کمی نہ ہو۔ حرص جیسی نعمت کو چھوٹی چیزوں میں گنوادیا جائے' اسے پسند نہیں کیا گیا۔ یہاں تو ضرورت پوری کرو اور حرص کے جذبے کو آخرت' علم اور معرفت کے ساتھ لگادو تاکہ کہیں بھی تم نہ رک سکو۔ ان اہل اللہ نے دانشمندی سے کام لیا کہ اپنے حرص کے جذبے کو نیکی اور اجر کمانے کے اندر لگایا کہ جیسے ہماری حرص کی حد نہیں نیکی کی بھی حد نہیں ہم نے حرص کو ان چیزوں کے اندر لگادیا جو چند دن کے بعد ختم ہو جانے والی ہیں اور حرص آگے تک چلے گی' تو اس کا پیٹ نہیں بھرے گا اور آخرت میں پیٹ بھر سکتا ہے اس لئے یہ لوگ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ تو ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے دو راستے ہوتے تو طویل راستے کو اختیار

کرتے۔ مختصر راستے کو اختیار نہ کرتے اور طویل راستے میں بھی قدم کثیر رکھتے تاکہ قدم بڑھ جائیں۔ یہ وہی ہوس تھی کہ جتنی نیکیاں کما سکیں۔

نبوّت ضعفاء کو بلند کرتی ہے

بہرحال ایک ملوکیت اور ایک نبوّت ہے۔ ملوکیت، دولت اور اقتدار کی مالک ہوتی ہے مادی چیزیں قبضے میں ہوتی ہیں اور نبوّت روحانی نعمتوں، علم، معرفت، کمالات خداوندی اور قربِ الٰہی وغیرہ کی مالک ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کے مزاج میں رأفت، نرمی، محبت اور ترس کھانا ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ غالب ہوں گے اتنا زیادہ رحم و کرم ان میں اور بڑھتا رہے گا اور مادی اقتدار کے اندر قصہ برعکس ہوتا ہے۔ چونکہ اقتدار محدود ہے خواہ بادشاہ کا ہو، اسے ڈر ہوتا ہے کہ دوسرا نہ چھین لے۔ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تو وہ شک کے اوپر بھی دوسروں کی راہیں بند کرنا شروع کر دیتا ہے کہ یہ کہیں آنے نہ پائیں کہ میرے اقتدار میں کمی آ جائے۔

تو نبوّت اور ملوکیت میں یہی فرق ہے کہ ملوکیت تعدّی اور زیادتی کی طرف چلتی ہے اور نبوّت رحمدلی اور مہربانی کی طرف چلتی ہے۔

بادشاہت میں اگر کوئی برسراقتدار سامنے آئے اس کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر کوئی کمزور ہو اسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ابھرنے نہ پائے اور انبیاء علیہم السلام کمزوروں کو ابھارتے ہیں، جو زور آور ہو اسے اعتدال پر رکھتے ہیں، اسی واسطے جو زیادہ ضعیف ہوگا اس پر انبیاء علیہم السلام کا لطف و کرم زیادہ مبذول ہوگا۔

دنیا کی اقوام نے عورت کی تذلیل کی اور اسلام نے اسے مقام بخشا

مثال کے طور پر میں عرض کرتا ہوں کہ عورت بہت زیادہ کمزور صنف ہے۔ مرد کو اللہ پاک نے قوت بخشی ہے، عورت میں وہ قوت نہیں ہے۔ نہ معنوی قوت اتنی ہے نہ ظاہری۔ بدن کے اعتبار سے بھی عورت بہ نسبت مرد کے کمزور ہے اور اندرونی قوتوں عقل و فراست دونوں کے لحاظ سے بھی مرد سے کمزور ہے۔ اسلام نے اس کو اتنا ابھارا، اتنا سہارا دیا کہ اسے احساس نہ پیدا ہو کہ میں کمزور ہوں۔ شروع سے ابھارنا شروع کیا۔ عورت پر تین ہی حالتیں گزرتی ہیں۔ ایک اس کا بچپن ہے جب وہ اولاد کے درجے میں ہوتی ہے۔ ماں باپ سرپرست ہوتے ہیں۔ دوسرا درجہ جوانی کا ہے جب اس کا نکاح ہو جاتا ہے تو خاوند کے ماتحت آ جاتی ہے۔ اور تیسری حالت یہ ہے کہ اس کی اپنی اولاد سامنے ہو ___ تو ایک خود بیٹی ہے اور ایک بیٹوں کی ماں بن جائے اور ایک خاوند کے بیوی بنے۔ ان تینوں حالتوں کے اندر اسلام نے اسے ابھارا ہے۔

جب وہ خود بیٹی ہو، تو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ لڑکے تمہارے حق میں نعمتیں ہیں، ان پر شکر کرو اور لڑکیوں کے بارے میں کہا گیا کہ یہ تمہاری نیکیاں ہیں۔ گویا نعمت کے اوپر شکر واجب ہے، کفرانِ نعمت کرو گے سزا ملے گی اور لڑکی کو کہا گیا کہ یہ باپ کی حسنات میں داخل ہے۔ نیکیاں جنت میں پہنچاتی ہیں تو یہ تمہیں جنت میں پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی۔ اس لئے لڑکی کے اوپر محبت و شفقت زیادہ مبذول کی گئی تاکہ لڑکوں کی نسبت لڑکیوں پر ماں باپ زیادہ شفقت کریں۔

اندازہ کیجئے لڑکوں کو نعمت اور لڑکیوں کو نیکی کہا گیا۔ تو جیسے ہر نیکی پر توقع ہوتی ہے کہ اجر ملے گا تو لڑکی کے ہونے پر اجر ملے گا۔ لڑکے اگر دس بھی ہو جائیں اس پر اجر کا کوئی سوال نہیں۔ شکر کرو گے تو ٹھیک ہے۔ نہیں

کروگے تو گردن نپے گی اور لڑکی اگر ہو گئی' آدمی شکر کرے نہ کرے لیکن خود اس کا ہونا ایک مستقل نیکی ہے
نامۂ اعمال میں اجر لکھا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اولاد میں گویا ماں باپ کے اوپر اس درجے میں احسان ہے کہ ان کے نامۂ اعمال کو اس
نے نیکیوں سے بھر دیا اور شریعت کا منشاء یہ ہے کہ شفقت ورحمت لڑکی کے اوپر زیادہ مبذول ہونی چاہئے
غرض جب وہ بیٹی ہے تو شریعت نے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔

اور جب وہ منکوحہ ہو کر خاوند کے تحت آئی' پھر شریعت نے یہ بتلایا کہ **ان اکرم المؤمنین احسنکم اخلاقاً الطفکم اھلاً** تم میں سب سے زیادہ قابلِ تکریم مسلمان وہ ہے کہ اس کے اخلاق پاکیزہ ہوں او
بیویوں کے ساتھ لطف ومحبت کرے' سخت دلی کا برتاؤ نہ کرے' تنگی اور سختی سے پیش نہ آئے۔ اگر ان سے
کوئی زیادتی بھی ہو تو صبر وتحمل سے کام لے۔ تو جب بیوی ہونے کی حالت ہے تو خاوند کو متوجہ کیا کہ یہ تیر
سب سے زیادہ شفقت ومحبت کی مستحق ہے۔

اور اس کی اپنی اولاد ہو جائے' یعنی ماں بنے تو حدیث میں فرمایا گیا کہ اولاد کے لئے ماں کے قدموں کے
نیچے جنت ہے۔ جتنی ماں کی اطاعت کرے گا' جنت اس کے قریب ہوگی۔ جتنی ماں کی نافرمانی کرے گا' اتن
جنت بعید ہوگی' اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے سر پر حق تعالیٰ کی رحمت
مبذول ہوتی ہے کہ اگر اولاد ماں کے قریب ہو جائے تو رحمت قریب ہو جاتی ہے۔

اور یہ کیسے لطف کے ساتھ فرمایا' یوں بھی فرمادیتے کہ عورت (ماں) کے ہاتھ کے نیچے یا نگاہوں کے نیچے
جنت ہے' یہ نہیں فرمایا ___ فرمایا قدموں کے نیچے جنت ہے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ قدم سب سے زیادہ کم
درجے کی چیز ہوتی ہے۔ انسان کے بدن میں سب سے زیادہ کم رتبہ قدم ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ بارتبہ
ہوتا ہے۔ اولاد کو یہ تنبیہ کی گئی کہ تیرے حق میں اس کے قدم بھی بہت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں۔ اگر تو ان
قدموں کے اوپر ہاتھ رکھے گا تو جنت کو اس کے قدموں میں پائے گا ___ گویا انتہا درجے کی تکریم کی۔

عورت اقوام دنیا کی نظر میں

اور یہ اس لئے کہ دنیا کی اقوام نے عورت کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' اسلام سے پہلے ایک
زمانہ تھا جب کہ یہود کا غلبہ تھا۔ اب یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے مذہب کی چیز تھی یا نہیں تھی۔ غالب گمان
یہ ہے کہ مذہب کی چیز نہیں تھی' قومی قانون بنایا گیا تھا اس قومیت کے قانون کے تحت یہ چیز تھی اور یونانیوں
میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ یہ کہ عورت پر ماں باپ کو اتنا استحقاق حاصل ہے کہ اسے چاہے باپ قتل کردے
چاہے اسے زندہ دفن کردے حتیٰ کہ مشرکین مکہ میں بھی یہ رسم رائج تھی کہ عورت کو زندہ دفن کرتے۔ گو
اس زمانے کے قانون نے انہیں یہ حق دیا تھا کہ اگر لڑکی کا گلا گھونٹ کر یا زندہ قبر میں ڈالدو۔ کوئی رکاوٹ ڈالنے
والا نہیں' کوئی عدالت انہیں سزا نہ دے سکتی تھی ___ یونانیوں کے ہاں یہ قانون تھا کہ خاوند جب کسی عورت
سے نکاح کرلیتا تھا تو عورت باندی سے بھی کم رتبہ ہوتی تھی۔ ذرا سی کوتاہی اور نافرمانی پر اسے حق تھا کہ
عورت کی گردن ماردے اور قتل کردے۔ انتہا سے زیادہ سزا تھی۔ یہاں تک کہ اگر عورت سے کوئی برائی
ثابت ہو جائے تو گھوڑے کی ٹانگ میں رسی باندھ کر رسی کا ایک سرا عورت کی گردن میں باندھا جاتا تھا او
خاوند گھوڑے پر بیٹھ کر اسے دوڑاتا تھا اور وہ بیچاری گھسٹتی جارہی ہے لہولہان ہو رہی ہے۔ عورت سے یہ
سلوک کر رکھا تھا۔ اسلام نے آکر عورت کا رتبہ بلند کیا۔

اور یہ تو وہ زمانہ تھا جس کو جہالت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ آج تمدن کا زمانہ ہے ابھی تقریباً دس پندرہ سال کا عرصہ ہوتا ہے اخبارات میں خبر چھپی تھی کہ یورپ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی کہ اس پر غور کیا جائے کہ عورت کی حیثیت کیا ہے؟ یعنی آج تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ عورت کی حیثیت و پوزیشن کیا ہے؟ اور اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے؟ ___ مختلف ممالک کے نمائندے جمع ہوئے جنہوں نے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ اس کی پوزیشن کیا ہے؟ اور اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہئے؟ مختلف رائیں ہوئیں بعض ملکوں کے نمائندوں نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ عورت انسانیت میں ہی داخل نہیں ہے انسان نام فقط مرد کا ہے' عورت کا نام نہیں ہے۔ یہ کوئی اور جنس ہے جو مرد کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ ایک ملک والوں نے رائے دی۔ پھر آراء میں اختلاف ہوتا رہا' بالآخر اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ عورت مرد کی تفریح کا ایک آلہ ہے' کھلونا ہے کہ مرد اس سے تفریح کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کوئی خاص پوزیشن عورت کی نہیں ہے اس تفریح کی وجہ سے قدر کرتے ہیں' عورت کے مرتبے کی وجہ سے قدر نہیں کرتے۔ چونکہ اپنی غرض متعلق ہے اس واسطے اس کی حفاظت کی جاتی ہے' آلۂ تفریح ہے اس لئے اس کو سجاتے ہیں۔ جیسے لڑکیاں جب گڑیوں سے کھیلتی ہے تو دلہن کو بڑے اچھے اچھے کپڑے پہناتی ہیں' اس کو زیور بھی پہناتی ہیں اور بعض بے وقوف جب ان کی آپس میں شادیاں کرتی ہیں تو دس دس روپے کا جہیز بھی اسے دیتی ہیں۔

یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کے دل میں گڑیا کی کوئی وقعت ہے۔ وہ تو ایک کھلونا ہے اپنی تفریحِ طبع کے لئے اس گڑیا کو لباس پہنا کے سجا دیتے ہیں' چونکہ عورت بھی تفریح کا آلہ ہے' اس لئے اس کو سجا دیا، زیور پہنا دیا۔ ورنہ اس کا کوئی خاص حق نہیں ہے۔

خاوند بیوی بلحاظِ حقوق مساوی ہیں

لیکن اسلام نے آکر ان کے برخلاف عورتوں کو حقوق دیئے اور فرمایا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ جو عورت پر خاوند کے حقوق واجب ہیں وہی خاوند پر عورت کے حقوق واجب ہیں وہ حقوق میں کمی کرے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ عورت کرے گی' اسے سزا دی جائی گی۔

تو زوجین میں نکاح کے بعد ازدواجی زندگی میں دونوں کا رتبہ حقوق کے لحاظ سے برابر قرار دیا۔ یہ الگ چیز ہے کہ عورت کی عقل میں چونکہ نقصان یا کمزوری ہے اس واسطے اس کو زیرِ تربیت رکھا' تو یہ منصب کی بات ہے لیکن حقوق کے درجے میں دونوں کو برابر قرار دیا کہ عورت کے اوپر مرد کے حقوق ہیں تو عورت کے بھی ہیں۔

اگر عورت نافرمانی کرے تو مرد کو طلاق کا مالک بنایا گیا ہے۔ اگر مرد زیادتی کرے تو عورت کو خلع کا مالک بنایا گیا ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہو تو وہ عدالت میں قاضی کے ہاں درخواست دے سکتی ہے کہ میں خاوند کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتی۔ نان و نفقہ خاوند پر واجب ہے' وہ ادا نہیں کرتا، حکومت اس کے اوپر جبر کرے گی اور اگر بالکل علیحدہ ہونا چاہے تو علیحدہ بھی ہو سکتی ہے جس کو خلع کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ وہ قاضی کے ہاں درخواست کرے گی قاضی خاوند کو بلا کر اس سے مؤاخذہ کرے گا' کیوں نہیں تم نے حقوق ادا کئے۔ اگر اس نے جواب کچھ معقول دیا فبھا ___ ورنہ قاضی کہے گا نکاح فسخ کردے۔ یہ تیرے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ اگر فسخ نہیں کرے گا تو قاضی عورت کو طلاق دیدے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی تو اس خلع کا مالک عورت کو بنایا گیا ہے۔ غرض اگر ایک طرف طلاق کی ملکیت مرد کے لئے رکھی تو خلع کی ملکیت عورت کے لئے رکھی۔ وہ مجبور ہو کر جدا

ہونا چاہیے' ہو سکتا ہے یہ چاہے یہ بھی ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ حقوق کے درجے میں مساوی قرار دیا۔
بعضی چیزیں عورت اخلاقاً انجام دیتی ہے اور بعضی چیزیں مرد بھی اخلاقاً انجام دیتا ہے لیکن عورت کے لئے واجب نہیں ہے جیسے مثلاً دودھ پلانا ہے عورت کے ذمے واجب نہیں ہے۔ مرد سے کہہ سکتی ہے کہ خرچ کر کے دودھ پلوا' میں دودھ نہیں پلا سکتی۔ عورت اولاد کے کپڑے سیتی ہے لیکن اگر وہ خاوند سے کہے کہ درزی سے سلواؤ' میرے ذمے واجب نہیں ہے تو خاوند ہرگز مجبور نہیں کر سکتا۔ بہرحال شریعت اسلام میں اس قسم کی چیزیں رکھی گئی ہیں کہ اگر اس کے حقوق ہیں تو اس کے بھی حقوق ہیں۔ یہ اسلام ہی نے اس کو ابھارا۔ تنگ دست اور نازک صنف کو ابھارا' جس کو دنیا کی اقوام نے پامال کر دیا تھا۔
غرض جاہل اقوام نے اس پر یہ حقوق جتلائے کہ اس کی گردن مار سکتے تھے' اس کو ایذائیں پہنچا سکتے تھے اور متمدن اقوام یہاں تک پہنچیں کہ وہ تفریح کا ایک کھلونا ہے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ اسلام نے کہا کہ کھلونا نہیں' بلکہ خانگی زندگی میں برابر کی حقدار ہے' جس طرح کہ خاوند کے انتقال کے بعد اس کی اولاد وارث ہوگی' دوسرے اس کے وارث ہوں گے' عورت کو وراثت پہنچے گی۔ جس طرح سے عورت کے انتقال کے بعد خاوند کو وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ عورت کو بھی خاوند کا وارث قرار دیا گیا۔
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ جتنے عورتوں پر خاوندوں کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ اتنا ہی خاوندوں کے اوپر بھی عورتوں کے حقوق عائد ہوتے ہیں۔ برابری اس حد تک رکھی گئی ہے کہ عورت کوئی باندی اور مملوک نہیں بلکہ شریکِ زندگی اور شریکِ حیات ہے۔
میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا خاص اصول ہے کہ کمزوروں کو ابھارتا ہے' دبتے کو دبانا نہیں بلکہ دبے ہوئے کو اونچا کرنا چاہتا ہے' کمزوروں کو دباتا نہیں بلکہ اونچا بنانا چاہتا ہے' سب سے زیادہ کمزور صنف عورت تھی۔ اسلام نے اس کے اوپر انتہائی رحم و کرم کیا کہ جب وہ بیٹی ہونے کی حالت میں ہے تو ماں باپ کی نیکیوں میں شمار کیا جا رہا ہے۔ جب وہ منکوحہ بنی' تو خاوند سے کہا گیا تو قابلِ تکریم تب بنے گا جب عورت کے ساتھ نرمی اور مدارات کا برتاؤ کرے' جب وہ ماں بن گئی تو اولاد سے کہا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اگر قدم پر ہاتھ رکھے گا جنت کو قریب پائے گا' اگر تو نے ماں کو ستایا تو جنت قریب نہیں ہوگی' آخرت میں نجات نہیں ہوگی یعنی باپ سے زیادہ ماں کا حق قائم کر دیا۔ باپ کے بھی اولاد کے اوپر حقوق ہیں لیکن ماں کے حقوق اس سے زیادہ ہیں۔

ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں

اور اس کی وجہ قرآن کریم نے ارشاد فرمائی کہ عورت جتنی مصیبت اولاد کی پرورش میں اٹھاتی ہے باپ نہیں اٹھاتا۔ باپ زیادہ سے زیادہ کماتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ شادی نہ کرتا جب بھی کماتا' اپنے لئے کماتا' دوسروں کے لئے کماتا۔ تو کمانا اس کی طبعی بات ہے وہ ہر صورت سے کماتا۔ گویا وہ محنت محض بیوی کے لئے نہیں ہوتی' وہ اپنے نفس کے لئے بھی ہوتی ہے' اپنے عزیزوں کے لئے بھی ہوتی ہے لیکن عورت اولاد کے لئے جو محنت گوارا کرتی ہے وہ خاوند نہیں کر سکتا۔ نو مہینے تو پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے جس کو فرمایا گیا' حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔ اور فرمایا گیا :(احقاف پ۲۶ آیت ۱۵)
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ۔ (لقمان پ۲۱ آیت ۱۴)
تھک تھک کر' عاجز آ کر نو مہینے اس کو پیٹ میں اٹھاتی ہے۔ اس کے اوپر ایک بوجھ ہے مگر برداشت

کر رہی ہے۔

پھر اس کے بعد وضع حمل' تو اس کے بارے میں مثل مشہور ہے کہ "جننا اور مرنا برابر ہوتا ہے" گویا اس کی زندگی کے لالے ہوتے ہیں۔ باقی اللہ بچاوے تو بچاوے' ورنہ موتیں واقع ہو جاتی ہیں۔ تو نو مہینے وہ مصیبت اٹھائی اور جننے کی ایک مستقل مصیبت اٹھائی پھر اس کے بعد دو برس اس کو اپنا خون چسانا' دودھ پلانا' یہ اپنے بدن کے اجزا اس کو پہنچانا یہ خاوند نہیں کر سکتا' بیوی کرتی ہے' یہ ماں ہی کرتی ہے' باپ نہیں کر سکتا۔

پھر اگر بچے کو ضد چڑھ گئی کہ میں تو گود میں چڑھ کر سوؤں گا۔ عورت کو ساری ساری رات گزر جاتی ہے کہ گود میں اٹھائے پھرتی ہے۔ بچہ اگر بیمار ہے تو ماں اس سے پہلے بیمار ہو جاتی ہے۔ اس کو الگ دکھ ہوتا ہے۔ غرض باپ کی مجال نہیں ہے کہ یہ محنت برداشت کرے' وہ تو مجنوں ہو کے نکل جائے۔

عورت میں جذبۂ خدمت

اگر کہیں ایسا ہو کہ عورت یوں کہے کہ سال یا مہینہ بھر کے لئے خدمت کا تبادلہ کر لیں۔ میں تیری خدمت انجام دوں اور تو بیٹھ کے بال بچے پال' تو ممکن نہیں دو دن میں اسے جنون ہو جائے گا یہ عورت ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ اس محنت کو برداشت کرتی ہے مرد برداشت نہیں کر سکتا۔

وہ ہمارے ہاں ایک کاشتکار کا قصہ مشہور ہے اور قصہ واقعی ہے' فرضی نہیں ہے کہ وہ کاشتکار اپنے کھیت پر گیا۔ وہاں جا کے کھیت کیاری کے کام میں لگ گیا۔ تو طریقہ یہ تھا کہ اس کی عورت ٹھیک بارہ بجے کھانا پکا کے لایا کرتی تھی ایک دن اتفاق سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیر ہو گئی۔ کاشتکار آئے جائے تو کہاں؟ اسے غصہ چڑھا اس نے سینکڑوں صلواتیں بیوی کو سنائیں کہ تجھ سے کام نہیں ہوتا اور تو سست ہو گئی ہے اور کم بخت تجھ سے کچھ نہیں بنتا اور میں ہوتا تو یوں کرتا اور تو ایسی ہے تو ویسی ہے بیچاری سنتی رہی یعنی صبح سے شام تک لڑ کھپ کے بچوں کو الگ پالا' کھانا الگ پکایا' کھیت پر لے کر بھی گئی' اتفاق سے اگر ذرا دیر ہو گئی تو خاوند نے سینکڑوں صلواتیں سنائیں خیر وہ غریب سنتی رہی۔ خاوند کی زبان سے نکلا کہ اگر میں اس کام میں ہوتا تو کبھی یہ بات نہ ہوتی۔ اس ... نے کہا اچھا پھر دو چار دن کے لئے خدمتوں کا تبادلہ کر لو۔ میں کھیت پر کام کروں گی تو گھر پہ رہ بچوں کو پال اور بارہ بجے کھانا لے کر آجایا کرنا۔ اس نے کہا یہ کونسی بڑی بات ہے میں کر لوں گا۔ اس نے کہا کل سے پھر یہی ہو گا۔

چنانچہ صبح کو اٹھتے ہی بیوی تو کھیت پر چلی آئی اور کھیتی کا کام شروع کر دیا۔ اب یہ خاوند صاحب گھر لیٹے رہے آنکھ کھلی تو ایک بچہ رو دیا' یہ اسے سنبھالنے کے لئے گئے تو ادھر سے دوسرا چلایا' اسے پکڑنے کے لئے گئے تو تیسرا رویا' ابھی اس سے نہیں نمٹے کہ معلوم ہوا' وہ گھر میں گائے بندھ رہی تھی اس کا بچھڑا رسہ چھڑا کر گائے کے دودھ پر جا کے لگ گیا' اسی پر گذر اوقات تھا۔ یہ جلدی سے بچھڑے کو سنبھالنے گیا' تو بچہ چارپائی سے نیچے گر پڑا' اب وہ چلا رہا ہے' شور مچا رہا ہے' یہ وہاں پہنچے بچھڑا جو وہاں پہنچا اور اس نے دودھ لیا تو گائے گھبرا کے بھاگی اور اس کی رسی چارپائی میں اٹک گئی تو وہ چارپائی سمیت چولھے پر چڑھ گئی۔ تو اب چارپائی چولھے کے اوپر رکھی ہوئی ہے' بچہ وہاں پڑا ہوا ہے اور ایک بچہ ادھر چلا رہا ہے' اب اسے پریشانی ہے کہ بچوں کو سنبھالوں یا بچھڑے کو سنبھالوں یا کھانا پکاؤں یا دودھ نکالوں' کھڑا ہوا مجنوں کی طرح ہر طرف دیکھ رہا ہے' یہاں تک کہ دس گیارہ بج گئے' وہ بیچاری کھیت کے اوپر محنت کر رہی تھی۔ اسے توقع تھی کہ آج بارہ چھوڑ ساڑھے گیارہ بجے کھانا آجائے گا۔ اس لئے کہ مرد بہت قوی ہے' خوب کام انجام دے گا۔ جب بارہ چھوڑ ایک بج گیا

اور کوئی نہ آیا۔ اس نے کہا کیا قصہ پیش آگیا۔ وہ آئی ___ تو آ کے دیکھا کہ ایک بچہ ادھر پڑا رو رہا ہے' ایک ادھر رو رہا ہے اور چارپائی چولھے کے اوپر ٹنگ رہی ہے اور گائے چولھے پر چڑھ رہی' اور بچھڑا پڑا ہوا ہے' نہ کھانا نہ دودھ نہ چارپائی نہ اپنے بچے' گھر میں کوئی چیز بھی ٹھکانے پر نہیں اور خاوند صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔

اس نے کہا کہ کیا بات ہے؟ خاوند نے کہا بس کچھ نہیں۔ یہ تیرا ہی کام ہے میرے بس کا کچھ نہیں ___ پھر اس نے کھیتی کا کام شروع کیا اور عورت نے گھر کو سنبھالا ___ تو واقعہ یہ ہے کہ عورت کا بڑا حوصلہ ہے کہ گھر میں بچوں کو سنبھالنا' کھانا پکانا' گھر کا انتظام کرنا' اور خاوند کے سارے معمولات اور خدمات کو انجام دینا۔ اگر خاوند کو چار خدمتیں سپرد کردی جائیں' دیوانہ ہو جائے۔ یہ عورت ہی کر سکتی ہے۔ چونکہ یہ چیز تھی اس واسطے شریعتِ اسلام نے اس کا رتبہ بلند کیا۔ باپ سے زیادہ اس کے حقوق بڑھائے۔ مرد منصب کے لحاظ سے کتنا ہی بلند سہی' لیکن حقوق کے لحاظ سے اتنا بلند نہیں ہے جتنے شریعت نے عورت کے حقوق قائم کئے ہیں۔

تو شریعت کا یہ خاص اصول ہے کہ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ جو زمین میں ضعیف اور کمزور ہیں ہم ان کو ابھاریں گے۔ ہمارا یہ اصول ہے کہ ان کو بلند و بالا کیا جائے' تو عورت ضعیف' نازک تھی اس لئے اس کو ابھارا۔

یتیم پر شفقت کے لئے ساری امّت کو متوجّہ کیا گیا

اسی طرح یتیم بیچارہ ضعیف ہوتا ہے۔ ماں باپ اس کے گزر گئے لاوارث رہ گیا' کوئی پالنے والا نہیں ہے۔ اس پر شفقت کی۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے'

اگر کوئی شخص یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھے تو جتنے بال ہاتھ کے نیچے آئیں اتنی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی۔

حدیث میں آپؐ نے فرمایا

انا و کافل الیتیم کھاتین۔

میں اور یتیم کی خدمت کرنے والا جنت میں بالکل اس طرح برابر ہوں گے' میں ذرا آگے نکل جاؤں گا۔ وہ کچھ پیچھے رہے گا۔ مگر اس کے رتبے کے معیت وہی ہوگی جو جنت میں مجھے دی جائے گی۔

اور پہلے یتیم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپؐ سے زیادہ یتیموں کا والی اور وارث کون ہو سکتا ہے؟ اور آپؐ سے زیادہ یتیموں کو سہارا دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اس واسطے احادیث یتیموں کی خدمت کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔

روح اس کے اندر یہی ہے کہ یتیم کمزور تھا' ماں باپ گزر گئے تھے دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ عزیز اقرباء بھی ہوتے ہیں' لیکن جب تک خود اپنی غرض متعلق نہ ہو خلوص سے خدمت کرنے والے دنیا میں گنے چنے ہوتے ہیں' عام طور سے نہیں ہوتے۔ اس واسطے پوری امّت کو متوجّہ کیا ہے کہ یتیم کا باپ گزر گیا تو ساری امّت بمنزلہ باپ کے ہے۔ ہر انسان اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی خدمت کی طرف توجہ کرے۔

تو عورت کمزور تھی اس کی طرف توجہ فرمائی' یتیم کمزور تھا اس کی طرف توجہ فرمائی۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

اگر آپ کا کوئی زر خرید غلام ہے وہ بیچارہ کمزور ہے۔ آپ کو آقا سمجھتا ہے تو اس کے لئے شریعت نے فرمایا' **اخوانکم خولکم** وہ غلام جن کو تم نے خریدا ہے وہ بمنزلہ تمہارے بھائی کے ہیں۔ جو خود کھاتے ہو وہ انہیں کھلاؤ' جو خود پہنتے ہو وہ انہیں پہناؤ' جو اپنی اولاد کو تعلیم دیتے ہو' وہ انہیں تعلیم دو۔ یعنی برابری کا رتبہ رکھو۔ پھر اس کی اتنی عزت بڑھائی کہ اگر آقا اور غلام مسجد میں آئیں تو یہ فرق نہیں ہو سکتا کہ غلام پچھلی صف میں آئے اور آقا اگلی صف میں آئے' وہ دوش بدوش برابر کھڑا ہوگا۔ آقا کو کوئی حق نہیں ہے کہ اسے پیچھے ہٹادے۔ شریعت نے مساوات قائم کی۔ تو ادھر فرمایا ''**اخوانکم خولکم** تمہارے برابر کے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو' انہیں کھلاؤ' جو خود پہنتے ہو انہیں پہناؤ' ان کو تعلیم اور تادیب کرو' حسن سلوک سے ان سے پیش آؤ۔

پھر غلام کو آزاد کرنے کے فضائل سے احادیث بھری پڑی ہیں کہ اگر کسی نے غلام کو آزاد کردیا فرمایا وہ ایسا ہے جیسے اس نے ایک حج مع عمرے کے انجام دیا۔ جو اس کا اجر ہوتا ہے' وہ ایک غلام کو آزاد کرنے میں اجر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں شروع زمانے میں جہاد جتنا زیادہ تھا' غلام زیادہ آتے تھے' ان کو آزاد کرنے کا اتنا دستور تھا کہ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں غلام آزاد ہوتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے' پڑھاتے تھے' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ شروع زمانۂ اسلام میں بڑے بڑے اکابر علماء جن سے دین اور علم پھیلا' زیادہ تر غلام ہوتے تھے' اس لئے کہ ان کے پاس کوئی زیادہ اسبابِ معیشت اور دولت نہیں ہوتی تھی' گھر بار نہیں ہوتا تھا کہ اس میں لگیں وہ خالص دین اور علم کی طرف متوجہ ہوجاتے' اس لئے جتنا وہ علم سیکھتے تھے گھر بار والے اتنا نہیں سیکھتے تھے۔ انہیں کچھ دولت کا' کچھ گھر کا شغل بھی ہوتا۔ انہیں فقط علم سیکھنے کا شوق اور شغل ہوتا تھا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ دیہات کے رہنے والے اور غلام تھے۔ لیکن آج وہ سارے مسلمانوں کے امام ہیں۔ عطاء ابن ابی رباحؒ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ **مارایت احسن من عطاء ابن ابی رباح** میں نے اپنے زمانے میں عطاء ابن ابی رباح سے زیادہ فضیلت والا کوئی شخص نہیں دیکھا' تو جس کے علم کی امام ابوحنیفہؒ تعریف کریں۔ اندازہ کیجئے کہ اس کے علم کا کیا رتبہ ہوگا؟ یہ بھی غلام ہیں۔ تو اتنے بڑے ہیں کہ آج مسلمانوں کے مقتدا ہیں اور اپنی ذات سے دیکھیں تو وہ غلام ہیں۔

صوفیاء اور علماء میں غلام بڑے بڑے اکابر ہوئے اور بڑی تعداد میں ہوئے۔ یہ شریعت اسلام کی اس ہدایت کا اثر ہے کہ اس نے کمزور دیکھ کر پوری امت کو متوجہ کردیا' ہر آقا کو متوجہ کیا کہ اپنے غلام کو حقیر مت سمجھنا۔

اسلام سے قبل غلاموں سے بدسلوکی

اس پر ہے کہ اسلام سے پہلے دور میں دنیا کے لئے غلامی ایک بدترین عذاب تھا آقا کو غلام پر حق حاصل تھا کہ اسے قتل کردے' اس کو ذبح کردے' اس کو دردناک سزائیں دے' کوئی قانون اس پر گرفت نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک لوگ کرتے تھے کہ تاریخوں میں دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں کہ کس طرح ان کے دل برداشت کرتے تھے' غلام سے ذراسی کوتاہی ہوئی شکنجے بنوائے ہوئے ہوتے جس میں ادھر ادھر برچھے لگے ہوتے تھے بیچ میں غلام کو رکھ کے اس کو ملادیتے تھے۔ ادھر ادھر سے برچھا آرپار ہوجاتا تھا اور ہنس رہے ہیں۔ تالابوں کے اندر سانپ چھوڑے ہوئے ہیں' غلام سے ذراسی کوتاہی ہوئی لات مار کے دھکیل دیا۔

سانپ لپٹ گئے اور آقا کی تفریح ہو رہی ہے۔ بھیڑیئے جمع کئے گئے اور اس غلام پہ چھوڑ دیئے گئے' جو سزا کا مستحق تھا' بھیڑیئے اس کو جھپٹ رہے ہیں پھاڑ کھا رہے ہیں اور آقا تفریح کر رہے ہیں۔ غلام کی یہ کیفیت تھی۔

اسلام نے غلامی کو ختم کیوں نہ کر دیا؟

اسلام نے آکر غلامی کو تو نہیں مٹایا کہ یہ فطری سی چیز ہے۔ سیاسی طور پر جب کسی قوم پر غلبہ ہو اور وہ قوم حربی بنے اور مقابلہ پر آئے تو سیاسی آزادی چھینی جاتی ہے۔ دنیا کی ہر قوم مفتوح قوم سے سیاسی آزادی چھین لیتی ہے۔ ان سے بھی چھینی جاتی تھی۔ یہی معنی غلامی کے ہیں۔ دینی آزادی نہیں چھینی جاتی تھی۔ غلام مسجد میں آسکتا ہے' تلاوت بھی کر سکتا ہے' آقا کے برابر عبادات کر سکتا ہے۔ سیاسی حقوق نہیں دیتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی تھی تو سیاسی آزادی چھن گئی اور سارے حقوق باقی رکھے گئے' تو پچھلی اقوام غلام پر اتنا حق رکھتی تھیں کہ انتہائی دردناک سزائیں دیتیں۔ اسلام نے وہ سب سزائیں مٹا دیں۔ آزاد کرنے کے فضائل بیان کئے جس سے ہزاروں غلام مرد روز آزاد ہوتے تھے' تعلیم دینے کی فضیلت بیان کی جس سے ہزاروں غلام بڑے بڑے علماء اور فضلاء بن گئے' تو ضعفاء کے اوپر اسلام نے رحم کھایا۔ اس لئے عورت' یتیم اور غلام پر رحم کیا۔ جو مظلوم اور بے کس ہو اس کے لئے پوری امت کو فرمایا گیا کہ پوری امت کا حق ہے کہ اس کے ظلم کو دفع کرے اور اس کی مدد کرے۔

جانوروں پر رحم کرنے کا حکم

حتیٰ کہ جانور جو زیادہ کمزور ہوتا ہے' اس پر اور زیادہ رحم و کرم بتلایا گیا' حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایک فاحشہ عورت کو آپؐ نے جنت میں دیکھا۔ ساری عمر بدکاری کی اور دیکھا گیا جنت میں۔

وجہ کیا پیش آئی؟

فرمایا ایک کتا پیاس کی وجہ سے مر رہا تھا' زبان پر کانٹے پڑے ہوئے تھے' عرب کی گرمی کی خشکی کی وجہ سے زبان باہر نکلی ہوئی وہ فاحشہ عورت آئی اس کو رحم آیا کہ ایک بے زبان جانور مر رہا ہے کنویں پر نہ ڈول تھا نہ رسی تھی۔ اس نے اپنے پیروں سے چمڑے کا موزہ نکالا اور اپنے دوپٹے میں اس کو باندھ کر اس میں جتنا پانی آیا وہ کتے کے منہ میں ٹپکایا جس سے اس کے دم میں دم آگیا اور اس کی جان بچ گئی۔ فرمایا اس عمل کی بدولت فاحشہ عورت جنت میں داخل کی گئی۔

اور حدیث میں ہے کہ ایک نیک اور متقی آدمی کو آپؐ نے جہنم میں دیکھا۔ فرمایا کہ یہ منکشف ہوا کہ وہ اس لئے جہنم میں گیا اس نے ایک بلی کو جو ستاتی تھی جیسے بعض جانور ستاتے ہیں' اس نے غصے میں آکر ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور کہا کہ اسے کوئی نہ کھولے دو تین دن میں وہ سسک کر اندر مر گئی۔ فرمایا' وہ متقی جہنم میں گیا۔ اس لئے کہ اس نے جانور کے اوپر رحم نہیں کھایا۔

فرعونی طاقت پر بنی اسرائیل کے ضعفاء کو غالب کیا گیا

غرض اسلام ہر کمزور پر رحم کھاتا ہے' انسانوں میں کوئی کمزور ہو یا جانوروں میں تو جس دین نے جانوروں تک پر رحم کھایا وہ کیسے گوارا کرے گا انسان انسانوں پر ظلم کرے یا کوئی کسی دوسرے کے اوپر زیادتی کرے۔ یہ

اس نے برداشت نہیں کیا۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا:

أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ۔

یہ قصہ فرعون کے زمانے کا ہے' موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ حق تعالیٰ اس کو قرآن میں حکایت فرمارہے ہیں کہ اَنْ نَّمُنَّ ہم احسان کریں گے' کن پر ___ ؟ ان لوگوں پر جو زمین کے اندر کمزور ہو گئے۔ گویا یہ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا جارہا ہے۔

فرعون چونکہ غالب تھا' اقتدار اس کے ہاتھ میں تھا' بنی اسرائیل مغلوب تھے اور بنی اسرائیل کو فرعون نے انتہا درجے کی ذلت پر پہنچا دیا تھا۔ حالانکہ انبیاء زادے تھے' نبیوں کے خاندان سے تھے۔ اہل علم و سمجھ تھے۔ لیکن چونکہ فرعون کی غلامی میں مبتلا ہو گئے اس واسطے اس نے جتنی ذلیل خدمات تھیں وہ بنی اسرائیل کے سپرد کر رکھی تھیں۔ مزدوریاں کرنا' کوڑا اٹھانا اور ان کے بچوں کو پالنا' غرض اس قسم کی ساری ذلیل خدمات ان سے لی جاتی تھیں اور انتہائی ذلت کے ساتھ ان کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔

موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور انہیں نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی تربیت شروع کی' تعلیم و تربیت کے ذریعے ان کے اخلاق اور کردار کو درست فرمایا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ جو کمزور ہیں' جن کی تم تربیت کر رہے ہو' ان کے اخلاق درست کر رہے ہو' اَنْ نَّمُنَّ ان پر ہم احسان کرنے والے ہیں۔ یہ ضعفاء ہیں' زمین پر کمزور ہیں' ہم ان کو قوت دینے والے ہیں۔ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً انہیں زمین میں امام بنانے والے ہیں۔ وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ اور زمین کی وراثت ان کو سپرد کرنے والے ہیں۔ زمین کی وراثت میں یہ حصہ دار بنیں گے گویا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو تسلی دی گئی کہ اپنی کمزوری پر غم نہ کھاؤ ___ مگر ہاں شرط یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جس طرح تعلیم و تربیت دے رہے ہیں ان کا اتباع کئے جاؤ' جس علم کی طرف لا رہے ہیں اس علم کی طرف آؤ۔ جن اخلاق کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان اخلاق کی طرف آؤ۔ ان کی پیروی کرتے رہو۔ ان کی تعلیم و تربیت کے سامنے جھکتے رہو۔ جب تمہارا اخلاق بلند ہو گا تو عنقریب ہم تم کو بلند کرنے والے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا۔ آگے ارشاد فرمایا

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ۔

اور ہم انہیں اقتدار و تمکنت دینے والے ہیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکر جن جن چیزوں کو سامنے رکھ کر ڈرتے تھے' اب ان کے سامنے آنے والا ہے۔ انہی چیزوں میں وہ مبتلا کئے جانے والے ہیں جن چیزوں کا خطرہ تھا کہ کہیں یہ بنی اسرائیل غلبہ نہ پالیں اور ہمیں کہیں نیچا نہ دکھاویں۔ یہ ان کے آگے آئیں گی اور تم کمزوری میں مبتلا تھے' تم ان پر غلبہ پاؤ گے۔ حق تعالیٰ نے اس زمانے کے واقعہ کی حکایت فرمائی اور اسلام نے اسے بطورِ اصول بیان کیا۔ تو اسلام کا اصول یہ ہے کہ ضعفاء کو سہارا دیا جائے' جو کمزور ہوں ان کے اوپر احسان کیا جائے' جو مفلوک الحال ہوں ان کی مدد کی جائے' جو غرباء' یتامیٰ اور مساکین ہوں ان کا ہاتھ بٹایا جائے' جو کسی ظلم میں گرفتار ہو اور اسے ظلم سے نجات دلانا آپ کے اختیار میں ہو تو آپ پر فرض ہے کہ آپ اسے نجات دلائیں۔

بہرحال عورت' غلام' یتیم اور مظلوم و مصیبت زدہ ان سب پر رحم کیا ہے۔ تو یہ اسلام کا خاص اصول ہے کہ اس اُمتِ مسلمہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم کمزوروں پر احسان کرنا سیکھو۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ

و سلم کی شان رحمۃ للعالمین فرمائی گئی کہ آپ جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور سب سے زیادہ آپ کی رحمت کمزوروں پہ ظاہر ہوئی ہے' سب سے زیادہ کمزور عرب تھے' ان کو اتنا قوی کیا کہ پورے عالم میں ان کا نظام قائم ہو گیا' ان کی حکومت قائم ہو گئی۔ تو آپ کی رحمۃ للعالمینی نے کمزوروں اور ضعفاء کو سہارے دیئے۔ مساکین کو اونچا کیا' یتیموں کو والی اور وارث بلکہ آقا بنا دیا۔ غلاموں کو ان کے آقاؤں کے اوپر غالب کردیا۔ یہ اسلام کی تعلیم کا اثر تھا۔ اس امت کے سامنے یہ تعلیم پیش کی گئی ہے تاکہ امت بھی اسی راستے پر چلے۔ کمزوروں پر رحم کھائے۔ ہر قوم میں کمزور بھی ہوتے ہیں' قوی بھی ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ان کا فرض قرار دیا گیا ہے کہ ناداروں کی وہ خبر گیری کریں' ضعفاء کی رعایت و مدد کریں۔

دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں غرباء کو عدل وانصاف کے ذریعہ غالب کیا گیا

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفۃ المسلمین بنا دیئے گئے تو آپ نے ممبر پر کھڑے ہو کے اعلان کیا کہ آج سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے اور جو قوی ہے وہ آج سے میرے نزدیک کمزور ہے۔ یعنی میں کمزوروں کی مدد کروں گا اور اقویاء اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ان کے ہاتھ میں قوت ہے میں ایک ایک حق ان سے منتقل کر کے کمزوروں کو دلاؤں گا۔

چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت اس سے بھری پڑی ہے کہ عدل وانصاف سے غریبوں کو کتنا سہارا دیا۔ گویا اسلامی حکومت کا اصل مقصد تربیت خلق اللہ ہے۔ امیر المؤمنین کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کی تربیت کرے۔ اخلاقی طور پر ان کی نگہداشت کرے اور یہ دیکھے کہ علم اور اخلاق کے اندر کون کمزور ہے اس کو سہارا دیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مثالیں قائم کیں۔

حدیث میں ایک واقعہ فرمایا گیا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رات کو نگہداشت کرنے کے لئے نکلتے کہ رات میں کون کس طرح زندگی بسر کر رہا ہے حتیٰ کہ گھروں کی حالت معلوم کرتے تھے کہ اخلاقی حالت کچھ کمزور تو نہیں ہو گئی۔ تو راتوں کو گشت کرتے تھے۔ ایک دفعہ گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے کچھ گنگنانے کی آواز آئی جیسے کوئی کچھ گا رہا ہو اور عورت کی آواز تھی ___ نوجوان لڑکی کچھ اشعار پڑھ رہی تھی' اشعار بھی کچھ عاشقانہ تھے تو فاروق اعظم کو کھٹک پیدا ہوئی کہ ایک لڑکی اور گھر میں عاشقانہ اشعار پڑھے۔

تیر وہ گھر پہ آئے دستک دی کہ کون ہے گھر کے اندر؟

وہ لڑکی امیر المومنین کی آواز پہنچان گئی اور رعب کی وجہ سے سہم گئی اور دب گئی اور اتنا رعب پڑا کہ وہ جواب نہ دے سکی۔ اس کے جواب نہ دینے اور چپ ہو جانے کی وجہ سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اور زیادہ شبہ پیدا ہوا کہ گانے کی آواز تو بند ہو گئی' مگر جواب کوئی نہیں دیتا۔ پھر ڈانٹ کر آواز دی کہ اس گھر کے اندر کون ہے؟ لڑکی بیچاری اور زیادہ دب گئی اور ڈر گئی ___ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دیوار پھلاند کر گھر میں داخل ہو گئے کہ دیکھوں اندر کیا بات ہے۔ معلوم ہوا کہ گھر میں ایک نوجوان لڑکی ہے اور گھر میں کوئی نہیں ہے۔

فرمایا' تو کون ہے؟ اور کیوں گا رہی تھی؟ اور تجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کی آواز کو بھی عورت بنایا ہے۔ تو اتنی زور سے بول رہی تھی کہ باہر آواز آئے' تو نہیں سمجھتی کہ تو گنہگار ہوئی۔

اب وہ لڑکی نے جرأت کی۔ اسے بھی بھروسہ تھا کہ فاروق اعظم عادل کامل ہیں۔ جو چیز کہوں گی تو یہ نہیں ہے کہ وہ جذبات میں آکر فیصلہ کریں وہ اس پر غور کریں گے۔ اس لڑکی نے ذرا کرخت آواز کر کے کہا :

امیر المومنین! مجھے آپ طعنہ دے رہے ہیں کہ میں نے گناہ کیا۔

آپ نے اس وقت کھڑے کھڑے تین گناہ کئے ہیں اور قرآن وحدیث کے احکام کی تین خلاف ورزیاں کی ہیں۔

بس! فاروق اعظم ٹھنڈے ہو گئے' بجائے اس کے کہ کوئی غصہ آتا۔ رعایا کی ایک لڑکی اور امیر المومنین کو ڈانٹ دے تو جذبات ابھرنے چاہئے تھے۔ کوئی اشتعال پیدا ہونا چاہئے تھا' لیکن جب اس نے کہا کہ آپ نے تین گناہ کئے ہیں تو فوراً سہم گئے اور مرعوب ہو گئے۔ فرمایا بہن! میں نے کیا گناہ کئے؟

اس نے کہا کہ پہلا گناہ تو آپ کا یہ ہے کہ میں ایک اجنبی لڑکی ہوں اور اجنبی لڑکی کے ساتھ کسی مرد کو خلوت جائز نہیں ہے۔ آپ کو کیا حق تھا کہ آپ میرے گھر میں آ پائے اور آ کر میرے تخلئے میں خلل ڈالا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا صاف حکم ہے کہ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا گھروں میں دروازوں کے ذریعے سے داخل ہو۔ آپ نے خلاف ورزی کی کہ آپ دیوار پھلاند کر گھر میں آئے۔ آپ کو دیوار پھلاند کر آنے کا کیا حق تھا؟

تیسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم ہے کہ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا کسی کے گھر کے اندر اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی دوسرے کے گھر پر جاتے تین دفعہ سلام فرماتے اور تین سلاموں کی کیا صورت ہوتی؟

ایک سلام استیذان یعنی اجازت لینے کا سلام' بجائے اس کے دستک دیں نام لے کر پکاریں۔ آپ دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے فرماتے' السلام علیکم' گھر والوں کو آواز سنائی دیتی' وہ وعلیکم السلام کہہ کر باہر آتے' اجازت دیتے اور گھر میں بلاتے ____ پھر جب گھر میں داخل ہوتے تو مجلس کو سلام کرتے۔ یہ سلام تحیّہ کہلاتا ہے اور پھر جب واپس ہوتے' پھر سلام وداع کہتے' یہ سلام وداع کہلاتا ہے۔ تو تین سلام ہوتے ہیں۔ جو ابتدائی سلام ہے وہ سلام استیذان یعنی اجازت لینے کا سلام ہے۔ لڑکی نے کہا' قرآن نے حکم دیا تھا کہ جب تک اجازت کا سلام نہ کیا جائے' گھر میں داخل نہ ہوں۔ آپ بلا سلامِ استیذان واجازت کیسے داخل ہو گئے؟

یہ تین گناہ آپ سے سرزد ہوئے ہیں۔ لڑکی نے یہ ڈانٹ کر فاروق اعظمؓ سے کہا تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا' بہن! لوجہ اللہ مجھے معاف کر' واقعی میرے سے غلطی ہوئی اس نے کہا کہ میری خطا آپ نے کب کی ہے جو میں آپ کو معاف کروں جس کی خطا کی ہے' اس سے معافی چاہو' قرآن کی خلاف ورزی کی ہے۔ خدا کے سامنے توبہ استغفار کرو میرے سے معافی کا کیا مطلب؟

اب فاروق اعظمؓ بہت ہی شرمندہ اور بہت ہی منفعل وہاں سے واپس آئے۔ حالانکہ فاروق اعظمؓ امیر المومنین ہیں۔ امیر کو یا امیر کی پولیس کو شبہ پر یہ حق حاصل ہے کہ چھاپہ مار کر گھر میں داخل ہو۔ فاروق اعظمؓ نے یہ کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر فاروق اعظمؓ نے اجازت تو لی۔ ڈانٹ کر کہا کہ کون ہے جو اندر گا رہا ہے؟ جب کوئی بولا نہیں اور انہیں شبہ ہوا' پھر داخل ہونے کا حق تھا تو خلاف ورزی انہوں نے کی یا لڑکی نے؟

امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے وہ سب چیز کر سکتے تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو گنہگار کے مقام پر سمجھا کہ حقیقتہً مجھ سے غلطی ہوئی اور تمام رات جاگ کر استغفار کیا' عبادت کی اور اللہ کے سامنے روئے۔ صبح کو انشراح ہوا کہ اللہ نے میری غلطی معاف کر دی حالانکہ توبہ کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ

گنہگار تھے ہی نہیں مگر پھر بھی اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر توبہ کی۔

اب ضابطے کے مطابق آدمی بھیجا کہ اس لڑکی کو دربارِ خلافت میں حاضر کرو۔ لڑکی لائی گئی۔ فرمایا' بہن! اللہ تجھے جزائے خیر دے' تو نے مجھے میری غلطیوں پر متنبہ کیا۔ میں نے تمام رات اللہ کے سامنے استغفار کیا اور توبہ کی اور اب مجھے انشراح ہے کہ اللہ نے میرے گناہ کو معاف کر دیا۔

تواضعاً گناہ کہہ رہے ہیں' ورنہ گناہ نہیں تھا۔ مجھے اللہ نے معاف کر دیا اور میں تیرا احسان مند ہوں۔ لیکن اب بحیثیت امیر المؤمنین ہونے کے تجھ سے پوچھتا ہوں کہ وہ گانا بجانا کیسا تھا اور تو کیوں گا رہی تھی۔ تجھے ایسے عاشقانہ اشعار پڑھنے کا کیا حق ہے؟

لڑکی نے کہا' امیر المؤمنین! اصل واقعہ یہ ہے کہ میں ایک نوجوان لڑکی ہوں اور بھرپور جوانی ہے اور ابھی پندرہ دن میری شادی کو ہوئے تھے میرا خاوند بھی نوجوان ہے آپ نے اسے فلاں محاذ کے اوپر فوج کے ساتھ بھیج دیا۔ میں اس کے فراق میں یہ عاشقانہ اشعار پڑھ رہی تھی اور کوئی بات نہیں تھی۔ نہ میں زانیہ ہوں نہ بدکار۔

فرمایا' بہتر تو نے سچ کہا' تیرا لہجہ بتلا رہا ہے کہ حقیقۃً بات یہی ہے۔ پھر اسے بہت اکرام کے ساتھ واپس کیا۔

ایک لڑکی کی وجہ سے پوری فوج کے لئے ضابطہ جاری کیا گیا

ادھر لڑکی کو واپس کیا اور گھر میں آکر فاروق اعظمؓ نے اہلیہ محترمہؓ سے یہ پوچھا کہ اگر نوجوان لڑکی کی شادی ہو اور نوجوان ہی خاوند ہو اور دونوں میں جدائی کر دی جائے تو کتنے دن تک صبر کر سکتے ہیں کہ اس کے بعد بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ فرمایا' تین مہینے سے زیادہ نوجوان عورت صبر نہیں کر سکتی۔ یہ الگ چیز ہے کہ اس کا دین مضبوط ہو' اس میں حیاء ہے اور اپنے اخلاق کی وجہ سے صبر سے برسہا برس بلکہ عمر بھر گزار دے۔ یہ عوارض کی بات ہے۔ گفتگو طبعی جذبات کے اوپر ہو رہی تھی' طبعی جذبات کے اعتبار سے فرمایا کہ اندیشہ ہوتا ہے تین ماہ کے بعد بدکاری میں مبتلا ہو جائے' اگر کوئی دین و دیانت مانع نہ ہو۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اب سرکاری آرڈر جاری کیا۔

> "جن شادی شدہ جوانوں کو جنگ پر بھیجا گیا ہے۔ انہیں تین مہینے کے اندر واپس کیا جائے اور ان کی جگہ دوسرے سپاہی بھیجے جائیں تین مہینے یا تین مہینے سے زیادہ کسی نوجوان کو نہ رکھا جائے جس کی شادی ہو چکی ہو' اور امکانی حد تک ان جوانوں کو فوج میں بھیجنے کی کوشش کی جائے' جو شادی شدہ نہ ہوں تاکہ یکسوئی کے ساتھ جہاد کر سکیں اور شادی شدہ ہوں تو انہیں تین مہینے کے اندر اندر فوراً واپس کیا جائے"۔

قوم کے اخلاق کی نگہداشت امیر المؤمنین کا فرض ہے

گویا اخلاق کی یہ نگہداشت سرکاری طور پر تھی۔ ایک سیاسی نگہداشت ہوتی ہے وہ تو ہر بادشاہ کرتا ہے۔ ایک اخلاقی تربیت ہوتی ہے۔ اسلام میں امیر المؤمنین کا یہ فرض ہوتا تھا کہ پبلک کے اخلاق و عادات کی اصلاح کرے۔ ان کے اخلاق اور گھریلو معاملات کو دیکھے کہ کوئی بداخلاقی تو نہیں ہو رہی۔ ان کے تقویٰ و طہارت میں

کوئی فرق تو نہیں آگیا یہ ساری ذمہ داری امیر المؤمنین پر عائد ہوتی تھی۔

مذہبی معاملات میں پیشوائی بھی امیر المؤمنین کا فرض ہے

یہی وجہ تھی کہ امیر کا حق سمجھا گیا ہے کہ وہ امامت کرائے' نماز پڑھانا یہ امیر المؤمنین کا اصل کام ہے. جس عہدے کو ہم بہت ہی گھٹیا اور ردّی سمجھتے ہیں۔

یہاں تو خدا کا فضل ہے' یہاں کے مسلمان الحمدللہ مسجدوں کا صرف احترام ہی نہیں کرتے بلکہ مسجدوں کو اپنے گھروں سے زیادہ آراستہ کرتے ہیں۔ ائمہ مساجد کی عزت بھی ہے' تنخواہیں بھی معقول ہیں۔ لیکن ہماری طرف اس بارے میں اس قدر حال ابتر ہے کہ جو بالکل کودن' نکما اور کندۂ ناتراش ہو' اسے امام بنائیں گے' جو حد درجہ جاہل ہو' جو دنیا کا کوئی کام نہ کر سکتا ہو' اسے امام بنائیں گے' جو اندھا' لنگڑا' لولا ہو اسے مؤذن بنائیں گے' جو دنیا کے کسی کام کا نہ ہو اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے گھر کا کمین ہے جیسے نائی' حجام' ڈوم' کمین ہوتے ہیں۔ یہ امام بھی ایک کمین ہے جیسے شادیوں کے موقع پر حجاموں اور ڈوموں کو دیا جاتا ہے، مسجد کے امام کو بھی کچھ دیدیتے ہیں۔

حالانکہ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا وقیع عہدہ ہے۔ اس کو امام بنانا چاہئے جس کی محلے دار عزت و عظمت کر سکیں' اس کی عزت کرنا شریعت نے فرائض میں شامل کیا۔

اس لئے کہ وہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے۔ یہ قائم مقام کی حیثیت سے امامت کرا رہا ہے۔ تو اصل میں یہ حق امیر المؤمنین کے لئے رکھا گیا ہے اور اس میں مصلحت یہ ہے کہ النلس علی دین ملوکھم مثل مشہور ہے کہ لوگ اپنے بادشاہ کے طریق پر چلتے ہیں۔" جیسا راجہ ویسی پرجا۔" جیسا بادشاہ ہوگا ویسی رعیت بنے گی' تو جب امیر المومنین پانچ وقت آکر نماز پڑھائیں گے تو رعیت کا کونسا آدمی رہ جائے گا جو مسجد میں حاضر ہو کر نماز نہ پڑھے۔

اس لئے کہ لوگ بادشاہ کی شوکت کو دیکھ کر وہی کام کرتے ہیں' جو بادشاہ کرتا ہے۔ یعنی دین تو بڑی چیز ہے اگر بادشاہ فسق و فجور میں مبتلا ہے تو رعیّت میں بھی از خود وہی بات ہو جاتی ہے کہ رعیّت بھی مبتلا ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک' یہ اموی خاندان کا خلیفہ تھا۔ اس کو شادیاں کرنے کا بہت شوق تھا۔ ناجائز تو نہیں کرتا تھا۔ چار بیویاں سے زیادہ نہیں رکھتا تھا مگر جسے جائز عیّاشی کہتے ہیں کہ قانون کی آڑ رکھ کر عیّاشی کرنا' وہ کرتا تھا چار بیویاں رہتی تھیں جہاں چھ ماہ گزرے ایک کو طلاق دی اس کا مہر ادا کیا' اس کی جگہ پانچویں لے آئے۔ پھر دوسری کو طلاق دے کر اس کی جگہ لے آئے۔ غرض اسی طرح کرتے کرتے اس نے دو اڑھائی سو کے قریب شادیاں کیں بس اس کا یہ شوق تھا' بادشاہت تھی' خزانہ ہاتھ میں تھا۔ دین و دیانت پیش نظر نہیں تھا کہ وہ قومی خزانہ اس طرح سے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کرتا اتنا غنیمت تھا کہ حرام کاری سے بچتا تھا۔ بیک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ مگر چار میں ردوبدل ہوتا رہتا تھا۔ یہ اس کا طریقہ تھا۔

تو اس زمانے کے امراء کی مجلس میں بیٹھ کر فخریہ باتیں ہوتی تھیں' ایک رئیس کہتا کہ میں پچاس شادیاں کر چکا ہوں' تو دوسرا کہتا آپ نے کون سا بڑا کام کیا ہے میں سو بیویاں کر چکا ہوں' تیسرا کہتا جناب! میں دو سو کر چکا ہوں چونکہ بادشاہوں میں یہ طریقہ تھا تو ساری پبلک میں یہی چیز فخر کا باعث بن گئی۔

جس راستے پر امراء اور سلاطین چلتے ہیں اسی پر عام پبلک کے لوگ چلتے ہیں۔ اس لئے شریعتِ اسلام

نے امیر المؤمنین کا کام قرار دیا کہ وہ امامت کرائے تاکہ یہ ذلیل نہ رہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب امیر المؤمنین خود مسجد میں آئیں گے تو امراء میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا جو مسجد میں نہ آئے' غرباء ممکن ہے نہ آئیں لیکن امیر' نواب اور جاگیردار کوئی باقی نہیں رہے گا' جو مسجد میں نہ آئے اس لئے کہ انہیں بادشاہ کی رضامندی اور اس راہ پر چلنا مقصود ہوتا ہے۔ اب جب بادشاہ نماز کے راستے پر آگیا تو وہ کہیں گے چلو ہم بھی نماز کے راستے پر سہی۔

عالمگیرؒ کے زمانے کا واقعہ لکھا ہے کہ عالمگیر کے زمانے میں علماء کچھ کسمپرسی میں مبتلا ہو گئے' انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں رہا۔ اس واسطے کہ امراء اپنے نشۂ دولت میں پڑ گئے' اب علماء سے مسئلہ کون پوچھے۔ تو علماء بے چارے جوتیاں چٹخاتے پھرنے لگے۔ عالمگیرؒ چونکہ خود عالم تھے۔ اہل علم کی عظمت کو جانتے تھے۔ تو انہوں نے کوئی بیان وغیرہ اخبارات میں شائع نہیں کرایا کہ علماء کی قدر کرنی چاہئے۔

یہ تدبیر اختیار کی کہ جب نماز کا وقت آگیا تو عالمگیرؒ نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج فلاں والیٔ ملک جو دکن کے نواب ہیں وہ ہمیں وضو کرائیں تو جو دکن کے والی تھے انہوں نے سات سلام کئے کہ بڑی عزت افزائی ہوئی کہ بادشاہ سلامت نے مجھے حکم دیا کہ میں وضو کراؤں۔ وہ سمجھے کہ اب کوئی جاگیر ملے گی۔ بادشاہ بہت راضی ہے تو آپ فوراً پانی کا لوٹا بھر کر لائے اور آکر وضو کرانا شروع کر دیا۔

عالمگیرؒ نے پوچھا کہ وضو میں فرض کتنے ہیں۔ انہوں نے ساری عمر کبھی وضو کی ہو تو انہیں خبر ہوتی۔ اب وہ حیران کیا جواب دیں۔ پوچھا واجبات کتنے ہیں؟ کچھ پتہ نہیں۔ پوچھا سنتیں کتنی ہیں۔ جواب ندارد۔ عالمگیرؒ نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے کہ لاکھوں کی رعیّت کے اوپر تم حاکم ہو' لاکھوں کی گردنوں پر حکومت کرتے ہو اور مسلم تمہارا نام ہے تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ وضو میں فرض واجب اور سنتیں کتنی ہیں' مجھے امید ہے کہ میں آئندہ ایسی صورت میں نہیں دیکھوں گا ایک کے ساتھ یہ برتاؤ کیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ ایک دوسرے امیر سے کہا آپ ہمارے ساتھ افطار کریں۔ اس نے کہا۔

جہاں پناہ! یہ تو عزت افزائی ہے۔ ورنہ فقیر کی ایسی کہاں قسمت کہ بادشاہ سلامت یاد کریں اور جب افطار ہوا تو عالمگیرؒ نے ان سے کہا کہ مفسدات صوم جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے کتنے ہیں؟

انہوں نے اتفاق سے روزہ ہی نہیں رکھا تھا انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ روزے کے مفسدات کیا ہیں۔ اب چپ ہیں کیا جواب دیں۔

عالمگیرؒ نے کہا' بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ تم مسلمانوں کے امیر' والیٔ ملک اور نواب کہلاتے ہو' ہزاروں آدمی تمہارے حکم پر چلتے ہیں اور تم مسلمان' ریاست اسلامی' تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ روزہ فاسد کن کن چیزوں سے ہوتا ہے۔

اسی طرح کسی سے زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا تو زکوٰۃ کا نہ آیا۔ کسی سے حج وغیرہ کا۔ غرض سارے فیل ہوئے اور یہ کہا کہ آئندہ میں ایسا نہ دیکھوں۔

بس جب یہاں سے امراء واپس ہوئے۔ اب انہیں مسائل معلوم کرنے کی فکر پڑی تو مولویوں کی تلاش شروع ہوئی۔ اب مولویوں نے نخرے شروع کئے کہ ہم پانچ سو روپے تنخواہ لیں گے۔ انہوں نے کہا حضور! ہم ایک ہزار روپیہ تنخواہ دیں گے' اس لئے کہ جاگیریں جانے کا اندیشہ تھا۔ ریاست چھن جاتی۔ تو مولوی نہ ملیں۔ تمام ملک کے اندر مولویوں کی تلاش شروع ہوئی۔ جتنے علماء' طلباء تھے سب ٹھکانے لگ گئے بڑی بڑی تنخواہیں جاری ہو گئیں اور ساتھ یہ کہ جتنے امراء تھے انہیں مسائل معلوم ہو گئے اور دین پر انہوں نے عمل

شروع کردیا۔ تو یہ وہی بات تھی کہ الناس علی دین ملوکھم "جیسا راجہ ویسی پرجا" جیسا بادشاہ ویسی رعایا' بادشاہ اگر خود دین کی طرف متوجّہ ہو جائے تو ناممکن ہے کہ رعایا اور پبلک متوجہ نہ ہو' اس لئے کہ حکومت جو راستہ ڈالتی ہے پبلک اسی پر خوش دلی سے چلتی ہے۔

اس میں نیکی ہی کی بات نہیں بری سے بری بات ہو' بادشاہ اس کو رائج کردے لوگ اس پر چلیں گے۔ آج کا تہذیب وتمدن چونکہ حکومتوں کی طرف سے آیا ہے' تو آج کے تہذیب وتمدن کے کیا معنی؟ اسلام میں تہذیب وتمدن کے یہ معنی تھے کہ اخلاق ہونا' صبر وشکر' حیاء وغیرت' شجاعت وسخاوت ہو' لیکن آج تہذیب کے معنی ہیں کلب گھروں میں جاکر ناچنا' عریانی اور ننگے پن کا مظاہرہ کرنا' فحش اور بے حیائی کی باتیں کرنا' آج کی تہذیب کے یہ معنی ہیں چونکہ حکمرانوں کی طرف سے یہ تہذیب آرہی ہے' پبلک بھی اسی پر چل رہی ہے اب نہیں یہ خبر نہیں ہے کہ یہ اچھی یا بری چیز ہے۔ ہر اچھی یا بری چونکہ اوپر والے کررہے ہیں لہٰذا ہم بھی کررہے ہیں۔ تو جس کے پیچھے شوکت اور قوت آجاتی ہے' وہ چیز دل پذیر بن جاتی ہے' دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ لوگ اسے اختیار کرتے ہیں۔

اسی واسطے اسلام نے جتنی نیکیاں ہیں ان کا ذمہ دار خود امیر المؤمنین کو بنایا ہے' یعنی حد کی بات یہ ہے کہ اگر جنازہ آجائے' تو حق یہ ہے کہ امیر المؤمنین جنازے کی نماز پڑھائیں۔ ظاہر ہے کہ جب امیر المؤمنین اور بادشاہ جنازے کی نماز پڑھائے گا تو امراء جاگیردار' نواب جتنے بھی ہوں گے یہ لوگ میت سے کنارہ کشی چھوڑ دیں گے کہ بھئی! میت کے پاس بھی جانا چاہئے' اس کی نماز جنازہ بھی پڑھنا چاہئے۔ تو دیندار ہو جائیں گے' امامت کریں گے تو مساجد بھر جائیں گی۔ نماز جنازہ پڑھائیں گے تو لوگ میت کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی شروع کردیں گے۔ امیر زکوٰۃ دے گا تو دنیا میں زکوٰۃ رائج ہو جائے گی۔ جس کو قرآن کریم میں فرمایا گیا :

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (حج پ۱۷ آیت ۴۱)

اگر ہم ان مسلمانوں کو زمین کی قوت وسلطنت دے دیں تو وہ عیش نہیں اختیار کریں گے **اَقَامُوا الصَّلٰوةَ** یہ دین قائم کریں گے ___ **وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ** زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے' امر بالمعروف کا نظام قائم کریں گے۔ اچھی باتیں دنیا میں رائج کریں گے' منکرات کو مٹائیں گے ___ تو جب صاحب اقتدار منکرات کو مٹانے لگے تو پبلک میں کون رہے گا جو منکرات پر عمل کرے گا۔ وہ بھی مٹائیں گے۔ امیر المؤمنین معروف اور پاکیزہ خصلت کو رائج کرے تو ہر امیر وغریب رائج کرنے کی فکر میں لگے گا' دین پھیل جائے گا۔ اس واسطے امراء کے فرائض میں قرار دیا گیا ہے کہ نماز جنازہ بھی وہی پڑھائیں' مسجد میں امامت بھی وہی کرائیں۔ یہ منصب دراصل ایسا ہے جیسے آج دنیا میں گورنری کا عہدہ ہے جو کسی سلطنت یا صوبے میں بادشاہ کا نائب ہوتا ہے۔ امام اللہ کا نائب ہوتا ہے اللہ کے رسول کا قائم مقام ہو کے کھڑا ہوا ہے۔ تو دینی حکومت ہو تو یہ بڑے عہدے ہوتے ہیں۔

اسی واسطے فرمایا گیا **یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللّٰہ** امامت کا حق اس شخص کو ہے جو سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہے اور **فان کانوا فی القرأۃ سواء فاعلمھم بالسنۃ** اور اگر قرآن پڑھنے میں مقتدی اور امام سب برابر ہیں تو اسے امام بناؤ جو سنت کے علم سے زیادہ واقف ہو اور اگر قرآن وسنت میں سب کے سب ماہر ہوں پھر اسے امام بناؤ جو فقہ اور نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہو اور اگر فقہ میں بھی سارے ماہر ہیں تو پھر اسے بناؤ جس کا نسب اونچا ہو اور اگر اس میں بھی سب برابر ہیں پھر اسے بناؤ جو خوبصورت ہو۔

مطلب یہ کہ امام کے اندر کوئی خصوصیت ایسی ہو کہ مقتدیوں کو اس کے پیچھے کھڑے ہونے میں کوئی عار نہ پیدا ہو۔ وہ اس کے ساتھ جھک جائیں اس کی بھی عزت کریں۔ اب اگر آپ جان بوجھ کر ایسے امام رکھیں جن کی صورت نہ شکل نہ علم نہ ہنر' کوئی چیز بھی ان کے اندر نہ ہو۔ جو ساری دنیا سے نکمے ہوں انہیں امام بنادو۔ تو پھر جیسا امام ہوگا' ویسی نماز ہوگی' ویسا ہی آخرت میں اجر ملے گا۔

بہرحال یہ عہدے ہیں اور ان عہدوں کی ذمہ داری امراء اسلام کے اوپر ڈالی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ وعظ' تقریر یا خطابت یہ امیر کے ہاتھوں میں دی گئی ہے' اور فرمایا گیا **لایقص الا امیر اومامور اومختال** تقریر اور خطابت کا حق سب سے پہلے امیر المؤمنین کو ہے وہ خطیب بن کر وعظ کہے اور مسائل کہے یا پھر وہ بیان کرے جس کو امیر حکم دے اور مامور کرے کہ تم جا کے وعظ خطابت کرو اور مسائل پہنچاؤ اور تیسرا جو کرے گا وہ دھوکہ باز ہوگا۔ وہ اپنی اغراض کے لئے وعظ و تقریر کرے گا۔ اس لئے جب نہ امیر نے اجازت دی اور نہ وہ خود امیر اور مامور' معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ذاتی اغراض والا ہے۔

آج کے دور میں مجموعہ علماء کو خلافت کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے

آج کے دور میں جہاں امارت ہے خلافت نہیں ہے تو علماء کے مجموعے کو امیر کے قائم مقام سمجھا گیا ہے۔ اگر وہ شہادت دیں کہ یہ اس قابل ہے کہ خطابت کرے' مسائل بیان کرے' اس کو حق ہے' لیکن جس کی کوئی سند نہ ہو' پڑھا ہوا نہ ہو' کوئی عالم شہادت نہ دے کہ اس میں علم ہے وہ اگر تقریر کرے گا ظاہر ہے دین کو فاسد کرے گا اس کو بھی آزاد نہیں رکھا گیا۔

تقریر و تحریر کی آزادی نہیں ہے بلکہ شہادت کے ساتھ تقریر و تحریر کی اجازت ہے اگر یہ عام ہو جائے جیسے آج ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک کچھ کہہ گیا' دوسرا کچھ کہہ گیا۔ عوام تشویشات میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کس کے مسائل پر عمل کریں۔ ایک جائز کہہ رہا ہے' ایک ناجائز کہہ رہا ہے' اب ان بے چاروں کو یہ خبر تو نہیں ہے کہ عالم کا لبادہ پہن کر آیا خود عالم نہیں ہے۔ عالم فلاں ہے۔ ان کے سامنے جو اللہ کا نام لے گا وہ کہیں گے یہ عالم ہے۔ امتیاز نہیں ہو سکے گا۔

یہی وجہ ہے کہ دین کے ساتھ امارت اور خلافت قائم کی گئی تھی کہ وہ دینی چیزوں کو اپنے قبضہ اور اقتدار میں رکھ کے آگے چلائے اسی لئے فرمایا گیا' "**لایقص الاامیر اومامور اومختال**" تقریر کرنے والا یا امیر ہوگا یا مامور ہوگا یا پھر دھوکے کے باز ہوگا اور امیر کے قائم مقام اہل علم ہیں۔

ہمارے ہاں ہندوستان میں حیدر آباد اور بھوپال کی ریاستوں میں کچھ وقت پہلے یہ چیز تھی کہ جب کوئی باہر سے خطیب آتا تو علماء کی ایک مجلس جب تک پاس کر کے شہادت نہ دے کہ یہ اس قابل ہے کہ تقریر کر سکے۔ تقریر کی اجازت نہیں ہوتی تھی اس کا ثمرہ یہ ہوتا کہ ریاست میں صرف ایک خیال کے لوگ تھے۔ خیالات میں پراگندگی نہیں تھی۔ ایک مسلک پر سب عمل کرتے تھے عوام میں تشویش نہیں تھی' دین پر چل رہے ہیں۔

حیدر آباد میں بھی یہ چیز تھی اور بھوپال میں بھی۔ اس لئے وہاں علماء کی کثرت تھی' علم کی عظمت بھی تھی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کی جب ریاست قدر دانی کرتی ہے تو دین پھیلتا ہے۔

بھوپال میں ایک عام دستور تھا کہ اگر کسی غریب آدمی نے اپنے بچے کو مکتب میں بٹھلایا تو آج مثلاً اس نے الٓمٓ کا پارہ شروع کیا تو ریاست کی طرف سے ایک روپیہ ماہوار اس کا وظیفہ مقرر ہو گیا۔ جب دوسرا پارہ لگا تو دو روپے ماہوار ہو گیا۔ تیسرا پارہ لگا تو تین روپے ماہوار ہو گئے یہاں تک کہ جب تیس پارے ہوں تو تیس روپے

بچے کا ماہوار وظیفہ ہوتا۔

اور اس زمانے میں ساٹھ ستر برس پہلے تیس روپے ماہوار ایسے تھے جیسے تین سو روپے ماہوار۔ بہت بڑی آمدنی تھی۔ سستا زمانہ تھا' ارزانی تھی' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے غریب لوگ تھے جنہیں کھانے کو نہیں ملتا تھا وہ بچوں کو مدرسہ میں داخل کرو دیتے تھے کہ قرآن کریم حفظ کرے گا تو اسی دن سے وظیفہ جاری۔ ہزاروں ایسے گھرانے تھے' اور ہزاروں ایسے حافظ پیدا ہوگئے۔ ساری مسجدیں حافظوں سے آباد ہوگئیں اس لئے کہ ریاست پشت پناہی کرتی تھی۔

تو یہ قاعدہ ہے کہ حکومت یا ریاست جس چیز کی پشت پناہی کرتی ہے وہ چلتی ہے اور عوام وخواص سب شوق کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں۔ خلافت میں چونکہ اصلی مقصود دین ہے' اس لئے امیر کے ذمہ فرائض عائد کئے گئے کہ جب بادشاہ دین پر چلے گا' تو رعیّت اور پبلک بھی دین پر چلے گی اور دین عام ہوتا جائے گا۔ جب تک خلافت قائم رہی' دین عام ہوتا رہا اور خلافت کے دوران تیس سال کے اندر اندر نصف دنیا سے زیادہ اوپر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ پورا ایشیا' آدھا یورپ اور ایشیا کوچک' ان سب میں اسلام کا پرچم اونچا کردیا' اس لئے کہ سب کا مقصد یہ تھا کہ دین پھیلے۔

خلافت کے ختم ہوجانے کے بعد علماء ربّانی اور صوفیاء کرام نے اسلام پھیلایا

خلافت کے ختم ہوجانے کے بعد جب ملوکیت' بادشاہ پسندی اور اقتدار پسندی کا دور آیا تو سلاطین اسلام نے محض اپنے اقتدار کے بچاؤ کے لئے آپس میں لڑنا شروع کیا' وہ جو دینی تبلیغ واشاعت تھی وہ قصہ ختم ہوچکا اور جو ملک صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعینؒ کے زمانے میں دین میں آئے وہ تو آئے اس کے بعد کسرویت وقیصرویت اور اقتدار پسندی غالب آئی تو سلاطینِ اسلام آپس میں تحفظِ اقتدار کے لئے لڑنے لگے۔ دین کی اشاعت اور حفاظت بیچارے علماء نے سنبھال لی' جتنا اسلام پھیلا وہ صوفیاء کی بدولت پھیلا' علماء کی بدولت پھیلا' جو چٹائیوں پر بیٹھنے والے تھے' ان کے ہاتھ میں نہ کوئی اقتدار تھا نہ کوئی سلطنت کی باگ ڈور تھی۔

اسی لئے ان لوگوں کو تاکیدیں کی گئیں کہ امراء کے پاس مت جاؤ۔ بادشاہوں کی ہم نشینی اور صحبت مت اختیار کرو' ورنہ تم بھی دین سے جاؤ گے۔ ان سے ہٹ کر دین کو پھیلایا۔ تو دین رحم وکرم اور نرمی ومروّت کے اخلاق کے راستے آیا۔ سلطنت کے راستے ختم ہوگئے وہاں اقتدار پسندی رہ گئی۔

ہمیں نبوّت کے مزاج پر چلنا ہے

تو میں نے اس پر عرض کیا تھا کہ دنیا میں دو مزاج ہیں' ایک نبوّت کا مزاج ہے اور ایک ملوکیت کا مزاج۔ بادشاہ کا مزاج اقتدار پسندی ہے اور نبوّت کا مزاج خاکساری اور عجز ونیاز مندی ہے۔

نبی تمام سلاطین اور سارے لوگوں سے بالاتر ہوتا ہے لیکن ایسا جھک سکتا ہے جیسے عام آدمی جھک سکتے ہیں۔ بادشاہ ایک محدود خطہ میں رہتا ہے' وہ اپنے کو "مابدولت" کے ساتھ تعبیر کرتا ہے کہ ہم نے یوں کیا' ہم نے یوں کہا۔ تو لفظ لفظ کے اندر اقتدار اور رعونت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے الفاظ میں انتہائی تواضع' خاکساری ہوتی ہے اور عجز ونیاز کا برتاؤ ہوتا ہے۔ اپنے سے چھوٹے کے سامنے بھی عجز ونیاز کا برتاؤ کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر پر جارہے تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخصت کرتے ہوئے فرماتے

ہیں ولا تنسانا یا أخي في دعائک اے میرے بھائی! اپنی دعاؤں میں ہمیں فراموش مت کرنا۔ اللہ اللہ! کہاں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ' ایک خادم اور غلام ہیں ان کو فرماتے ہیں کہ میرے بھائی! مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔ تو یہ انتہائی عجز و نیاز کی بات ہے کہ سردارِ اولین و آخرین اور سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی ایک خادم اور چھوٹے کو فرما رہے ہیں کہ مجھے دعا میں یاد رکھنا۔ یہ مزاج نبوّت کا ہے اور وہ مزاج بادشاہت کا ہے۔ ہمیں نبوّت کے مزاج پر چلنا ہے۔

جب بادشاہت اور ملوکیت دنیا کو فاسد کردے تو پناہ کی جگہ صرف نبوّت ہوتی ہے۔ اس واسطے ہم جتنا نبوّت کے دامن میں آئیں گے' اتنے ہی اخلاق بلند ہوں گے اتنا ہی علم و معرفت آئے گی' اتنا ہی کریکٹر اور کردار عمدہ ہوگا۔ اس واسطے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات پر' ان کی تربیت پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے راستے پر چلنا چاہئے۔ اس علم کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان اخلاق کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ضعفاء قوی بن جاتے ہیں۔ جو پست ہوتے ہیں وہ شوکت والے بن جاتے ہیں جو مظلوم ہوتے ہیں انہیں عدل مل جاتا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر ہی چلنے کا ثمرہ نکلتا ہے اس کے سوا پناہ کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

اس واسطے میں نے یہ چند جملے عرض کئے تاکہ دین کے اعتبار سے بھی نافع ہوں اور دنیا کی مشکلات بھی حل ہوں اور حل کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کا راستہ ہے۔ اسی کو فرمایا گیا اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ہمارے راستے پر چلو گے' ضعیف بھی ہو گے تو قوی بنادیئے جاؤ گے' بے شوکت ہو گے تو باشوکت کردیئے جاؤ گے۔

اس واسطے یہ چند جملے میں نے اس آیت کے تحت عرض کئے۔ چونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ عورتیں بھی مدعو کی گئی ہیں۔ اس لئے کچھ عورتوں کے متعلق بھی بیان کیا کہ ان کے حقوق پہچاننے کی ضرورت ہے کہ ان کے حقوق پامال نہ کئے جائیں۔ ان عورتوں کا حق ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کے حقوق پامال نہ کریں تاکہ معاشرت صحیح طور پر چل سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نیک راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے' ہمارے احوال بھی درست فرمادے' ہمارا دین و دنیا دونوں درست فرمادے۔

اللهم ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنامن لدنک رحمة انک انت الوهاب ۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم وارنا مناسكنا وتب علينا انک انت التواب الرحيم ۔

صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد والہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

نجوم ہدایت

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم درحقیقت نبوّت کا ظل کامل تھے۔ جن کے طبقہ سے نبوّت اور کمالات نبوّت پہچانے جاتے تھے۔ اس لئے اگر کسی طبقہ کے طبقہ کو بحیثیت اللہ ورسول کے یہاں مرضی وپسندیدہ قرار دیا گیا ہے تو وہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طبقہ ہے۔ جس کی شہادت قرآن اور حدیث نے دی۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَیْہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ـــــ اَمَّا بَعْدُ ـــــ

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ اَوْکَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

مقام صحابیت

آفتاب نبوّت کی تاثیر وتربیت اور تعلیم وتمرین سے امت کے استفادہ اور منور ہونے کے متفاوت درجات ومراتب کھل جاتے ہیں جن کا معیار آفتاب سے قرب اور بعد ہے یعنی جو اس سے قریب تر ہے وہ اتنا ہی نورانی تر اور متاثر تر ہے اور جتنا آفتاب سے دور ہے اتنا ہی اس کے فیض سے کم مستفید ہے۔

مثلاً طلوع آفتاب کے بعد جو چیز سب سے زیادہ اور سب سے پہلے آفتاب کے آثار سے متاثر ہوتی ہے وہ فضا ہے۔ وہ چونکہ خلقۃً اپنی ذات سے شفاف ہے اور ادھر آفتاب کے سامنے بلاواسطہ حاضر ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اس کے نور وحرارت کا اثر لیتی ہے۔ وہ اس درجہ منور ہوتی ہے کہ باوجود اس کے چمک اٹھنے کے خود اس کی چمک آنکھوں کو نظر نہیں آتی بلکہ آفتاب ہی کی دھوپ اور شعاعیں نظر پڑتی ہیں۔ اگر فضا میں نگاہ اٹھائی جائے تو فضا کا جو حصہ بھی سامنے آئے گا اس میں آفتاب ہی دکھائی دے گا۔ خود

فضا کی ہستی نظر نہ پڑے گی۔ گویا وہ اس کے نور میں اس درجہ مستغرق اور فنا ہو جاتی ہے کہ اس کا اپنا نور کسی کی آنکھ میں نہیں آتا بلکہ آفتاب اس میں سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا بلاواسطہ دکھائی دے رہا ہے۔ حالانکہ فضا اپنی بے حد وسعت کے ساتھ بیچ میں حائل ہے۔

ٹھیک یہی صورت روحانی آفتاب سے استفادہ کی بھی ہے کہ اس کے عالمگیر آثار سے متاثر تو سب ہوتے ہیں مگر سب سے زیادہ متاثر وہ طبقہ ہوتا ہے جو بلاواسطہ اس سے قریب ہو کر نور لیتا ہے اور وہ طبقہ صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے جو فضا کی مانند ہے کہ زمین سے بالاتر ہے اور فلک شمس یعنی آسمان نبوّت سے فروتر ہے وہ فضا کی طرح خلقی طور پر خود شفاف ہے جو محض اس کے نور ہی کو دکھاوینے کی نہیں بلکہ عین آفتاب کو دکھلانے کی کامل استعداد رکھتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آپؐ نے فرمایا کہ سارے نبیوں کے صحابہ میں میرے صحابہ منتخب کر لئے گئے۔ یا جیسے عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ان کے دل شفاف تھے' ان کا علم گہرا تھا' ان میں **تکلفات** نہ تھے' انہیں اقامت دین کے لئے پوری امت میں سے چن لیا تھا۔ ان کا نقش قدم واجب الاتباع ہے وغیرہ۔ جس سے حضرات صحابہ کرامؓ کی کمال قابلیت کھلتی ہے جو انہیں انوار نبوّت کو جذب کرنے کے لئے عطا ہوئی تھی۔ پس وہ فطری شفافی اور کمال قرب کے لحاظ سے بمنزلہ فضا کے ہوئے جو شفاف ہے اور ساری دنیا کی نسبت سے آفتاب سے قریب تر بھی ہے کہ بلاواسطہ نور آفتاب جذب کرتی ہے۔ پس انہوں نے ان شفاف سینوں سے اس درجہ آفتاب نبوّت کا نور واثر قبول کیا کہ فضا کی طرح سرتاپا نور بن گئے اور جیسا کہ فضا آفتاب سے متصل اور ملحق ہو کر اس درجہ منور ہو جاتی ہے کہ وہ خود نظر نہیں آتی۔ یعنی وہ خود اپنے کو نہیں دکھلاتی بلکہ صرف آفتاب اور اس کی شعاعوں اور چمک دمک ہی کو نمایاں کرتی ہے۔ ایسے ہی صحابہؓ کرام اپنی فطری قابلیتوں کی بنا پر اس درجہ پاک قلوب' عمیق العلم' قلیل التکلف اور بے غل وغش بنادیئے گئے تھے گویا ان میں خود ان کی کوئی ذاتی خصوصیت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ صرف سنن نبویؐ کے مجسم نمونے بن گئے تھے۔

سنن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عقیدہ و عمل کو اپنے عقیدہ و عمل کے ساتھ ختم کر کے انہیں معیار حق فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ سنن نبوّتؐ اور سنن صحابہؓ ایک ہی ہیں جس سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی دینی خصوصیات' خصوصیات نبویؐ تھیں۔ چنانچہ امت کے بہتر (۷۲) فرقوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا گیا کہ ان بہتر (۷۲) میں وہ ناجی فرقہ کونسا ہے؟ تو فرمایا :

ما انا علیہ واصحابی

"جس پر آج کے دن میں اور میرے صحابہؓ ہیں"

گویا اپنے عقیدہ و عمل کے ساتھ ان کے عقیدہ و عمل کو اس طرح ملا کر بتلایا کہ ان کے عقیدہ و عمل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ و عمل کی نوعیت ایک ثابت ہو گئی اور فرقوں کے حق و باطل ہونے کے معیار آپؐ نے خود اپنی ذات بابرکات اور حضرت صحابہؓ کو ٹھہرایا۔

سب و شتم کا انجام

پھر جیسے فضا تک کوئی گندگی نہیں پہنچتی اور پہنچائی بھی جائے تو وہ لوٹ کر پہنچانے والے ہی پر گرتی ہے۔

فضا اس سے گندی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرات صحابہ کرامؓ کا طبقہ جو روحانی فضا کی مانند ہے۔ امت کی تنقیدوں سے بالاتر ہے۔ اگر ان کی شان میں کوئی طبقہ سب و شتم یا گستاخی یا سوءِ ادب یا جسارت و بے باکی یا ان پر اپنی تنقیدی تحقیر کی گندگی اچھالے گا تو اس کی یہ ناپاکی اسی کی طرف لوٹ آئے گی۔ اس فضاء شفاف پر اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ بہرحال حضرات صحابہؓ فضاء قریب کی مانند ہیں کہ انہیں شفافی میں بھی آفتاب سے مناسبت ہے وہ آفتاب نبوت سے نزدیک تر بھی ہیں۔ بلاواسطہ اس سے ملحق بھی ہیں۔ وہ زمین کی کدورتوں سے بالاتر بھی ہیں اور وہ آفتاب کے نور میں فانی بھی ہیں کہ اس نور کی نمائش گاہ بن کر رہ گئے ہیں جن میں اپنی خصوصیت بجز انفعال اور قبول حق کے دوسری نہیں رہ گئی تھی۔

جامع اضداد زندگی

پس صحابہ کرامؓ کی اس اعلیٰ ترین زندگی کا نور تیز بھی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اقرب تر اور اشبہ تر بھی ہے کہ اس نے نبوت کی زندگی سے متصل رہ کر اس کی شعاعوں کا نور قبول کیا ہے اس لئے یہ زندگی نہ صرف عزیمتوں کی زندگی اور اولوالعزمانہ زندگی ہے کہ جائزات کی آڑ لئے بغیر عمل کے اعلیٰ ترین حصہ ہی کو اپنا لیا جائے اور نفس کی راحت طلبیوں کو خیرباد کہہ کر عملی مجاہدہ و ریاضت ہی کو زندگی بنا لیا جائے بلکہ یہ زندگی جامع اضداد بھی ہے جو کمال اعتدال لئے ہوئے ہے کہ ایک طرف نفس کشی بھی انتہائی اور ساتھ ہی ادب شریعت اور اتباع سنن نبویؐ بھی انتہائی اور ایک طرف طبعی جذبات بھی قائم اور دوسری طرف عقلی دواعی اور ملکیت بھی غالب اس کمال اعتدال و جامعیت کے ساتھ یہ زندگی صحابہ کرامؓ کے سوا امت کے کسی طبقہ کو طبقاتی حیثیت سے نصیب نہیں۔ آحاد و افراد اس زندگی کے حامل نظر پڑیں گے۔ جس میں شرف صحابیت کے سوا سب کچھ ہوگا، لیکن طبقہ کا طبقہ ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہو اور ہمہ وقت اخلاص و معرفت کی حد کمال کو طے کئے ہوئے ہو۔ طبقہ صحابہؓ کے سوا دوسرا نہیں۔ جنہوں نے گھربار چھوڑ کر اور نفس کی خواہشات سے منہ موڑ کر صرف اور صرف رضائے حق کو اپنی زندگی بنایا۔ مرغوبات کو شرعی مطلوبات پر قربان کردیا۔ موطن طبیعت سے ہجرت کر کے موطن شریعت میں آکر بس گئے اور شرعی مرادوں کی خاطر نفس کی حیلہ جوئیوں اور راحت طلبیوں سے کنارہ کش ہو کر عزم صادق کے ساتھ ہمہ تن مرضیات الٰہی اور سنن نبویؐ کی پیروی میں مستغرق ہو گئے اور اسی کو اپنی زندگی بنالیا۔ اس جامع اور جامع اضداد زندگی کا سب سے زیادہ نمایاں اور حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ وہ کلیۃً تارک دنیا بھی تھے اور رہبانیت سے الگ بھی، دنیا اور دنیا کے جاہ و جلال، دھن دولت، حکومت و سیاست، گھربار، زمین، جائداد کے ہجوم میں بھی تھے اور پھر ادائے حقوق میں بے لاگ بھی یہ زن، زر، زمین ان کے تصرف میں بھی تھی اور پھر قلباً ان سب چیزوں سے بے تعلق اور کنارہ کش بھی، درویش کامل بھی ہیں اور قباشاہی بھی زیب تن ہے۔ حکمران بھی ہیں اور دلق گدائی بھی کندھوں پر ہے۔ ممالک بھی فتح کررہے ہیں اور فقیری کی خو بھی بدستور قائم ہے۔

یوں بہم کس نے کئے ساغر و سندال دونوں

کامل انسانیت کا طبقہ

انبیاء علیہم السلام کی یہی زندگی ہے کہ بشر بھی ہیں اور ملک بھی۔ نہ طبائع کو ترک کرتے ہیں نہ عقل و فراست کے تقاضوں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوتے ہیں۔ خالص طبعی جذبات کی پیروی حیوان کا کام ہے اور

طبعیات سے کلیۃً باہر رہ کر محض عقل کلی کی پیروی فرشتوں کا کام ہے، لیکن طبعیات کو بحالہ قائم رکھ کر انہیں عقلی شعور کے ساتھ عقل کی ماتحتی میں انجام دینا اور حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ انسان کا کام ہے۔ مگر انسان کامل فرما کر اس کے تقدس و برگزیدگی کو نمایاں کیا گیا۔ اس لئے جس طبقہ کے افعال قوی، عقائد، احوال، اقوال سب میں یہ کامل اعتدال رچا ہوا ہو۔ وہی طبقہ کامل انسانیت کا طبقہ کہلائے گا۔ سو طبقاتی حیثیت سے یہ کمال بالذات تو انبیاء علیہم السلام میں ہوتا ہے اور بالعرض بحیثیت طبقہ ان کے صحابہؓ میں، ان کے بعد طبقاتی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ صرف انفرادی حیثیت باقی رہ جاتی ہے اور وہ بھی اس مقام کی نہیں جس پر یہ طبقہ فائز ہوتا ہے۔

ظل نبوّت

پس صحابہ کرامؓ در حقیقت نبوت کا ظل کامل تھے جن کے طبقہ سے نبوّت اور کمالات نبوّت پہچانے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی طبقہ کے طبقہ کو بحیثیت طبقہ اللہ و رسولؐ کے یہاں مرضی و پسندیدہ قرار دیا گیا ہے تو وہ صرف صحابہ کرامؓ کا طبقہ جس کی شہادت قرآن اور حدیث نے دی اور "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی کی دستاویز رضا ان کے لئے آسمانی کتاب میں تاقیام قیامت ثبت کر دی گئی۔ کہیں

أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقوے کے لئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے مغفرت و اجر عظیم ہے"۔

کے ذریعے ان کے قلوب کی پاکیزگی کی شہادت دی گئی اور کہیں:

أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً

اور کہیں:

وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

فرما کر ان کے اخلاق کی برتری ثابت کی گئی اور کہیں:

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

فرما کر ان میں کے ہر ہر فرد کو پوری امت کا مقتدی بتلایا گیا جس کی پیروی اور پیروی سے حصول ہدایت میں کوئی ادنیٰ کھٹکا نہ ہو۔

مکمل میزان اور متوازن ترازو

کچھ عرصہ ہوا بعض منتسبین دار العلوم کا ایک خط دربارہ طلب سرٹیفکیٹ احقر کے نام دفتر دار العلوم میں موصول ہوا۔ جس میں ضمناً مودودی مکتب فکر اور خود اپنے مودودی ہونے کی نوعیت کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا تھا۔ یہ اصلاح طلب نوعیت دیکھ کر حضرت شیخ مولانا مدنی ؒ نے بنظر اصلاح انہیں ایک شفقت نامہ تحریر فرمایا جس میں مودودی مکتب خیال کی بعض بنیادی دفعات پر کلام فرماتے ہوئے ان کے اصلاح خیال کی توجہ فرمائی ہے۔ حضرت شیخ مدنی ؒ کا یہ ارشاد نامہ سلسلۂ عقائد و افکار کے لئے ایک مکمل میزان اور متوازن

...از و کی حیثیت رکھتا ہے جس میں موجودہ زمانے کے حدود سے گزرے ہوئے افکار و خیالات کو عموماً اور ...ودودی نقطۂ نظر کے مزعومات و معتقدات کو خصوصاً تول کران کے حق و باطل کا فیصلہ باسانی کیا جاسکتا ہے کیونکہ ...ضرت ممدوحؒ کے اس والا نامہ کا موضوع مودودی لٹریچر کا کوئی فروعی یا جزوئی مسئلہ نہیں ہے جسے مودودی ...احب کی شخصی رائے یا ان کے اجتہاد و قیاس کا ثمرہ کہہ کر جماعت کے سر سے بوجھ ہلکا کرلیا جائے۔ جیسا کہ ...س قسم کے موقع پر عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے بلکہ ایک اصولی مسئلہ ہے اور وہ بھی دستور جماعت کا بنیادی اصول ...ضوعہ جو جماعت اور امیر سب کے لئے یکساں حجت اور معیار عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس اگر پوری ...اعت اس دستور کو جو بنام دستور جماعت اسلامی شائع شدہ ہے، تسلیم کرتی ہے (اور ضرور تسلیم کرتی ہے ...ب کہ جماعت کا وجود اور اس کی تشکیل ہی اس دستور سے ہوئی ہے) تو بلاشبہ دستور کی یہ دفعہ :

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی "ذہنی غلامی" میں مبتلا نہ ہو"۔

ساری جماعت کا ایک مسلمہ عقیدہ اور بنیادی اصول ثابت ہوئی۔ اس لئے حضرت شیخؒ کے مکتوب ...رامی میں اس بنیادی عقیدہ کا تجزیہ کر کے اس پر جو شرعی گرفتیں کی گئی ہیں وہ یقیناً پوری جماعت کے ایک ...یک فرد پر حجت ہیں اور اس لئے بحیثیت مجموعی جماعت کو گروہی تعصب سے بالاتر ہو کر ان پر ٹھنڈے دل ...ے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ عقائد کا معاملہ دنیوی نہیں اخروی ہے۔ جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔

دفعہ مذکورہ پر حضرت شیخؒ نے کتاب و سنت سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کے سامنے آنے سے پہلے میں ...اہتا ہوں کہ اس دفعہ کے آنے سے پہلے تنقیح کردوں تاکہ ان حقائق کا جو اس مکتوب کا موضوع ہے سمجھنا ...سان ہو جائے۔ اس دفعہ میں مودودی صاحب نے غیر رسول کو معیار حق بنانے اور تنقید سے بالاتر سمجھنے سے ...و کا ہے۔ مگر یہ ممانعت جب ہی درست ہو سکتی ہے کہ شرعاً کوئی غیر رسول معیار حق و باطل نہ بن سکے اور ...نقید سے بالاتر نہ ہو۔ اگر شرعی طور کوئی معیار ہو اور بن سکتا ہو تو اسے معیار حق مان لینا اور تنقید سے بالاتر ...مجھنا کوئی جرم نہیں ہو سکتا۔

کوئی تنقید سے بالاتر نہیں ہو سکتا ___ پھر بھی اگر کسی نے ازخود کسی کو معیار حق بنالیا اور تنقید سے بالاتر ...مجھا تو وہ شرعی مجرم اور ایک شرعی گناہ کا مرتکب ہو گا۔

اس لئے ہمارا کلام مودودی صاحب کے اس نظریہ پر ہو گا کہ غیر رسول معیار حق نہیں بن سکتا اور تنقید ...ے بالاتر نہیں ہو سکتا۔

اگر اس دفعہ نمبر۶ کو اس کے ہمہ گیر عموم کے ساتھ اس کے عام الفاظ میں تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کرلیا ...جائے کہ :

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معیار حق نہیں کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں اور کوئی بھی اس کا مستحق نہیں کہ اس کی ذہنی غلامی کی جائے"۔

تو سوال یہ ہے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کسی کو معیار حق بنادیں یا اس کے معیار حق ہونے ...ی شہادت دیں یا معیار حق ہونے کا ضابطہ بتادیں کہ اس کی رو سے معیار حق ہونے کی تعیین کرلی جائے تو کیا وہ ...پھر بھی معیار حق نہ بن سکے گا؟ اگر بن سکے گا تو یہ اصول غلط نکلا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم" کے سوا ...کوئی بھی معیار حق نہیں ہو سکتا۔ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود بھی ان کے سوا کوئی ...معیار حق نہ ہوا تو خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معیار حق ہونا معاذاللہ باطل ٹھہر جاتا ہے جب کہ رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول خلاف ہو گیا۔ العیاذ باللہ۔ دونوں صورتوں میں دستور جماعت کی دفعہ نمبر۶ باطل ہو جاتی ہے۔ ایک صورت میں اس کا منفی پہلو باطل ٹھہرتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معیار حق نہیں اور دوسری صورت میں اس کا مثبت پہلو باطل ہو جاتا ہے کہ صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیار حق ہیں۔ اس ضابطہ سے نکلنے کی آسان صورت اس کے سوا دوسری نہیں کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق معیار حق اور ناقابل تنقید تسلیم کرلیں۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بزاتہ معیار حق ہیں اور غیر رسول بارشاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم معیار حق ہیں۔

صحابہؓ کا معیار حق ہونا منصوص ہے

سوال رہ جاتا ہے تو صرف یہ کہ آیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو معیار حق بنایا بھی ہے یا نہیں؟ اور آیا کسی کو تنقید سے بالاتر اور مستحق ذہنی غلامی فرمایا بھی ہے یا نہیں؟

سو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کا نام لے کر معیار حق وباطل قرار دیا' ان پر جرح و تنقید سے روکا اور ذہنوں کو ان کی غلامی کے لئے مستعد فرمایا وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت ہے۔ ان کے معیار حق بتلانے ہی کے لئے آپ نے نہایت صاف و صریح اور غیر مبہم ہدایت جاری فرمائی۔ یعنی صحابہؓ کا معیار حق ہونا قیاسی یا استنباطی نہیں بلکہ منصوص ہے۔ جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک مستقل حدیث ارشاد فرمائی:

عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللّٰہ تعالی عنہما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلھم فی النار الا واحدة قیل من ھم یارسول اللّٰہ قال ما انا علیہ واصحابی۔

(مختصرا من المشکوٰة)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر (۷۳) ملتوں پر تقسیم ہو جائے گی سوائے ایک کے سب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ وہ (مستثنیٰ) کون ہیں یا رسول اللہ؟ تو فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریق پر ہیں"۔

فرق اسلامیہ کے حق وباطل ہونے کا معیار

اب اس حدیث میں فرق اسلامیہ کی نجات وہلاکت اور بالفاظ دیگر ان کے حق وباطل ہونے کا معیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے کہ وہ میرا اور میرے صحابہؓ کا طریقہ ہے۔ لیکن اس طریقہ کو شخصیتوں سے الگ کر کے تنہا کو معیار نہیں بتلایا۔ بلکہ اپنی ذات بابرکات اور اپنے صحابہؓ کی ذات قدسیہ کی طرف منسوب کر کے معیار بتلایا کہ وہ ان شخصیتوں کے ضمن میں پایا جائے۔ ورنہ بیان معیار میں اس نسبت اور نامزدگی کی ضرورت نہ تھی بلکہ من ھم کے جواب میں ما انا علیہ کی سیدھی تعبیر یہ تھی کہ ماجئت بہ فرمادیا جاتا۔ یعنی معیار حق وہی ہے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ یعنی شریعت' لیکن شریعت کو شخصیتوں سے الگ کر کے

ذکر کرنے کی بجائے شخصیتوں کے انتساب سے ذکر فرمانے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محض کاغذ کے کالے نقوش معیار نہیں بلکہ وہ ذوات معیار حق ہیں جن میں یہ نقوش و حروف اعمال واحوال بن کر رچ گئے ہیں اور اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ اب کوئی بھی ان کی ذوات کو دین سے الگ کر کے اور دین کو ان کی ذوات سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھ سکتا۔

جس کا حاصل یہ نکلا کہ محض لٹریچر معیارِ حق نہیں بلکہ وہ ذوات معیار حق ہیں جو اس لٹریچر کے حقیقی ظرف بن چکے ہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔

”بلکہ یہ تو قرآن کی آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو ملی ہے سمجھ اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں“۔

پھر اس طریقہ کو شخصیت کی طرف منسوب کرنے کے سلسلہ میں بظاہر ما کے بعد انا کافی تھا اور یہ فرما دینا بس کرتا تھا کہ نجات وہلاکت کے پہچاننے کا طریقہ میری ذات ہے تاکہ معیار حق صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوتی، لیکن آپ نے اپنے ساتھ اپنے صحابہؓ کو بھی شامل فرمایا جس سے واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ فرقوں اور مختلف مکاتب خیال کے حق وباطل کے پرکھنے کا معیار جیسے رسول کی ذات ہے ویسے ہی صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذوات بھی ہیں اور اس لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی یا عدم موجودگی میں کسی فرقہ اور کسی مکتب خیال کے افراد کو پرکھنے کے لئے یہ دیکھ لینا کافی ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ کی راہ پر چل رہے ہیں یا مخالف سمت میں ہیں، ان کی اطاعت کر رہے ہیں یا ان سے گریز پر ہیں، ان کے ساتھ حسن ظن کا برتاؤ کر رہے ہیں یا سوءِ ظن اور بے اعتمادی کا کہ یہی شان کسی کے معیار ہونے کی ہوتی ہے۔ جس سے صاف طور پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ رسول کا معیار حق ہونا واضح ہو جاتا ہے اور یہ حدیث اس بارے میں نص صریح ثابت ہوتی ہے۔ جس کا مقصد ہی یہ مدعا ثابت کرنا ہے۔

اطاعت صحابہؓ اطاعت رسولؐ ہے

اس کی وجہ یہ ہے جو خود اس حدیث ہی سے نمایاں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اپنے طریق کو بعینہٖ اپنے صحابہؓ کا طریق بتایا ہے۔ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ان کی راہ چلنا میری راہ چلنا ہے اور ان کی پیروی میری پیروی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حق تعالیٰ شانہ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ :

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی“۔

اس سے ایک کی اطاعت کو بعینہٖ دوسرے کی اطاعت بتلانا مقصود ہے، جس کے صاف معنی یہی ہوتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ کا طریق الگ الگ نہیں۔ جو اللہ کا راستہ ہے وہی رسولؐ کا راستہ ہے۔ پس اللہ کی اطاعت معلوم کرنے کا معیار یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دیکھ لی جائے۔ اگر وہ ہے تو بلاشبہ خدا کی اطاعت بھی ہے ورنہ نہیں۔

وہی صورت یہاں بھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی پیروی واطاعت کو بعینہٖ اپنی پیروی واطاعت قرار دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دیکھنی ہو تو

صحابہ کرامؓ کی اطاعت دیکھ لی جائے۔ اگر صحابہ کرامؓ کی متابعت کی جا رہی ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قائم ہے ورنہ نہیں۔ اس کا حاصل وہی نکلتا ہے کہ رسول اور صحابۂ رسول کے طریقے الگ الگ نہیں بلکہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے وہی بعینہٖ صحابۂ رسول کا طریقہ ہے۔ اس لئے جیسے رسولؐ فرقوں کے حق وباطل کا معیار ہیں۔ ایسے ہی صحابۂ رسول بھی معیار حق وباطل ہیں۔ جن کو سامنے رکھ کر سب کے حق وباطل کو بآسانی پرکھا جاسکتا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے حضرات صحابہؓ کی صرف منقبت اور فضیلت ہی ثابت نہیں ہوتی۔ نیز ان کی معیاری اور مقبولیت ہی ثابت نہیں ہوتی بلکہ امت کے حق وباطل کے لئے ان کی معیاری شان بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ خود ہی حق پر نہیں ہیں بلکہ حق وباطل کے لئے امت کی کسوٹی بھی بن چکے ہیں۔ جن سے دوسروں کا حق وباطل بھی کھل جاتا ہے۔ پھر یہ بھی کہ ان میں یہ معیار ہونے کی شان محض ان کی غیر معمولی فضیلت سے بطور رائے وقیاس نہیں مان لی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے دوش بدوش ان کے معیار حق وباطل ہونے کی شہادت دی ہے۔ اس لئے ان کا معیار حق وباطل ہونا قیاسی نہیں بلکہ منصوص ثابت ہوا۔

معیار ___ قابل تنقید نہیں ہوتا

اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ رسول پوری امت کے حق وباطل کے پرکھنے معیار ثابت ہوں تو کیا امت کو یہ حق پہنچے گا کہ وہ ان پر تنقید کرے اور گرفتیں کر کر کے ان کی خطائیں پکڑنے لگے؟ یا یہ حق خود ان کا ہوگا کہ امت کے خطاء وثواب کا فیصلہ کریں؟ کون نہیں جانتا کہ تنقید کا حق معیار ہوتا ہے جو پرکھنے والا ہے نہ کہ محتاج معیار کو جو پرکھوانے والا ہے۔ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو اپنے خطا وثواب کو کسی معیار پر جانچنے اور اپنا فیصلہ کرانے چلے ہوں اور وہ چلتے چلتے راستہ میں خود ہی معیار بن جائیں اور اپنے اوپر حکم لگوانے کی بجائے معیار پر ہی حکم لگانے کھڑے ہو جائیں؟ اس سے واضح ہے کہ جس طرح کریم صلی اللہ علیہ وسلم معیار حق وباطل کی وجہ سے تنقید سے بالاتر ہیں۔ ایسے ہی آپ کے صحابہؓ بھی، جب کہ آپؐ نے ان کو بھی حکم میں ساتھ ملا کر معیار حق وباطل قرار دیا ہے، تنقید سے بالاتر ہیں ورنہ کسی کو معیار حق مان کر اس پر نکتہ چینی کرنا یعنی خلاف حق ہونے کا اس کی طرف ابہام کرنا یا اسے خلاف حق ہونے کا طعنہ دینا اسے معیار مان کر بھی معیار نہ ماننا ہے جو صریح اجتماع ضدین ہے اس لئے حضرات صحابہؓ اگر امت کے فرقوں کے حق وباطل کے فیصلے کا معیار ہیں اور حسب بالا ضرور ہیں تو وہ یقیناً ان فرقوں کی تنقید سے بالاتر ضرور ہیں ورنہ ان میں معیار ہونے کی شان قائم نہیں رہے گی، جس کا قائم رہنا بنص حدیث، ضروری ہے۔

حق دستیاب بھی صحابہ کرامؓ سے ہوگا

صحابہؓ کا معیار حق اور بالاتر از تنقید ثابت ہو جانے کے بعد یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ صحابہؓ معیار حق وباطل کی کسوٹی ہونے کے یہ معنی ہو ہی نہیں سکتے کہ جیسے کسوٹی کا پتھر سونے کے کھرے اور کھوٹے ہونے کو تو نمایاں کر دیتا ہے۔ مگر خود نہ کھرا ہوتا ہے نہ کھوٹا۔ ایسے ہی حضرات صحابہؓ بھی بایں معنی معیار ہوں کہ دوسروں کا حق وباطل تو ان سے کھل جائے مگر وہ خود معاذ اللہ نہ حق ہوں نہ باطل۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ملا کر امت کے لئے معیار حق بتلایا ہے اور ظاہر ہے کہ خود اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار حق ہونے کے معنی یہ کہ وہ حق وصداقت کا مجسم نمونہ اور سرتاپا صا

وامانت ہیں۔ جن میں باطل کی آمیزش کا شائبہ بھی ممکن نہیں۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی جماعت کے معیار حق ہونے کے معنی بھی یہی ہوں گے کہ وہ بھی خالص حق کے پیکر ہوں اور حق وصداقت کا مجسم نمونہ ہوں جن میں باطل کا گزر نہ ہو۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے کی شان یہ نکلتی ہے کہ ان کو سامنے رکھ لینے پر حق وباطل میں امتیاز کامل بھی پیدا ہوجائے اور حق دستیاب بھی ہوجائے۔ کیونکہ جب وہ کامل نمونۂ حق ٹھہرے اور وہی اس امت کے اولین نمونۂ حق بھی ہوئے تو حق پہچانا بھی انہی سے جائے گا اور دستیاب بھی انہی سے ہوگا۔ بشرطیکہ اس کی پیروی کی جائے۔ اندریں صورت صحابہ کرامؓ کے معیار حق ہونے اور امت کے مختلف الخیال فرقوں کی کسوٹی ہونے کے یہ معنی نکل آئے کہ جو فرقہ ان کی اطاعت کا التزام کرے گا وہی حق پر ہوگا اور اس کسوٹی پر پورا اترے گا اور جو ان سے منحرف ہوکر خلاف راہ چلے گا وہی باطل پر ہوگا۔

اور ظاہر ہے التزام اطاعت کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ ان پر جرح وتنقید کرنے کی بجائے ان کی تصویب کی جائے۔ ان کی خطائیں پکڑنے اور ان پر گرفتیں کرنے کی بجائے ان کی توصیف کی جائے۔ ان سے بدظنی کی بجائے حسن ظن رکھا جائے اور ان پر امور قبیحہ مثل جھوٹ وغیرہ کی تہمتیں دھرنے کی بجائے انہیں صادق وامین سمجھا جائے۔ اگر ان کے بعد امت کے طبقات کو پیروی کا یہ درجہ بھی حاصل نہ ہو اور اس انداز سے وہ صحابہ کرامؓ کے نمونوں کو سامنے نہ رکھیں تو یقیناً نہ انہیں حق حاصل ہی ہوسکتا ہے اور نہ ان کے دلوں میں حق وباطل میں امتیاز ہی پیدا ہوسکتا ہے۔

ناقدین صحابہؓ کا دین سلامت نہیں رہ سکتا

کیونکہ صحابہ کرامؓ ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے مومنین اولین اور امت کے حق میں دین کے مبلغین اولین ہیں۔ دین کا کوئی حصہ کسی سے پہنچا ہے کوئی کسی سے، قرآن کریم کا کوئی ٹکڑا کسی سے ملا ہے اور کوئی کسی سے۔ جن کو جامعین قرآن صحابہ کرامؓ نے جمع فرمایا ہے تو کسی ایک صحابیؓ کی پیروی سے انحراف یا کسی ایک صحابیؓ پر جرح اور نکتہ چینی درحقیقت دین کے اس ٹکڑے سے انحراف ہوگا جو اس سے روایت ہوکر امت تک پہنچا ہے اگر راوی مجروح اور ناقابل پیروی ہے تو اس کا روایت کردہ حصۂ دین بھی مجروح اور ناقابل اعتبار ہے۔ اگر معاذاللہ یہ نکتہ چینی اور جرح اور عدم پیروی ان حضرات کے حق میں یونہی جائز رکھی جائے اور وہ سب میں دائر وسائر اور جاری رہے۔ جس کا ہم سے مطالبہ کیا جارہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھو ورنہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو تو دین کا کوئی ایک حصہ بھی غیر مجروح اور معتبر باقی نہیں رہ سکتا اور امت کا کوئی ایک فرد بھی دین دار یا مدعی دین نہیں بن سکتا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ پر تنقید کو جائز سمجھنے والے بلکہ اسے اپنے دین کا موضوع بنانے والے پہلے اپنے دین کی خبر لیں کہ وہ باقی رہا کہ وہ ختم ہوگیا۔ بہرحال التزام طاعت اور "ذہنی غلامی" کا ادنیٰ ترین مرتبہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ قلبی حسن ظن اور ان پر جرح وتنقید سے روک تھام ہے۔ انہیں خطاکار سمجھ کر اطاعت شعار بننا ممکن نہیں کیونکہ خطا کو خطا سمجھ کر اس کی اطاعت نہیں کی جاتی۔

فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت

اس لئے امت میں صرف وہی ایک فرقہ اس حدیث کی رو سے حق پر ہو سکتا ہے جو ہر نہج سے صحابہ کرامؓ کی توثیق و تصدیق اور تصویب و تنزیہ کے جذبات اپنے اندر لئے ہوئے ہو اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ مطیع طبقہ یا "ذہنی غلامی" کا پیکر طبقہ صرف اہل سنت والجماعت کا جن کا مذہب ہی یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب بلا استثناء مطلقاً عدول اور پاکباز ہیں۔ ان کے ہر فعل کا منشا پاک' نیتیں راست' ارادے سچے تھے۔ وہ جھگڑتے بھی تھے تو ان کے جھگڑے میں شر نہ ہوتا تھا' ان کا اختلاف بھی ہماری آشتی سے خوش آیند تر تھا' ان سب کے نفوس امارہ نہیں بلکہ مطمئنہ تھے' ان کے قلوب تقویٰ اور تقدس کا محور تھے۔ جن کا امتحان اللہ تعالیٰ نے کر لیا تھا' ان کا آدھ پاؤ صدقہ بھی ہمارے پہاڑ جیسے صدقہ سے افضل تھا۔ وہ تصنع اور بناوٹ سے بری تھے۔ ان کا علم گہرا اور نکھرا ہوا تھا۔ ان کے مقامات توحید و اخلاص سے پوری امت کے توحید و اخلاص کو کوئی نسبت نہیں اور بقول حسن بصری رحمہ اللہ علیہ امیر معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کے اوپر کا غبار عمر بن عبدالعزیزؒ سے ہزار درجے افضل تھا۔ کیونکہ امیر معاویہؓ صحابی تھے اور عمر بن عبدالعزیزؒ تابعی۔ (روح المعانی وغیرہ وغیرہ)

ذہنی غلامی کے بغیر چارۂ کار نہیں

ظاہر ہے کہ ان جذبات کو بطور عقیدہ ذہن میں رکھ لینے کے بعد صحابہ کرامؓ پر جرح و تنقید کا تو کوئی سوال ہی ذہنوں میں نہیں آسکتا۔ البتہ "ذہنی غلامی" کا سوال ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔ سو اس منقول دین میں اولین طبقہ کا ہر آدمی کلیۃً محتاج ہوگا۔ روایت میں بھی اور درایت میں بھی' تاویلات میں بھی اور تعلم و تزکیہ میں بھی اجمال میں بھی اور تفسیر میں بھی آخر اس کی "ذہنی غلامی" نہ کرے گا تو کیا کرے گا اور جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو امت کے مختلف فرقوں کے حق و باطل کا معیار بھی قرار دے دیا اور معیار ہونے کی شان یہ ہے کہ انہی سے حق و باطل ممتاز ہوتا ہے اور انہی سے ملتا بھی ہے اور اس صورت میں بجز "ذہنی غلامی" کے چارہ کار بھی کیا ہے ورنہ بجی ہونے کے بجائے آدمی مبطل ہونا گوارہ کرے۔

روافض' خوارج' معتزلہ اور دوسرے انہی کے ہم رنگ فرقے مبطل ہی اس لئے قرار پائے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھا۔ ان کی "ذہنی غلامی" پر راضی نہ ہوئے اور ان پر طعنہ زنی اور نکتہ چینی سے باز نہ آئے۔ جس سے صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے صحابہؓ پر سب و شتم نہ کرو' میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جس میں نکتہ چینی اور گرفت اور نقد و تبصرہ سب ہی کچھ زیر ممانعت آجاتا ہے۔ وہ نجوم ہدایت ہیں تو ان سے راہ پائی جائے گی۔ انہیں راہ دکھائی نہیں جائے گی' ان کی اقتداء کی جائے گی' ان کی غلطیاں پکڑ پکڑ کر ان سے اقتداء کرائی نہیں جائے گی۔

اس سے واضح ہے کہ جو لوگ اپنے نقد و تبصرہ کا دائرہ ان آباء صالحین تک وسیع کر دینا چاہتے ہیں اور بقول شخصے "بازی بازی بارلیش بابا ہم بازی" کے ڈھنگ پر ان پر جرح و تنقید جائز سمجھتے ہیں۔ تو یہی ایک چیز ان کے مسلک کے باطل ہونے اور مخالف اہل سنت والجماعت ہونے پر ان سے اعتزال کر لینے کی کافی دلیل ہے۔ اب خواہ وہ کوئی نیا فرقہ بن جائے یا پرانے مبطل فرقوں کی "ذہنی غلامی" میں مبتلا ہو کر انہی کا مقلد ہو۔ بہر حال وہ اہل حق میں سے نہ ہوگا۔

ناقدین صحابہؓ افتراق امت کا سبب ہیں

کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی نمایاں ہے کہ جب صحابہ کرامؓ معیار حق و باطل ہیں تو ان کی مخالفت ہی سے

نیا فرقہ بنے گا۔ موافقت سے کوئی نیا فرقہ وجود میں نہیں آسکتا۔ بلکہ وہی قدیم ناجی فرقہ برقرار رہتا ہے جو صحابہ کرامؓ کے واسطے سے اپنا روحانی سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملائے ہوئے ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی فرقہ تھا جو ناجی تھا اور وہ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی جو برحق بھی تھی اور معیار حق بھی ___ بعد میں جتنے فرقے بنے وہ ان کی مخالف راہ چل کر ہی بنے۔

اور اسی لئے وہ ناحق قرار پائے کہ معیار حق سے الگ ہوگئے۔ پس جو لوگ بلا استثناء سارے صحابہؓ کی عظمت وعقیدت کے ساتھ پیروی کرتے ہیں اور ان پر زبان وتنقید کھولنا جائز نہیں سمجھتے وہ یقیناً فرقہ نہیں بلکہ اصل جماعت ہیں۔ جن کے عقیدۂ عمل کا سرا سند کے ساتھ قرن اول کی پاکباز جماعت سے ملا ہوا ہے اور وہی اس جماعت کی سنتوں پر عقیدت وعظمت سے جمے ہوئے ہونے کے سبب صحیح معنوں میں اہل سنت والجماعت کہلانے کے مستحق ہیں۔ البتہ صحابہ کرامؓ کا خلاف کرنے والے اور ان پر جرح وتنقید سے نہ رکنے والے حتیٰ کہ اسے اصول قرار دینے لینے والے درحقیقت بلا جڑ کی نئی نئی شاخیں دین میں نکال کر اور نئے نئے خوشنما روپ کے عنوانوں سے دین کی تعبیریں کر کے اسے صد رخ بنادینے والے امت میں افتراق وانتشار پھیلا رہے ہیں اور امت کو دین کے نام پر ضعیف ناتواں بناتے جارہے ہیں تو یہی لوگ فی الحقیقت فرقہ ہیں "جماعت نہیں" گو اپنے نام کے ساتھ جماعت کا لفظ پکار پکار کر شامل کرلیں **فاولئک الذین سماھم اللہ**۔ بہرحال اس حدیث مذکورہ سے ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرامؓ کو معیار حق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا اور وہ آپ کے منشاء کے مطابق حق ثابت ہوئے۔ جن پر آج تک امت مرحومہ اپنے کھرے اور کھوٹے کو پہچانتی رہی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ان پر کلی اعتماد فرما کر ان کے طریقے کو اپنا طریقہ اور اپنے طریقہ کو ان کا طریقہ فرمایا اور پوری امت کے لئے انہیں حجت قرار دیا۔ جس سے قیامت تک امت کے حق وباطل کا فیصلہ انہی کے علم وعمل کے معیار سے ہوتا رہے گا۔

خود اپنے معیار حق ہونے کا ادعاء

اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم واطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہ کرامؓ سب سے پہلے شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح وتنقید کا عملی پرداز بھی ڈال دینا حدیث رسولؐ کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار حق ہونے کا ادعاء ہے۔ جس پر صحابہ کرامؓ تک کو پرکھنے کی جرأت کرلی گئی۔ گویا جس اصول کو شد ومد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنے ہی بارے میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ۔

صحابہؓ کی اجتماعی اطاعت

ادھر الفاظ حبیبؐ سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ایک دو صحابی ہی معیار

حق نہیں بنادیئے گئے۔ بلکہ ’’اصحابی‘‘ جمع کا صیغہ لاکر اشارہ کیا گیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام صحابہ کرامؓ معیار حق بن کر واجب الاطاعت ہیں۔ جس کے لئے احادیث میں ایک ایک‘ دو دو اور چار چار اس سے زیادہ اور پھر پوری جماعت کی اقتداء کے اوامر وارد ہوئے ہیں۔ کیونکہ معیار اگر معیار ہو کر بھی واجب الاطاعت نہ بنے تو معیار معیار نہیں رہتا اور جب کہ معیار حق ساری جماعت صحابہؓ کو فرمایا گیا تو سارے ہی صحابہؓ بلا استثناء واجب الاطاعت بھی قرار دیئے گئے۔ ممکن ہے کہ کسی کو شک وشبہ گزرے کہ جب صحابہ کرامؓ کے فروعی مذاہب مختلف رہے اور مسائل میں اختلاف تو تناقض تک نظر آتا ہے تو لامحالہ ایک کی اطاعت کر کے بقیہ کی اطاعت سے دست برداری ہی کرنی پڑے گی ورنہ ضدین کا اجتماع ہو جائے گا جو ناممکن العمل ہے تو پھر سب کی اطاعت و پیروی کہاں رہی اور ممکن ہی کب ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ اگر ایک کی پیروی دوسروں کی طعن و تنقید سے بچ کر اور سب کی عظمت رکھ کر ہو تو وہ سب ہی کی پیروی کہلائے گی۔ جیسا سلسلۂ ختم نبوت میں عملاً پیروی ایک رسول کی ہوتی ہے مگر معیار حق سب کو سمجھا جاتا ہے۔ عظمت و تنزیہ اور تقدیس سب کی یکساں کی جاتی ہے۔ تنقید و تخطئہ سب کا معصیت سمجھا جاتا ہے۔ تو یہی سارے انبیاء کی پیروی سمجھی جاتی ہے۔ ورنہ کسی ایک پر بھی زبان طعن یا لسانی نقد و تبصرہ کھول کر ہزار کی پیروی بھی پیروی نہیں ہے۔ بلکہ سب کی مخالفت اور بغاوت ہے کیونکہ خود حضرات صحابہؓ فروعات میں مختلف رہنے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کی عظمت و توقیر کو واجب سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام شرائع میں مختلف رہ کر ایک دوسرے کی تصدیق اصل ایمان قرار دیتے تھے۔ پس ایک طعنہ زن اور نکتہ چین جب کہ ان کے اس قدر مشترک کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو وہ سب کی خلاف ورزی کا مرتکب اور سب کے حق میں باغی ہے۔ ذیل کے ارشاد نبویؐ میں اس حقیقت پر روشنی بھی ڈال دی گئی ہے کہ :

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

’’میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاجاؤ گے‘‘۔

ایھم کے لفظ سے اقتدا تو مطلق رکھی گئی ہے کہ کسی کی بھی کی جائے ہدایت مل جائے گی۔ لیکن نجوم کے لفظ سے اقتدا کو سمجھنا اور ہادی ماننا سب کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ جس کی پیروی کرو نجم ہدایت اور نور بخش صرف اسی کو سمجھو۔ پس پیروی کا عمل تو ایک دو تک محدود ہو سکتا ہے لیکن نور افشانی کا عقیدہ ایک دو تک تو محدود نہیں رہ سکتا وہ سب کے لئے ماننا لازمی ہوگا۔

بہرحال صحابہ کرامؓ کا طبقہ تو وہ ہے کہ اس کا نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امت کے مختلف مکاتب خیال کے فرقوں کے حق و باطل کا معیار قرار دیا ہے۔ تنقید سے بالاتر ہتلایا اور ان کی ’’ذہنی غلامی‘‘ یا اطاعت و پیروی ضروری قرار دی۔

تاقیامت معیار شخصیت رہے گا

باقی ان حضرات کے بعد کسی طبقہ کو طبقہ کی حیثیت سے نام لے کر معیار حق نہیں فرمایا۔ البتہ معیار حق ہونے کا ایک کلی ضابطہ اور معیاری اوصاف کا تعین فرمادیا گیا ہے۔ جنہیں سامنے رکھ کر معیاری افراد کو ہر زمانہ میں فی الجملہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ قرآن مشہودہ کے بعد بشری کمزوریوں کے امکانات بھی رہے اور ایسی کمزوریوں کا گاہے بگاہے عملاً ظہور بھی ہوا' لیکن ایسی گاہے بگاہے کمزوریوں سے معیاری شخصیتوں کے معیار ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اول تو اتقیاء امت میں سے کسی کی زندگی کو پاکباز زندگی کہنے کے لئے یہ کافی ہے کہ غالب زندگی تقویٰ وطہارت کی ہو۔ بھول' چوک' نسیان وذہول اور گاہے بگاہے ارادی کمزوری انسانی خمیر میں ہے دوسرے بعد کے لوگ صرف بایں معنی معیار حق وباطل ہوتے ہیں کہ ان کی مجموعی زندگی کو سامنے رکھ کر اپنے لئے دینی راہ عمل کا خاکہ بنالیا جائے اور اسے ان کے پارسایانہ عمل کے خاکہ پر منطبق کرکے اپنے حق وباطل کا فیصلہ کیا جائے بایں معنی معیار حق ہونے کو ان کا ہر قول وفعل حجت شرعی ہو تو اس قسم کے مقدس افراد اور معیاری لوگ ہر دور میں ہوتے رہیں گے اور امت کے لئے مینارۂ روشنی ثابت ہوتے رہیں گے چنانچہ حضرت شیخ ؒ نے معیاریت کے ایسے اوصاف پر بھی کتاب وسنت سے روشنی ڈالی اور اس لئے روشنی ڈالی ہے کہ راہ رشد وہدایت میں محض لٹریچر سے رہنمائی نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ شخصیتوں کے کردار کے جامہ میں سامنے نہ آئے۔ ورنہ کتب سماویہ کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمائے جانے کی ضرورت نہ ہوتی درحالیکہ خود کتب سماوی کے معانی ومرادات کی تعیین کے لئے بھی معیار حق یہی مقدس ہستیاں ہوتی ہیں۔ وہ نہ ہوں تو کتب الٰہیہ کے معنی متعین کرنے میں ہر بوالہوس آزاد ہو جائے اور حق وباطل کا کوئی فیصلہ کبھی نہ ہوسکے۔ اس لئے قیامت تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایسی معیاری شخصیتوں کا بنام مجدد' محدث' امام' مجتہد' راسخ فی العلم' فقیہ وغیرہ کا آئے رہنا ضروری ہے۔ جس کے معیار سے امت کے عوام وخواص اپنے دینی عقیدہ وکردار کو جانچتے رہیں اور فی الجملہ ان پر اپنے کو منطبق کرکے روحانی سکون وطمانیت حاصل کرتے رہیں۔

پس مودودی صاحب تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی انسان کو معیار حق ماننے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن کتاب وسنت کا فیصلہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک معیاری شخصیتیں آتی رہیں گی جو درجہ بدرجہ حق وباطل کا معیار ثابت ہوتی رہیں گی اور جو بھی کتاب وسنت کے الفاظ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعی کرے تو ایسی شخصیتیں اپنے اپنے دور کے مناسب حال عنوانوں سے ان کی تاویلات کا پردہ چاک کرکے اصل حقیقت کا چہرہ دکھاتی رہیں گی۔

جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے :

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتاويل الجاهلين۔ (مشكوٰة)

"اس علم (دین) کو (ہر دور میں) اعتدال پسند خلف (اپنے سلف سے) لیتے رہیں گے جو غلو پسندوں (اور حدود واعتدال سے گزر جانے والوں) کی تحریفوں باطل پرستوں کی دروغ بیانیوں اور جہلاء کی (رکیک) تاویلوں کو رد کرتے رہیں گے"۔

اگر توفیق خداوندی شامل ہوئی تو ان معیاری شخصیتوں اور ان کے معیار ہونے کی شانوں کی تفصیل آئندہ کسی دوسرے مقالہ میں کی جاسکے گی۔

بہرحال حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ کے مکتوب گرامی میں اہم اور بنیادی نکتہ بحث بھی معیاریت غیر رسول کا مسئلہ ہے جس کو مودودی صاحب نے اصولی طور پر اپنے بنیادی دستور میں رد کردیا ہے اور شیخ نے اسے اہل

کی بنیاد قرار دیا ہے۔ جس سے یہ اختلاف فروعی نہیں بلکہ اصولی بن گیا۔ خدا کرے کہ مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کار اس خلیج کو پاٹ دینے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں۔ کسی تحریک کو چلانے کے لئے بنیادی اختلافات پیدا کر لینے خود تحریک کو اپنے ہاتھوں ختم کر دیتا ہے۔ فروعی باتیں تو اتفاق و اختلاف دونوں راستوں سے چلتی رہتی ہیں، لیکن اصولی اختلاف اور صرف نظر ایک طرف میں جمع نہیں ہو سکتے۔

وما علینا الا البلاغ

محمد طیب غفرلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۲۰ر جمادی الاولیٰ ۷۵ ۱۳ھ
(یوم الخمیس)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

ضمیمہ

ذہنی غلامی اور تقلید

ذہنی غلامی کے لفظ سے غالبا مودودی صاحب نے "تقلید" کی ترجمانی فرمائی ہے لیکن اس معنی میں یہ اصطلاح غلط اور مغالطہ انگیز ہے۔ غلامی کا حاصل کسی کے آگے جھکنا ہے اور تقلید کے معنی کسی کی بات ماننا ہے۔ ایک غلام اپنے آقا کے کمالات کے آگے نہیں جھکتا بلکہ اس کی ذات کے سامنے جھکتا ہے خواہ وہ کندہ ناتراش اور احمق ہی کیوں نہ ہو' لیکن ایک مقلد اپنے امام مجتہد کے سامنے آتا ہے تو صرف اس کے منصب ومقام کی پیروی کرتا ہے جس کو وہ عقل و نقل کا پیکر کامل سمجھتا ہے۔ ذات کے آگے نہیں جھکتا۔ پس غلامی میں آقا کی ذات پیش نظر ہوتی ہے۔ اس کا کمال پیش نظر نہیں ہوتا اور تقلید میں مجتہد کا کمال سامنے ہوتا ہے' ذات سامنے نہیں ہوتی۔ غلامی میں جبر ہوتا ہے کہ نہ غلام اپنی صلاحیتوں کو آقا کے انتخاب میں صرف کر سکتا ہے اور نہ خود آقا ہی کی صلاحیتوں پر نظر رکھ سکتا ہے۔ ادھر بھی ذات اور ذاتی خوف و طمع' ادھر بھی ذات اور ذاتی جبر و قہر۔ نہ وہاں شعور و استدلال نہ یہاں۔ پس "ذہنی غلامی" میں نہ اپنا شعور بیچ میں ہوتا ہے نہ آقا کا کمال اور تقلید میں طوع و رغبت' عقلی شعور اور قلبی اعتقاد ہوتا ہے جس میں نہ جبر و دباؤ کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ امام مجتہد کے کمالات سے بے شعوری' غرض غلامی بے عقلی سے پیدا ہوتی ہے اور تقلید اتباع عقل وشعور سے' کیونکہ تقلید کسی کے آگے سر جھکانے کا نام نہیں' اس کی بات ماننے کا نام ہے اور بات بھی وہ جسے جذبات سے نہیں' علمی کمالات کے چشموں سے نکلی ہوئی سمجھ لی گئی ہو اور پھر کمالاتی ہی نہ ہو بلکہ اوپر سے نسبت بھی ہو کہ وہ خود اس شخص کی بات نہیں بلکہ اوپر کی بات ہے جہاں جھک جانا ہی نفسانی شرف ہے۔ پس تقلید میں شعور ہوتا ہے بے شعوری نہیں' استدلال ہوتا ہے۔ (گو جزوی مسئلہ نہ ہو' اصولی اور کلی ہو۔ جس سے مجتہد مطاع کی شخصیت اتباع کے لئے متعین کی جاتی ہے) بے حجتی اور ذاتی دباؤ نہیں ہوتا' عبودیت نہیں ہوتی اطاعت ہوتی ہے۔ پس کہاں غلامی اور عبدیت اور کہاں اتباع و عقدیت' کہاں غرض مندی اور خوف وطمع اور کہاں محبت و غنائیت' کہاں شعور واستدلال اور کہاں جمود و تعطل' کہاں حسن ظن اور قلبی شفقت اور کہاں بیزاری اور اندرونی انحراف' کہاں عقل و خرد بالائے طاق اور کہاں عقلی رہنمائی پیش پیش۔

چراغ مردہ کجا' نور آفتاب کجا۔ اس لئے ذہنی غلامی کا لفظ جس کا معنی ذہن کو شعور واستدلال سے معطل کر کے کسی کی ذات کے آگے جھکادینے کے ہیں اس تقلید کا ترجمان نہیں بن سکتا جس میں ذہنی شعور کی بیداری کے ساتھ کسی کی علمی اور کمالاتی نسبتوں کو سامنے رکھ کر حسن ظن اور استدلال کلی سے اس کی تقلید کی ترجمانی کے لئے "ذہنی غلامی" کا تحقیر آمیز لفظ شاید اشتعال انگیزی اور نئی نسل کے دل ودماغ پر چوٹ لگا کر انہیں تقلید سے بیزار بنانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ فی زمانہ غلامی کے لفظ سے زیادہ کریہہ کوئی لفظ نہیں' آج افراد ہوں یا طبقات' اقوام ہوں یا اوطان۔ آزادی کے نام پر سب برسرپیکار ہیں۔

با اقتدار قوموں نے چونکہ کمزوروں کی غلام سازی کو زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے جس سے بے دست و پا اقوام تنگ آچکی ہیں۔ اس لئے وہ آزاد ہونے کے لئے ہاتھ پیر مار رہی ہیں اور آج کی دنیا میں غلامی کے لفظ ہی کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہے۔ اس لفظ کے سامنے آتے ہی لوگ چونک پڑتے ہیں اور نفرت کے ساتھ اس سے بدک جاتے ہیں۔ اس لئے تقلید سے نفرت دلانے کے لئے اس سے بہتر تدبیر نہیں سوچی جاسکتی تھی کہ اس کا ترجمہ ایک ایسے مکروہ لفظ سے کردیا جائے جو خود ہی ذہنوں میں حقیر و ذلیل ہو کہ اس راستہ سے تقلید کے مفہوم سے ہی لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کردی جائے' لیکن میں عرض کرچکا ہوں کہ ذہنی غلامی اور تقلید کی حقیقتوں میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ اور ایک کے لئے دوسرا لفظ کسی طرح بھی ترجمان نہیں ہوسکتا بلکہ یہ لفظ ہی شرعی نہیں ہے جو کسی دینی اور شرعی اصطلاح کے لئے استعمال کیا جائے۔ یہ محض اشتعال انگیزی اور پنہائی مقصد برآری کے لئے ایک حیلہ کیا گیا ہے۔

پس ہم تقلید کے ضرور قائل ہیں لیکن تقلید کے معنی ذہنی غلامی کے نہیں سمجھتے جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ تقلید میں اتباع بھی ہوتا ہے اور شعور بھی۔ گو شعور اجمالی ہو تفصیلی نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہے :

"عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ"

یہاں صحابہ کرامؓ کے لئے (جو متبعین اولین ہیں) اتباع بھی ثابت کیا گیا ہے اور بصیرت و شعور بھی جس میں سب سے پہلے اس کا شعور پیدا ہوتا ہے کہ یہ کلام کس کا ہے جس کی پیروی کی جارہی ہے اور وہ شخصیت کون ہے جس کا اتباع کیا جارہا ہے۔ اور ذہنی غلامی کا حاصل کلیۃً ذہنی بے شعوری اور جمود کے ہیں جو کسی بھی مومن کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ اس مضمون میں ہم نے جہاں بھی یہ لفظ لیا ہے وہ مودودی صاحب کے کلام سے بطور حکایت و نقل کے لیا ہے ورنہ ہمارے نزدیک اسلامی اصطلاح کے نقطۂ نظر سے یہ لفظ مہمل اور بے معنی ہے۔ نہ یہ کسی شرعی مفہوم کا ترجمان بن سکتا ہے نہ عقل کا۔ کفار کی آبائی تقلید پر بول دیا جائے تو ممکن ہے کہ کسی حد تک چسپاں ہوجائے۔

(محمد طیب غفرلہ)

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

جہلائے عرب سے مقامِ صحابیت تک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت کا ایسا اثر تھا کہ آپ نے ان کی ایسی معیاری زندگیاں بنادیں کہ دنیا کی دوسری اقوام بھی ان کو نمونہ بنا کر پیش کریں۔ یہ صرف تعلیمِ قرآنی کا اور اخلاق کو پاکیزہ بنانے کا اثر تھا..... تو علم اور اخلاق کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ جو قوم دنیا کی ساری قوموں میں پس ماندہ اور پست تھی وہ اتنی اونچی بنی کہ ساری دنیا کی قومیں اس کے سامنے نیچی بن گئیں۔ وہی زمانہ تھا جس کو زمانۂ جاہلیت کہا جاتا تھا' اس کو تعلیم قرآن کی بدولت "خیرُ القرون" کہا جانے لگا۔ جن لوگوں کو جہلائے عرب کہا جاتا تھا۔ ان کی بد اخلاقیاں بیان کر کے لوگ ملامت کرتے تھے۔ اب تعلیم قرآن کی بدولت جب صحابہ کا ذکر آتا ہے تو لوگ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضواعنہ' کہتے ہیں۔ یہ انقلاب کیوں پیدا ہوا؟ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم' تربیتِ اخلاق اور فیضِ صحبت ہی کا اثر تھا۔

از حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ. وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ــــــــــ اَمَّا بَعْدُ ــــــــــ

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ۔ ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفٰسقون۔

صدق اللہ العلی العظیم (سورہ نور ع ۷، پ ۱۸)

مقصد بعثتِ انبیاء علیہم السلام

بزرگانِ محترم!

دنیا کی اقوام جب مشکلات اور پریشانی میں مبتلا ہوتی ہیں اور ایسی مصیبتیں انہیں گھیر لیتی ہیں کہ نہ

جانے کا راستہ باقی رہتا ہے نہ ٹھہرنے کا۔ دلوں میں بھی امن باقی نہیں رہتا اور دلوں کا سکھ اور چین اٹھ جاتا ہے رات دن پریشانی اور آفات کا سامنا رہتا ہے۔ اس سے عیش میں بھی خلل اور زندگی کے اندر سکون بھی ندارد۔ جب ایسے حالات میں اقوام مبتلا ہوئیں جبھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا انہوں نے آکر اقوام کو مشکلات سے نجات دلائی' دنیا میں انبیاء کا آنا محض اس لئے نہیں ہو تا کہ وہ مسجدوں میں نماز پڑھوا دیں' یا سفرِ حج پڑھادیں یا اور عبادات ادا کروا دیں' یہ مقصود اصلی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دنیوی مشکلات اور مصائب کا خاتمہ کرنا' انسانوں میں آمن و سکون پیدا کرنا' حقوق کی ادائیگی کرانا یہ سب ابنیاء علیہم السلام کے فرائض میں سے ہے ___ جہاں وہ آخرت کی مشکلات سے نجات دلاتے ہیں وہیں دنیا کی مشکلات سے بھی نجات دلاتے ہیں' اور اقوام نے نجات پائی ہے جو ان کے نقشِ قدم پر چل پڑا' اس نے نجات پالی' جو نہ چلا وہ مشکلات میں گھر گیا اس نے دنیا و آخرت دونوں کھودی۔

بہرحال انبیاء کا آنا دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہوتا ہے فقط آخرت کے لئے نہیں ہوتا ___ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل جب فرعون کی ڈالی ہوئی مصیبتوں میں گرفتار ہوئی اور اس درجہ اس نے بنی اسرائیل کو پریشان کردیا کہ بالکل اچھوت بنا کے چھوڑا' نہ دنیوی عزت رہی نہ دینی' ذلیل ذلیل خدمات پر ان کو مامور کیا جاتا تھا وہ قوم جو انبیاء علیہم السلام کی اولاد تھی وہ پس ماندہ قوم بن گئی جن کے بارے میں فرمایا گیا تھا :

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

دنیا جہانوں پر ہم نے ان کو برگزیدہ بنایا' وہ اس درجہ مبتلاءِ مشکلات اور پریشانِ حال ہوئی کہ نہ اس کا دنیوی چین باقی رہا نہ آخرت اس کے سامنے رہی ___ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدا کے راستہ پر ڈالا اور ہدایت کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ فرعون کے مصائب سے نجات ہوئی۔ فرعون خود غرق ہوا اور بنی اسرائیل برسر اقتدار آئے۔ دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی بن گئی۔

پھر بنی اسرائیل پر ایک دور آیا جس میں یہ قوم پھر مبتلائے مصائب ہوئی۔ یہ حضرت دانیال علیہ السلام کا زمانہ تھا انہوں نے نصیحت کی' راہِ حق بتلائی اور فرمایا اگر تم راہِ حق پر نہیں چلو گے پھر مشکلات میں مبتلا ہو گے انجام بخیر نہیں ہو گا۔ قوم نے تسلیم نہیں کیا۔ رات دن کا عیش و عیش اور رات دن کی عیاشی میں مبتلا رہے۔ دانیال علیہ السلام نے نصیحت کی' راہِ حق دکھلائی' قوم نے نہیں مانا تو بخت نصران پر مسلط ہوا اور اس نے پوری قوم کو تاخت و تاراج کیا' پوری قوم کو تباہ و برباد کیا' ستر ہزار کے قریب بنی اسرائیل قتل ہوئے اور ستر ہزار کے قریب بنی اسرائیل کو مشکیں باندھ کر غلام بنا کرلے گیا' بیت المقدس کو بھی تباہ و برباد کیا۔ اس طرح ایک بڑی عظیم الشان قوم اپنی بدعملی کی وجہ سے دنیا ہی میں تباہ برباد ہوگئی۔ آخرت کی خبر تو خدا جانے ___ بخت نصر گرفتار کرکے ساتھ لے گیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام بھی گرفتار ہوئے' جب قوم کی مشکیں کسی گئیں تو حضرت دانیال علیہ السلام جو پیغمبر تھے ان کی بھی مشکیں کسی گئیں' ان کو بھی قید کیا گیا۔ دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اسی سے دن تمہیں ڈراتا تھا۔ تم بھی مبتلا ہوئے مجھے بھی مبتلا کیا۔ قوم نے اس وقت ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ بے شک ہم سے غلطی ہوئی اب آپ ہمارے لئے دعا فرمادیں۔ انبیاء علیہم السلام کی شفقت تو بے پایاں ہوتی ہے' باوجود یکہ قوم کی وجہ سے وہ خود بھی مشکلات میں مبتلا ہوئے مگر پھر تسلی دی فرمایا کہ تم اللہ کے راستہ پر آجاؤ تمہیں نجات مل جائے گی۔

بالآخر قوم جیل خانوں میں ڈالدی گئی۔ بُخت نصر کا یہ واقعہ لمبا ہے وہ مجھے سنانا نہیں ہے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ دانیال علیہ السلام بھی جیل خانے میں ڈالے گئے اگرچہ ان کی بزرگی، برتری، تقدس اور خدا ترسی کو دیکھ کر جیل کے حکام بھی متاثر ہوئے، جیلر بھی مُعتقد ہو گئے، ہزاروں قیدیوں کی جیل کے اندر اصلاح ہو گئی، بالآخر چند سال گزرنے کے بعد "وقت آیا کہ بنی اسرائیل کا اقتدار پھر لوٹا، بیت المقدس میں بھی دوبارہ ان کی حکومت قائم ہوئی، پھر وہ برگزیدہ قوم بن گئی، غرض ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصائب و مشکلات سے چھڑوایا دوسری دفعہ حضرت دانیال نے چھڑوایا اور مصائب و مشکلات سے نجات دلائی۔

دورِ جاہلیت کا اجمالی خاکہ

یہی صورت آخر میں آکر عرب کے لوگوں کی ہوئی۔ اسلام سے قبل ہر قسم کی مصیبتوں میں یہ قوم مبتلا تھی جہالت کا یہ عالم تھا کہ ہر چیز کو جانتے تھے، مگر خدا کو نہ جانتے تھے ہر چیز کی پرستش کرتے، مگر خدا کی عبادت سے محروم تھے، خانہ کعبہ کے ارد گرد مَطاف میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، طواف کرتے جاتے تھے تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا کرتے جاتے تھے دو بڑے بڑے بت خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تھے اندر جاتے تھے تو ان دو بتوں کی عبادت کرتے تھے ____ مسجد بیت الحرام سے باہر نکلتے تھے تو ہر شخص کے گھر میں ایک ایک بت رکھا ہوا تھا اسکی پوجا کرتے تھے، گھر سے سفر میں جاتے تھے تو بت کو جیب میں ڈال کر لیجاتے تھے کہ ممکن ہے خدا راستے میں نہ ملے پوجا کس کی کریں گے؟ تو اسے جیب میں ڈال کے لے جاتے تھے وہاں اس کی پوجا کرتے اور اگر کسی جگہ بیٹھ گئے اور کوئی زیادہ خوشنما پتھر نظر آگیا تو پہلے کو جیب میں سے پھینک دیا اور دوسرے کو سامنے رکھ کر اس کی عبادت شروع کردی ____ غرض ہر خاندان کے ہر فرد کا خدا جدا جدا تھا اور سفر کا الگ حضر کا الگ تھا، پوجنے والے تعداد میں اتنے نہ تھے جتنی خداؤں کی تعداد تھی۔ پوجنے والے تو چند لاکھ تھے خدا کروڑوں بنا رکھے تھے۔ ان کی یہ حالت تو جہالت کی تھی۔ بد اخلاقی کا یہ عالم تھا کہ زنا کاری، ڈکیتی رات دن کا مشغلہ تھا، مختلف قسم کے نکاح تجویز کر رکھے تھے، ہوسناکی کے بہت سے طریقے تجویز کر رکھے تھے نام ان کا نکاح تھا اگر کسی عورت کا خاوند بدصورت ہوتا تو قانوناً اسے اجازت تھی کہ وہ کسی حسین و جمیل مرد کے پاس چلی جائے اگر اس سے اولاد ہو گئی تو اسی کالے بدصورت ہی کی اولاد ہو گی۔ کسی دوسرے کی اولاد نہیں ہو گی۔ ایک عورت بے محابا گورے آدمی کے پاس چلی جاتی تھی کہ میرا خاوند کالا اور بدصورت ہے ____ زنا کاری لگ تھی اور نکاح کے نام سے الگ زنا کاری ہوتی تھی، شراب ان کی گھُٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ پیدا ہوتے ہی بچے کے حلق میں ٹپکائی جاتی تھی۔ ڈکیتی، زنا کاری اور شراب کاری بھی تھی ____ پھر لڑائی جھگڑے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناچاقی ہوتی تھی پھر اس میں قومی اور خاندانی عصبیت نے اثر کیا۔ اگر دو خاندانوں میں جنگ چھڑ گئی تو مرنے والے نصیحت اور وصیت کر کے جاتے تھے کہ لڑائی بند مت کرنا کبھی خاندان کی ناک کٹ جائے، ایک ایک لڑائی پچاس پچاس، سو سو برس چلتی تھی ____ بے دردی اور قساوتِ قلبی کا یہ عالم تھا کہ سب سے زیادہ محبوب اولاد ہوتی ہے لیکن ان کے ہاں یہ صورت ہوتی تھی کہ اگر لڑکی پیدا ہوتی تو باپ اپنے ہاتھ سے اسے زمین میں زندہ دفن کر دیتا۔ اسے عار آتا تھا کہ میرا کوئی داماد کہلائے، میرے گھر میں کوئی دوسرا آدمی آئے۔ بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اگر چار بیٹے ہیں اور رزق کی تنگی ہے تو باپ دو جوان جوان بیٹوں کو ذبح کردیتا کہ میرے پاس چار آدمیوں کے کھلانے کو نہیں ہے دو کو روٹی دے سکتا ہوں۔ تو قساوتِ قلبی کا یہ عالم تھا جس کو قرآن کریم نے فرمایا کہ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر

سے مت قتل کرو' رزاقی تو ہم کرتے ہیں تم کہاں سے دنیا کے رزاق بنے ہو؟ رزق کی ذمہ داری تو ہم پر ہے۔ تو بے رحمی کا یہ عالم تھا کہ جو اپنی اولاد کو ذبح کرتے تھے۔ دوسرے خاندان والوں پر وہ کیا رحم کر سکتے تھے اور دوسرے ملک کے مسافروں پر تو وہ کیا ہی رحم کر سکتے؟ ___ تو ڈکیتی' مار دھاڑ' قتل وغارت اور بدامنی پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی' نہ ان کا کوئی نظام تھا نہ ان کا کوئی بادشاہ اور امیر مقرر تھا' دنیا کی قومیں ان کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں کوئی کہتا تھا اونٹوں کے چرانے والے' کوئی کہتا تھا کے مینگنی میں کھیلنے والے' کوئی کہتا تھا گندگیوں میں بسر کرنے والے۔ یہ اس قوم کے القاب تھے' تو عرب کی قوم دنیا کی متمدن قوموں میں سب سے زیادہ ذلیل قوم سمجھی جاتی تھی' ان کے اندرونی اخلاق بھی برے' اعمال بھی برے' توحید بھی ندارد' شرک میں مبتلا' غیر منظم' رات دن کے مصائب میں بھی مبتلا' دنیا کی قومیں ان پر چھاپہ مارتی رہیں کبھی رومیوں نے چھاپہ مارا' کبھی فارسیوں نے ہر ایک کی غلامی انہیں قبول کرنی پڑتی تھی اور وہ جھیلنے پر مجبور تھے' تو گویا حقیقی معنی میں نہ دن میں چین تھا نہ رات میں۔ دلوں کے اندر بھی کوئی سکھ اور آرام نہیں تھا ایک بدبختی قوم تھی یہ مجموعی کیفیت تھی تو دنیا کے اعتبار سے بھی مشکلات میں مبتلا اور آخرت کے اعتبار سے کھوئی ہوئی قوم تھی۔

مقصد بعثتِ نبوی ﷺ

اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان ظلمتوں میں فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ نبوت طلوع ہوا اور اس کی لمبی لمبی کرنیں پڑیں حجاز پر ہی نہیں بلکہ حجاز کے پورے ماحول اور دنیا کے پورے ممالک کے اوپر پڑیں۔ آپ نے تشریف لاکر پروگرام بتلایا کہ یہ قوم مشکلات سے کیسے نکلے؟ آپ نے اپنی بعثت کی غرض وغایت کیا ظاہر فرمائی؟ دو باتیں جو دو احادیث میں بتائی گئی ہیں ظاہر فرمائیں فرمایا **انما بعثت معلماً** میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہیں تعلیم دوں اور علم سکھاؤں تمہاری جہالت دور کروں دوسری حدیث میں یہ فرمایا کہ **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**' میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ تمہارے اخلاق کو پاکیزہ بناؤں۔ تمہارے سامنے پاک اخلاق کا نمونہ پیش کروں اور اعلیٰ ترین اخلاق پر تمہیں لاکر کامل مکمل قوم بناؤں گویا دو اغراض ظاہر فرمائیں انہی دو چیزوں کے اندر قوم کا علاج پوشیدہ تھا تمہاری مشکلات اور مصائب کا ذریعہ دو چیزیں بنی ہوئی تھیں ایک قوم کی جہالت دوسرے قوم کی بداخلاقی یعنی ان میں علمی قوت فنا ہو گئی تھی' تعلیم ندارد کے طور پر تھی عملی قوت بھی فنا ہو گئی تھی کیونکہ اخلاق ندارد تھے۔

عرب کی پس ماندہ قوم کو عُروج کیسے ملا؟

جب دنیا کی کوئی قوم برباد ہوتی ہے تو انہی دو قوتوں کی بنا پر تباہ ہوتی ہے کہ علم نکل کر اس میں جہالت آجائے اور پاکیزہ اخلاق نکل کر اس میں بداخلاقی پیدا ہو جائے جب یہ دو عنصر جہل اور ظلم کسی قوم میں آئیں گے تو وہ قوم کبھی پنپ نہیں سکتی اور جب کسی قوم میں علم اور عدل آئے گا تو وہ قوم کبھی پست نہیں رہ سکتی ___ تو آپ نے اپنی بعثت کی غرض وغایت یہ دو چیزیں ظاہر فرمائیں کہ **انما بعثت معلماً** میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** میں بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق کے اعلیٰ ترین نمونے تمہارے سامنے رکھوں اور تمہیں ایک اخلاقی قوم بنا دوں ___ اسی واسطے قرآن کریم کی جو سب سے پہلی آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی' وہ یہ تھی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۝

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۝عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں عبادت میں مشغول تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا کہ اقرأ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **مااَنا بقاریٔ** میں پڑھا ہوا نہیں کہ کچھ پڑھ سکوں حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنے سینے سے چمٹایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اتنے زور سے دبایا کہ **حتی بلغ منی الجھد** میرے اوپر مشقت گزرنے لگی۔ یوں معلوم ہوا جیسے ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی۔ اس طرح سے مجھے دبایا اور پھر فرمایا اقرأ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ مااَنا بقاریٔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں کس طرح پڑھوں؟ پھر دوبارہ انہوں نے سینے سے لگا کر دبایا پھر میرے اوپر مشقت گزری۔ یوں معلوم ہوا جیسے پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس کے بعد الگ کر کے فرمایا اقرأ تین دفعہ اقرأ فرمایا اور آپؐ نے تین دفعہ ہی فرمایا **مااَنا بقاریٔ** میں تو پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن تیسری دفعہ دبانے کے بعد اقرأ کہا تو آپ نے پڑھنا شروع کیا **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۝خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۝** اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو گویا سب سے پہلا اسلام کا حکم یہ تھا کہ پڑھو۔ پڑھنے لکھنے کا حکم تھا اور اس کے بعد فرمایا کہ **اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ** اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے قلم سے تعلیم دی ہے یہ لکھنا تھا۔ تو پڑھنا اور لکھنا دو چیزوں کا حکم کیا گیا یہ دونوں بنیادیں ہیں قوموں کی ترقی کے لئے۔

مگر کونسا علم پڑھو۔ ایک تو دنیوی علوم ہیں جن سے آدمی روٹی پکانا، مکان بنانا، کرسیاں بنانا بہتر سامان بنانا سیکھ جائے یہ معاشرتی چیزیں ہیں۔ علم اس کا نام نہیں۔ اس کا نام تجربات، صنعت و حرفت اور دستکاری ہے۔ انبیاء علیہم السلام دستکاری یا صنعت و حرفت سکھلانے کے لئے نہیں آئے۔ یہ تو انسان کی طبعی صفت ہے دنیا میں کوئی نبی نہ آئے تب بھی انسان مکان بنا سکتا ہے، روٹی پکا سکتا ہے، کپڑا بنا سکتا ہے، پہن سکتا ہے۔ تو نبوّت کا مقصد معاشرتی چیزوں کی تدابیر سکھلانا نہیں ہے یہ تو انسان کی طبیعت ہے خود بخود کرتا ہے اور جتنا کرتا ہے بڑھتا چلا جاتا ہے، بہتر سے بہتر چیز بننے لگتی ہے خوشنما نمونے اور ڈیزائن اپنے تجربے اور طبیعت سے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اس کا نام علم نہیں اس کا نام صنعت و حرفت، دستکاری اور صنّاعی ہے اس کی بھی انسان کو ضرورت پڑتی ہے اس کے ضروری ہونے سے انکار نہیں ہے۔

علومِ طبعیّہ کمالِ انسان نہیں

لیکن یہ چیزیں انسان کے طبعی علوم ہیں اور طبعیاتی علوم انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں ہر جاندار میں ہیں دنیا کا کوئی جانور ایسا نہیں ہے جو اپنے رہن سہن کا ڈھنگ نہ جانتا ہو ایک چڑیا گھونسلہ بناتی ہے اس کا وہی مکان ہے۔ ایک درندہ بھٹ بنا کے رہے گا اس کا وہی مکان ہے تو پرندے چرندے اور درندے سب ہی رہتے ہیں (تو اپنے لئے موزوں مکان ہر جاندار بنا ہی لیتا ہے) کھانا ظاہر بات ہے کہ سب جانوروں میں مشترک ہے ہر ایک نے اپنی اپنی غذا کو پہچان رکھا ہے اپنی اپنی غذا استعمال کرتے ہیں اور اس کے لئے کمانے کو بھی جاتے ہیں۔ چڑیا اپنے گھونسلے سے نکل کر کھیتوں میں جاتی ہے دانہ چگتی ہے۔ اس کے دل میں اللہ کی طرف سے الہام ہوتا ہے کہ گھر بیٹھے کچھ نہیں ملے گا۔ محنت کرنی پڑے گی تب چار دانے ہاتھ آئیں گے شیر اپنے بھٹ سے نکلتا ہے اپنی غذا تلاش کرتا ہے کہ خون پیتا ہے۔ اس کے دل میں یہی الہام ہوتا ہے کہ تیری غذا بکری میں ہے یا ہرن میں ہے تو کوئی جانور خون پیتا ہے کوئی جانور گوشت کھاتا ہے کوئی دانہ چگتا ہے ہر جانور کے دل میں اللہ نے ایک الہام ڈالا ہے اور اسکی طبیعت کے مناسب غذا مہیا کی۔ وہ جاتا ہے محنت کرتا